الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

جولائی اگست
2026

مولانا مبارک حسین مصباحی نمبر

مرتب: مہتاب پیامی

معاونین: مفتی توفیق احسن برکاتی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ، بانی الجامعۃ الاشرفیہ

زیر سرپرستی: عزیز ملت حضرت علامہ شاہ **عبدالحفیظ عزیزی**، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ماہنامہ

اشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

مبارک پور

مولانا مبارک حسین مصباحی نمبر

جلد نمبر: 51 شمارہ نمبر: 7-8 | جولائی-اگست 2026ء | صفر-ربیع الاول 1448ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ

....

مرتب

مہتاب پیامی

معاونین

مفتی توفیق احسن برکاتی

مولانا نفیس احمد مصباحی

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

منیجر: مولانا محمد محبوب عزیزی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مفتی بدر عالم مصباحی

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مراسلت کا پتہ

دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ یوپی- ۲۷۶۴۰۴

Office The Ashrafia Monthly,

Mubarakpur, Distt. Azamgarh, U.P.-276404

(رابطہ نمبر منیجر) **+91 9935162520**

زر تعاون

قیمت خصوصی شمارہ:	₹ 200
زر سالانہ (سادہ ڈاک)	₹ 300
زر سالانہ (رجسٹری)	₹ 600

ماہنامہ اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ کی ویب سائٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں

http://www.aljamiatulashrafia.org

ashrafiamonthly@gmail.com

payamee@gmail.com

زر تعاون

سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان (سالانہ)	₹ 750
دیگر بیرونی ممالک۔ ڈالر	$ 25
دیگر بیرونی ممالک۔ پونڈ	£ 20

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے شائع کیا

مشمولات

کلماتِ خیر	حضرت عزیز ملت دام ظلہ	9
کلماتِ بدر	مفتی بدر عالم مصباحی	11
کلمات تشکر	مولانا نعیم الدین عزیزی	12
﴿اداریہ﴾		
مولانا مبارک حسین مصباحی۔ فکر و قلم کی داستانِ شوق	مہتاب پیامی	14
﴿سیرت و شخصیت﴾		
مولانا مبارک حسین مصباحی- احوال و آثار	مفتی فیضان سرور مصباحی	28
مولانا مبارک حسین مصباحی- حیات و خدمات کے نقوشِ جاوداں	مولانا مجیب احمد مصباحی ازہری	33
تربیتِ لوح و قلم کا عظیم مربی	مفتی ساجد رضا مصباحی	36
مولانا مبارک حسین مصباحی- تحقیقی، صحافتی اور تربیتی کاوش کا ایک عہد ساز نام	انیس احمد سیوانی	45
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی	مولانا محمد فداء المصطفیٰ قادری	49
﴿اخلاق و آداب﴾		
مولانا مبارک حسین مصباحی- اخلاق و کردار کے آئینے میں	مفتی محمد ناظم علی مصباحی	54
اس نے بخشا مجھے تحریر و کتابت کا ہنر	مفتی محمد اعظم مصباحی	58
مولانا مبارک حسین مصباحی- کردار و عمل اور شفقت و محبت کے آئینے میں	محمد مبشر رضا ازہر مصباحی	61
مولانا مبارک حسین مصباحی- وقار و اعتدال کا سنگم	قاری محمد یوسف عزیزی قادری	63
مولانا مبارک حسین مصباحی- حسنِ اخلاق کے پیکر	مولانا جنید احمد مصباحی	65
﴿ربط باہم﴾		
مولانا مبارک حسین مصباحی کے خانقاہی مراسم	مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی	69
مولانا مبارک حسین مصباحی سے میری ملاقاتیں	مولانا محمد اسلم رضا قادری اشفاقی	75
﴿گفتگو﴾		
روبرو۔ معاصر تعلیمی و ملی مسائل پر مولانا مبارک حسین مصباحی کے افکار	ڈاکٹر خوشتر نورانی	79

ادارت وصحافت		
مولانا مبارک حسین مصباحی کے اداریے	مفتی ساجد علی مصباحی	83
مولانا مبارک حسین مصباحی کے علمی وفکری اداریے	مفتی سبطین رضا مرتضوی	105
مولانا مبارک حسین مصباحی کی سیاسی بصیرت اداریوں کی روشنی میں	مفتی محمد ساجد رضا مصباحی	124
مولانا مبارک حسین مصباحی اور ماہ نامہ اشرفیہ کے خصوصی شمارے	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	135
مولانا مبارک حسین مصباحی کا ایک تاریخی کارنامہ "سیدین نمبر"	مولانا نفیس احمد مصباحی	143
مولانا مبارک حسین مصباحی کی صحافت اردو اخبارات کے حوالے سے	مولانا رحمت اللہ مصباحی	148
مولانا مبارک حسین مصباحی صحافت اور فکرِ اہل سنت کا درخشاں باب	حافظ افتخار احمد قادری	153
ذوق ادب		
مولانا مبارک حسین مصباحی کا ادبی نقطۂ نظر	مولانا طفیل احمد مصباحی	157
مولانا مبارک حسین مصباحی- فکری اور اسلوبی جہات	مولانا انس اشرفی صدیقی	166
مولانا مبارک حسین مصباحی کی تصانیف	مفتی توفیق احسن برکاتی	169
مولانا مبارک حسین مصباحی کی علمی، فکری اور نثری خدمات	مولانا محمد فداء المصطفیٰ قادری	183
مولانا مبارک حسین مصباحی کی تحریری خدمات	مفتی عمران رضا عطاری مدنی	188
مولانا مبارک حسین مصباحی کے ادبی کارنامے	مولانا محمد صدام حسین فیضانی	191
نقد ونظر		
مولانا مبارک حسین مصباحی کی تصانیف ارباب علم ودانش کی نظر میں	مولانا ندیم احمد مصباحی/مولانا زبیر سلامی	192
مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی تبصرہ نگاری- تنقیدی وتجزیاتی مطالعہ	مہتاب پیامی	202
مصباح المصلی پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا تبصرہ: ایک جائزہ	مولانا محمد شاکر رضا قادری مصباحی	220
یادیں اور باتیں		
مولانا مبارک حسین مصباحی اور کچھ احوال واوصاف	مفتی محمد نظام الدین رضوی	224
"ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے"	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	226
نقوش جاوداں چھوڑ جانے والا ایک مسافر	مفتی محمد شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی	229
مولانا مبارک حسین مصباحی آغوش اشرفیہ میں	مولانا حافظ حمید الحق برکاتی مصباحی	231
مولانا مبارک حسین مصباحی- کچھ یادیں کچھ باتیں	مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی	233
مولانا مبارک حسین مصباحی- ایک سنجیدہ خطیب وادیب	مفتی محمد اختر علی واجد القادری	237

اک شجر کے کٹنے سے حال ہے یہ دنیا کا	ڈاکٹر یعقوب اختر فیضی مصباحی	239
آہ! قلم کا ایک شہنشاہ رخصت ہو گیا	قاری نور الہدیٰ مصباحی	242
مبارک یادیں	مولانا محمد شہباز عالم مصباحی	244
مولانا مبارک حسین مصباحی-ایک عہد ساز قلم کار	سید منور علی شاہ قادری بخاری	246
مسکراتے رہنا جن کی عادت تھی	مولانا نور القمر مصباحی	248
مولانا مبارک حسین مصباحی صحافت وخطابت کا ایک درخشاں ستارہ	مولانا رحمت اللہ مصباحی	249
مولانا مبارک حسین مصباحی ایک تاثر	ڈاکٹر محمد ولی اللہ قادری	253
﴿تاثرات ارباب دانش﴾		
مولانا مبارک حسین مصباحی ایک بے تکلف دوست	مولانا محمد اختر کمال قادری	256
مولانا مبارک حسین مصباحی-درس وتدریس اور تنظیمی بصیرت	مولانا علی احمد سیوانی مصباحی	257
مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت-علم وصحافت کے مبارک عہد کا اختتام	مولانا شمس الحق مصباحی	260
وہ پکار جو قلم کو جگاتی تھی اب ہمیشہ کے لیے سو گئی	ڈاکٹر مفتی سبطین رضا مرتضوی	261
مولانا مبارک حسین مصباحی ادب اور صحافت کا ایک روشن نام	مولانا انیس الرحمن حنفی رضوی	263
مولانا مبارک حسین مصباحی ایک عظیم انقلابی شخصیت	مولانا محمد قمر الزماں نوری مصباحی	265
پھول تو نے وہ چنا گلشن جو ویراں کر گیا	مولانا محمد منظر حسن اشرفی مصباحی	267
مولانا مبارک حسین مصباحی کی یاد میں	مفتی مسرور عالم قادری مصباحی	268
یادوں کے سائبان میں	مولانا فیاض احمد برکاتی مصباحی	269
حیاتِ جاوداں کی روشن دلیلیں	مفتی محمد عباس ازہری مصباحی	271
آہ قرطاس وقلم کا ایک تابندہ آفتاب روپوش ہو گیا	مولانا محمد روشن رضا مصباحی ازہری	272
مولانا مبارک حسین مصباحی ارباب علم ودانش کی نظر میں	مولانا عبد القیوم مصباحی	274
اسلاف کی عظمتوں کے عکس جمیل	مولانا جاوید عالم نظامی مصباحی	276
سادگی، اخلاص اور خدمتِ دین	مولانا محمد معاذ قادری	278
ایک عہدِ علم وبصیرت کا اختتام	ارباز عاصی	280
﴿تعزیت نامے﴾		
◈ سید محمد امین میاں قادری، سید محمد اشرف، سید نجیب حیدر نوری ◈ سید معین الدین اشرف الاشرفی الجیلانی ◈ مولانا محمد عطیف قادری بدایونی ◈ مولانا عبد الودود مصباحی ◈ سید شاہ سیف الدین اصدق چشتی ◈ سید شاہ عارفین		283-338

اصدق غوثی ◈ مولانا غلام عبد القادر علوی ◈ سید حامد حسن جیلانی ◈ سید اویس مصطفیٰ واسطی قادری ◈ ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی ◈ مفتی محمد عطاء النبی حسینی مصباحی ابو ◈ شاہ عمار احمد احمدی نیر میاں ◈ سید ناہید احمد حیدر القادری ◈ سید اسلم میاں وامق جیلانی اشرفی ◈ مفتی احتشام علی فاروقی ◈ مولانا سید اظہر علی جعفری ◈ مولانا محمد منان رضا خاں منانی میاں ◈ مفتی عبد المقتدر خان جالوی ◈ مولانا مجتبیٰ شریف خان مصباحی ◈ قاری جلال الدین قادری ◈ مولانا محمد انتخابِ رضا مصباحی ◈ مولانا عبد الحنان فیضی رضوی ◈ مولانا محمد فیضان اشرف حامدی ◈ مولانا ازہر القادری ◈ مولانا محمد عارف القادری واحدی ◈ مولانا محمد شاکر نوری ◈ سید بشارت حسین رضوی برکاتی ◈ مولانا محمد آصف جمال مصباحی ◈ مولانا غلام حیدر رضوی مصباحی ◈ مولانا امید علی صدیقی ◈ مولانا مقصود رضا وعبد الکریم مصباحی ◈ قاری ذاکر علی قادری ◈ مفتی منظور احمد خان عزیزی ◈ اساتذہ دار العلوم اسحاقیہ جودھپور ◈ سید نور اللہ شاہ بخاری ◈ مولانا محمد شمیم احمد نوری مصباحی، مولانا حبیب اللہ قادری انواری ◈ مفتی محمد نور الحق نوری ◈ مفتی محمد احمد یار خان ازہری، مفتی محمد ہاشم رضا مصباحی ◈ مولانا رفاقت علی خاں ثقلینی نعیمی ◈ ناظمِ اعلیٰ دار العلوم فیضِ صدیقیہ ◈ مولانا محمد حبیب الرحمٰن نوری عظیمی ◈ مولانا ضیاء الحق برکاتی مصباحی ◈ مولانا محمد سعید اشرفی ◈ ڈاکٹر غلام زرقانی قادری ◈ مولانا محمد کلام الدین نعمانی مصباحی ◈ مولانا محمد فروغ القادری ◈ سنی تبلیغی جماعت باسنی ◈ جمعیۃ علماے اہل سنت ممبئی ◈ مولانا محمد عبد المبین نعمانی ◈ مولانا عبید اللہ خان اعظمی ◈ مولانا محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی ◈ مولانا محمد الیاس عطار قادری ◈ سید صابر حسین شاہ بخاری ◈ مولانا احمد قمر الزماں مصباحی ◈ ڈاکٹر صابر رضا رہبر ◈ مولانا عبد الجبار اعظمی ماہرِ القادری ◈ مولانا محمد عباس مصباحی ازہری ◈ مولانا محمد مسعود رضا مصباحی ◈ مولانا محمد مصطفیٰ رضا نظامی ◈ مولانا محمد اسلم مصباحی ◈ مولانا محسن رضا ضیائی ◈ مفتی محمد شہروز کٹیہاری ◈ محمد اظہر نور اعظمی ◈ مولانا ابوالحسن واحد رضوی ◈ رہبر بستوی ◈ محمد عاشقِ رضا امانتی ◈ مولانا احمد طاہر القادری مصباحی ◈ مولانا محمد عارف حسین مصباحی ◈ جاوید اختر بھارتی ◈ مولانا محمد ساجد رضا قادری مرتضوی ◈ مولانا محمد قمر الزماں نوری مصباحی ◈ مفتی محمد صادق مصباحی ◈ مفتی صابر رضا محبِ القادری ◈ مولانا محمد نظام الدین پٹیل مصباحی ◈ یاور وارثی ◈ مولانا احمد رضا قادری مصباحی ◈ مفتی ناصر حسین مصباحی ◈ قاری محمد اخلاق حبیبی ◈ ماسٹر مظہر چشتی ◈ بشارت علی صدیقی ◈ مولانا شمیم القادری تیغی ◈ مولانا غلام مصطفیٰ قادری برکاتی، مولانا سرفراز احمد ◈ مولانا محمد قمر الحسن قادری

خیابان حرم

قطعۂ تاریخِ وصال	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	339
جواہر تحریر دے گیا	مولانا سلمان رضا فریدی مصباحی	340
توشیحی نظم	مولانا طفیل احمد مصباحی	341
اشکِ تعزیت	مولانا واصف رضا واصف	342

منظوم تعزیت نامہ	مولانا ازہر القادری	343
مشہور صحافی ہے قلم کار مبارک	مولانا ازہر القادری	345
افسوس ہے۔۔۔	مولانا غیاث الدین احمد عارف مصباحی	346
اشکِ رواں	مولانا عابد رضا مصباحی	347
منقبت	مولانا محمد ارشد رضا نظامی	347
جان ہے وہ۔۔۔	مولانا حسن رضا اطہر	348
مکین باغ جنت ہو گیا	مہتاب پیامی	348
﴿مکتوبات﴾		
جامع الصفات شخصیت	قاری رئیس احمد عزیزی مصباحی	349
چند اشعار سے اپنی حاضری درج کرانے کی خواہش	مولانا حسن رضا اطہر	349
﴿عکس و نقش﴾		
مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت اردو اور ہندی اخبارات کی نظر میں	مولانا رحمت اللہ مصباحی	350
﴿سرگرمیاں﴾		
◈ دار العلوم امام اعظم للبنات بلرام پور میں تعزیتی نشست ◈ الجامعۃ الاشرفیہ میں سید معین میاں اور سید جامی اشرف کی آمد ◈ جامعہ صمدیہ میں محفل ایصال ثواب کا انعقاد ◈ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن میں ایصال ثواب اور تعزیتی تقریب کا انعقاد		357

کلماتِ خیر

عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ مصباحی مدظلہ العالی

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الأشرفیہ مبارک پور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّي عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیمِ، أَمَّا بَعْدُ:

عزیزِ محترم حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ متعدّد خوبیوں کے جامع، بلند حوصلہ، اور متعدّد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علمی ذوق، قلمی قوت، فکری بصیرت اور تنظیمی شعور کی گراں قدر نعمتوں سے نوازا تھا۔ انھوں نے اپنے طبعی رجحانات کے مطابق دینی اور عصری دونوں میدانوں میں تعلیم حاصل کی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے علمی فیض حاصل کرنے کے ساتھ یونیورسٹی کی تعلیم سے بھی استفادہ کیا اور آغازِ شباب ہی سے صحافت وقلم کی دنیا سے ایک خصوصی مناسبت قائم کرلی تھی۔

بعد ازاں یہی ذوق ان کی شناخت بن گیا اور انھوں نے دینی صحافت کے میدان میں ایسی خدمات انجام دیں جو مدتوں یاد رکھی جائیں گی۔ خصوصاً ماہنامہ "اشرفیہ" کی ادارت کے ذریعہ انھوں نے الجامعۃ الاشرفیہ کے علمی، فکری اور دعوتی پیغام کو ملک وبیرونِ ملک کے علمی حلقوں تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی سنجیدہ فکر، متوازن اندازِ تحریر اور ادارتی بصیرت نے ماہنامہ اشرفیہ کو ایک ممتاز مقام عطا کیا۔

مگر قضا وقدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ ان کا رخصت ہو جانا نہ صرف ہم سب اہلِ خانہ اور متعلقین کے لیے بلکہ الجامعۃ الاشرفیہ اور اس سے وابستہ وسیع علمی خانوادے کے لیے بھی ایک بڑا سانحہ ہے۔ ایک ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کا احساس مدتوں باقی رہے گا۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

«إِنَّ لِلّٰہِ مَا أَخَذَ، وَلَہٗ مَا أَعْطٰی، وَکُلُّ شَيْءٍ عِنْدَہٗ بِأَجَلٍ مُسَمًّی».

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی ذاتِ کریم نے عطا فرمایا اور ہر چیز اس کے یہاں ایک مقررہ وقت تک ہی رہتی ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ کی جانب سے حضرت مولانا مرحوم کی حیات وخدمات پر خصوصی شمارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس موقع پر ان تمام اصحابِ علم، اہلِ قلم، تلامذہ، متعلقین، محبین اور خیر خواہوں کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس خصوصی اشاعت کی تیاری میں کسی بھی درجے میں تعاون فرمایا، اپنے تاثرات قلم بند کیے، معلومات فراہم کیں، دعاؤں سے نوازا اور اس علمی خدمت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے اور اسے مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کا ذریعہ بنائے۔

اسی طرح ان تمام احباب کے لیے بھی قلبی تشکر کے جذبات ہیں جنھوں نے اس صدمۂ جانکاہ کے موقع پر تعزیت فرمائی، دعاؤں میں یاد رکھا، ہمدردی و غم خواری کا اظہار کیا اور ہمارے رنج و الم میں شریک رہے۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، سلامت رکھے اور دین و ملت کی خدمت کی مزید توفیق بخشے۔

ہم بارگاہِ رب العزت میں عاجزانہ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی دینی، علمی اور صحافتی خدمات کو قبولیتِ عامہ و دوام عطا فرمائے اور ان کے فقدان سے دلوں کو جو صدمہ پہنچا ہے اس پر صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔

نیز دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے قائم کردہ علمی، دینی اور اصلاحی مشن کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور عالمِ غیب سے ایسے مخلص، باصلاحیت، باعمل اور دردمند افراد پیدا فرماتا رہے جو اس عظیم امانت کو اخلاص، دیانت اور حسنِ تدبیر کے ساتھ آگے بڑھاتے رہیں۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ، وَھُوَ خَیْرُ النَّاصِرِیْنَ.

عبدالحفیظ مصباحی عفی عنہ

سربراہِ اعلیٰ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

24 جون 2026ء

کلمات بدر الفقہا

حضرت علامہ مفتی بدر عالم مصباحی،

صدر المدرسین الجامعة الأشرفیہ کا اظہار تعزیت

19 جون 2026 روز جمعہ مبارکہ قرطاس وقلم کے شہ سوار مولانا مبارک حسین مصباحی پوری جماعت اہل سنت کو داغ مفارقت دے گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُونَ، رَضِينَا بِاللّٰهِ تَعَالَىٰ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِينًا
وَبِمُحَمَّدٍ صلي الله تعالى عليه وسلم نَبِيًّا وَرَسُولًا

مولا کریم ان کی روح کو اپنے جوار قدس میں جگہ عطا فرمائے آمین یارب العالمین بجاہ النبی سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ واکرم التسلیم۔

مولانا موصوف بیک وقت مختلف خوبیوں کے حامل تھے وہ ایک عظیم قلم کار، صاحب فکر ونظر مدیر مجلہ، تحقیق واکتشافات کے رسیا، بہترین مفکر اسلامیات وعصریات, شان دار خطیب اہل سنت اور داعی اسلام کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے رہے۔ کسی بھی کام کے لیے منصوبہ بندی کرنے اور کامیابی کے لیے خوب صورت تجاویز پیش کرنے میں صفحہ قرطاس پر ان کے نوک قلم سے ظاہر ہونے والے افکار بہت قابل داد ہوتے، اسی طرح منبر خطابت پر حکمت ودانائی سے لبریز پر جوش بیان بھی قابل دید ہوتا، زبان وبیان اور خدمت لوح وقلم کی فیلڈ میں بہت جلد اور کم عمری ہی میں انھوں نے علماے کبار ومشائخ عظام میں اپنی جگہ بنالی تھی، اپنی دانشورانہ تقریر وتحریر کے ذریعہ عصری جامعات میں بھی اپنا وقار بنالیا تھا، ارباب قلم اور اصحاب فکر وبصیرت میں بہت عزت واحترام سے انھیں دیکھا جاتا، تصنیف وتالیف کے حوالے سے ایک معتبر ومستند عالم دین کی حیثیت سے جانا جاتا۔

حاصل یہ کہ مولانا موصوف بہت ساری خوبیوں کے جامع تھے اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کے علمی قلمی شہ پارے، آڈیوز میں ان کے پر جوش بصیرت افروز بیانات وخطابات ان کو باقی رکھیں گے۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

بدر عالم مصباحی

صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

کلمات تشکر

حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی

استاذ الجامعة الأشرفیه مبارک پور

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین، وعلیٰ آلہ وأصحابہ وأتباعہ أجمعین۔

صدیقِ محترم حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس طرح دنیا سے رخصت ہو جانا ہمارے پورے خانوادے، متعلقین، محبین اور الجامعۃ الاشرفیہ کے وابستگان کے لیے ایک عظیم صدمہ اور ناقابلِ فراموش سانحہ ہے۔

بسا اوقات انسان الفاظ کا سہارا لے کر اپنے احساسات بیان کر لیتا ہے، مگر بعض حادثات ایسے ہوتے ہیں جہاں الفاظ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دل کی کیفیت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی　　　تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

حضرت مولانا مرحوم بلاشبہہ متعدّد خوبیوں کے جامع تھے۔ علم و فضل، قلم و قرطاس، فہم و فراست، حسنِ تدبیر، اخلاصِ عمل اور وسعتِ تعلقات؛ یہ سب اوصاف ان کی شخصیت میں نمایاں طور پر جمع تھے۔ انھوں نے اپنی فطری صلاحیتوں کو دینی صحافت، علمی خدمت اور تنظیمی سرگرمیوں کے لیے وقف کر دیا۔ ماہنامہ "اشرفیہ" کے ساتھ ان کی نسبت محض ایک مدیر کی نسبت نہ تھی بلکہ وہ اس کے مزاج، اس کی فکر اور اس کے علمی وقار کے امین تھے۔ ان کے قلم نے ہزاروں قارئین کی فکری رہنمائی کی اور ان کی ادارت نے بے شمار علمی و تحقیقی سرمایہ آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا۔

میرے لیے ان کی شخصیت کا ایک اور پہلو بھی ہے، جو شاید دوسروں سے زیادہ قریب اور زیادہ درد انگیز ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ اس حیاتِ فانی کا ایک طویل عرصہ گزارنے کا موقع ملا۔ اس مدت میں وہ صرف، ایک عالم یا ایک ادارتی شخصیت ہی نہیں تھے بلکہ ہمارے مخلص دوست، خیر خواہ، مشیر کار اور خانوادے کے نہایت عزیز فرد تھے۔ زندگی کے مختلف مراحل میں ان سے مشورہ، ان کی رفاقت، ان کی دلجوئی اور رہنمائی ہمارے لیے باعثِ اطمینان رہی۔

آج جب ان کی یادوں کے دریچے کھلتے ہیں تو دل یہ سوچ کر مزید بوجھل ہو جاتا ہے کہ عمر کے اس حصے میں، جب علمی و عملی میدان میں ایک دوسرے کا سہارا بن کر مزید خدمات انجام دینی تھیں، جب ماضی کے تجربات اور مستقبل کے منصوبوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھنا تھا، جب الجامعۃ الاشرفیہ اور مشنِ حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ترقی کے لیے مزید فکری و عملی اشتراک کی امیدیں وابستہ تھیں، ایسے وقت میں ان کا یوں رخصت ہو جانا ایک ایسا صدمہ ہے جس کی شدت کو الفاظ میں بیان کرنا آسان نہیں۔

اپنے ایک نہایت عزیز، مشفق، مخلص اور دیرینہ رفیق کو کھو دینا بجائے خود ایک آزمائش ہے، لیکن اپنے ہی کندھوں پر اس کا جنازہ

اٹھانا دل پر ایسا بوجھ ڈال دیتا ہے جس کا احساس وہی کر سکتا ہے جو اس مرحلے سے گزرا ہو۔ اس وقت میرے دل کی جو کیفیت ہے، اسے میرا رب بہتر جانتا ہے۔ وہی دلوں کے بھید جاننے والا ہے اور وہی صبر و سکون عطا فرمانے والا ہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون

«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى».

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ہم اس حقیقت کو قبول کرتے ہیں کہ جو کچھ ملا تھا وہ اسی کا عطیہ تھا اور جو واپس گیا وہ بھی اسی کی امانت تھی۔

ماہنامہ اشرفیہ کی جانب سے حضرت مولانا مرحوم کی حیات و خدمات پر یہ خصوصی شمارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر میں ان تمام اصحابِ علم و قلم کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود اس خصوصی اشاعت کے لیے مضامین، تاثرات، یادداشتیں اور معلومات فراہم کیں۔ یقیناً یہ سب حضرات مرحوم کے لیے محبت، قدر شناسی اور ایصالِ ثواب کے جذبے سے سرشار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔

اسی طرح اس کٹھن اور آزمائش بھری گھڑی میں جن حضرات نے تعزیت فرمائی، دعاؤں میں یاد رکھا، حوصلہ دیا، دلاسہ دیا اور ہمارے غم کو اپنا غم سمجھا، ان سب کے لیے ہمارے دل تشکر کے جذبات سے لبریز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس ان محبتوں اور ہمدردیوں کا پورا حق ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ ہمارا پورا خانوادہ، دل کی گہرائیوں سے ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے۔

خصوصاً جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مشن سے وابستہ ساداتِ کرام، مشائخِ عظام، علماے کرام، اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، طلبۂ کرام، مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داران، تنظیموں کے قائدین، ملک و بیرونِ ملک مقیم فرزندانِ اشرفیہ اور تمام خیر خواہوں نے جس محبت، اخلاص اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا، وہ ہمارے لیے باعثِ تسکین و حوصلہ ہے۔ ایسے مواقع پر محسوس ہوتا ہے کہ مشنِ حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان محض ایک ادارے کا نام نہیں بلکہ ایک زندہ خانوادہ اور ایک وسیع روحانی و علمی قافلہ ہے، جس کے افراد ایک دوسرے کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہیں اور مصیبت و آزمائش کی گھڑی میں شانہ بشانہ کھڑے رہتے ہیں۔

ہم بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، دینی، علمی، صحافتی اور تنظیمی خدمات کو قبولیتِ دوام عطا فرمائے اور ان کے تمام حسنات کو ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اللہ تعالیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مشنِ حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اور اس سے وابستہ تمام دینی خدمات کو ترقی و استحکام عطا فرمائے، اس مشن کے لیے مخلص، باکردار، صاحبِ علم اور صاحبِ درد افراد عطا فرماتا رہے اور ہم سب کو اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینِ متین کی خدمت کی توفیق بخشے، آمین۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْحَافِظِينَ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔

نعیم الدین عزیزی

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ادار یــــہ

مولانا مبارک حسین مصباحی
فکروقلم کی داستان شوق

مہتاب پیامی

مومن اور موت:

موت وہ معمہ ہے جس نے فلسفیوں، سائنس دانوں اور مفکرین کو صدیوں سے حیرت اور عجز کے سمندر میں غرق کر رکھا ہے۔ دنیا بھر کے مذاہب اور مادی فلسفے موت کو ایک خوف ناک انجام یا صرف ایک حیاتیاتی خاتمہ قرار دیتے ہیں، لیکن اسلام اس کے بالکل برعکس ایک انتہائی خوبصورت، متوازن اور تسلی بخش نظریہ پیش کرتا ہے۔ اسلام کے فلسفۂ موت وحیات کا نچوڑ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جامع کلماتِ مبارکہ میں پنہاں ہے:

"إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَ لَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فلتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ۔"(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ: یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ، رقم الحدیث:284)

"بے شک اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا، اور اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، پس چاہیے کہ تم صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔"

انسانی زندگی نشیب و فراز کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں خوشیوں کے اجالوں کے ساتھ ساتھ صدمات و آلام اور مصائب و آفات کے گہرے اندھیرے بھی ہیں۔ دنیا کافروں کے لیے جنت ضرور ہے، لیکن مسلمان کے لیے یہ صرف امتحان گاہ ہے، یہاں کبھی مال کی کمی کے ذریعہ بندے کو آزمایا جاتا ہے، کبھی بھوک کی شدت میں نفس کا امتحان لیا جاتا ہے، اور کبھی اپنوں کی دائمی جدائی یعنی موت کے ذریعے انسانی صبر و استقلال کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اس امتحان ہال میں جب کوئی بڑا صدمہ یا انسان کو گھیرتا ہے، تو اسلامی فکر اسے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچاتی ہے، اس وقت صاحبِ ایمان یہی کہتا ہے "بیشک اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا..." اور مصیبت کے وقت دل کی بے ترتیب دھڑکنیں یہی آواز دیتی ہیں: "...پس ہم صبر کرتے ہیں اور اپنے غموں کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے ہی چاہتے ہیں"۔ یہ صرف لفظی تسلی نہیں، بلکہ مصیبت کے طوفان میں روح کو سکون پہنچانے والا لائحہ عمل ہے۔

جب انسان اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ کائنات کی ہر شے، یہاں تک کہ اس کا اپنا وجود اور اس کے پیارے سب اللہ عزّوجلّ ہی کی ملک اور امانت ہیں، تو غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ جب دینے اور لینے والی ذات ایک ہی ہے، تو شکوہ کیسا؟ مومن مصیبت کے پہلے جھٹکے پر اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ فطری رنج و ملال اور آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا ممنوع نہیں، لیکن زبان سے ناشکری کے کلمات کرنا یا تقدیر سے شکوہ کرنا شانِ بندگی کے خلاف ہے۔ پس، وہ دل کے ٹوٹنے کے باوجود اپنے مالک کے فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔

مولانا مبارک حسن مصباحی کا وصال پر ملال:

کافی دنوں پہلے کی بات ہے ایک بار بریلی سے واپسی کے وقت حضرت کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں سر پر کافی چوٹ آئی۔ طویل

عرصے تک علاج کے بعد صحت یاب ہوئے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مکمل صحت یابی انھیں کبھی حاصل ہی نہیں ہوئی۔ شوگر جیسا موذی مرض پہلے سے ہی لاحق تھا لیکن مولانا مرحوم نے اسے کبھی سنجیدگی سے لیا ہی نہیں، چناں چہ اس کا پہلا حملہ آنکھوں پر ہوا اور بینائی کمزور ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق ایک آنکھ کے ریٹینا پر خون اتر آیا تھا اور دوسری آنکھ میں موتیا (غالباً کالا موتیا) تھا۔ جون 2024 کے بعد سے باریک تحریریں پڑھنے سے بالکل عاجز ہو چکے تھے۔ دسمبر آتے آتے آنکھ اتنی متاثر ہوئی کہ پڑھنے کے لیے 36 اور 40 نمبر فونٹ کی ضرورت پڑنے لگی۔

دسمبر 2024ء میں جب آنکھ کی بیماری شدید ہو گئی تو انھوں نے ماہ نامہ اشرفیہ کی تمام تر ذمہ داریاں مجھ ناچیز کے سپرد کر دیں۔ ان کی حیات میں ماہ نامہ کے اٹھارہ شمارے (جنوری 2025 سے جون 2026 تک) میں نے نکالے۔ ابتدا میں تو کبھی کبھار آفس آجاتے تھے مگر بعد میں یہ سلسلہ بھی مفقود ہو گیا۔ ایک دفعہ آنکھ کا آپریشن بھی کرایا لیکن وہ ناکام ثابت ہوا۔ اس سلسلے میں مولانا رحمت اللہ مصباحی (نمائندہ روزنامہ انقلاب) کو ساتھ لے کر انھوں نے کئی بار علی گڑھ اور دہلی کا سفر کیا، لیکن آنکھوں کے اجالے دن بہ دن معدوم ہی ہوتے رہے۔

اب یہ تو جگ ظاہر ہے کہ جس سرحد کے سپاہی کمزور ہو جائیں وہاں موقع پرست بیرونی طاقتیں حملہ آور بھی ہوتی ہیں اور کامیاب بھی، چناں چہ 2025ء کے اواخر سے ہی پے در پے مختلف بیماریوں نے حملہ شروع کر دیا۔ ان حملوں کی تاب نہ لا کر حضرت بستر سے لگ گئے۔ ماہ مئی میں رما ہاسپیٹل اعظم گڑھ کے شعبۂ آئی سی یو میں ایڈمٹ بھی رہے۔ طبیعت قدرے بحال ہوئی تو ڈاکٹر نے چھٹی دے دی، اہل خانہ انھیں گھر لائے۔ کمزوری اس قدر تھی کہ خود سے اٹھنا اور چلنا پھرنا بالکل بند ہو چکا تھا۔ لوگوں کی شناخت بھی مشکل سے کر پاتے، پہچان بھی لیتے تو گفتگو میں کافی بے ربطی ہوتی۔ سامنے عید قرباں تھی۔ تمام اہل خانہ کا ارادہ اس موقع پر رام پور (حضرت کے آبائی کے وطن) جانے کا تھا مگر اس علالت کے پیش نظر یہ پروگرام ملتوی ہو گیا۔ ایک بے رنگ عید تو اہلِ خانہ پہلے ہی گزار چکے تھے، دوسری عید (عید قرباں) بھی بے کیفی کے عالم میں گزر گئی۔

بہر کیف جتنی گھڑیاں مقدر میں تھیں گزار کر ہمارے محبوب مربی 4 جون 2026 کی شب 11:45 اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ".

قرطاس وقلم کی دنیا میں انمٹ چھاپ چھوڑنے والے مولانا مبارک حسین مصباحی کے وصال کی خبر نے علمی حلقوں، ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ 4 جون 2026 کی شب قریباً پونے بارہ بجے محب گرامی حافظ افتخار احمد قادری نے وہاٹس ایپ میسیج کے ذریعہ تصدیق چاہی کہ کیا واقعی حضرت علامہ اس دار فانی دار بقا کی طرف کوچ کر چکے ہیں۔ مجھے اس وقت تک کوئی خبر نہ تھی، البتہ حضرت کی بیماری کے مد نظر یہ ضرور تھا کہ شاید یہ بیماری ہی حضرت کو رفیق اعلیٰ سے ملانے کا باعث بنے، لیکن امید کی ایک کرن جگمگا رہی تھی کہ نہ جانے کتنے لوگ ایسے بھی مشاہدے میں آچکے ہیں جن کی سانسیں تک رک چکی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے مقدر میں شفایابی لکھی تھی، چناں چہ وہ موت کے منہ سے واپس آ گئے۔

بہر کیف میں نے حافظ افتخار صاحب کے میسیج کا جواب دیا کہ "مجھے خبر نہیں، پتہ کرتا ہوں"۔ اس کے بعد متعدّد احباب کو کال کی مگر کہیں کال ریسیو نہیں ہوئی تو کہیں سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فیس بک کے کئی قابل اعتماد صفحات پر یہ خبر گردش کرنے لگی جس سے یہ یقین ہو گیا کہ واقعی حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ہیں۔ بے ساختہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا

اِلَيْهِ رٰجِعُوْن کے بابرکت کلمات زبان پر جاری ہوئے اور دل کی گہرائیوں سے حضرت کے لیے دعاے مغفرت کے بادل اٹھے اور آنکھوں کے آسمان سے برس پڑے۔

موت ایک ایسی لکیر ہے جو ہنستے بستے آنگنوں کو ایک ہی پل میں شہرِ خموشاں بنا دیتی ہے، لیکن جب علم و دانش کا کوئی آفتاب غروب ہوتا ہے تو اندھیرا صرف گھر کی چار دیواری تک محدود نہیں رہتا، بلکہ پوری ملت کے دل و دماغ میں سرایت کر جاتا ہے۔ علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال نے جہاں دینی و علمی دنیا کو سوگوار کیا، وہاں ان کے کاشانۂ علم اور اہل خانہ پر غموں کا وہ پہاڑ ٹوٹا ہے جس کی کسک الفاظ کے پیرایے میں نہیں ڈھالی جا سکتی۔

تصور کیجیے اس گھر کے سنسان آنگن کا، جہاں کل تک علم کی شمعیں روشن تھیں، جہاں قلم کی سرسراہٹ اور کتابوں کے اوراق کی آوازیں زندگی کا احساس دلاتی تھیں۔ آج وہاں صرف سسکیاں ہیں، دل دوز گریہ ہے اور ایک ایسا سناٹا ہے جو روح کو چھلنی کر رہا ہے۔ وہ شریکِ حیات، جنھوں نے عمر بھر ان کی علمی و صحافتی جگر کاوی میں کندھے سے کاندھا ملایا، آج وہ اپنے مخلص رفیقِ سفر کی جدائی میں نڈھال ہیں۔ وہ بچیاں، جن کے سر پر شفقت و تربیت کا سائبان تھا، آج خود کو اس تپتی دھوپ میں بالکل تنہا محسوس کر رہی ہیں۔ ان کے معصوم چہروں پر پھیلی مایوسی اور آنکھوں سے بہتے اشکِ رواں یہ پکار رہے ہیں کہ ان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ رخصت ہو چکا ہے۔

گھر کا ایک ایک گوشہ، ان کی مطالعہ گاہ، ان کی کتابیں، ان کا وہ قلم جس نے مسلم مخالف پالیسیوں کے خلاف ہمیشہ حق کی آواز بلند کی، اور وہ سادہ سی بیٹھک، سب آج اپنے صاحبِ کمال کے فراق میں نوحہ کناں ہیں۔ جب بھی گھر کا کوئی فرد ان کے چھوڑے ہوئے اوراق یا ان کی پسندیدہ کتب کو دیکھتا ہے، تو درد کا ایک نیا طوفان دل میں جاگ اٹھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ دنیا اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتی ہے، تعزیتی اجلاس ختم ہو جاتے ہیں اور اخبارات کی سرخیاں بھی بدل جاتی ہیں، لیکن ایک ماں، ایک شریکِ حیات اور بچوں کے دلوں پر جو گھاؤ لگتا ہے، اس کی کسک عمر بھر پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ جملہ اہل خانہ کو صبرِ جمیل اور ان کے دل پُرملال کو سکون و استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

انتہائی نستعلیق مزاج اور نفیس طبیعت کے مالک مولانا مبارک حسین مصباحی علم و وقار کا ایک ایسا کوہِ گراں تھے جن کی پوری زندگی دین کی خدمت، تصنیف و تالیف اور نسلوں کی فکری آبیاری میں گزری۔ ان کی رحلت محض ایک فرد کا دنیا سے جانا نہیں، بلکہ ایک عہدِ علم و ادب اور ایک زمانۂ فکر و فن کا اختتام ہے۔ ان کی وفات حسرت آیات ایک ایسا لرزہ خیز صدمہ ہے جس پر دل خون کے آنسو روتا ہے اور پورا ماحول سوگوار نظر آتا ہے۔ ایسے میں ہماری محدود عقل مادی اسباب کے تحت خود کو اکیلی اور بے بس محسوس کر رہی ہے۔ لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام کا فلسفۂ قضا و قدر ہماری انگلی تھام لیتا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت کا شدید غم دل پر حاوی ہے، مگر ہمارا ایمان ہمیں سکھاتا ہے کہ ان کی سانسوں کا وقتِ مقررہ آ چکا تھا اور وہ اپنے مالک کے بلاوے پر اس کے حضور حاضر ہو گئے۔ پس، اس عظیم علمی خسارے پر بھی ہم جزع فزع کرنے کے بجاے وہی راہ اختیار کرتے ہیں جو ہمارے دین نے بتائی ہے۔

میری داستان شوق اور حضرت کی اصاغر نوازی:

کچھ شخصیات زندگی میں اس طرح شامل ہوتی ہیں کہ ان کے گزر جانے کے بعد محسوس ہوتا ہے گویا ہماری اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا اور خوبصورت حصہ ہم سے چھن گیا ہے۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے ساتھ ہمارا تعلق کوئی عارضی رشتہ نہیں تھا، بلکہ یہ تیس سالوں پر محیط ایک ایسی طویل داستانِ شوق ہے جو 1996 سے شروع ہوئی اور ان کی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات تک

جاری رہی۔ یہ تیس سال میرے لیے علم و ادب، اور تہذیب و تربیت کا ایک سنہری دور تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی نے جولائی 1990ء میں علم و ادب کے مایہ ناز ترجمان "ماہنامہ اشرفیہ" کی ادارت کا قلم سنبھالا تھا۔ ان کا ادارت سنبھالنا ماہنامہ اشرفیہ کے لیے ایک نئے اور درخشندہ دور کا آغاز تھا، جہاں سے علم و سنیت کی ایسی شمعیں روشن ہوئیں جنھوں نے پوری دنیا کو منور کیا۔ اسی دور میں، میں نے بھی قرطاس و قلم کی دنیا میں اپنے ابتدائی قدم رکھے تھے اور 1992ء سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

شروع شروع میں قلم سنبھالنا اور اپنے خیالات کو قرطاس پر بکھیرنا ایک نوآموز کے لیے آسان نہیں ہوتا، لیکن شوق سچا ہو تو راستے بنتے چلے جاتے ہیں۔ ابتدا میں میرے مضامین بچوں کے ماہ نامہ "پیامِ تعلیم" میں شائع ہوا کرتے تھے، اس وقت "مہتاب عالم" کے نام سے ہی لکھا کرتا تھا، یہ سلسلہ 1994ء تک جاری رہا۔ پھر اس کے بعد جب دوسرے ماہ ناموں اور اخبارات میں لکھنا شروع کیا تو اپنے نام کے ساتھ "پیامی" استعمال کرنا شروع کیا۔ قلمی دنیا میں یہ میری ابتدائی پہچان کا دور تھا، لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میری ایک تحریر مجھے وقت کے اتنے بڑے کوہِ گراں اور مربی کے سامنے لا کھڑا کرے گی۔

بات 1996ء کی ہے، جب مشہور ہفت روزہ اخبار "نئی دنیا" میں "جنگِ آزادی اور اردو ادب" کے تاریخی و ادبی حوالے سے میرا ایک طویل اور تفصیلی مضمون شائع ہوا۔ میں نے اس مضمون میں اپنے تئیں بھرپور محنت کی تھی۔ یہ مضمون جب علمی حلقوں میں پہنچا تو اس وقت کے جلیل القدر عالم اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیرِ اعلیٰ مولانا مبارک حسین کی نگاہِ تحسین بھی اس تحریر پر پڑی۔

بڑا قلم کار وہی ہوتا ہے جو نئے لکھنے والوں کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے ان کا ہاتھ تھام لے۔ مولانا مصباحی نے جب وہ مضمون پڑھا، تو انھوں نے کمالِ مہربانی اور اصاغر نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے پیغام بھیج کر اپنے دفتر میں بلوایا۔ جب ایک طالبِ علم کی حیثیت سے ان کے سامنے حاضری ہوئی تو انھوں نے جس شفقت، پیار اور خلوص سے حوصلہ افزائی فرمائی اور مسلسل لکھتے رہنے کی ترغیب دی، اس نے میرے اندر ایک نیا عزم اور ولولہ پیدا کر دیا۔

اس پہلی یادگار ملاقات کے بعد حضرت مولانا سے وقتاً فوقتاً ملاقاتوں کا یہ سلسلہ ایک خوبصورت معمول بن گیا۔ میں جب بھی ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا، کچھ نہ کچھ نیا سیکھ کر ہی لوٹتا۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ 2000ء کے بعد انھوں نے میرے کئی مضامین کو "ماہنامہ اشرفیہ" کے صفحات پر شائع فرمایا، یہ میرے لیے کسی بڑے اعزاز سے کم نہ تھا۔

اس ادبی تعلق کے ساتھ ساتھ اشرفیہ سے میرا ایک تنظیمی اور عملی رشتہ بھی قائم ہو چکا تھا، 1997ء میں میری تقرری الجامعۃ الاشرفیہ کے شعبۂ تحتانیہ میں بطور استاذ ہوئی۔ میں نے حتی الامکان انتہائی لگن کے ساتھ نومبر 2005ء تک تقریباً نو سال پرائمری کے بچوں کو تعلیم دی اور تدریسی خدمات انجام دیتا رہا۔ یہ دور بھی میری زندگی کا ایک قیمتی حصہ تھا، جہاں مجھے بچوں کی تربیت کا موقع ملا۔ پھر دسمبر 2005ء میں میری زندگی کا وہ سب سے اہم اور یادگار موڑ آیا جس نے مجھے مولانا کے بالکل قریب کر دیا۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے میری دفتری صلاحیتوں اور قلمی ذوق کو دیکھتے ہوئے میرا تبادلہ (ٹرانسفر) شعبۂ پرائمری سے "ماہنامہ اشرفیہ" کے کمپیوٹر آفس میں بطور کمپیوٹر آپریٹر کرا لیا۔ یہ صرف ایک دفتری تبدیلی نہیں تھی، بلکہ یہ تو میرے لیے بحرِ علم و ادب کی موجوں سے سیراب ہونے کا مستقل پروانہ تھا۔

دسمبر 2005ء سے لے کر ان کے وصال تک، یعنی گذشتہ بیس برسوں میں حضرت مولانا سے تقریباً روزانہ کی ملاقاتیں رہیں اور مجھے ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان بیس سالوں میں، میں نے ان کی صحبت میں رہ کر جہاں دین و سنیت کے

گہرے اسرار ور موز اور باریکیاں سیکھیں، وہیں زبان و ادب کی بوالعجبیاں، الفاظ کی نیرنگیاں اور فصاحت و بلاغت کی ندرتوں کے آئینے دیکھے۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، ان کا بولنا اور ان کا لکھنا، یہ سب میرے لیے ایک زندہ درس گاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

وہ شخصیت جن کے سائے میں، میں نے زندگی کی تین دہائیاں گزار دیں اور جن کے فیضِ تربیت نے میرے قلم کو روانی بخشی، وہ محض میرے مربی اور استاد ہی نہیں تھے، بلکہ وہ اس عہد کے علم و تحقیق کے ایک پورے متبادل نظام کا نام تھے۔ جب میں ان کے ساتھ گزارے ہوئے زمانے کا تصور کرتا ہوں جو میں نے ماہنامہ اشرفیہ کے کمپیوٹر آفس میں ان کے بالکل قریب رہ کر گزارے، تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زبان و ادب کی جن باریکیوں اور دین و سنیت کے جن اسرار و رموز کی گفتگو مجھ سے روزانہ کیا کرتے تھے، ان کے پیچھے ان کی طویل علمی جدو جہد، شب و روز کی ریاضت اور وقت کے عظیم عباقرہ کا فیضانِ نظر شامل تھا۔

ایک نوآموز لکھنے والے کے لیے یہ جاننا انتہائی ضروری اور ایمان افروز ہے کہ جو شخصیت 1996ء میں ایک معمولی مضمون پر میری حوصلہ افزائی فرما کر مجھے علم و ادب کے آسمان پر لے آئی، خود اس کا اپنا تعلیمی، علمی اور تنظیمی سفر کتنا کٹھن، منظم اور مثالی تھا۔ وہ رئیس القلم جو ماہنامہ اشرفیہ کی کرسیِ ادارت پر بیٹھ کر پینتیس برس تک امت کی فکری رہنمائی کرتا رہا اور جس نے بکھرے ہوئے قلم کاروں کو سلیقے سے ایک لڑی میں پرو دیا، ان کی اپنی زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا تھا....؟

حیات و خدمات کا اجمالی تذکرہ:

آئیے! اب عظیم مربی، ادیبِ شہیر اور رئیس القلم حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ کے دستاویزی حقائق، ان کے اساتذہ کی کہکشاں، ان کے قلمی شہ پاروں اور ان کی تنظیمی خدمات کا اجمالی مطالعہ کیا جائے، تاکہ آنے والی نسلیں یہ جان سکیں کہ علم و ادب کا یہ آبشار کس طرح دنیا کو سیراب کرتا رہا:

علم و ادب کے آسمان پر نصف صدی تک اپنی ضوفشانی سے دنیائے سنیت کو منور کرنے والے اس آفتابِ علم و دانش نے 7 رجب المرجب 1387ھ مطابق 10 اکتوبر 1967ء کی مبارک ساعتوں میں، اتر پردیش کے ضلع رام پور کے ایک مردم خیز گاؤں "موضع جنوبی" کے مٹیالے مگر نورانی آنگن میں آنکھ کھولی۔ ان کا ظہور جناب خلیل احمد کے اس دین دار اور علم پرور گھرانے میں ہوا جہاں مذہب و اخلاق کی روایتیں نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آ رہی تھیں، اس پاکیزہ ماحول کی خوشبو نے ان کی ابتدائی فکری بالیدگی اور علمی پرورش و پرداخت میں روحِ رواں کا کام کیا۔

تعلیم و تربیت کا آغاز روایتی انداز میں ہوا، انھوں نے علم کی ابتدائی ابجد اپنی والدہ ماجدہ محترمہ آمنہ خاتون کی آغوشِ شفقت میں سیکھی، کچھ ہوش مند ہوئے تو قریبی سرکاری پرائمری اسکول میں داخلہ کرا دیا گیا جہاں سے پانچویں جماعت تک کی تعلیم مکمل کی اور اسی اسکولی دور میں ملا جی سردار احمد سے ناظرہ قرآنِ کریم پڑھا جب کہ ڈاکٹر رحمت اللہ سے اردو زبان کی مروجہ ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پرائمری تعلیم کے بعد حفظِ قرآن کے لیے مدرسہ اسلامیہ، راجہ کا سہنسپور، بلاری تشریف لے گئے جہاں سیفنی کے رہنے والے قاری محمد اسماعیل کی درس گاہ میں کلامِ الٰہی کا حفظ شروع کیا، اور چند ماہ بعد استاذ القرا حضرت قاری علی حسین اشرفی کی آغوشِ تربیت میں یہ سلسلہ آگے بڑھایا، پھر جب قاری صاحب کا تقرر 1398ھ مطابق 1978ء میں مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم میں ہوا تو مبارک حسین بھی اپنے چند ہم درس ساتھیوں کے ساتھ وہیں منتقل ہو گئے اور اسی دار العلوم سے 1398ھ مطابق 1978ء میں حفظِ قرآن مجید کی دستار و سند سے سرفراز کیے گئے۔

حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد انھوں نے باقاعدہ علومِ دینیہ کی طرف رخ کیا اور جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم، بھوج پور، مراد آباد

تشریف لے گئے جہاں درسِ نظامی کی ابتدائی کتب پڑھنے کے ساتھ ساتھ قراتِ حفص کا مکمل کورس بھی پاس کیا، اس کے بعد چند سالوں تک مدرسہ حامدیہ اشرفیہ سراج العلوم، کوٹ سنبھل میں بھی زیرِ تعلیم رہے، پھر اعلیٰ تعلیمی مراحل طے کرنے کے لیے 1984ء میں برصغیر کی عظیم دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا رخ کیا اور جماعتِ رابعہ میں داخلہ ہوئے۔ 1989ء میں یہاں سے سندِ فراغت اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے عہدِ زریں میں ان کو وقت کی مایہ ناز اور عبقری شخصیات کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ محدثِ کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم العالیہ، محدثِ جلیل حضرت علامہ محمد عبدالشکور عزیزی مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان، صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، شیخ القرآن حضرت علامہ عبداللہ عزیزی علیہ الرحمہ، نصیر ملت حضرت علامہ محمد نصیر الدین عزیزی، سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، حضرت مولانا اسرار احمد مصباحی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی مبارک پوری علیہ الرحمہ، مفتی عبدالحق رضوی مصباحی، مفتی شمس الہدیٰ مصباحی اور عالی جناب ماسٹر آفتاب احمد مبارک پوری جیسے جلیل القدر اساتذہ نے ان کے فکر و شعور کو پروان چڑھایا۔

مولانا مرحوم نے روایتی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری بورڈز اور یونیورسٹیوں کے امتحانات بھی اعلیٰ نمبرات سے پاس کیے۔

مخدوم المشائخ، سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے انھیں شرفِ ارادت حاصل تھا، ساتھ ہی ان کو جن بین الاقوامی شہرت یافتہ صوفیا، اولیا اور مقتدر علمی شخصیات سے اجازت و خلافت اور کتبِ حدیث کی اسناد حاصل تھیں ان میں تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا قادری ازہری علیہ الرحمہ، مفتیِ اعظم راجستھان حضرت علامہ شاہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی قدس سرہ العزیز، اور شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی اشرفی اشرف الجیلانی کچھوچھہ شریف کے اسما سرفہرست ہیں، جب کہ پاکستان کے محققِ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالحکیم شرف قادری قدس سرہ العزیز نے بھی انھیں کتبِ حدیث وغیرہ کا مطبوعہ اجازت نامہ عطا فرمایا تھا۔

1990ء میں ہی الجامعۃ الاشرفیہ میں بحیثیت استاذ ان کی تقرری ہوئی، پھر جولائی 1990ء میں جامعہ اشرفیہ کے موقر دینی و علمی ترجمان "ماہنامہ اشرفیہ" مبارک پور کی ادارت سنبھالی۔ اپنی ادارت کے زمانے میں بڑی محنت، فکری بلندی اور عہد شناسی کا ثبوت فراہم کیا، بکھری ہوئی فکروں کو سلیقے سے جمع فرمایا اور مضامین کے انتخاب میں دور اندیشی، ماہنامہ کے معیار اور الجامعۃ الاشرفیہ کے فکری منہج کا بھرپور خیال رکھا۔ اس تاریخ ساز علمی و ادبی جریدے میں کئی مستقل اور اچھوتے کالم شروع کیے اور ملک بھر کے نامور اربابِ قلم سے رابطے استوار رکھے جس کے نتیجے میں ماہنامہ اشرفیہ دن بہ دن بہتر سے بہتر کی جانب رواں دواں رہا۔ ان کے فکر انگیز اداریے جو عصری تقاضوں، دینی، ملی اور سیاسی مسائل پر مبنی ہوتے تھے قارئین میں بے حد مقبول تھے۔ ان کی زیرِ ادارت ماہنامہ اشرفیہ نے اردو صحافت کی تاریخ میں کئی ضخیم اور شاہکار دستاویزی نمبر شائع کیے: ○ پیغمبرِ اعظم نمبر 1991ء ○ انوارِ حافظ ملت نمبر 1992ء ○ صدر الشریعہ نمبر اکتوبر و نومبر 1995ء ○ تعلیمی کنونشن نمبر 1996ء ○ سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر 1998ء ○ جشنِ شارحِ بخاری نمبر 2000ء ○ فقیہِ اعظم ہند نمبر 2000ء ○ فقیہِ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی خصوصی شمارہ 2002ء، ○ سیدین نمبر 2002ء ○ مفتیِ اعظم راجستھان نمبر 2007ء ○ انقلابِ 1857 نمبر 2008ء۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ مقتدر قلم کار اور کثیر التصانیف مصنف تھے ان کی کتب برصغیر کے علاوہ پاکستان اور دیگر ممالک سے بھی بڑے پیمانے پر شائع ہوئیں جن میں ○ خلیج کا بحران ○ عشقِ رضا کی سرفرازیاں ○ پیامِ سیرت ○ اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصورِ روحانیت ○ برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب ○ جہانِ رئیس القلم ○ مدارسِ اسلامیہ: تاریخ و حقائق کے اجالے

میں،○دو عظیم شخصیتیں○آفتابِ قدس نکلا نور برساتا ہوا○حافظِ ملت اور جمشید پور○شہر خموشاں کے چراغ○ تبرکات کے آداب وفضائل جو امام احمد رضا قادری کی کتاب ”بدر الانوار فی آداب الآثار“ کی تلخیص وترجمہ ہے،اور انوارِ مخدومِ ملت کی ترتیب وتالیف شامل ہے۔

وہ بیک وقت استاذ، مصنف، خطیب، سیاست داں اور مدبر صحافی تھے، انھوں نے ملک کے متبادل اور فعال علمی و سماجی اداروں میں بھی کلیدی خدمات انجام دیں،1990ء سے مستقل ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے بر سر کار رہے،ادارہ تحقیقاتِ حافظِ ملت جامعہ اشرفیہ اور تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے جنرل سکریٹری رہے، دار العلوم اہل سنت جامعہ طیبہ شاہ آباد ضلع رام پور کے بانی و مہتمم، آل انڈیا جماعتِ رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کے صدر اتر پردیش،مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے رکن، شعبۂ تعمیر و ترقی جامعہ اشرفیہ کے رکن، مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے رکن، آل انڈیا مدرسہ کو آرڈینیشن کمیٹی مارہرہ مطہرہ کے کنوینر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان دہلی کی مجلسِ ادب وثقافت کے رکن،مجلسِ علمائے ہند جامعہ اکرم العلوم لال مسجد مراد آباد کے صدر کے طور پر جو قابلِ رشک خدمات انجام دیں انھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ایک سلجھے ہوئے، دل نواز اور سحر انگیز مقرر بھی تھے،لا تعداد کانفرنسوں اور جلسوں میں خطاب فرمایا، مستند محقق کی حیثیت سے ملک کے درجنوں سیمیناروں اور علمی مجالس میں شرکت کی، دین وسنیت،ادبیات،سیاسیات،سماجیات، تاریخیات اور دیگر موضوعات پر ماہنامہ اشرفیہ اور دیگر رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے ان کے فکر انگیز اداریوں، مایہ ناز مضامین،خاکوں اور تبصروں کی ایک طویل فہرست ہے۔وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی غیر معمولی ذہانت اور تنقیدی صلاحیتوں کے مالک تھے،ان کی پوری زندگی علمِ دین کی ترویج، صحافت کی پاس داری اور مسلکِ حق کی اشاعت سے عبارت تھی جو آنے والی نسلوں کے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ رہے گی۔

اجمالی طور پر ہم نے سطور بالا میں جو کچھ ذکر کیا اس کی تفصیل اسی شمارے میں شامل دیگر قلم کاروں کے مضامین میں موجود ہے۔ یہاں ہم مولانا مرحوم کے دو کارناموں کا ذرا تفصیلی تذکرہ کرنا چاہیں گے، یہ وہ کارنامے ہیں جن پر دیگر قلم کاروں نے کم توجہ کی ہے۔ان دو اہم کارناموں میں پہلا کارنامہ ہے: ”میڈیا سیمینار 2006“ کا انعقاد اور دوسرا انتہائی اہم کارنامہ ماہ نامہ اشرفیہ کا غیر مطبوعہ ”علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر“۔

”میڈیا سیمینار“ کی باتیں:

تنظیم ابنائے اشرفیہ اپنے ابتدائی دور میں ایک انتہائی متحرک اور فعال تنظیم کے طور پر ابھری، جس کا بنیادی مقصد جامعہ اشرفیہ کے فضلا کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنا اور ان کی علمی و عملی صلاحیتوں کو مہمیز کرنا تھا۔اس کے قیام کا مقصد صرف ایک رسمی فورم بنانا نہیں تھا، بلکہ اس کے ذریعے فارغ التحصیل علما کے درمیان رابطے کو مضبوط بنانا اور معاشرے کی اصلاح و تعمیرِ نو میں ان کے کردار کو واضح کرنا تھا۔ اپنے ابتدائی ایام میں جب کہ اس کے جنرل سکریٹری ہمارے ممدوح حضرت علامہ مبارک حسین علیہ الرحمہ تھے، اس تنظیم نے تعلیمی سیمینارز، تربیتی نشستوں اور فکری مباحثوں کے ذریعے ایک نئی روح پھونکی، جس سے نہ صرف مادرِ علمی کے ساتھ وابستگی مضبوط ہوئی بلکہ جدید چیلنجز کے مقابلے کے لیے فضلا کی فکری آبیاری بھی ممکن ہوئی۔

اس تنظیم کی فعالیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے بہت کم مدت میں ملک گیر سطح پر اپنا نیٹ ورک قائم کرلیا تھا۔ اپنے آغاز میں اس نے سماجی بہبود، اشاعتِ دین اور نوجوان نسل کی اخلاقی رہنمائی کے لیے جو جوش وخروش دکھایا، وہ اسے دیگر ہم عصر تنظیموں سے ممتاز کرتا تھا۔تنظیم کے اراکین نے اتحاد و یگانگت کی ایسی مثال پیش کی کہ علم وعمل کے میدان میں ایک مثبت ارتعاش محسوس کیا گیا، اور

اس کے زیرِ اہتمام ہونے والے پروگراموں نے فضلا کے اندر چھپی ہوئی قائدانہ صلاحیتوں کو نکھارنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

2006ء میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیرِ اہتمام ”میڈیا سیمینار“ کا انعقاد ہوا جس کا مرکزی عنوان تھا ”اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج میڈیا کے حوالے سے“۔ اس سلسلے میں 28 دسمبر 2005ء کو تنظیم ابنائے اشرفیہ کی اولین میٹنگ ہوئی، جس کی سرپرستی تنظیم کے جنرل سکریٹری علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے فرمائی۔ اسی میٹنگ میں طے ہوا کہ مذکورہ عنوان کے تحت ایک بین الاقوامی میڈیا سیمینار کا انعقاد کیا جائے۔ پھر اس مرکزی عنوان کے تحت پچاس ذیلی عناوین کا انتخاب کرکے انھیں پانچ زمروں میں تقسیم کیا گیا۔:

(1) صحافت (فن، تاریخ، اثرات) (2) عصر حاضر اور صحافتی چیلنج (3) اسلامی مسائل اور میڈیا

(4) اسلامی میڈیا، خدمات، کوتاہیاں اور ہماری ذمہ داریاں (5) اسلامی صحافت اور علمائے اہل سنت کی خدمات

میٹنگ میں طے ہوا کہ مذکورہ طے شدہ موضوعات پر فضلائے اشرفیہ کے علاوہ یونیورسٹیز اور جامعات کے حضرات اور برصغیر ہندو پاک اور یورپ و امریکہ، ایشیا و افریقہ کے نام ور قلم کاروں اور دانش وروں کو بھی مقالہ نگاری کے لیے دعوت نامے ارسال کیے جائیں۔ سیمینار کے لیے اتفاق رائے سے 18، 19 مئی 2006ء کی تاریخ طے کی گئی۔ سو سے زائد مندوبین کو دعوت نامے ارسال کیے گئے، اور ایک خوب صورت سا اشتہار بھی شائع کیا گیا جس کے مرکز میں تنظیم کے جنرل سکریٹری علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے ”دعوتِ فکر و عمل“ کے عنوان سے ایک دردمندانہ پیغام شائع کیا:

> ”حضرات! عہد حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے میڈیا کا سب سے بڑا چیلنج اور بین الاقوامی میڈیا پر اسلام دشمن عناصر کو بالادستی حاصل ہے۔ اس میدان میں اگر ہمارے جمود و تعطل کا سلسلہ اسی طرح دراز ہوتا رہا تو عالمی سطح پر ہماری دینی و ملی شناخت یکسر بدل جائے گی۔ آئیے ہم سب مل کر اکیسویں صدی کے اس چیلنج کا مقابلہ کریں۔ عہد حاضر میں دعوت و تبلیغ کے سب سے موثر ذریعہ کے طور پر میڈیا کو استعمال کریں اور اہل سنت و جماعت کا عشق و عرفان سے لبریز پیغام محسوس دنیا کے کناروں تک پہنچادیں۔
>
> اہلِ سنت و جماعت کی عالمی تحریک تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور دینی و ملی سرفرازی اور اسلام دشمن سازشوں کی پامالی کے لیے اولین کوشش کے طور پر ”بین الاقوامی میڈیا سیمینار“ کا انعقاد کر رہی ہے جس میں ملک اور بیرون ملک کے علما، مشائخ، اہل علم و دانش اور اربابِ صحافت شرکت فرما رہے ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ سیمینار کی پہلی کڑی ہے، اس کے بعد لکھنؤ، دہلی اور ممبئی میں بھی اسی موضوع پر سیمینار اور کنونشن ہوں گے۔ جن مقالہ نگاروں، علما اور دانش وروں کو پہلے سیمینار میں مدعو نہیں کیا گیا ہے انھیں آئندہ پروگراموں میں مدعو کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔“

تمام تر محنتوں، مشقتوں اور بھرپور کوششوں کے بعد متعیّنہ تاریخ میں انتہائی شان و شوکت کے ساتھ یہ بین الاقوامی سیمینار الجامعۃ الاشرفیہ کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا اور مکمل طور پر کامیاب سیمیناروں کی فہرست میں اس نے جگہ بنائی۔ ایک کالم نگار نے تحریر کیا:

> ”سرزمین ہند میں اپنی نوعیت کا یہ بالکل منفرد سیمینار تھا جو وقت کے سب سے اہم اور حساس موضوع کے حوالے سے منعقد کیا گیا۔ اس موقع پر درجنوں علما و مشائخ، اہل علم و دانش

اربابِ صحافت اور شہر کے سیکڑوں معززین جامعہ کے اساتذہ و طلبہ وغیرہ نے بڑی تعداد میں شرکت فرمائی۔ سیمینار میں خاص بات یہ دیکھنے میں آئی کہ حاضرین میں سے سبھی مدعوین اور مندوبین سیمینار کی کامیابی سے بے حد متاثر نظر آئے، طلبہ کے احساس مسرت کا عجب حال تھا، ان کا اپنا تاثر یہ تھا کہ علماے مدارس اور یونیورسٹیز کے اربابِ فہم وفراست کے اتحاد وامتزاج کا یہ حسین منظر انھیں صرف اشرفیہ میں دیکھنے کو ملا ہے جس کی وجہ سے انھیں فکر و نظر اور احساس و آگہی کی ایک نئی جہت کا احساس ہوتا ہے۔"

سیمینار کے آغاز میں ممدوح گرامی علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا، حضرت کا خطبۂ استقبالیہ امت کے غم سے لبریز ہے، ملاحظہ فرمائیں چند جملے:

"عزیزانِ ملت اسلامیہ! اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اہل سنت وجماعت میں ملک گیر اور عالم گیر شہرت کی حامل شخصیتیں ہیں، بڑی بڑی کانفرنسیں اور اجتماعات ہوتے ہیں، بڑی بڑی بلڈنگوں والے ادارے ہیں لیکن ملکی اور بین الاقوامی بساط پر ملی دائرۂ فکر وعمل جس کا متقاضی ہے وہ تنظیمی ڈھانچہ آج تک منظم نہ ہو سکا۔ ملکی اور ملی بساط پر ہم کب تک مسلم قیادت ونمائندگی کا ماتم کرتے رہیں گے اور کب تک کاسۂ گدائی لیے ملی قیادت کی حصہ داری کی بھیک مانگتے رہیں گے؟ یہ ہمارے فکر وعمل کا افلاس ہی تو ہے کہ پورے ملک میں 85 فیصد سے زیادہ اہل سنت وجماعت ہیں اور مسلم قیادت کی باگ ڈور 15 فیصد کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ہمارے اکابر اور علما نے ملی فلاح و بہبود کے لیے بہت کچھ کیا، سلگتے ہوئے مسائل پر کل ہند انقلاب آفریں کانفرنسیں کیں لیکن ان کی حیثیت یا تو وقتی تھی یا انفرادی، جب کہ ملی اور ملکی تحریکوں کے موثر ہونے کے لیے تسلسل و اجتماعیت ضروری ہے۔ تنظیمی نظم نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اکابر کی خدمات ماضی کی بے رحم مٹی میں دفن ہو گئیں، جب کہ غیر اہل سنت نے تنظیمی قوت سے معمولی معمولی خدمات کو بھی تاریخ کا روشن باب بنا کر محفوظ کر لیا۔ میں اس بات کو اکثر کہتا رہتا ہوں کہ عہد حاضر میں خدمت انجام دینا یقیناً اہم کام ہے مگر خدمت کو محفوظ کرنا اس سے بڑا کام ہے جو ہم سے آج تک نہ ہو سکا۔"

آگے مزید فرماتے ہیں:

"یہ صحیح ہے کہ میڈیا کے ذریعہ جب بھی مسلمانوں کے عقائد و مسائل کی تضحیک کی جاتی ہے تو ہم سراپا احتجاج بن کر چیخ اٹھتے ہیں، لیکن ہمارا احتجاج اور مظاہرے ہمارے مسائل کا حل نہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے احتجاج و اضطراب کا تماشہ دیکھا جاتا ہے اور دنیا بھر کو دکھایا جاتا ہے اور اب مسلسل ان قیامت خیز حالات کو دیکھتے دیکھتے امت مسلمہ کی قوت احساس بھی منجمد ہوتی چلی جا رہی ہے۔ خدانخواستہ اگر مسلمان اس منزل میں پہنچ گئے کہ ان کے سامنے ان کے

دین و مذہب کا مذاق اڑایا جائے اور ان کی دینی حمیت اور قوت احساس بیدار نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی دینی و ملی زندگی کے لیے موت کا پیغام ہوگا۔"

علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا یہ تاریخی خطبہ نہ صرف ملتِ اسلامیہ بالخصوص اہل سنت و جماعت کے تنظیمی ڈھانچے کے فقدان کا ایک سچا نوحہ ہے، بلکہ یہ فکری و عملی بیداری کی ایک جان دار دعوت بھی ہے۔ انھوں نے انتہائی دردمندی کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ افرادی قوت، عظیم اداروں اور مقتدر شخصیات کی موجودگی کے باوجود، تسلسل اور اجتماعیت نہ ہونے کی وجہ سے اہل سنت اپنے جائز ملکی و ملی حقوق اور قیادت سے محروم ہیں۔ علامہ مصباحی کا یہ نکتہ بلاشبہہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ کام کرنا جتنا اہم ہے، تنظیمی قوت کے ذریعے اس کام کو محفوظ کرنا اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ نظم و ضبط نہ ہونے کی وجہ سے ماضی کی عظیم انفرادی اور وقتی کوششیں تاریخ کے صفحات میں وہ مقام حاصل نہ کر سکیں جن کی وہ حق دار تھیں، جب کہ دیگر بیدار مغز گروہوں نے اپنے چھوٹے کاموں کو بھی تنظیم کی طاقت سے لازوال بنا دیا۔

اس فکر انگیز خطبے کا دوسرا اہم ترین پہلو مسلم معاشرے میں بڑھتی ہوئی فکری بے حسی اور جذباتی ردِ عمل کی سیاست پر کاری ضرب ہے۔ علامہ مرحوم نے واضح کیا کہ میڈیا اور مخالفین کی طرف سے جب بھی اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا جاتا ہے، تو ہمارا وقتی طور پر چیخ اٹھنا یا سڑکوں پر احتجاج کرنا مسائل کا پائیدار اور مستقل حل نہیں، بلکہ ہمارا یہ فعل دشمنوں کے لیے تماشہ بن کر رہ جاتا ہے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں ان پے در پے صدمات اور حالات کی سنگینی کے باعث امت کی "قوتِ احساس" ہی منجمد نہ ہو جائے اور اس میں اپنی ایمانی غیرت کا دفاع کرنے کی رمق ہی باقی نہ رہے۔ علامہ موصوف کا خطاب ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ جذباتی نعروں اور وقتی مظاہروں کے بجائے، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ایسا پائیدار اور مربوط تنظیمی ڈھانچہ تیار کیا جائے جو مسلمانوں کی دینی و ملی حمیت کا محافظ بنے اور انھیں دفاعی پوزیشن سے نکال کر ایک باوقار قیادت کی شکل میں منظم کرے۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد سیمینار بھرپور علمی وقار کے ساتھ چار نشستوں میں منعقد ہوا۔ مندوبین کی کثیر تعداد نے اپنے مقالات کے خلاصے پیش کیے، مختلف عناوین پر اربابِ علم و دانش اور علما و مشائخ کے چالیس سے زیادہ مقالات سامنے آئے۔

عہدِ حاضر کو اگر "میڈیا کا دور" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، اب ہتھیار کے بجائے نظریاتی جنگیں اخبارات، رسائل، ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ کے ذریعے لڑی جا رہی ہیں۔ ان قیامت خیز حالات میں جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی اور مقامی سطح پر پروپیگنڈے کا بازار گرم ہے اور ہر چہار جانب طوفان بدتمیزی برپا ہے، ایسے میں کسی علمی و تنظیمی پلیٹ فارم پر "میڈیا سیمینار" کوئی روایتی تقریب نہیں، بلکہ وقت کی سب سے اہم دفاعی اور تعمیری ضرورت بن کر ابھرتا ہے۔ سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے، تو اس کی کثیر جہتی اہمیت اور دوررس افادیت کے کئی روشن پہلو سامنے آتے ہیں:

❁ بڑی افادیت یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو دشمن کی نظریاتی پیش قدمی سے باخبر کیا۔ سیمینار میں عالمی اور مقامی میڈیا کے اسلام مخالف رویوں کو نشانہ بنایا گیا۔ جہاں ایک طرف امریکی اور مغربی میڈیا کے حملوں کا فکری محاسبہ کیا گیا، وہیں دوسری طرف انگریزی، ہندوتوا اور عیسائی میڈیا کی سرگرمیوں کو بھی بے نقاب کیا گیا۔ مقالہ نگاروں نے صرف سطحی باتیں نہیں کیں، بلکہ انٹرنیٹ پر موجود اسلام مخالف مواد، مدارسِ اسلامیہ کے خلاف میڈیا کے منفی کردار، اور شرعی فتاویٰ و تعددِ ازدواج جیسے حساس موضوعات کو جس طرح میڈیا توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے، اس کا گہرا تحقیقی جائزہ لیا۔ یہ تجزیہ امت کو دفاعی پوزیشن سے نکال کر فکری طور پر مستحکم کرنے کے لیے ناگزیر تھا۔

❁ علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے اپنے استقبالیہ خطبے میں جس ”خدمت کو محفوظ کرنے“ کے مسئلے کا ذکر کیا تھا، یہ سیمینار اسی کا مداوا بن کر سامنے آیا۔ سیمینار کے مقالات نے ماضی اور حال کے صحافتی اثاثوں کا بھرپور جائزہ لیا۔ مختلف تاریخی جرائد کا تعارف اور جائزہ پیش کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ علماے اہل سنت صحافت کے میدان میں کبھی پیچھے نہیں رہے۔ اس سے نئی نسل کو اپنے اکابر کی صحافتی جڑوں کا پتہ چلا اور ان میں یہ اعتماد بحال ہوا کہ وہ ایک شاندار قلمی تاریخ کے امین ہیں۔

❁ اس سیمینار کا ایک خاص رخ جامعہ اشرفیہ کے ترجمان ”ماہنامہ اشرفیہ“ کی نصف صدی پر محیط خدمات کا احاطہ کرنا تھا۔ اس کے تحقیقی مقالات، قومی و ملی رہنمائی، اداریوں کا تنقیدی جائزہ، تعارفِ شخصیات، بابری مسجد جیسے نازک ملکی مسائل پر اس کا موقف، اور نعتیہ ادب کے فروغ میں اس کے کردار پر تفصیلی مباحث پیش کیے گئے۔ اس جائزے نے یہ واضح کر دیا کہ ایک دینی جریدہ کس طرح وقت کے دھارے کا رخ موڑنے اور مسلمانوں کی فکری و قلمی تربیت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

❁ یہ سیمینار صرف شکوہ و شکایت یا ماضی کی داستان گوئی تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس کی سب سے بڑی افادیت اس کا تعمیری رخ تھا۔ ”میڈیا میں ہمارا کردار کیسے موثر ہو“ جیسے موضوعات پر بحث نے مستقبل کا ایک واضح لائحہ تیار کرنے کا جوش و جذبہ بیدار کیا۔ سیمینار نے یہ احساس پیدا کیا کہ جس طرح مسلم صحافت نے آزادی ہند میں کلیدی کردار ادا کیا تھا، آج کے بدلتے ہوئے حالات میں ہم اسی طرح صحافت اور اس کے ذیلی شعبوں (ماس کمیونیکیشن، ڈیجیٹل میڈیا وغیرہ) کو اپنائے بغیر میڈیا کے اہداف کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

مذکورہ میڈیا سیمینار اپنے موضوعات کے تنوع، مقالہ نگاروں کی علمی جلالت اور معروضیت کے اعتبار سے ابنائے اشرفیہ اور اہل سنت کی تاریخ کا ایک بے مثل فکری سنگِ میل ثابت ہوا۔ اس نے امت کو یہ پیغام دیا کہ اب وقت روایتی جذباتی نعروں کا نہیں، بلکہ منظم تنظیمی ڈھانچے کے ساتھ میڈیا کے میدان میں اترنے کا ہے۔

سیمینار کی آخری نشست میں حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی نے خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا:

”ہمارے اور آپ کے لیے یہ مسرت و سعادت کی بات ہے کہ ملک کے مختلف مقامات سے یہاں الجامعۃ الاشرفیہ کے زیر سایہ جمع ہو کر قوم و ملت کے ایک حساس موضوع اور اہم ضرورت پر گفتگو کر رہے ہیں اور اس کے ہر پہلو پر اپنی اپنی بساط کے مطابق اظہارِ خیال کرتے ہوئے مستقبل کے کسی ایسے خاکے اور لائحۂ عمل کی ترتیب و تدوین میں ہم اجتماعی طور پر سرگرداں ہیں..... زندہ قوموں کا یہ طریقہ اور وطیرہ ہوتا ہے کہ ان کے اصحاب علم اور ارباب دانش ماضی کی وراثت کو سینے سے لگا کر آگے بڑھتے ہیں اور گرد و پیش کے حالات پر کڑی نظر رکھتے ہیں تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ کن کن مسائل کا انھیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور کن کن چیلنجز سے ان کا سامنا ہے۔“

اس تاریخ ساز سیمینار کے بارے میں مزید تفصیلات ماہ نامہ اشرفیہ جولائی 2006ء کے شمارے سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سیمینار کی تفصیلات تو ضرور ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہوئیں، لیکن مابعد کے شماروں میں دو چار مقالات کے علاوہ کوئی مقالہ شائع نہ ہو سکا، حالاں کہ یہ تمام مقالات حساس فکر طالبان علوم کا فکری منہج طے کرنے اور جدید افکار و خیالات کا قبلہ درست کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مذکورہ مقالات میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے سابقہ آفس اور ممدوح گرامی کی ذاتی لائبریری میں کافی تلاش کیے مگر دستیاب نہ ہو سکے۔ ان مقالات کی بازیابی اور اشاعت بہر حال ضروری ہے۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی حیات اور ان کی علمی و تنظیمی خدمات کا تذکرہ کیے بغیر ”تنظیم ابنائے اشرفیہ“ اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ملی بیداری کی تاریخ ادھوری رہے گی۔ انھوں نے جس دور میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کی باگ ڈور سنبھالی، وہ فکری

انتشار اور تنظیمی جمود کا دور تھا۔ انھوں نے اس حقیقت کو شدت سے محسوس کیا کہ انفرادی کوششیں تاریخ کا حصہ تو بن سکتی ہیں، مگر تاریخ کا رخ نہیں موڑ سکتیں چناں چہ انھوں نے اپنی ذاتی دلچسپی سے تنظیم کو ایک رسمی پلیٹ فارم سے نکال کر ایک فعال اور متحرک تحریک میں تبدیل کیا، فضلاے اشرفیہ کو ایک لڑی میں پرویا اور انھیں ایک ایسا تنظیمی مزاج دیا جس نے برسوں بعد بھی دینی و ملی محاذوں پر اپنی شناخت قائم رکھی۔

انھوں نے اہل سنت کے علمی حلقوں کو اس وقت میڈیا کی اہمیت سے روشناس کرایا جس کو بہت سے لوگ "غیر ضروری" یا "دنیوی" سمجھ کر نظر انداز کر رہے تھے۔ وہ حالاتِ حاضرہ پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے میڈیا کے اسلام مخالف حملوں کو بھانپ کر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک علمی اور تحقیقی لائحہ عمل مرتب کیا۔ ان کی کاوشوں سے مدارس اسلامیہ کے فضلا میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اب قلم اور کیمرے کی طاقت کا مقابلہ صرف جذبات سے نہیں، بلکہ منظم صحافت اور جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال سے ہی ممکن ہے۔

حضرت علامہ کا وطیرہ یہ تھا کہ وہ ماضی کی سنہری روایتوں کو سینے سے لگائے رکھتے، لیکن حال کے چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لیے جدید دانشوروں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو بھی ساتھ لے کر چلتے تھے۔ آپ کے خطبات میں جو دردِ ملت پایا جاتا تھا، وہ آپ کے اخلاص کی دلیل تھا۔ انھوں نے امت کو "کاسہ گدائی" اور "احتجاجی سیاست" سے نکال کر "عملی قیادت" اور "تعمیری صحافت" کی طرف بلایا۔

ایک خواب ناتمام:

بر صغیر کی تاریخ میں انیسویں صدی عیسوی فکری انتشار اور سیاسی انقلاب کا دور تھی۔ اس پر آشوب عہد میں جس شخصیت نے نوکِ قلم سے لے کر نوکِ سناں تک حق گوئی اور بے باکی کا پرچم بلند کیا، وہ امامِ علم و حکمت، شہنشاہ منطق، عظیم دانش ور علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ ہیں۔ وہ اگر ایک طرف معقولات و منقولات کے بحرِ ناپیدا کنار تھے تو دوسری جانب میدانِ حریت کے مردِ آہن بھی تھے، انھوں نے انگریزی استعمار کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے کر تاریخ ہند کا رخ ہی بدل دیا۔ علامہ موصوف کی شخصیت بر صغیر کی تاریخ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ مغل عہدِ زوال کے آخری بڑے منطقی، فلسفی اور فقیہ تھے، ساتھ ہی برطانوی استعمار کے خلاف اٹھنے والی پہلی منظم عوامی تحریک کے فکری قائد بھی۔ ان کی اس ہمہ جہت عبقریت کو دستاویزی شکل دینا ایک مشکل ترین کام تھا، مگر علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی کاوشِ پیہم اور ان کے حسنِ تدبر نے ممکن کر دکھایا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی حیات اور ان کی ہمہ جہت علمی و قومی خدمات کا احاطہ کرتا ہوا ماہ نامہ اشرفیہ (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) کا منتظر اشاعت "**علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر**" اگر کبھی شائع ہو کر منظرِ عام پر آئے گا تو یقیناً علمی و تحقیقی دنیا کا سنگِ میل ثابت ہوگا، یہ وہ عظیم الشان نمبر ہے جس کا ایک طویل عرصے سے اربابِ علم و دانش کو انتظار ہے۔

علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے کسی زمانے میں اس نمبر کے لیے راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون قربان کیا، اس بکھری ہوئی تاریخ کو یکجا کرنے کی تڑپ تھی جو انھیں چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ ایک جنون تھا کہ اس نمبر کے ذریعے علامہ کی زندگی کے ان گوشوں کو منور کر کے دنیا کے سامنے لایا جائے جو اب تک عام نگاہوں سے اوجھل ہیں اور جنھیں وقت کی بے رحم گرد نے دھندلا دیا ہے۔

اس نمبر کی فہرست پر نظر ڈالیں تو یہ دس ابواب میں منقسم ایک بحرِ زخار نظر آتا ہے۔ مرتب نے کمالِ عرق ریزی سے علامہ کی زندگی کے ہر پہلو کو موضوعِ بحث بنایا ہے:

پہلے باب (**حیات و خدمات**) کے تحت علامہ کے خاندانی پس منظر سے لے کر ان کے مختلف شہروں (مثلاً رام پور) میں قیام اور ان کی حب الوطنی جیسے موضوعات پر نام ور اصحاب علم و قلم کے مقالات شامل ہیں۔

پروفیسر ایوب قادری اور دلدار نصیری کے مضامین علامہ کے رام پور میں قیام، وہاں کے نوابین سے تعلقات اور وہاں قائم

ہونے والے علمی حلقوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ رام پور کا قیام علامہ کی علمی زندگی کا ایک اہم پڑاؤ تھا جہاں انھوں نے درس و تدریس اور تصنیف کا بڑا کام انجام دیا۔

"**علم و حکمت کا مہر درخشاں**" اس ضخیم نمبر کا دوسرا باب ہے ،اس باب میں شامل علامہ محمد احمد مصباحی اور مولانا محمد اسحاق مصباحی کے مقالات یہ ثابت کرتے ہیں کہ جب یونانی فلسفے اور منطق پر یورپ کی طرف سے اعتراضات ہو رہے تھے، اس وقت علامہ نے اسلامی عقائد کے دفاع کے لیے منطق کو کس طرح ایک مضبوط ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اسی باب میں مفتی نظام الدین رضوی کا مضمون علامہ کے فتاویٰ اور ان کی فقہی گہرائی کو سامنے لاتا ہے، جب کہ ڈاکٹر ساحل شہسرامی ان کے علمی شجرے اور اسانید (Certificates of Transmission) کا تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں، جو یہ دکھاتا ہے کہ علامہ کا علمی سلسلہ کن اکابر سے ہوتا ہوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

تیسرا باب: "**علمی و اعتقادی مباحث**" ہے۔ یہ باب انیسویں صدی کے مذہبی مباحث کا آئینہ دار ہے۔ اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے منظرِ عام پر آنے کے بعد برصغیر میں جو نظریاتی کشمکش شروع ہوئی، علامہ فضل حق اس میں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے ترجمان کی صورت ابھر کر سامنے آئے۔ مولانا ناظم علی مصباحی اور مولانا نصر اللہ رضوی کے مقالات علامہ کی معرکۃ الآرا کتاب "امتناع النظیر" کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ مضامین اس فلسفیانہ اور کلامی بحث پر مبنی ہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی مثل (نظیر) کا پیدا ہونا عقلاً و نقلاً محال ہے۔ مولانا قطب الدین اور مولانا انیس احمد قادری کے مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ موصوف صوفیانہ افکار اور عقائدِ اہل سنت کے معاملے میں کتنے متصلّب اور محتاط تھے۔

اردو دنیا عام طور پر علامہ کو صرف ایک خشک فلسفی یا فقیہ سمجھتی ہے، لیکن چوتھا باب "**شعر و ادب**" ان کے اندر کے تیکھے شاعر اور ادیب کو سامنے لاتا ہے۔ اس باب میں مولانا نفیس احمد مصباحی نے علامہ کے عربی قصائد کا جائزہ لیا ہے۔ علامہ کی عربی دانی کا یہ عالم تھا کہ وہ فی البدیہہ ایسے فصیح و بلیغ اشعار کہتے تھے جن پر عرب کے شعرا بھی انگشت بدنداں رہ جائیں۔

جزیرہ انڈمان (کالا پانی) کی قید کے دوران جب علامہ کے پاس نہ کاغذ تھا نہ قلم، انھوں نے کوئلے سے کپڑوں اور جیل کی دیواروں پر جو عربی قصائد لکھے، انھیں دنیا "زندانی ادب" کا شاہکار مانتی ہے۔ "قصیدہ میمیہ" اسی دور کی یادگار ہے، جس کا ترجمہ و ترتیب اس باب کا حسن ہے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی اور انقلاب 1857 پانچواں اور انتہائی اہم باب ہے۔ یہ اس خاص نمبر کی سیاسی اور تاریخی روح ہے۔ اس باب میں ان انگریز مؤرخین کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا گیا ہے جنھوں نے 1857ء کی جنگ کو صرف ایک فوجی بغاوت کہا تھا۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی اور ڈاکٹر صابر سنبھلی کے مضامین جامع مسجد دہلی سے جاری ہونے والے علامہ کے اس تاریخی فتوے کی تفصیل پیش کرتے ہیں جس نے پورے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف آگ لگا دی۔ معرکہ ککرالہ میں ان کی عملی شرکت اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کا مضمون علماے دیوبند اور علامہ فضل حق کے سیاسی کردار کا ایک تقابلی اور بیانیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے، جو اس دور کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے۔ اسی باب میں راقم الحروف کا بھی ایک مضمون کالا پانی 1857 سے 1947 تک شامل ہے، مذکورہ مضمون میں جزیرہ انڈمان (کالا پانی) میں قیدِ فرنگ کی صعوبتوں اور اس انقلاب کے پوشیدہ تاریخی مآخذ (Sources) پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نمبر کے بقیہ ابواب مل کر ایک پورا تعلیمی اور سماجی نیٹ ورک تشکیل دیتے ہیں، ان میں علامہ کے اساتذہ احباب اور تلامذہ کے حسین تذکرے شامل ہیں۔ آخری باب میں برصغیر کے نامور شعرا (بشمول مرزا غالب کا فارسی قصیدہ) کی وہ نظمیں اور منقبتیں شامل ہیں جو علامہ کی عظمت، ان کی حریت پسند طبیعت اور علم و فضل کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے لکھی گئیں۔

یہ نمبر اب تک شائع نہیں ہو سکا، اتنے وسیع، جامع اور تاریخی مواد کے جمع ہو جانے کے باوجود اس نمبر کا تشنۂ اشاعت رہنا علم و ادب کی دنیا کے لیے یقیناً بڑا المیہ ہے۔ دیکھا جائے تو یہ نمبر ہندوستان کی جنگِ آزادی کی تاریخ کا وہ حصہ ہے جسے برطانوی حکومت اور بعد کے متعصب مؤرخین نے مٹانے کی کوشش کی۔ کسی بھی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالرز کے لیے یہ ایک بنیادی ماخذ (Primary Source) کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنی زندگی کے قیمتی ایام صرف کر کے یہ بیش بہا خزانہ ایک جگہ جمع تو کر دیا، لیکن کاغذ، طباعت اور اشاعت کے اخراجات کی گراں باری تاحال سدِ راہ بنی ہوئی ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی روح شاید آج بھی ہم سے سوال کر رہی ہے کہ جس سرمایے کو میں نے اپنے آخری سانسوں سے سینچا تھا، کیا وہ صرف اس لیے کاغذ کے ڈھیر میں دفن ہو جائے گا کہ تمھارے پاس مادی وسائل نہیں تھے؟ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک مخلص مرتب نے اپنا خونِ جگر تو دے دیا، مگر امت اب تک اس کا حق ادا نہ کر سکی۔

اس عظیم الشان، ضخیم اور تاریخی دستاویز کی مکمل اشاعت اور حسنِ طباعت کے لیے اس وقت تقریباً 8 لاکھ روپے درکار ہیں۔ مگر مقامِ افسوس ہے کہ اپنے اسلاف کی تاریخ کو بچانے کے لیے ہمارے پاس مذکورہ رقم نہیں ہے۔ کیا دنیا بھر کی آسائشوں اور عالی شان عمارتوں پر کروڑوں لٹانے والی امت، علم اور حریت کے اس مینارِ نور کو صرف چند لاکھ روپوں کی خاطر کباڑ خانے کی نذر ہو جانے دے گی؟

اگر آج کوئی صاحبِ خیر، کوئی اللہ کا بندہ، کوئی مخلص محبِ اسلاف دستِ تعاون بڑھائے، تو نہ صرف ایک جلیل القدر مرتب کا "خوابِ ناتمام" شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے، بلکہ امامِ حریت علامہ فضل حق خیر آبادی کی کالے پانی کی قربانیوں کا قرض بھی کسی نہ کسی حد تک ضرور ادا ہو سکتا ہے۔ یہ صرف ایک کتاب کی اشاعت میں مدد نہیں ہوگی، بلکہ تاریخِ ہند کے ایک سنہری باب کو گم نامی کی موت سے بچانے کی تاریخی اور مجاہدانہ کوشش ہوگی۔

آئیے! آگے بڑھیے، اپنے اسلاف کی لاج رکھیے اور اس علمی و قومی امانت کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے دل کھول کر اپنا حصہ ڈالیے۔ اگر آج ہم نے اپنی تاریخ کو نہ سنبھالا، تو آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔

اس عظیم الشان نمبر کے مولف علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی وفات ان تمام نفوس کے لیے ایک مستقل صدمہ ہے جن کی انھوں نے مدتوں فکری آبیاری فرمائی۔ وہ رئیس القلم جو پینتیس برس تک ماہنامہ اشرفیہ کی مسند سے ملت کے دھڑکتے ہوئے مسائل پر بے باکی سے لکھتے رہے، آج مٹی کی چادر اوڑھ کر شہرِ خموشاں کا چراغ بن چکے ہیں، مگر ان کے نقوشِ قدم آنے والے مسافروں کے لیے مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔ ان کے جانے سے علم و تحقیق کا جو آفتاب غروب ہوا ہے، اس کی تپش اور روشنی ان کی تحریروں اور شاگردوں کی صورت میں ہمیشہ کائنات کے افق پر موجود رہے گی۔ موت کا یہ لرزہ خیز صدمہ بظاہر ہمیں نڈھال کر رہا ہے، مگر ان کی دی ہوئی تربیت اور اسلام کا محکم فلسفہ ہماری انگلی تھام کر ہمیں دلاسہ دیتا ہے چناں چہ ہم اپنے جذبات کو تسلیم و رضا کے سانچے میں ڈھال کر یہی دعا کرتے ہیں کہ خالقِ کائنات حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے درجات بلند فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرما کر انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پس ماندگان کو صبر و شکر کے خزانہ لازوال سے حصہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ■■■

مولانا مبارک حسین مصباحی
احوال و آثار

[1387ھ/1967ء—1447ھ/2026ء]

مفتی فیضان سرور مصباحی، قاضی دارالقضاء ادارۂ شرعیہ، اورنگ آباد (بہار)

مولانا مبارک حسین مصباحی عصرِ حاضر کی ایک ممتاز علمی، صحافتی اور فکری شخصیت تھے۔ آپ نے تدریس، تصنیف، خطابت اور صحافت کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور اپنے بے باک قلم و زبان کے ذریعے اہلِ سنت کے عقائد و نظریات کی مؤثر ترجمانی فرمائی۔ طویل عرصہ تک ماہنامہ ''اشرفیہ'' مبارک پور کے مدیر کی حیثیت سے علمی و فکری رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تدریسی خدمات سے بھی وابستہ رہے۔ آپ کی فکری بصیرت، تحقیقی ذوق اور اصلاحی طرزِ خطاب نے ہزاروں طلبہ، علما اور عوام کو متاثر کیا۔ ذیل کی سطور میں ان کی حیات و خدمات، علمی آثار اور دینی کارناموں کا مختصر تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

اسمِ گرامی و تاریخِ ولادت: گھر والوں نے آپ کا نام ''مبارک حسین'' رکھا۔ بعد ازاں دارالعلوم اہلِ سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور سے فراغت کے بعد علمی نسبت کے اظہار کے لیے نام کے ساتھ ''مصباحی'' کا لاحقہ اختیار فرمایا، جو آگے چل کر آپ کی مستقل شناخت اور نام کا لازمی جزو بن گیا۔ آپ کا **شجرۂ نسب**، جو خود آپ کی نگرانی میں مرتب کیا گیا، یہ ہے: مبارک حسین بن خلیل احمد بن الحاج محمد جمعہ۔

آپ کی **ولادت** 7 رجب المرجب 1387ھ مطابق 10 اکتوبر 1967ء کو موضع جیتولی، ضلع رام پور (اتر پردیش، ہند) کے ایک معزز، دیندار اور مذہبی گھرانے میں ہوئی، جہاں دینی اقدار اور اسلامی روایات کا خوش گوار ماحول میسر تھا۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ایک دین دار اور مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والدۂ محترمہ، مرحومہ آمنہ خاتون نے رسمِ بسم اللہ ادا کرائی اور ابتدائی ہجائی اسباق خود پڑھائے۔ ناظرۂ قرآنِ کریم کی تعلیم کے لیے ملاجی سردار احمد کی درس گاہ میں بھیجا، جب کہ اردو کی چند ابتدائی کتابیں ڈاکٹر رحمت اللہ سے پڑھیں۔ اسی دوران علاقے کے پرائمری اسکول میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ چناں چہ جب مکتبی تعلیم مکمل ہوئی تو اسکول کی پانچویں جماعت تک کی تعلیم بھی حاصل کر چکے تھے۔ گھر والوں کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کا یہ فرزند حافظِ قرآن اور عالمِ دین بن کر دینِ اسلام کی خدمت اور سربلندی کا ذریعہ بنے۔ اسی مقصد کے تحت آپ کا داخلہ مدرسہ اسلامیہ، راجہ کا سہنس پور، بلاری میں کرایا گیا، جہاں نابینا حافظ قرآن حضرت حافظ محمد اسماعیل کی نگرانی میں حفظِ قرآن کا آغاز ہوا۔ چند ماہ بعد اسی ادارے کے نامور استاذ، استاذ القرا حضرت قاری علی حسین اشرفی کی درس گاہ میں منتقل ہوئے اور انھی کی سرپرستی میں حفظِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔

بعد ازاں جب استاذ القرا کی تقرری مدرسہ اہلِ سنت اجمل العلوم، سنبھل (مسجد جہان خاں، محلہ کھگو سرائے، سنبھل، اتر پردیش) میں ہوئی تو آپ بھی ان کے ساتھ اس ادارے میں آگئے۔ یہیں آپ نے حفظِ قرآنِ کریم کی تکمیل کی اور 1398ھ/1978ء میں دستارِ حفظ کی سعادت حاصل کی۔

درسِ نظامی کی تعلیم کے لیے جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم، بھوج پور، مرادآباد میں داخلہ لیا، جہاں ابتدائی درسی کتابوں کے ساتھ

مروجہ قراءتِ حفص کورس بھی مکمل کیا۔ اس کے بعد مدرسہ حامدیہ اشرفیہ سراج العلوم، کوٹ، سنبھل کا رخ کیا اور ان اداروں سے علمی استفادہ کرتے ہوئے 1984ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور پہنچے، یہاں درجۂ رابعہ میں داخلہ لیا۔ بحث و تکرارِ درسیات، عبارت خوانی میں دلچسپی اور قلمی ذوق و شوق کی بدولت بہت جلد ممتاز طلبہ کی صف میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ بالآخر 1989ء میں کثیر علما و مشائخ کی موجودگی میں دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ اشرفیہ کے شعبۂ عربی ادب میں داخلہ لیا۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ کرام میں محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری گھوسوی، محدث جلیل علامہ عبدالشکور نوری مصباحی، شیخ القرآن علامہ عبداللہ خان عزیزی، خیر الاذ کیاء علامہ محمد احمد مصباحی، نصیر ملت علامہ محمد نصیر الدین عزیزی، سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی، علامہ مفتی عبد الحق مصباحی، شارحِ مؤطا مالک مفتی شمس الہدی خان مصباحی وغیرہم سے مستفید ہوئے۔

علمی اسناد ایک نظر میں : (1) مدرسہ اہلِ سنت اجمل العلوم سنبھل سے حفظِ قرآن کی سند 1398ھ/1978ء (2) جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم بھوجپور سے تجوید و قراءتِ حفص کی سند۔ (3-4) جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے عالمیت کی سند شعبان 1407ھ/ اپریل 1987ء اور فضلیت کی سند شعبان 1409ھ/ مارچ 1989ء (5-8) عربی فارسی مدرسہ بورڈ، اتر پردیش سے منشی، عالم، فاضل عربی ادب، فاضل دینیات کی اسناد (9-11) جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل. (12) گیا کالج گیا- انڈر مگدھ یونیورسٹی- سے ایم. اے. اردو (1992ء تا 1994ء)۔

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی ادارت : ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا اجرا حضور حافظ ملت علامہ شاہ حافظ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دورِ مسعود ہی میں ہو چکا تھا۔ اس کا پہلا شمارہ فروری 1976ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے اولین مدیر حضرت مولانا بدر القادری مصباحی علیہ الرحمہ (ہالینڈ) تھے۔ ان کے بعد بالترتیب مولانا ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی الہ آبادی اور علامہ عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی نے اس کی ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اس طرح یہ رسالہ مسلسل جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی دینی، علمی اور فکری ترجمانی کا فریضہ انجام دیتا رہا۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی قلمی جولانیاں، اور تحریری سرگرمیاں زمانۂ طالب علمی ہی سے جاری تھیں، آپ کے متعدّد علمی و تحقیقی مضامین ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہو کر اسی دور میں اربابِ نظر کو ابتدا ہی سے اپنی جانب متوجہ کر چکے تھے۔ چناں چہ فراغت کے بعد جب ماہنامہ اشرفیہ کے لیے ایک باصلاحیت، فعال اور معیاری مدیر کی ضرورت محسوس کی گئی تو اہلِ نظر کی نگاہِ انتخاب آپ پر آکر ٹھہری۔ اساتذۂ کرام اور جامعہ کے بعض ذمہ داران نے آپ کے نام کی بھرپور تائید و حمایت فرمائی، اور یوں فراغت کے ایک سال بعد ہی، یعنی 1410ھ/1990ء میں، آپ کو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی ادارتی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ یہ آپ کی عمر کا وہ مرحلہ تھا جب عموماً نوجوانی کو ناپختگی و ناتجربہ کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی فہم و فراست، ادبی ذوق اور تنظیمی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ چنانچہ آپ نے نہ صرف اس عظیم ذمہ داری کو کامیابی کے ساتھ نبھایا بلکہ رسالے میں ایسی جدتِ فکر اور تنوعِ اسلوب پیدا کیا کہ وہ مسلسل ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا۔

اشرفیہ کے اساتذۂ کرام سے مشاورت و رہنمائی، نئے نئے مستقل کالموں کا اجرا، موضوعات کے انتخاب میں وسعت، معیاری مضامین کی اشاعت کا اہتمام، اور ملک کے ممتاز اہلِ قلم سے مضبوط روابط قائم کرنا، آپ کی نمایاں خدمات میں شامل تھا۔ آپ کی انھی مخلصانہ کوششوں، مسلسل محنتوں اور اعلیٰ ادارتی بصیرت کا نتیجہ تھا کہ ماہنامہ اشرفیہ نے ایک نئی شناخت حاصل کی، اس کا علمی وقار مزید مستحکم ہوا، اور وہ اہلِ علم کے حلقوں میں ایک معتبر اور مستند دینی و

فکری ترجمان کے طور پر اپنی پہچان بنانے میں کامیاب ہوا۔

ماہنامہ اشرفیہ کے چند تاریخی نمبرات وخصوصی شمارے:

آپ کی ادارتی بصیرت کا روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے محض رسالے کی اشاعت ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مختلف علمی، دینی اور تاریخی موضوعات پر ایسے وقیع خصوصی نمبرات منظرِ عام پر لائے جنھوں نے اہلِ علم وفضل سے بھرپور خراجِ تحسین حاصل کیا۔ ان میں سے چند نمایاں خصوصی نمبرات درج ذیل ہیں:

● پیغمبر اسلام نمبر[1991ء] ● انوار حافظ ملت نمبر [1992ء] ● صدر الشریعہ نمبر[1995ء] ● تعلیمی کنونشن نمبر [1996ء] ● سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر[1998ء] ● جشن شاہ بخاری نمبر[2000ء] ● فقیہِ اعظم ہند نمبر[2000ء] ● فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمدی خصوصی گوشہ [2001ء] ● خصوصی شمارہ رئیس القلم علامہ ارشد القادری [2002ء] ● سیدین نمبر[2002ء] ● مفتیِ اعظم راجستھان نمبر[2007ء] ● انقلاب 1857 نمبر[2008ء] ● گوشۂ امام احمد رضا[2010ء] گوشہ علامہ یاسین اختر مصباحی وغیرہ۔

عقدِ مناکحت اور ازدواجی زندگی: سنہ 1990ء آپ کی زندگی میں سعادتوں اور خوش بختیوں کا ایک یادگار باب بن کر طلوع ہوا۔ ایک جانب آپ کی ذہانت وقلمی مہارت کے اعتراف میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی ادارت جیسی اہم ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی، تو دوسری جانب اسی سال آپ کو خانوادۂ حافظِ ملت سے نسبت وتعلق کی عظیم سعادت بھی حاصل ہوئی۔ چناں چہ حضور عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی دام ظلہ العالی، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے آپ کو شرفِ دامادی کے لیے منتخب فرمایا، اور یوں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی پوتی صاحبہ آپ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ اس مبارک نسبت نے آپ کی زندگی کو ایک نئی خوشبو، نئی توانائی اور نئی سعادت سے ہم کنار کر دیا۔ اس رشتے میں آپ کو پانچ صاحب زادیاں عطا ہوئیں، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(1) زیبا عزیز (2) بشریٰ ارم مرحومہ (3) طوبیٰ عزیز (4) نمرہ عزیز (5) بشریٰ عزیز۔

بڑی صاحب زادی محترمہ زیبا عزیز، ڈاکٹر محمد شعیب مرادآبادی سے منسوب ہوئیں، جب کہ تیسری صاحب زادی محترمہ طوبیٰ عزیز، مولانا مجیب مصباحی ازہری رام پوری کے عقدِ نکاح میں آئیں۔

حادثۂ فاجعہ: ان صاحب زادیوں میں سے محترمہ بشریٰ ارم 2012ء میں دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ یہ سانحہ مولانا موصوف کے لیے نہایت جاں گداز اور دل خراش ثابت ہوا۔ اس وقت آپ بریلی شریف میں مقیم تھے۔ جب اس الم ناک خبر کی اطلاع ملی تو فوراً رام پور کے لیے روانہ ہوئے، لیکن راستے ہی میں آپ کی گاڑی ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگئی۔ حادثہ اس قدر ہول ناک تھا کہ آپ کو نہایت سنگین جسمانی چوٹیں آئیں۔ سر اور چہرے کی حالت انتہائی تشویش ناک ہو چکی تھی، پہچانا نہ جاتا تھا۔ پیشانی سے قریب سر کا اگلا حصہ اور جبڑے کی ہڈیاں اپنی جگہ سے سرک چکی تھیں، اور بظاہر زندگی کی امیدیں ماند پڑتی دکھائی دیتی تھیں۔

تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ماہر معالجین کی مسلسل کوششوں اور کئی گھنٹوں پر محیط پیچیدہ آپریشن کے بعد متاثرہ حصوں کو دوبارہ درست حالت میں لایا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ صحت یابی کی منزلیں طے ہوئیں، اور بحمد اللہ آپ معمول کی زندگی کی طرف لوٹ آئے۔ اگرچہ جسمانی زخم وقت گزرنے کے ساتھ مندمل ہو گئے، لیکن اس حادثے کے اثرات مکمل طور پر ختم نہ ہو سکے۔ اس کی تکلیف اور اندرونی کسک مدتوں باقی رہی، اور رفتہ رفتہ اس کے بعض اثرات ذہنی واعصابی کیفیت پر بھی محسوس کیے جانے لگے، جو عمر کے آخری ایام تک کسی نہ کسی درجے میں اذیت دیتے رہے۔

خلافت واجازت: حضرت تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری بریلوی علیہ الرحمہ، مفتیِ اعظم راجستھان علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمہ، اور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی دامت برکاتہم

العالیہ نے آپ کی گوناگوں صلاحیتوں سے متاثر ہوکر اپنے اپنے سلاسلِ طریقت میں اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ نیز ترجمانِ سنیت حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری پاکستانی علیہ الرحمہ نے آپ کو اجازتِ کتبِ احادیث عطا فرمائی۔ اس طرح آپ کو اکابر اہلِ سنت کی ایک درخشاں جماعت سے علمی و روحانی وابستگی بھی قائم ہوگئی، جس نے آپ کی دینی خدمات کو مزید استحکام اور وسعت عطا کی۔

تنظیمی سرگرمیاں: آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی تنظیمی بصیرت، قائدانہ صلاحیت اور انتظامی فہم سے بھی نوازا تھا، چناں چہ علمی، دینی اور اصلاحی سرگرمیوں کو منظم انداز میں فروغ دینے کے لیے آپ نے مختلف اداروں، تنظیموں اور تحریکوں کی سرپرستی و قیادت فرمائی۔ جس کے نتیجے میں متعدّد دینی و فلاحی منصوبے کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ ذیل میں آپ کی چند نمایاں تنظیمی وابستگیوں اور مناصب جلیلہ کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

(1) جنرل سکریٹری: ادارۂ تحقیقاتِ حافظ ملت، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ (2) جنرل سکریٹری: تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور (3) بانی و منتظم: المجمع المصباحی مبارکپور (4) بانی و مہتمم: دارالعلوم اہل سنت جامعہ طیبہ شاہ آباد، ضلع رام پور، یوپی (5) صدر اترپردیش یونٹ: آل انڈیا جماعت رضائے مصطفی بریلی شریف (6) رکن مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور (7) رکن شعبۂ تعمیر و ترقی: جامعہ اشرفیہ مبارک پور (8) رکن مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور رکن مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور (9) سیوجک آل انڈیا مدرسہ کو آرڈینیشن کمیٹی، مارہرہ مطہرہ (10) رکن مجلسِ ادب و ثقافت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دہلی وغیرہ

تصنیف و تالیف: آپ کا قلم اور مذہبی صحافت سے رشتہ محض کسبی نہیں بلکہ فطری اور پیدائشی نوعیت کا تھا۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی کامیاب اور مؤثر ادارت کے ساتھ ساتھ خصوصی تاریخی شماروں اور اہم اشاعتی منصوبوں کی ترتیب و تدوین نے آپ کو علمی و فکری دنیا میں ایک ممتاز مقام عطا کیا۔ مزید برآں، آپ کی مستقل تصنیفات نے بھی ملتِ اسلامیہ کی فکری رہنمائی، علمی بیداری اور دینی شعور کی آبیاری میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی یہ علمی خدمات نہ صرف قابلِ قدر ہیں بلکہ ایک روشن فکری وراثت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ذیل میں آپ کی تصنیفی و تالیفی خدمات کا ایک اجمالی آئینہ پیش کیا جارہا ہے، ان میں سے بعض تو وہی تحریریں ہیں، جو بطور اداریہ ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہوئیں، اور بعض مستقل تصنیف یا سیمینار میں پیش کیے گئے آپ کے مقالات ہیں، جو افادۂ عام کے لیے کتابی صورت میں طبع ہوئے:

• خلیج کا بحران • عشقِ رضا کی سرفرازیاں • پیامِ سیرت • اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصورِ روحانیت • برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب • جہانِ رئیس القلم • مدارس اسلامیہ تاریخ و حقائق کے اجالے میں • جامعہ اشرفیہ۔ایک مختصر تعارف • امام احمد رضا اور مسلک جمہور • کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے؟ • دو عظیم شخصیتیں • آفتاب قدس نکلا نور برساتا ہوا • حافظِ ملت اور جمشید پور • شہر خموشاں کے چراغ • فتاویٰ جامعہ اشرفیہ جلد اول [جمع و ترتیب: فتاویٰ حافظ ملت و دیگر • تبرکات کے آداب و فضائل [ترجمہ و تلخیص: بدر الأنوار فی آداب الآثار] • انوارِ مخدوم ملت • اسلام اور ہندوستان • خطبات نظامی [تقدیم و طبع: خطبات علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ]

خطابت و بیان: آپ ایک عظیم صحافی اور بلند پایہ قلم کار ہونے کے ساتھ ایک بہترین خطیب بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی قوتِ گویائی، وسعتِ مطالعہ اور دل نشیں اسلوبِ بیان اور برجستگی سے نوازا تھا۔ آپ کے ولولہ انگیز اور فکر آفرین خطابات عوام و خواص دونوں میں یکساں مقبول تھے۔ ملک بھر کے بڑے دینی، علمی اور تاریخی اجتماعات میں آپ کو بطورِ خطیبِ خصوصی مدعو کیا جاتا تھا، اور کسی بھی جلسہ و کانفرنس میں آپ کی شرکت کو اس کی کامیابی، رونق اور مقبولیت کا اہم ذریعہ تصور کیا جاتا تھا۔ مارہرہ مطہرہ، بریلی شریف، اور کچھوچھہ مقدسہ وغیرہ کے تاریخی اعراس میں آپ نے بارہا خطاب فرمایا ہے۔

طلبۂ مدارس کی قلمی تربیت: آپ کو تحریر و قلم سے غیر معمولی شغف اور والہانہ وابستگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں بھی کسی دینی درس گاہ میں تشریف لے جاتے، وہاں طلبہ کو مطالعہ، تصنیف اور صحافت کی اہمیت سے آگاہ کرتے اور انھیں لکھنے لکھانے کی طرف متوجہ فرماتے۔ بالخصوص جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ کی علمی و قلمی خدمات کا بڑے فخر و انبساط کے ساتھ تذکرہ کرتے اور انھیں ملت و مذہب کی فکری ترجمانی کے لیے قلم سنبھالنے کی ترغیب دیتے تھے۔

صحافت، میڈیا اور عصرِ حاضر کے فکری و تہذیبی چیلنجز آپ کے پسندیدہ موضوعات میں شامل تھے۔ آپ اس بات پر زور دیتے تھے کہ دینی مدارس کے فضلا صرف درس و تدریس تک محدود نہ رہیں، بلکہ قلم و قرطاس کے میدان میں بھی اپنی موجودگی کا احساس دلائیں۔ چنانچہ اگر کوئی طالب علم اپنا مضمون لے کر اس امید کے ساتھ حاضر ہوتا کہ اسے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع ہونے کا موقع مل جائے، تو آپ اس کی نہ صرف حوصلہ افزائی فرماتے، بلکہ اس کی خامیوں کی اصلاح کرتے، اور ناقابلِ اشاعت تحریر کے بھی نوک پلک سنوار کر اسے قابلِ اشاعت بنا دیتے۔

مستقبل کے قلم کاروں کی تربیت کے لیے آپ نے اپنے ماہنامہ میں ایک مستقل کالم بھی جاری فرمایا، جس کا بنیادی مقصد نو آموز اہلِ قلم کی رہنمائی اور ان کی تحریری صلاحیتوں کو جلا بخشنا تھا، تاکہ وہ آگے چل کر مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی مؤثر ترجمانی کر سکیں۔

اسی جذبۂ خیر خواہی کا نتیجہ تھا جب کسی نو آموز مصنف یا قلم کار کی کتاب یا رسالہ تبصرے کے لیے آپ کی خدمت میں پہنچتا، تو ماہنامہ اشرفیہ کے صفحات میں نہ صرف اسے مناسب جگہ دی جاتی، بلکہ کھلے دل سے تعریفی اور تعمیری تبصرہ بھی تحریر فرمایا جاتا، جس سے مصنف کے حوصلے بلند ہوتے اور اسے مزید آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا۔ اس کی بے شمار مثالیں آج بھی اہلِ علم کے سامنے موجود ہیں۔

اسی طرح جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبۂ درجۂ فضیلت جب اپنی نئی تصنیفات لے کر تقریظ، تاثر یا مشورے کے لیے حاضر ہوتے، تو آپ کا مشفقانہ انداز اور حوصلہ افزا رویہ دیدنی ہوتا تھا۔ راقم الحروف (فیضان سرور مصباحی) اور محبِ گرامی مولانا ابو ہریرہ رضوی مصباحی نے جب دورِ طالب علمی میں "سالنامہ باغِ فردوس جامعہ اشرفیہ مبارک پور" کا اجرا کیا اور مسلسل چار برس تک اس کی ضخیم اور تاریخی جلدیں منظرِ عام پر آئیں، تو ہر مرتبہ آپ نے خصوصی شفقت و اپنائیت کا مظاہرہ فرمایا۔ کبھی ٹیچرس کالونی کے اپنے حجرۂ مبارکہ میں بٹھا کر اور کبھی ماہنامہ اشرفیہ کے دفتر میں بلا کر نہایت قیمتی نصائح سے نوازا، رہنمائی فرمائی اور ان کاوشوں پر بے پناہ قلبی مسرت کا اظہار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی یہی شفقتیں، دعائیں اور حوصلہ افزائیاں آج بہت سے اہلِ قلم کی علمی و ادبی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

انتقالِ پُر ملال: 18 ذی الحجہ 1447ھ مطابق 4 جون 2026ء، شب جمعہ، سوشل میڈیا کے توسط سے یہ اندوہ ناک خبر گردش کرنے لگی کہ فخرِ صحافت، مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور مولانا مبارک حسین مصباحی اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ بتایا گیا کہ رات تقریباً گیارہ بج کر پینتالیس منٹ پر ٹیچرس کالونی، احاطۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ یہ خبر دیکھتے ہی دیکھتے علمی و دینی حلقوں میں پھیل گئی اور ہر طرف ایک سوگوار فضا قائم ہو گئی۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ"

بعد نمازِ جمعہ ہزاروں سوگواروں، عقیدت مندوں اور اہلِ علم و فضل کی موجودگی میں آپ کی نمازِ جنازہ "عزیز المساجد" کے باہر وسیع گراؤنڈ میں ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ کی امامت حضور عزیز ملت، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے فرمائی۔ اس کے بعد آپ کو مزار حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے متّصل "اشرفیہ قبرستان" میں سپردِ خاک کیا گیا، جہاں آپ کی تدفین سے علمی و ادبی دنیا اور مذہبی صحافت کا ایک روشن باب بند ہو گیا۔ ❋❋❋

مولانا مبارک حسین مصباحی

حیات و خدمات کے نقوش جاوداں

مولانا مجیب احمد مصباحی ازہری، صدر المدرسین مدرسہ فیض المصطفیٰ رودر پور اتراکھنڈ

إذا مات العالم ثُلِمَ في الإسلام ثُلْمَةٌ لا يَسُدُّها شيءٌ إلى يوم القيامة۔

جب کوئی عالم دین وفات پاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جسے قیامت تک کوئی چیز مکمل طور پر پُر نہیں کر سکتی۔

اہلِ علم کی زندگی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے علم، تدریس، تصنیف اور تربیت کے ذریعے نسلوں کی فکری رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کی رحلت، اگرچہ ایک عظیم خسارہ ہوتی ہے، مگر ان کا علمی ورثہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور برصغیر کی ان عظیم دینی درس گاہوں میں سے ہے جس نے ہر دور میں ایسے باکمال علما پیدا کیے، جنھوں نے اپنے علم، عمل، اخلاص اور حسنِ کردار سے ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی کی۔ اسی علمی گلستان کے ایک ممتاز اور باوقار عالم، حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنھوں نے تدریس، دینی صحافت اور علمی خدمات کے میدان میں نہایت اخلاص، وقار اور استقامت کے ساتھ گراں قدر خدمات انجام دیں۔ خصوصاً "ماہنامہ اشرفیہ" کی ادارت کے دوران، آپ نے تحقیق، اعتدال اور علمی دیانت کی ایسی روشن روایت قائم کی جو ہمیشہ اہلِ علم کے لیے مشعلِ راہ رہے گی۔ ذیل میں ہم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات، علمی و تدریسی خدمات، صحافتی کردار، تصنیفی کاوشوں اور نمایاں اوصاف کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں، تاکہ ان کی خدمات کا یہ قیمتی سرمایہ محفوظ رہے اور آنے والی نسلیں اس علمی ورثے سے روشناس ہو سکیں۔

ولادت و خاندانی پس منظر:

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت 7 رجب المرجب 1387ھ، مطابق 10 اکتوبر 1967ء، ضلع رامپور کے مردم خیز قصبہ شاہ آباد میں ایک نہایت شریف، دین دار، علم نواز اور صالح خانوادے میں ہوئی۔ یہ وہ گھرانہ تھا جہاں دینی اقدار، اخلاقی روایات اور علم و فضل کی قدریں نسل در نسل منتقل ہوتی رہی تھیں۔ اسی پاکیزہ ماحول اور بزرگوں کی صالح تربیت نے آپ کی شخصیت کی ابتدائی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا، چناں چہ کم سنی ہی سے علمِ دین کے حصول، اہلِ علم کی صحبت اختیار کرنے اور دینی خدمات انجام دینے کا جذبہ آپ کی طبیعت کا نمایاں وصف بن گیا۔

آپ کے والدِ گرامی، جناب خلیل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، اپنے علاقے کے معزز، دیندار اور اہلِ علم افراد میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے فرزند کی دینی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی، جس کے ثمرات بعد کے زمانے میں ایک ممتاز عالم، مخلص مدرس، کامیاب مدیر اور صاحبِ قلم شخصیت کی صورت میں پوری علمی دنیا کے سامنے آئے۔

تعلیم و تربیت:

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنی والدۂ ماجدہ، محترمہ آمنہ خاتون، سے کیا۔ اس کے بعد علاقائی سرکاری پرائمری اسکول میں پانچویں جماعت تک زیرِ تعلیم رہے۔ اسی دوران ناظرۂ قرآنِ کریم مکمل کیا اور اردو کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔

بعد ازاں بلاری میں قاری محمد اسماعیل کی درس گاہ میں حفظِ قرآن کا آغاز کیا۔ پھر استاذ القرا حضرت حافظ و قاری علی حسن

اشرفی کی نگرانی میں حفظ کا سلسلہ جاری رکھا۔ چند ماہ بعد قاری موصوف کے ہمراہ مدرسہ اہلِ سنت اجمل العلوم، سنبھل، میں داخلہ لیا، جہاں 1398ھ، مطابق 1978ء، میں حفظِ قرآنِ کریم کی تکمیل کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم، بھوجپور، میں داخل ہوکر درسِ نظامی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور قراءتِ حفص کا کورس بھی مکمل کیا۔ پھر چند برس مدرسہ اشرفیہ سراج العلوم، سنبھل، میں زیرِ تعلیم رہے۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے آپ نے 1984ء میں الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، میں جماعتِ رابعہ میں داخلہ لیا اور 1989ء میں دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ فراغت کے بعد تخصص فی الأدب العربي کی تکمیل کی۔ مزید برآں، عربی و فارسی میں فاضلِ دینیات کی اسناد حاصل کیں اور مگدھ یونیورسٹی، گیا (بہار)، سے ایم۔اے۔ کی امتیازی ڈگری بھی حاصل کی۔

ازدواجی زندگی اور خانگی احوال:

19 اکتوبر 1990ء کو حضور عزیزِ ملت، فرزندِ حضور حافظِ ملت، سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ زید مجدہ کی بڑی صاحب زادی سے آپ کا عقدِ مسنون ہوا۔ مخدومۂ موصوفہ نہایت نیک سیرت، بااخلاق، باوفا اور باوقار خاتون ہیں، جو زندگی کے ہر مرحلے میں آپ کی حقیقی رفیقۂ حیات، معاون اور غم گسار ثابت ہوئیں۔ ان کی پاکیزہ سیرت، دینی مزاج اور حسنِ کردار دیگر خواتین کے لیے بھی قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

علامہ مرحوم کی زندگی مختلف ادوار میں علالت اور بیماریوں سے دوچار رہی، مگر ان کی اہلیہ محترمہ نے ہر آزمائش میں صبر و استقلال، محبت اور بے لوث خدمت کا ایسا مثالی مظاہرہ کیا کہ آخری ایام میں علامہ مرحوم اکثر فرمایا کرتے تھے: ”تم ایک نیک سیرت اور جنتی خاتون ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ صاحب زادیوں سے نوازا۔ آپ نے ان کی بڑی محبت، شفقت اور بہترین دینی و اخلاقی تربیت کے ساتھ پرورش فرمائی۔ راقم کے لیے یہ امر بھی باعثِ سعادت ہے کہ آپ کی دوسری صاحب زادی سے راقم کا عقدِ مسنون ہوا۔

علمی، قلمی اور ادارتی نقوش:

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کو گوناگوں علمی و فکری اوصاف سے نوازا تھا۔ آپ ایک باکمال مدرس، صاحبِ قلم، کہنہ مشق ادیب اور بلند پایہ مصنف تھے۔ آپ کی تحریروں میں علمی گہرائی، تحقیقی بصیرت، فکری پختگی، ادبی شائستگی اور دل نشیں اسلوب کا حسین امتزاج نمایاں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مضامین محض معلومات کا مجموعہ نہیں، بلکہ فکر و نظر کی رہنمائی کا مؤثر ذریعہ تھے۔

جولائی 1990ء سے آخرِ عمر تک آپ ماہنامہ اشرفیہ کے مدیرِ اعلیٰ رہے۔ اس طویل عرصۂ ادارت میں آپ نے اس علمی و دینی ترجمان کو اپنی صلاحیتوں، محنت اور اخلاص سے نئی جہت عطا کی۔ رفتہ رفتہ ماہنامہ اشرفیہ اور مولانا مبارک حسین مصباحی ایک دوسرے کی پہچان بن گئے؛ جہاں رسالے کا ذکر آتا، وہیں آپ کی علمی و ادبی شخصیت بھی ذہن میں تازہ ہو جاتی۔

آپ نے مختلف علمی، دینی، فکری اور اصلاحی موضوعات پر متعدّد گراں قدر مضامین، اداریے اور مقالات قلم بند فرمائے۔ آپ کے دورِ ادارت میں کئی یادگار خصوصی نمبر بھی شائع ہوئے، جنھیں علمی حلقوں میں نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور جنھوں نے اہلِ علم سے بھرپور خراجِ تحسین حاصل کیا۔

علامہ مرحوم ایک عظیم الشان، فصیح اللسان، بلیغ البیان اور سحر طراز خطیب تھے۔ خصوصًا ایکسیڈنٹ سے قبل میدانِ خطابت میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ فلکِ خطابت کے نیرِ تاباں تھے۔ جب منبرِ خطابت پر جلوہ افروز ہوتے تو علم کے دریا بہاتے، معرفت کے گوہر نچھاور کرتے اور اپنی سحر بیانی سے سامعین کے دل و دماغ کو مسحور کر لیتے تھے۔

آپ کی خطابت، علم و تحقیق، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوز و گداز، ادبی لطافت، دینی بصیرت اور عصری شعور کا حسین امتزاج تھی۔ آپ اپنے خطابات میں حالاتِ حاضرہ اور وقت کے

تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نہایت مدلل، پر مغز اور مؤثر انداز اختیار فرماتے، جس کے باعث سامعین نہ صرف متاثر ہوتے بلکہ فکری رہنمائی بھی حاصل کرتے تھے۔

اسی وجہ سے ملک بھر کے بے شمار دینی اجتماعات، اعراسِ اولیا اور سالانہ اجلاسوں کے منتظمین آپ کی شرکت کو اپنے پروگرام کی کامیابی کی ضمانت سمجھتے تھے۔ بعض مقامات پر عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے سر پر عمامہ شریف باندھ کر یہ اعلان کیا گیا: "جب تک آپ باحیات ہیں، ہمارے اعراس و اجتماعات میں خصوصی خطیب کی حیثیت سے مدعو رہیں گے۔"

کچھوچھہ مقدسہ میں پیرِ طریقت، حضور سید معین میاں صاحب قبلہ دام ظلہ العالی نے متعدد مواقع پر آپ کے سر پر دستار باندھتے ہوئے فرمایا: "آپ ہمیشہ کے لیے عرسِ مخدومی میں خصوصی خطیب کی حیثیت سے مدعو ہیں۔"

اسی طرح مبارک پور کے صبا کانوینٹ اسکول میں عرسِ حافظِ ملت کے موقع پر علامہ مرحوم کی ملاقات حضور سید اویس میاں قبلہ، بلگرام شریف سے ہوئی۔ آپ نے عرض کیا: "حضور! مجھے پہچان لیا؟" فوراً جواب ملا: "آپ کو کون نہیں جانتا؟ علالت سے پہلے عرسِ قاسمی، مارہرہ مطہرہ، میں ایک عرصے تک آپ کے نایاب اور یادگار خطابات سننے کا موقع ملا ہے۔"

اسی طرح کرناٹک کے ایک سفر کے دوران راقم کی ملاقات جامعہ عربیہ انوار القرآن، بلرامپور، کے استاذ، قاری فریاد صاحب قبلہ، سے ہوئی۔ گفتگو کے دوران جب علامہ مرحوم کا تذکرہ آیا تو انھوں نے فرمایا: "آپ ہمارے سالانہ جلسے کے مستقل (Permanent) مقرر تھے۔"

آپ کی خطابت کی شہرت ملک کے گوشے گوشے تک پہنچی ہوئی تھی۔ خود ایک مرتبہ آپ نے راقم سے فرمایا: "میں تقریباً پینتیس سے چالیس مرتبہ تقریر کے لیے کشمیر جا چکا ہوں۔" یہ ایک ایسا اعتراف ہے جو آپ کی غیر معمولی مقبولیت، وسعتِ دعوت اور خطیبانہ اثر انگیزی کا واضح ثبوت ہے۔

صبر واستقلال:

آپ کی زندگی کا ایک نہایت قابلِ تقلید پہلو صبر و استقلال تھا۔ آخری ایام میں طویل علالت اور مسلسل جسمانی تکالیف کے باوجود آپ نے کبھی اپنے اہلِ خانہ، احباب یا متعلقین کے سامنے شکوہ و شکایت کا اظہار نہیں کیا۔ نہ کسی سے علاج و معالجے کے لیے اصرار فرمایا اور نہ ہی اپنی بیماری یا تکلیف کو گفتگو کا موضوع بنایا۔

راقم کی جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی یا فون پر گفتگو کا موقع ملا، آپ ہمیشہ نہایت دل آویز، شستہ اور معیاری اردو زبان میں گفتگو فرماتے۔ شدید علالت کے باوجود آپ نے اپنی آواز، لب و لہجے اور اندازِ گفتگو سے کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ آپ کسی سخت بیماری یا جسمانی اذیت سے دوچار ہیں، بلکہ اگر اہلِ خانہ بیماری کی طوالت یا شدتِ مرض کے باعث پریشان ہوتے تو آپ نہایت متانت، سنجیدگی اور حوصلے کے ساتھ انھیں تسلی دیتے اور صبر و رضا کی تلقین فرماتے۔

انتقال سے کچھ وقت قبل، جب آپ پر شدید بے چینی اور اضطراب کی کیفیت طاری تھی، تو آپ کی اہلیہ محترمہ اشک بار ہو کر بے اختیار بول اٹھیں: "آخر یہ بے چینی کب ختم ہوگی؟" آپ نے فوراً نہایت شفقت اور نصیحت آمیز انداز میں فرمایا: "ایسا نہ کہیے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہے، ان شاء اللہ! یہ بھی جلد ختم ہو جائے گا۔"

عمر کے آخری ایام میں بھی آپ کی زبانِ مبارک پر حمد و شکر، اوراد و وظائف اور دعا کا بابرکت سلسلہ جاری رہا۔ آپ سے ملاقات کرنے والا ہر شخص، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، عزیز ہو یا متعلق، آپ کی پُرخلوص دعاؤں سے ضرور فیض یاب ہوتا تھا۔ یہی صبر، رضا اور توکل آپ کی شخصیت کا وہ روشن پہلو تھا جس نے آپ کے کردار کو مزید باوقار اور قابلِ اقتدا بنا دیا۔

رحلت کی خبر اور عوامی تاثرات:

18 ذی الحجہ 1447ھ، مطابق 4 جون 2026ء، شبِ جمعہ، رات 11 بج کر 45 منٹ پر (باقی ص:68 پر)

تربیتِ لوح وقلم کا عظیم مربی

مفتی ساجد رضا مصباحی، استاذ دارالعلوم غریب نواز داہوگنج، منی پٹی، کشی نگر۔

غم فرقت: مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے مورخہ 18 ذی الحجہ 1447ھ مطابق 4 جون 2026ء کو یہ روح فرسا خبر موصول ہوئی کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اور جامعہ اشرفیہ کے باوقار استاذ فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بھی شہر خموشاں کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

آپ کی رحلت کی خبر نے دل ودماغ کو بوجھل کر دیا، قلب وروح مضطرب ہو گئے اور ان کی شفقتوں اور عنایتوں کی بے شمار یادیں ذہن کے کینوس پر ابھرنے لگیں، عہد طالب علمی سے اب تک ان کی محبتوں اور نوازشات کا ایک طویل سلسلہ رہا، وہ مجھ جیسے سیکڑوں جواں سال فارغین کے محسن وکرم فرما تھے۔ وہ میرے انتہائی مشفق استاذ ومربّی تھے، یوں تو ان کی درس گاہ سے مجھے صرف ایک کتاب پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، لیکن ان کے مکتبِ صحافت کا ہمیشہ طالب علم رہا، ان کی نگاہِ عنایت نے ہر گام پر شاد کام کیا۔ آج جب ان کی کرم نوازیوں کا سائبان ہمیشہ کے لیے اٹھ چکا ہے تو تسکینِ قلب کے لیے ان کی یادوں کو سمیٹنے بیٹھا ہوں۔

تصور سے کسی کے جگمگاتی ہے سحر میری
کسی کی یاد سے روشن چراغ شام کرتا ہوں

سفر حیات: فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اتر پردیش کے رام پور سے تعلق رکھتے تھے، 7 رجب المرجب 1387ھ مطابق 10 اکتوبر 1967ء کو ولادت ہوئی۔ پرائمری اور ناظرہ کے بعد حفظ قرآن کریم میں مشغول ہوئے اور 1398ھ / 1978ء میں مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم، مسجد جہاں خان سنبھل سے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی اور سند ودستار سے نوازے گئے۔ تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم بھوج پور مراد آباد، مدرسہ حامدیہ اشرفیہ سراج العلوم کوٹ سنبھل کی درس گاہوں سے اکتساب فیض کیا۔ 1984ء میں برصغیر کی عظیم دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور پوری محنت وجاں کاہی کے ساتھ درس نظامی کی تکمیل فرمائی، 1989ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ انھوں نے حفظ وقراءت، عالمیت اور فضیلت کے علاوہ اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنو سے منشی، عالم، فاضل، جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل، گیا کالج گیا انڈر مگدھ یونی ورسٹی سے ایم، اے اُردو کی سند حاصل کی۔

انھوں نے جامعہ اشرفیہ کے تخصص فی الادب العربی کے شعبے میں داخلہ لیا تھا، اسی دوران 1990ء میں آپ جامعہ اشرفیہ کے استاذ مقرر ہوئے، اس عہد میں جامعہ اشرفیہ کی مسند تدریس کے لیے آپ کا انتخاب ایک بڑی حصول یابی تھی، ذمے داران اشرفیہ آپ کی قلمی صلاحیتوں سے سے بھی واقف تھے، اسی سال آپ کو ماہنامہ اشرفیہ کا مدیر اعلیٰ بھی منتخب کر لیا گیا۔

آپ لکھتے ہیں: "یہ جولائی 1990ء کی بات ہے، ابھی میری مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے سند فضیلت حاصل کر چکا تھا اور اسی باغ فردوس کے شعبۂ عربی ادب میں تخصص کر رہا تھا، اسی دوران ہمیں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ تمھیں "ماہ نامہ اشرفیہ" کی ادارت عظمٰی سونپی گئی ہے، یہ سننے کے بعد ہم نے کئی روز تک زمین کی طرف نہیں دیکھا، لیکن جب پہلی بار باضابطہ بساطِ

صحافت پر قدم رکھا تو سارا غرور علم ہرن ہو گیا، اور اسی کے ساتھ جہل مرکب کا مفہوم بھی سمجھ میں آ گیا۔“(شہر خموشاں کے چراغ، ص:26)

ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ:

”ماہ نامہ اشرفیہ“ 1976ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے جاری ہوا، اس کے سب سے پہلے مدیر حضرت مولانا بدر القادری مصباحی رحمۃ اللہ علیہ تھے، دعوت و تبلیغ کے مقصد سے ان کے ہالینڈ تشریف لے جانے کے بعد 1978ء سے 1983ء تک حضرت مولانا سید شمیم گوہر مصباحی مدیر با تدبیر رہے، پھر مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی دام ظلہ الاقدس نے ادارت کی ذمے داریاں سنبھالیں۔ فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی 1990ء میں ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ منتخب ہوئے، اس طرح آپ تقریباً 36 سال کی طویل مدت تک ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت عظمی کے مسند جلیل پر جلوہ افروز رہے، مجھے لگتا ہے کہ بر صغیر کے جرائد میں آپ سب سے طویل المدت مدیر رہے ہیں۔ آپ کے عہد ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ نے عروج وارتقا کا سفر طے کیا، قارئین کا حلقہ وسیع ہوا، اہل قلم کی ایک فعّال انجمن قائم ہوئی، اور رسالے کے اعتماد واعتبار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

کسی بھی جریدے کی کامیابی میں مدیر اعلیٰ کی حیثیت ستون خیمہ کی ہوتی ہے۔ وہ رسالے کی فکری سمت، علمی معیار اور ادبی وقار کا امین و پاسبان ہوتا ہے۔ جریدے کے منہج کی تعیین، اس کی علمی پالیسی کی تشکیل، مضامین کے انتخاب اور اہل قلم کی رہ نمائی جیسے اہم امور مدیر اعلیٰ ہی کی بصیرت اور حسن تدبیر کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ گویا مدیر اعلیٰ وہ مرکز و محور ہوتا ہے جس کے گرد پورا ادارتی نظام گردش کرتا ہے اور جس کی فکری رہ نمائی جریدے کی شناخت اور انفرادیت کو مستحکم بناتی ہے۔

ایک کامیاب مدیر اعلیٰ نہ صرف علم و ادب کا شناور ہوتا ہے بلکہ زمانے کے فکری تقاضوں اور معاشرتی ضروریات سے بھی پوری طرح آگاہ رہتا ہے۔ وہ جریدے کے صفحات کو محض تحریروں کا مجموعہ نہیں بننے دیتا بلکہ انھیں فکر و دانش، تحقیق و تنقید اور اصلاح و تربیت کا مؤثر ذریعہ بناتا ہے۔ اس کی نگاہ عمیق علمی مواد اور معیاری ادب کی تلاش میں رہتی ہے، جب کہ اس کا قلم اور فکر نئی نسل کی علمی و فکری رہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اس طرح مدیر اعلیٰ در حقیقت ایک معلم، مربی، ناقد اور راہ نما کی مشترکہ حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مدیر اعلیٰ کسی جریدے کی روح کی مانند ہوتا ہے۔ اگر اس میں وسعت نظر، اعتدال فکر، علمی دیانت اور حسن ذوق موجود ہو تو جریدہ اہل علم کے نزدیک اعتماد و اعتبار کا عنوان بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے کامیاب رسائل و جرائد کے پس منظر میں ہمیں ہمیشہ ایسے مدیران باوقار کی جاں فشانیاں نظر آتی ہیں جنھوں نے اپنی فکری بصیرت، علمی محنت اور بے لوث خدمت کے ذریعے اپنے جریدوں کو دوام، وقار اور مقبولیت عطا کی ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی انتہائی کام یاب مدیر تھے، وہ ہمیشہ ”ماہ نامہ اشرفیہ“ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے فکر مند اور کوشاں رہا کرتے تھے، ماہ نامہ اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ کا علمی و فکری ترجمان ہے، انھیں ہر قدم پر اس کا بھی لحاظ رکھنا ہوتا تھا، ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہونے والی تحریروں کو اشرفیہ کا موقف سمجھا جاتا ہے، اس لیے مضامین کے انتخاب میں یہ جہت بھی ان کے پیش نظر ہوتی تھی، وہ عام رسائل کی طرح ٹی، آر، پی کے لیے ”جلتے موضوعات“ سے کھیلنے کے عادی نہیں تھے، ہمیشہ اپنے جذبات قابو میں رکھ کر رسالے کو اعتدال کی راہ پر گام زن رکھتے تھے۔ ہم نے وہ دور بھی دیکھا ہے، جب دہلی کی سرزمین سے طلوع ہونے والے کئی رسالوں نے اپنی بے باکیوں کی وجہ سے قارئین کا ایک حلقہ بنانے میں کام یابی حاصل کی تھی، طلبۂ مدارس میں ان کی مقبولیت کا گراف کافی اونچا تھا، ایسے میں کچھ احباب ماہ نامہ اشرفیہ پر قدامت پسندی اور مدیر اشرفیہ پر جمود وتعطل کا الزام لگا کر طنز و تنقید کے نشتر چلاتے تھے۔ حضرت مولانا

مبارک حسین مصباحی مستقبل شناس اور منجھے ہوئے مدیر تھے، انھیں اپنی منصبی ذمے داریوں اور جامعہ اشرفیہ کے عظمت ووقار کا پورا احساس تھا، وہ ان حالات سے نہ تو متاثر ہوئے اور نہ ہی رسالے کے منہج ومعیار کے ساتھ کوئی سمجھوتا کیا، انھوں نے مومنانہ بصیرت اور طویل صحافتی تجربات کو بروے کار لاتے ہوئے پورے اعتدال کے ساتھ ماہ نامہ اشرفیہ کا سفر جاری رکھا، کہتے ہیں کہ اعتدال میں دوام ہوتا ہے اور سنجیدہ افکار دیر تک زندہ رہتے ہیں، بحمدہ تعالیٰ ماہ اشرفیہ آج بھی پورے وقار واعتماد کے ساتھ بساط صحافت پر جلوہ فگن ہے، جب کہ اس دوران صحافت کے آسمان پر طلوع ہونے والے کئی جریدے غروب ہو چکے ہیں، اور آندھیوں کے شکل میں نمودار ہونے والے رسالے اپنے انجام تک پہنچ گئے ہیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے ماہ نامہ اشرفیہ کو منجمد نہیں رکھا، نہ عصری تقاضوں سے آنکھیں چرائیں، بلکہ وقت اور حالات کے تقاضوں سے آہنگ رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی، حسب ضرورت نئے کالمز کے اضافے بھی کیے، ملک وبیرون ملک کے باکمال اصحاب قلم کو ماہ نامہ کے مستقل کالم نگاروں کی انجمن میں شامل رکھا، نئے اور نوجوان اصحاب قلم کو خاص طور سے طبع آزمائی کا موقع فراہم کیا، اس طرح ان کی قلمی تربیت بھی ہوئی اور ”مستقبل کے اہل فکر وقلم“ کی ایک کھیپ بھی تیار ہوگئی۔ انھوں نے ہر طبقے کے قارئین کے معیار ومزاج کا خیال رکھا، علما، طلبہ اور عام قارئین کے ذوق کی تسکین کے لیے متنوّع مضامین کے گُل بوٹوں سے رسالے کو مزین کیا۔ طلبہ کے لیے مختلف اوقات میں الگ الگ کالم خاص کیے، نئے قلم کاروں کو ”مستقبل کے اہل فکر وقلم“ کا پلیٹ فارم دیا، نواجوان اہل قلم کے لیے ”بزم دانش“ سجائی، اور کرنٹ ایشوز پر عمدہ مضامین لکھوائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر انھوں نے ”تنظیم ابناے اشرفیہ“ کی آفس میں جامعہ اشرفیہ کے چند باشعور اور تحریر وقلم سے دل چسپی رکھنے والے طلبہ کی میٹنگ رکھی اور ماہ نامے کے نئے کالمز کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا، اس نشست میں ہم چند احباب نے ”بزم دانش“ کے اضافہ اور ”روداد چمن“ کو مستقل کالم کی حیثیت دینے اور ”صداے بازگشت“ میں روایتی مکتوبات کی بجاے تجزیاتی وتنقیدی مکتوبات کو جگہ دینے کی گزارش کی تھی، جسے انھوں شرف قبولیت سے نوازا، یہ کالمز آج بھی ماہ نامہ اشرفیہ میں اپنی حیثیت کے ساتھ برقرار ہیں۔

کسی بھی جریدے کی ادارت بظاہر ایک باوقار عہدہ ہے، لیکن اس کے پس منظر میں مدیر کے کاندھوں پر کتنی ذمے داریاں ہوتی ہیں وہ کوئی مدیر ہی محسوس کر سکتا ہے، وہ بھی جریدہ ”ماہ نامہ اشرفیہ“ جیسا علمی وفکری اور باوقار ہو تو ذمے داریاں اور بڑھ جاتی ہیں، ماہ نامہ اشرفیہ میں اشاعت کے لیے بے شمار مضامین آتے تھے، لیکن وہ سبھی قابل اشاعت نہیں ہوتے تھے، رسالے کے معیار ومزاج کو باقی رکھتے ہوئے مضامین کا انتخاب ایک مشکل کام ہوتا تھا، وہ رسالے کے شایان شان مضامین کی حصول یابی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے، اصحاب قلم سے رابطے کا کام عام طور نائب مدیر مولانا عبدالصمد مصباحی، مولانا شکیل احمد مصباحی مرحوم اور مولانا طفیل احمد مصباحی اپنے اپنے دور میں کیا کرتے تھے، لیکن اس حوالے سے ان کی رہ نمائی اور تاکید ہمیشہ شامل رہتی، بعض اوقات خود ہی فون کر کے مضامین کا تقاضا کرتے تھے، ادھر کئی سالوں سے تو نیابت کا عہدہ مسلسل خالی رہا، اس پورے دور میں وہ خود ہی اہل قلم سے رابطہ کرتے، مستقل کالمز کے لیے اچھے مضامین کے حصول کی کوشش فرماتے۔ **ان کی علالت کے دوران گوناگوں اوصاف وکمالات کے حامل محترم مہتاب پیامی زید فضلہ نے ماہ نامے کی ادارتی ذمے داریاں بحسن وخوبی نبھائیں، رسالے کی تزئین وآرائش کے ساتھ مضامین کی فراہمی کے لیے جد وجہد بھی کرتے رہے، شان دار اداریے لکھے، اور وقت پر رسالہ منظر عام پر**

لانے میں کامیابی حاصل کی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے دور ادارت میں ”ماہ نامہ اشرفیہ“ کے کئی اہم اور معیاری نمبرات، خصوصی شمارے اور خاص گوشے شائع ہوئے، جس کی فہرست حسب ذیل ہے:

◈ پیغمبر اعظم نمبر (1991ء) ◈ انوار حافظ ملت نمبر (1992) ◈ صدر الشریعہ نمبر (1995) ◈ تعلیمی کنونشن نمبر (1996) ◈ سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر (1998) ◈ جشن شارح بخاری نمبر (2000) ◈ فقیہ اعظم ہند نمبر (2000) ◈ فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی خصوصی گوشہ (2001) ◈ سیدین نمبر (2002) ◈ خصوصی شمارہ حضرت رئیس القلم (2002) ◈ مفتی اعظم راجستھان نمبر (2007) ◈ انقلاب 1857 نمبر (2008) ◈ گوشہ امام احمد رضا (2010)۔

وہ کئی سال قبل چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر بھی تیار کر چکے تھے، لیکن کسی وجہ سے طباعت کا کام التوا میں پڑا رہا۔ کسی رسالے کا خصوصی نمبر نکالنا نہایت جاں گسل اور دماغ سوزی کا کام ہے، اہل قلم سے موضوع کے مختلف گوشوں پر مضامین لکھوانا، اصحاب قلم کو مواد فراہم کرنا، پھر کتابت، کمپوزنگ اور تصحیح وترتیب کے مراحل سے گزار کر طباعت کی راہیں ہموار کرنا، بڑے دل گردے کا کام ہوتا ہے، یہ مراحل شوق یوں ہی طے نہیں ہو جاتے، اس کے لیے مہینوں تک دن کا آرام اور راتوں کی نیند قربان کرنی پڑتی ہے، ذہنی وجسمانی توانائیاں صرف کرنی پڑتی ہیں، تب کہیں اس گلستاں میں بہاروں کا موسم آتا ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے عہد ادارت میں مرتب ہونے والے خصوصی نمبرات سرسری نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں اور علم وفن کا عظیم سرمایہ ہیں، انھوں نے اہل سنت کے اکابرین کی شخصیت اور خدمات پر شائع ہونے والے خصوصی نمبرات میں جس سلیقے سے ان کے نقوش حیات اور علمی آثار کو جمع کیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے۔

کام یاب مصنف: حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بیک وقت کئی میدانوں میں مصروف عمل تھے، وہ جامعہ اشرفیہ میں تدریس اور ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی ادارت کے ساتھ باضابطہ تصنیف وتالیف کے عمل سے بھی وابستہ تھے، ان کی متعدّد تصانیف عوام وخواص میں مقبول ہوئیں، اور ملک بیرون ملک کے مختلف اشاعتی اداروں نے انھیں شائع کیا، ان کی تصنیفی خدمات کی ایک طویل داستان ہے، ان کی تصانیف کے موضوعات میں تنوّع ہے، اسلوب بیان اس قدر شگفتہ اور دل پذیر ہے کہ خشک موضوعات پر بھی ان کا زر نگار قلم موتیاں بکھیرتا ہے، ان کی تصانیف میں علم وادب کی چاشنی بھی ہے اور تحقیق وتدقیق کا عنصر بھی، وہ کہیں ملت اسلامیہ کی بدحالی پر آنسو بہاتے نظر آتے ہیں تو کہیں ملی وجماعتی افتراق وانتشار پر نوحہ کناں ہیں، ان کا قلم کبھی خلیج کے بحران کا حل ڈھونڈتا ہے تو کہیں بر صغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب کی تلاش میں سر گرداں نظر آتا ہے، وہ کبھی اپنے قارئین کو عشق رضا کی سرفرازیوں سے آشنا کرنے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں تو کہیں مسلک اعلیٰ حضرت کی تفہیم میں مشغول دِکھتے ہیں۔ وہ کبھی باطل فرقوں کی سرکوبی کے لیے شمشیر برّاں اور برق خاطف بن جاتے ہیں اور ان کا قلم دشمنان رسول پر کاری ضرب لگاتا نظر آتا ہے، وہ کبھی عشق رسول ﷺ میں سرشار ہو کر سیرت نبوی کا پیغام سناتے ہیں تو کہیں تصوف وروحانیت کے گل بوٹے کھلاتے ہیں، وہ کبھی جامعہ اشرفیہ کی ترجمانی اور اس کی سفارت کا فریضہ انجام دیتے ہیں تو کبھی حافظ ملت کے علمی وفکری آثار کے تحفظ کے لیے مضطرب ہوتے ہیں، وہ اپنے اسلاف کے نقوش قدم کے تحفظ کے لیے قرطاس وقلم کا سہارا لیتے ہیں تو کبھی یاد رفتگاں کو سمیٹنے کے لیے شہر خموشاں میں چراغ روشن کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی تصانیف کا تعارف وتجزیہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر دل کھول کر لکھنے کو جی چاہتا ہے، لیکن یہاں طوالت کا خوف دامن گیر ہے۔ سردست قارئین کی خدمت میں ان کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

◈ خلیج کا بحران۔ ◈ عشق رضا کی سرفرازیاں ◈ پیام

سیرت ◊ اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت ◊ برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب ◊ جہان رئیس القلم ◊ مدارس اسلامیہ تاریخ وحقائق کے اجالے میں ◊ الجامعۃ الاشرفیہ ایک مختصر تعارف ◊ امام احمد رضا اور مسلک جمہور ◊ کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے ؟◊ دو عظیم شخصیتیں ◊ آفتاب قدس نکلا نور برساتا ہوا ◊ حافظ ملت اور جمشید پور ◊ شہر خموشاں کے چراغ ◊ موسم بہاراں ◊ فتاویٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور جلد اول (ترتیب وتحقیق)

نسل نو کے محسن ومربی: حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی حیات کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ وہ انتہائی کشادہ قلب، صاف دل، مخلص، مہربان اور محبت فرمانے والے استاذ تھے، وہ یوں تو سبھی کے لیے حسن اخلاق کے پیکر تھے لیکن طلبۂ مدارس کے ساتھ ان کا برتاؤ بڑا کریمانہ تھا، سچ یہ ہے کہ وہ طلبۂ مدارس اور نوجوان علما کے بے لوث محسن ومربی تھے، جامعہ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے کتنے طلبہ آپ کی حوصلہ افزائیوں کے سبب باضابطہ قلم کار بن گئے، طلبہ ٹوٹے پھوٹے چند جملے جوڑ کر ان کی خدمت میں پیش کرتے، آپ نہ صرف یہ کہ ان کی اصلاح فرما کر ماہ نامہ اشرفیہ کے قیمتی صفحات میں جگہ عنایت فرماتے بلکہ حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرما کر ان کے اندر جوش وجذبہ پیدا کر دیتے، اس میدان میں قدم رکھنے والے نوآموز طلبہ ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات میں اپنی تحریر دیکھ کر پھولے نہیں سماتے اور پھر مشق قلم کا سلسلہ شروع ہو جاتا، ان کا یہ رویّہ کسی خاص طالب علم کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ جو بھی جذبۂ خالص کے ساتھ ان سے وابستہ ہو جاتا انھیں وہ تحریر وقلم کا شناور بنا دیتے۔ میں ایسے درجنوں نوجوان علما کو جانتا ہوں جن کے قلمی سفر میں مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی رہ نمائیاں اور ان کی توجہ والتفات کا خاص دخل ہے، وہ مردم شناس بھی تھے، نوجوان علما کی علمی، فکری اور قلمی صلاحیتوں کو بہت جلد محسوس کر لیتے تھے، یوں تو وہ جامعہ اشرفیہ کے استاذ تھے، لیکن تحریر وقلم کے حوالے سے ان سے فیض پانے والے ملک وبیرون ملک کے گوشے گوشے میں ہیں، فکر وقلم سے تعلق رکھنے والے ایسے بے شمار نوجوان علما ہیں جنھیں آپ خود فون کر کے تحریر وقلم کی دنیا آباد رکھنے اور کچھ کر گزرنے کی ترغیب دیتے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ہر دور میں اصحاب فکر وقلم پیدا ہوتے رہے ہیں اور یہاں کے فارغین نے ہر زمانے میں اپنے علم وقلم کا لوہا منوایا ہے، لیکن اکیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ یہاں تحریر وقلم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، جامعہ اشرفیہ کے اس دور کو اگر ہم "انقلابی دور" کہیں تو شاید غلط نہ ہوگا، اس زمانے میں یہاں تربیت لوح وقلم کا جو شور پیدا ہوا، شاید اس کی مثال ماضی میں کہیں نہ ملے، طلبۂ اشرفیہ کے اندر جو جوش وخروش اور مسابقاتی جذبہ جو اس دور میں دیکھا گیا وہ حیرت انگیز تھا، اس انقلاب کے بطن سے وجود میں آنے والے اصحاب فکر وقلم کی ایک لمبی فہرست ہے جو صحافت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس انقلاب کے پس منظر جامعہ اشرفیہ کے تمام اساتذہ کی کاوشیں اور ان کی مخلصانہ کوششوں کا بڑا دخل ہے، جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی اور المجمع الاسلامی مبارک پور کے رکن حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی دام ظلہ العالی کی تحریک وتشویق کا بھی اس میں اہم کردار ہے۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے فکر وقلم کی اس انقلابی تحریک کو جلا بخشنے کا کام کیا، انھوں نے طلبہ کی ذہن سازی کی، ان کی ادبی انجمنوں کی سرپرستی فرمائی اور لکھنے والوں کو ماہ نامہ اشرفیہ میں جگہ دے کر ان کے حوصلوں کو مہمیز کرنے کا گراں قدر فریضہ انجام دیا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

ذرّہ نوازیاں: استاذی الکریم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مجھ فقیر پر بے پناہ مہربان تھے، مہربانیوں کا یہ سلسلہ عہدِ طالب علمی سے شروع ہوا اور اب تک جاری رہا، جسم وروح کا رشتہ ٹوٹنے کے بعد اگرچہ ان کی ظاہری شفقتوں سے

محرومی ہوگئی ہے؛ لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کی دعائیں اور ان کا روحانی فیضان ہمیشہ مجھ پر سایہ فگن رہیں گے۔

جامعہ اشرفیہ میں عہد طالب علمی میں استاذی الکریم خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ اور مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی دام فضلہ رکن المجمع الاسلامی کی خصوصی توجہات اور عنایات سے قلم پکڑنے کا کچھ سلیقہ آیا تو "ماہ نامہ اشرفیہ" سے خصوصی تعلق قائم ہوگیا، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی شفقت وعنایت اور ان کی خرد نوازی نے ان کا گرویدہ بنادیا، ماہ نامہ اشرفیہ کے دفتر میں آمد ورفت بھی بڑھ گئی، انھوں نے اپنے کرم خاص سے میری چند ٹوٹی پھوٹی تحریروں کو ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات میں جگہ دے کر میرے حوصلوں کو مہمیز کیا، اور مجھے بھی بزم اشرفیہ کے خادموں میں شامل کرلیا، طالب علمی کے زمانے میں یہ بڑی حصول یابی میرے لیے بڑے اعزاز وافتخار کی بات تھی، وہ فرماتے تھے کہ ہر شمارے کے لیے کچھ لکھا کرو، وقت نہ ملے تو مکتوبات کے کالم میں گزشتہ شمارے کے مضامین کا تجزیہ وتبصرہ ہی تحریر کردیا کرو، کچھ دنوں کی مشق وممارست کے بعد وہ مستقل مضامین کے لیے عنوانات دینے لگے، تبصرے کے لیے کتابیں عنایت فرمانے لگے اور میں اسے اپنی سعادت مندی سمجھ کر ان کے حکم کی تعمیل کی کوشش کرتا، اس طرح عہد طالب علمی ہی میں ان کی نگاہِ عنایت سے متعدّد مضامین ماہ نامہ اشرفیہ کی زینت بنے۔ تحریری تربیت کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ 2008ء کے اواخر میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے شعبۂ تخصص فی الفقہ سے فراغت حاصل کرکے تدریس کے لیے جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف چلا گیا۔ ایک فکر دامن گیر تھی کہ کہیں تحریر وقلم سے وابستگی کمزور نہ ہو جائے، اور مشق قلم کا سلسلہ ماند نہ پڑجائے، لیکن ان کی نگاہِ عنایت کے طفیل میرے خدشات غلط ثابت ہوئے، بعد مکانی نے ان کی شفقتوں کو بالکل متاثر نہیں کیا، وہ مجھے مسلسل لکھنے کی تاکید فرماتے رہے، اور ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات میں میری تحریروں کو جگہ دیتے رہے۔

"بزم دانش" اور کچھ دوسرے مستقل کالمز کے لیے انھیں منتخب موضوعات پر معیاری مضامین کی جستجو رہتی، اکثر وہ مجھے فون کرکے عنوان دیتے اور فرماتے کہ دو چار دن میں مضمون بھیج دو، رسالہ تیار ہے اور میں ان کے حکم کی بجاآوری کے لیے کسی نہ کسی طرح مضمون تیار کردیتا۔ کبھی کبھی ان کے حکم پر مولانا شکیل احمد مصباحی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا طفیل احمد مصباحی زید شرفہ بھی مضامین کے لیے فون کرتے۔ ان کی عنایتوں کا سلسلہ جاری رہا اور مشق قلم بھی ہوتی رہی۔

2014ء میں مجھے اپنے بکھرے مضامین کو جمع کرکے کتابی شکل میں شائع کرنے کا خیال آیا اور تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل مضامین کا مجموعہ تیار ہوگیا، میں نے اس کی اطلاع آپ کو دی تو آپ نے بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا، انھی دنوں کرنیل گنج گونڈہ کے مدرسہ یتیم خانہ صفویہ میں سالانہ جلسہ اور سیمینار کا پروگرام تھا، جس میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے ساتھ یہ خادم بھی مدعو تھا، سوچا موقع اچھا ہے، اسی موقع پر مقالات کی کاپی حضرت کو دکھا کر دعائیہ کلمات کے لیے گزارش کردوں گا، سیمینار سے فراغت کے بعد میں نے انھیں پرنٹ پیش کیا اور بتایا کہ ضخامت زیادہ ہونے کی وجہ سے کچھ مضامین ومقالات کو میں نے اس میں شامل نہیں کیا ہے، فرمانے لگے ضخامت بڑھ جائے تو کیا حرج ہے، میں عرض کیا حضور! طباعت کے اخراجات بڑھ جائیں گے، فرمایا، اللہ تعالیٰ انتظام فرمانے والا ہے، آپ ان مضامین کو بھی شامل کرلیں، ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے باقی ماندہ مضامین کو بھی شامل اشاعت کرلیا۔ انھوں نے اس کتاب کے لیے جو کلمات تحسین عطا فرمائے وہ ان کی ذرّہ نوازی کی اعلیٰ مثال ہے:

"خوب اور بہت خوب ہے یہ قلمی رشحات کا مرقع جمیل، آپ نے رنگ ہزاروں خوشبو ایک کا محاورہ سنا ہوگا، اگر عہد حاضر میں اس کا پیکر جمیل دیکھنا ہو تو "قلمی رشحات" پر نظر ڈالیے، علم وفن، فقہ وبصیرت، تاریخ وسیاست اور نقد ونظر جیسے اوصاف کی

جامع ہے، اس کی خوبیاں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں، اور جیسے جیسے آپ پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں گے، دل ودماغ معطر ہوتے چلے جائیں گے، یہ گراں قدر مضامین مصنف کے وسیع مطالعے کے غماز ہیں، کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے، اسلامیات، تحقیقات، نظریات، شخصیات، سیاسیات اور نقد ونظر۔

اس عظیم علمی وفکری کتاب کے قلم کار ہر دل عزیز مفتی حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی ہیں جو اپنے معاصرین میں اپنے علم وفن اور اپنے اخلاق وکردار میں بھی بہت بلند ہیں۔ آپ کی ولادت 1984ء میں ہوئی، خاک ہند کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے 2006ء میں سند فضیلت حاصل کی، اور 2008ء میں تخصص فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا، آپ درسیات اور فتویٰ نویسی میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، تدبر وبصیرت، تحقیق وصحافت میں بھی گہری نظر رکھتے ہیں، وہ بعض اوقات باتوں باتوں میں بڑی اہم باتیں کہہ جاتے ہیں، پیش نظر کتاب کے اکثر مضامین ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع ہو چکے ہیں اور ان دنوں بھی پابندی سے لکھتے ہیں، مجموعۂ مضامین چند یہ ہیں، تفسیر طیبات بینات: ایک تحقیقی مطالعہ۔ التصوف بین الافراط والتفریط۔ الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ۔ گلوبلائزیشن: تعارف، اہداف، اثرات۔ انقلاب 1857ء میں فارسی اخبارات کا کردار۔ کیا اتحاد اہل سنت ضروری ہے؟۔ علامہ سعد الدین تفتازانی۔ شارح سلم ملا محمد فرنگی محلی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی۔ حضور حافظ بخاری، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی۔ حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی۔ اور حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی وغیرہ۔

فراغت کے بعد سے آج تک معروف خانقاہ صمدیہ کے جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں اعلیٰ استاذ ہیں، خانقاہ اور جامعہ کے ذمے داران کے درمیان ہر دل عزیز ہیں، دعا ہے خدائے قدیر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کتاب، مصنف اور ناشر کو عرشی عظمتیں اور سمندری وسعتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

مبارک حسین مصباحی

ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

6 اپریل 2014، یک شنبہ

5 جمادی الآخرہ 1435ھ

2015ء میں میری ایک کتاب "عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ" منظر عام پر آئی، میری گزارش پر آپ نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں تحریر فرمائے:

"محب مکرم حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی علوم وفنون سے آراستہ اور فقہی بصیرت کے حامل ہیں، عصر حاضر پر گہری نگاہ رکھنے والے فرد فرید ہیں، فکر وقلم کا جادو ہر زمانے میں چلتا رہا ہے، مگر عہد جدید میں اس کی جامعیت اور ہمہ گیری میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، ماشاء اللہ ہمارے مولانا لکھتے ہیں اور بھر پور لکھتے ہیں۔ آپ کے افکار میں حیرت انگیز تنوّع ہے۔ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کی جدید کتاب "عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ" ہے۔ اس موضوع پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے، مگر حضرت مصنف نے اس کے قدیم مآخذ کو سامنے رکھا ہے اور عہد حاضر کے بدلتے حالات پر بھی تیز نگاہ رکھی ہے، اس قدیم وجدید کی آمیزش سے یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک اہم ماخذ بن گئی ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے وسیع ذہن اور گہرے مطالعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام مکمل طور پر امن وسلامتی کا مذہب ہے، اسلام میں جو جنگیں ہوئی ہیں وہ عمل کے طور پر نہیں بلکہ ردِّ عمل کے طور پر ہے۔ برسوں سے جو یہ کہا جا رہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے یہ الزم، محض الزام ہے، اس کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں، آپ نے اسلام کے دین انسانیت ہونے کے تعلق سے بڑی فکر انگیز اور معرکہ آرا بحثیں کی ہیں، اور ناقابل شکست دلائل وشواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی جنگوں میں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے قتل کی سخت ممانعت ہے۔ اسلامی جنگوں کا مقصد نہ دولت جمع کرنا ہے اور نہ عام لوگوں میں دہشت گردی پھیلانا بلکہ اسلامی جنگوں کا نشانہ دہشت گردی کا خاتمہ ہے۔ اسلامی جنگوں

میں عدل وانصاف اور انسانیت کا احترام بھی ہے۔

عہد حاضر میں اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت ملے گی ، ضرورت ہے کہ اس کتاب کا ہندی اور انگریزی وغیرہ میں ترجمہ کر دیا جائے تو مصنف کی محنت بڑی حد تک اپنے مقصد میں کام یاب ہو جائے گی ۔ آپ کی تحریروں میں وقار اور سنجیدگی ملتی ہے اور ہر دعوے پر دلائل ملتے ہیں، اسلوب نگارش سلیس، واضح اور بہت سلجھا ہوا ہے۔ آپ کی تحریروں پر اعتماد کیا جاتا ہے، اس کم عمری میں آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مولا تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دیگر تحریروں کی طرح اس کتاب کو بھی شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے آمین۔ مبارک حسین مصباحی

چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

26 ربیع الآخر 1436ھ

16 فروری 2015ء، دوشنبہ

یہ ان کی کرم نوازی تھی کہ وہ مجھ جیسے ناکارہ سے محبت فرماتے تھے اور اعتماد کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مجھے اور میرے ہم سبق دوست مولانا مفتی قطب الدین رضا مصباحی کو حکم دیا تھا کہ ماہ نامہ اشرفیہ کا اشاریہ تیار کریں، غالباً یہ 2007ء کی بات ہے، جب ہم لوگ تخصص فی الفقہ کے سال اول میں تھے، ان کے حکم کے مطابق انھی کی رہ نمائی میں ہم لوگوں نے اشاریہ سازی کا کام شرع کیا، ایک ایک جلد کا اشاریہ تیار کر کے ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اسے ”آئینہ در آئینہ“ کے عنوان سے ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع فرماتے ، یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا، 1976ء سے 1998ء تک کا اشاریہ ماہ نامہ اشرفیہ کے شماروں میں شائع ہو چکا تھا، جب کہ ہم دونوں نے مل کر 2004ء تک کا اشاریہ تیار کر لیا تھا۔ ایک موقع پر حضرت نے فرمایا کہ اب ماہ نامے میں اشاریہ کی اشاعت کا سلسلہ بند کر کے ایک ساتھ کتابی شکل میں پورا اشاریہ شائع کر دیا جائے گا۔ اشاریہ کی اشاعت کا سلسلہ موقوف ہوا تو یہ کام بھی التوا میں پڑ گیا۔ وہ بار بار فون پر اور ملاقات کے وقت اس کام کی تکمیل کا تقاضا فرماتے رہے، لیکن ہجوم کار اور منصبی ذمے داریوں کے سبب ان کی حیات میں یہ کام مکمل نہیں ہو سکا، انھوں نے مولانا قطب الدین رضا مصباحی کو بھی کئی بار اس کام کے لیے فون کیا تھا۔

ان کا منصوبہ تھا کہ ”مستقبل کے اہل فکر وقلم“ اور ”بزم دانش“ کے کالم میں شائع ہونے والی فکر انگیز تحریروں کو ”درخشاں مستقبل کی تلاش“ کے نام سے کتابی شکل میں جمع کر کے شائع کیا جائے، اس کام کے لیے بھی انھوں نے مجھ فقیر کو بار بار تاکید کی تھی ، انھوں نے کئی بار فرمایا کہ کسی تعطیل کے موقع پر مبارک پور آیئے ، دو چار دن قیام کیجیے تو میں سارا مود فراہم کر دیتا ہوں، لیکن میری کوتاہی کی وجہ سے یہ کام بھی ان کی حیات میں نہیں ہو سکا۔

اگر کچھ دنوں تک میں ان کو فون نہیں کر پاتا تو خود فون لگا کر پوچھتے کہ کس حال میں ہیں، کیا مصروفیت چل رہی ہے، کون سا تحریری کام ہو رہا ہے ، میں کاموں کی تفصیل بتاتا تو خوش ہوتے اور فرماتے کہ ”کام کرتے رہیے“ کبھی لکھنے کا سلسلہ موقوف ہوتا تو فون کر کے فرماتے ”آج کل آپ کی کوئی تحریر نہیں آ رہی ہے، کیا وجہ ہے؟“ میں اپنی گوناگوں مصروفیات کا ذکر کرتا تو اپنے مخصوص لہجے میں فرماتے ”ارے! جتنے عظیم کام ہیں سب مصروف ترین لوگوں نے ہی کام کیے ہیں۔ کام کرنے والوں کے لیے مصروفیت رکاوٹ نہیں بنتی ۔“ ان کا یہ جملہ میرے اندر ایک نئی توانائی پیدا کر دیتا تھا۔

2021 میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار اتر دیناج پور کے مقالات کا مجموعہ **”عرفان امام احمد رضا“** چھپ کر آئی تو میں نے ان کی خدمت میں تبصرہ کے لیے پیش کیا، اگلے شمارے میں انھوں نے زبردست فاضلانہ اور تفصیلی تبصرہ شائع تحریر فرما کر ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع فرمایا، اس تبصرے کے سطر سطر سے ان کی دیدہ وری، صحافیانہ صلاحیت اور خرد نوازی جھلکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”انتہائی مسرت و شادمانی کی بات ہے کہ اب خاک ہند

کے مختلف صوبوں میں علماے اہل سنت قرطاس وقلم کے حوالے سے بھی بیدار ہو چکے ہیں، خاص طور سے نوجوانوں میں قلمی وفکری امنگ وترنگ اطمینان بخش نظر آتی ہے، ان میں احوال عصر کے تقاضے سمجھنے کی صلاحیت ہے اور نت نئے موضوعات پر لکھنے لکھانے اور مختلف راہیں نکالنے کی تگ ودو بھی مسلسل جاری ہے۔

اس وقت ہماری میز پر ہے ”عرفان امام احمد رضا “668/ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ضخیم دیدہ زیب اور مجلد دستاویز ہے۔ ترتیب وتدوین کے گراں قدر فرائض انجام دیے ہیں محب گرامی وقار، معروف قلم کار حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی دام ظلہ العالی اور پیکر اخلاص حضرت مولانا محمد عارف حسین مصباحی زید مجدہٗ نے۔

علم اور اخلاص کے پیکر قابل صد تکریم حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی دام ظلہ العالی، آپ عالی دماغ رکھتے ہیں، کام یاب استاذ اور مستند فتویٰ نویس ہیں، صحافت میں بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں، معاملہ فہم، نیک سیرت ہیں، آپ کی متعدّد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، آپ کی تحریروں میں ادیبانہ رنگ رہتا ہے، فقہی بصیرت کے حامل ہیں اس لیے شریعت کی پاس داری بھی خوب رہتی ہے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، اکتوبر 2022)

تخصص فی الفقہ کے آخری سال (2008 میں) ان کی مقبول ترین کتاب ”شہر خموشاں کے چراغ“ ترتیب وتدوین کے مراحل سے گزر رہی تھی، وہ کمپوز شدہ مضامین ہمیں پروف پڑھنے کے لیے عنایت فرماتے اور ہم لوگ تصحیح شدہ مضامین ان کی خدمت میں پیش کرتے۔ اگلے سال 2009 کے عرس حافظ ملت کے موقع پر یہ کتاب چھپ کر آئی تو انھوں نے از راہ کرم ایک عدد مجھے بھی عنایت فرمایا، دیکھا کہ حضرت نے مسودہ خوانوں میں اس فقیر کا نام بھی شامل فرمایا ہے:

”بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مولانا ساجد رضا مصباحی، مولانا قطب الدین رضا مصباحی کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے بڑی محنت سے پروف پڑھے۔“ (شہر خموشاں کے چراغ، ص:30)

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی دام ظلہ العالی کی یہ گراں قدر تالیف چھپ کر منظر عام پر آئی تو علمی حلقوں نے اسے پسندیدگی کے نگاہ سے دیکھا اور مقبول عام وخاص ہوئی۔ ان دنوں مولانا ضیاء الرحمن علیمی نے اس تازہ ترین کتاب پر تبصرہ لکھا جو ماہ نامہ جام نور کے کسی شمارے میں شائع ہوا، موصوف نہ جانے کس نشے میں تھے، انھوں نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے نہ جانے کن مقاصد کے پیش نظر کئی ایسے شوشے چھوڑ دیے جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے مجھے وہ تبصرہ بھیجا، تبصرہ پڑھنے کے بعد مجھے بھی مولانا کی بے راہ روی، منفی ذہنیت اور ان کے بے بنیاد موشگافیوں پر سخت غصہ آیا، ”شہر خموشاں کے چراغ“ کی ترتیب کے سارے مراحل میرے پیش نظر تھے، میں نے اس کتاب پر ایک تبصرہ لکھا، جس میں کتاب کی واقعی حیثیت، اس کے مشمولات کی اہمیت اور ترتیب کی خصوصیات کو اجاگر کیا نیز مولانا کے ذریعہ کیے گئے منفی اور بے بنیاد باتوں اور باطل خیالات کا حقائق کی روشنی میں رد کیا۔ حضرت نے اس تبصرے کو ماہ نامہ اشرفیہ 2009 میں شائع فرمایا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے ساتھ متعدّد اسفار میں ساتھ رہا اور سیمیناروں میں شرکت کا موقع ملا، وہ ہمیشہ اپنی محبتیں نچھاور فرماتے تھے، میں شاگرد ہونے کے ناطے ہمیشہ ادب واحترام سے پیش آتا، کبھی حد ادب پار نہیں کرتا، لیکن وہ کبھی شاگردوں جیسا برتاؤ نہیں کرتے، ہمیشہ اپنے پاس بٹھاتے، اپنے ساتھ کھلاتے اور اپنے پاس رکھتے، ان کی یادوں کے نقوش ہمارے ذہن ودماغ میں ہمیشہ زندہ وتابندہ رہیں گے، ان کے علمی وقلمی کارنامے انھیں حیات جاودانی عطا کرتے رہیں گے۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر اک روشنی ہوتی گئی

■■■

مولانا مبارک حسین مصباحی
تحقیق، صحافت اور تربیت کا ایک عہد ساز نام

انیس احمد سیوانی، لائبریری انچارج، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی زندگی ایک فرد کی زندگی نہیں ہوتی بلکہ ایک عہد، ایک روایت اور ایک فکری و علمی سلسلے کی نمائندہ بن جاتی ہے۔ ان کا وجود اپنے زمانے میں بھی روشنی بانٹتا ہے اور ان کے بعد بھی ان کے نقوش اہلِ علم و دانش کے لیے چراغِ راہ بنے رہتے ہیں۔ جب ایسی شخصیات دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو صرف ایک انسان کا انتقال نہیں ہوتا بلکہ علم و فضل، کردار و اخلاص اور خدمت و ایثار کا ایک پورا باب اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔

5 جون 2026ء کی شب جب حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی کے وصال کی خبر منظر عام پر آئی تو علمی، دینی اور صحافتی حلقوں میں غم و اندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اس ممتاز استاذ، صاحبِ قلم محقق، باوقار صحافی، خوش فکر مقرر اور مخلص داعیِ اسلام کی رحلت نے ہزاروں شاگردوں، بے شمار قارئین اور اہلِ سنت کے علمی حلقوں کو سوگوار کر دیا۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ان علما میں سے تھے جنھوں نے شہرت کے ہنگاموں سے دور رہ کر خاموشی، استقامت اور اخلاص کے ساتھ پوری زندگی دینِ اسلام، علمِ شریعت اور امتِ مسلمہ کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جن کا اصل تعارف ان کا منصب نہیں بلکہ ان کا کردار ہوتا ہے، جن کی شناخت ان کے عہدے نہیں بلکہ ان کی خدمات ہوتی ہیں اور جن کی عظمت کا معیار ان کی شہرت نہیں بلکہ ان کا اخلاص ہوتا ہے۔ ان کی ذات میں ایک کامیاب مدرس، بصیرت افروز مدیر، باوقار صحافی، محقق مصنف، مدبر خطیب اور مخلص داعی کے اوصاف یکجا ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال کو محض ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ ایک علمی و فکری خسارہ قرار دیا گیا۔

جامعہ اشرفیہ کی علمی روایت اور مولانا مبارک حسین مصباحی: برصغیر کی دینی تاریخ میں بعض ادارے ایسے ہیں جنھوں نے محض درس گاہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ فکری تحریک اور علمی روایت کی صورت میں اپنا مقام بنایا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور انھی ممتاز اداروں میں سے ایک ہے۔ اس ادارے نے گزشتہ ایک صدی کے دوران ہزاروں علما، فقہا، مصنفین، خطبا، مفتیانِ کرام اور داعیانِ اسلام تیار کیے ہیں جنھوں نے ملک اور بیرونِ ملک دین کی خدمت انجام دی۔ جامعہ اشرفیہ کی علمی عظمت کا راز صرف اس کے نصاب یا عمارتوں میں نہیں بلکہ ان اساتذہ کی محنت اور اخلاص میں پوشیدہ ہے جنھوں نے نسل در نسل علم کا چراغ روشن رکھا۔ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی اسی روشن روایت کے امین تھے۔ آپ نے اسی عظیم درس گاہ سے اپنی دینی تعلیم مکمل کی اور فراغت کے بعد اسی ادارے میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ یہ کسی بھی طالبِ علم کے لیے اعزاز کی بات ہوتی ہے کہ جس درس گاہ نے اسے علم عطا کیا ہو وہی درس گاہ اسے اپنے اساتذہ کی صف میں شامل کر لے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کو یہ سعادت حاصل ہوئی اور پھر انھوں نے اپنی پوری زندگی اسی ادارے کے علمی وقار کو مزید مستحکم بنانے میں صرف کر دی۔ جامعہ اشرفیہ میں ان کا شمار ان اساتذہ میں ہوتا تھا جن کی علمی سنجیدگی، تدریسی مہارت اور تربیتی بصیرت کو طلبہ خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ ان کے درس میں صرف کتاب کی عبارت نہیں پڑھی جاتی تھی بلکہ طلبہ کو سوچنے، سمجھنے اور تحقیق کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا جاتا تھا۔

anisahmadalig@gmail.com

تدریس، محض تعلیم نہیں، ایک ہمہ جہت تربیت:

تعلیم اور تدریس ہر دور میں ایک عظیم خدمت رہی ہے لیکن کچھ اساتذہ ایسے ہوتے ہیں جو صرف معلومات منتقل نہیں کرتے بلکہ شخصیتیں تیار کرتے ہیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کا شمار انھی اساتذہ میں ہوتا تھا۔ ان کے شاگردوں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ درس کے دوران انتہائی سادہ، مدلل اور موثرانداز اختیار کرتے تھے۔ مشکل علمی مباحث کو آسان پیرایے میں بیان کرنا ان کا خاص وصف تھا۔ وہ طلبہ کو محض یاد کرنے پر اکتفا کرنے کی ترغیب نہیں دیتے تھے بلکہ فہم، تدبر اور استنباط کی صلاحیت پیدا کرنے پر زور دیتے تھے۔ ان کی نگاہ میں ایک عالمِ دین صرف کتابوں کا حافظ نہیں بلکہ معاشرے کا رہنما، امت کا معلم اور دین کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے طلبہ کی علمی تربیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ ان کی شخصیت میں شفقت اور وقار کا حسین امتزاج تھا۔ طلبہ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کا احترام بھی۔ ان کے شاگرد آج مختلف دینی اداروں، جامعات، مساجد اور تبلیغی مراکز میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور یوں ان کا علمی فیضان مسلسل جاری ہے۔

ایک صاحبِ مطالعہ عالم: حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی علمی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ان کا وسیع مطالعہ تھا۔ وہ ان علما میں سے تھے جو مطالعہ کو زندگی کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کی تحریروں اور تقاریر سے واضح ہوتا ہے کہ انھیں اسلامی علوم، تاریخ، سیرت، اردو ادب اور معاصر فکری مباحث پر گہری نظر حاصل تھی۔ وہ قدیم علمی روایت سے بھی وابستہ تھے اور عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بھی واقف تھے۔ ان کے ہاں روایت اور معاصرت کا ایک حسین توازن نظر آتا ہے۔ وہ نہ تو جدیدیت کے نام پر علمی روایت سے انحراف کے قائل تھے اور نہ ہی جمود کے حامی تھے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ اکابر کی علمی میراث کو محفوظ رکھتے ہوئے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ یہی اعتدال اور توازن ان کی شخصیت کا امتیاز تھا اور یہی ان کی تحریروں کی مقبولیت کا راز بھی۔

اسلامی صحافت کا ایک معتبر اور روشن باب:

اگر حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی تدریسی خدمات ان کی شخصیت کا ایک درخشاں پہلو ہیں تو ان کی صحافتی خدمات بھی اسی قدر اہم اور قابلِ قدر ہیں۔ در حقیقت ان کا نام ان چند اہلِ قلم علما میں شمار کیا جاسکتا ہے جنھوں نے تدریس اور صحافت دونوں میدانوں میں یکساں کامیابی کے ساتھ خدمات انجام دیں۔ اسلامی صحافت ہمیشہ سے ایک مشکل میدان رہا ہے۔ ایک طرف علمی معیار کو برقرار رکھنا ہوتا ہے، دوسری طرف قارئین کی فکری رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دینا ہوتا ہے۔ پھر دورِ حاضر میں جب کہ سطحیت، سنسنی خیزی اور غیر ذمہ دارانہ اظہار عام ہو چکا ہے، ایک سنجیدہ علمی مجلہ جاری رکھنا اور اس کی علمی وقعت کو برقرار رکھنا اور بھی دشوار ہو گیا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی نے انھی چیلنجوں کے درمیان ماہنامہ 'اشرفیہ' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی اور اسے علمی وقار، تحقیقی معیار اور فکری اعتدال کا ایک معتبر ترجمان بنائے رکھا۔ ماہنامہ اشرفیہ صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ جامعہ اشرفیہ کی علمی روایت اور فکری ترجیحات کا آئینہ دار رہا ہے۔ اس رسالے نے کئی دہائیوں سے اہلِ علم اور دینی حلقوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا مرحوم نے اس علمی ورثے کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اسے مزید مستحکم اور موثر بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ بطور مدیر ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ رسالے کو محض معلومات کا مجموعہ نہیں بننے دیتے تھے بلکہ اسے ایک فکری اور علمی پلیٹ فارم کی حیثیت دیتے تھے۔ موضوعات کے انتخاب میں سنجیدگی، مصنفین کے انتخاب میں احتیاط، تحقیقی معیار پر اصرار اور زبان و بیان میں شائستگی ان کی ادارتی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں موصول ہونے والے ماہنامہ اشرفیہ کے متعدّد شماروں کے مطالعے کا مجھے موقع ملا۔ ان شماروں کو پڑھتے ہوئے بارہا یہ احساس ہوا کہ ان کے پس منظر میں ایک صاحبِ نظر مدیر کی فکر کام کر رہی ہے۔ رسالے کے صفحات پر صرف مضامین نہیں

ہوتے تھے بلکہ ایک خاص فکری سمت اور علمی مقصد بھی نمایاں ہوتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ماہنامہ اشرفیہ کو اہلِ علم کے درمیان اعتماد، وقار اور سنجیدگی کی علامت سمجھا جاتا رہا۔

تحقیق و تصنیف کا ذوق: حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی علمی شخصیت کا ایک اہم پہلوان کی تصنیفی اور تحقیقی خدمات بھی ہیں۔وہ صرف درس گاہ کے عالم نہیں تھے بلکہ قلم کے ذریعے بھی دین، تاریخ اور سیرت کے موضوعات پر گراں قدر خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی تحریروں میں مطالعے کی وسعت، تحقیق کی گہرائی اور اظہار کی شائستگی نمایاں نظر آتی ہے۔علمی دنیا میں کسی بھی مصنف کی اصل اہمیت اس کے اسلوبِ فکر سے متعین ہوتی ہے۔مولانا مرحوم کی تحریروں کا امتیاز یہ تھا کہ وہ جذباتی نعروں کے بجائے علمی استدلال کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ قاری کو محض متاثر نہ کیا جائے بلکہ اسے سوچنے اور سمجھنے کا موقع بھی دیا جائے۔ان کی معروف تصنیف 'دو عظیم شخصیتیں' ان کے علمی ذوق اور تحقیقی صلاحیت کا ایک نمونہ ہے۔اس کتاب نے اہلِ علم میں مقبولیت حاصل کی اور ان کے قلمی وقار کو مزید مستحکم کیا۔

اگرچہ ان کی تمام تصانیف کی مکمل فہرست اس وقت دستیاب نہیں لیکن یہ حقیقت مسلم ہے کہ انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے دینی ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا اور اپنی علمی یادگاریں آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑیں۔

خطابت اور دعوتِ دین: برصغیر کے علما کی ایک ممتاز روایت یہ رہی ہے کہ وہ تدریس، تصنیف اور دعوت تینوں میدانوں میں سرگرم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بھی اسی روایت کے نمائندہ تھے۔آپ ایک مؤثر مقرر اور مقبول خطیب تھے۔ملک کے مختلف شہروں میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں، علمی سیمیناروں، دینی اجتماعات اور محافلِ میلاد میں آپ کی شرکت ہوتی رہتی تھی۔ان کی خطابت کا امتیاز یہ تھا کہ وہ سامعین کے جذبات کو بھڑکانے کے بجائے ان کے افکار کو مہمیز دیتے تھے۔ان کے بیانات میں علمی وقار، فکری اعتدال اور دعوتی حکمت نمایاں ہوتی تھی۔وہ دین کو آسان اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کے قائل تھے۔ ان کے خطابات میں قرآن و سنت کی روشنی بھی ہوتی تھی، اکابر کی حکمت بھی اور عصرِ حاضر کے مسائل کا شعور بھی۔یہی وجہ ہے کہ عوام اور خواص دونوں ان کی گفتگو سے یکساں طور پر استفادہ کرتے تھے۔

تاج الشریعہ سے روحانی تعلق: حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی زندگی کا ایک روشن باب ان کا حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمہ سے روحانی و علمی تعلق بھی ہے۔آپ کو تاج الشریعہ کی خلافت و اجازت حاصل تھی۔یہ محض ایک رسمی اعزاز نہیں بلکہ اکابر کی خصوصی اعتماد و محبت کی علامت ہے۔اہلِ علم جانتے ہیں کہ خلافت و اجازت صرف علمی قابلیت کی بنیاد پر نہیں دی جاتی بلکہ اس کے لیے علمی دیانت، اخلاقی استحکام، دینی حمیت اور روحانی پختگی بھی ضروری ہوتی ہے۔تاج الشریعہ جیسی عظیم شخصیت کا اعتماد حاصل ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی اپنے اکابر کے نزدیک ایک قابلِ اعتماد اور صالح عالم کی حیثیت رکھتے تھے۔

عزیز ملت سے خاندانی نسبت:

مولانا مرحوم کو یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ وہ 'عزیز ملت' حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب کے داماد تھے۔

برصغیر کے دینی حلقوں میں عزیز ملت کا نام علمی وقار، دعوتی خدمات اور ملی کردار کے حوالے سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔اس نسبت نے بھی مولانا مرحوم کی شخصیت کو ایک خاص علمی اور روحانی پس منظر عطا کیا۔تاہم ان کی اصل پہچان کسی نسبت یا تعلق کی مرہونِ منت نہیں تھی بلکہ ان کی اپنی علمی، تدریسی اور صحافتی خدمات تھیں جنھوں نے انھیں ایک مستقل شناخت عطا کی۔

میرے والدِ محترم مولانا علی احمد سیوانی مصباحی کی نظر میں:

اگرچہ راقم کو حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ سے براہِ راست استفادے کا موقع نہیں ملا

تاہم ان کی شخصیت اور خدمات سے ایک قلبی اور فکری تعلق بچپن ہی سے قائم رہا۔ اس تعلق کا سب سے اہم ذریعہ میرے والدِ محترم حضرت مولانا علی احمد سیوانی مصباحی صاحب ہیں جو جامعہ اشرفیہ کے فاضل، علمی و دینی حلقوں میں معروف شخصیت اور تین دہائیوں سے زائد عرصے تک عرسِ حافظ ملت کی نقابت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ سے علمی نسبت اور عرسِ حافظِ ملت کے حوالے سے والدِ محترم کو جامعہ اشرفیہ کے اکابر علما، اساتذۂ کرام اور ذمہ داران کے ساتھ طویل رفاقت کا موقع ملا۔ انھی بزرگوں میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بھی شامل تھے جن سے ان کے نہایت خوشگوار اور دیرینہ تعلقات تھے۔ والدِ محترم اکثر جامعہ اشرفیہ کے ایامِ طالب علمی، عرسِ حافظِ ملت کی تقریبات اور مختلف دینی و علمی اجتماعات کے احوال بیان کرتے ہوئے مولانا مبارک حسین مصباحی کا ذکر خصوصی محبت اور احترام کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

ان کی گفتگو سے یہ احساس ابھرتا تھا کہ مولانا مرحوم صرف ایک ممتاز عالم اور استاذ ہی نہیں بلکہ نہایت خوش اخلاق، مخلص، بے تکلف اور محبت کرنے والے انسان بھی تھے۔ عرسِ حافظِ ملت کے موقع پر ملک بھر سے علما اور مشائخ جامعہ اشرفیہ میں جمع ہوتے ہیں۔ والدِ محترم بیان کرتے ہیں کہ ان مواقع پر مولانا مبارک حسین مصباحی سے ملاقاتیں ہوتیں، علمی و فکری گفتگو ہوتی اور دینی و صحافتی مسائل پر تبادلۂ خیال بھی ہوتا۔ اسی طرح مختلف علمی کانفرنسوں، دستار بندی کی تقریبات، اصلاحی اجتماعات اور دیگر مذہبی پروگراموں میں بھی دونوں بزرگوں کی ملاقاتیں جاری رہتی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ متعدّد مرتبہ والدِ محترم اور مولانا مبارک حسین مصباحی کے درمیان ٹیلی فون پر گفتگو سننے کا موقع ملا۔ ان مکالمات میں رسمی انداز کے بجائے ایک خاص قسم کی محبت، خلوص اور بے تکلفی محسوس ہوتی تھی۔ کبھی علمی موضوعات زیرِ بحث آتے، کبھی جامعہ اشرفیہ کی سرگرمیوں کا ذکر ہوتا، کبھی ماہنامہ اشرفیہ کے حوالے سے تبادلۂ خیال ہوتا اور کبھی پرانی یادیں تازہ کی جاتیں۔ ان گفتگوؤں سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تعلق محض رسمی تعارف کا نہیں بلکہ دیرینہ رفاقت، باہمی اعتماد اور قلبی وابستگی کا تعلق ہے۔

والدِ محترم اکثر یہ بات ذکر کرتے تھے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی سب سے بڑی خوبی ان کی سادگی اور انکساری تھی۔ علمی مقام، تدریسی حیثیت، صحافتی شہرت اور عوامی مقبولیت کے باوجود ان کے اندر تکبر یا خود نمائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، چھوٹوں پر شفقت کرتے اور بڑوں کا احترام کرتے تھے۔ والدِ محترم کے بیانات سے میرے ذہن میں مولانا مرحوم کی جو تصویر بنی وہ ایک ایسے عالمِ ربانی کی تصویر تھی جس نے علم کو ذریعۂ شہرت نہیں بلکہ ذریعۂ خدمت بنایا۔ جس نے قلم کو اظہارِ ذات کے لیے نہیں بلکہ دین کی خدمت کے لیے استعمال کیا۔ جس نے تدریس کو صرف پیشہ نہیں بلکہ عبادت سمجھا اور جس نے زندگی کے ہر شعبے میں اخلاص اور اعتدال کو اپنا شعار بنایا۔ ان تمام واقعات اور تذکروں نے میرے ذہن میں مولانا مبارک حسین مصباحی کی جو تصویر قائم کی وہ ایک ایسے عالم کی تصویر تھی جو علم کے ساتھ محبت، وقار کے ساتھ انکسار اور عظمت کے ساتھ سادگی کا پیکر تھا۔

ایک عہد کا اختتام: حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی کی رحلت بلاشبہہ جامعہ اشرفیہ، ماہنامہ اشرفیہ، اہلِ سنت کے علمی حلقوں اور ان کے ہزاروں شاگردوں کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہلِ علم کبھی مکمل طور پر رخصت نہیں ہوتے۔ ان سے وابستہ یادیں ان کے حسنِ اخلاق اور خلوصِ نیت کا مستقل تعارف ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے شاگردوں اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ان کے علمی و روحانی فیضان کو قیامت تک جاری و ساری رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

***

صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

مولانا محمد فداء المصطفیٰ قادری — پی جی اسکالر: دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، کیرالا

علم و دانش کی دنیا، صحافت کے ایوانوں اور دینی حلقوں پر 5 جون 2026ء کی شب ایک ایسا غم ناک لمحہ طاری ہوا جس نے اہلِ علم و قلم کو سوگوار کر دیا۔ آن لائن ذرائع ابلاغ اور مختلف معتبر پلیٹ فارمز کے ذریعے یہ دل خراش خبر موصول ہوئی کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نامور استاذ، ممتاز محقق، کہنہ مشق صحافی، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ اور اہلِ سنت کے جلیل القدر عالم دین حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی اس دارِ فانی سے کوچ فرما کر اپنے ربِ کریم کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علم و فضل، وقار و متانت اور فکر و تحقیق کا ایک درخشاں باب تھے۔ آپ حضور تاج الشریعہ حضرت کے مجاز و خلیفہ، عزیز ملت حضرت کے داماد اور جامعہ اشرفیہ کے ان ممتاز اساتذہ میں شمار ہوتے تھے جنھوں نے اپنی تدریسی، تصنیفی، صحافتی اور تنظیمی خدمات کے ذریعے ایک پوری نسل کی علمی و فکری تربیت فرمائی۔ آپ کی شخصیت سنجیدہ فکر، عمیق مطالعہ، بلند کردار اور خلوصِ عمل کا حسین امتزاج تھی۔ اطلاعات کے مطابق آپ گزشتہ کچھ عرصے سے علالت کے باعث زیرِ علاج تھے۔ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب طبیعت میں اچانک تشویش ناک بگاڑ پیدا ہوا۔ معالجین نے بھرپور کوششیں کیں، مگر مشیتِ ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چناں چہ رات تقریباً بارہ بجے آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بوقتِ وصال آپ کی عمر تقریباً اٹھاون برس تھی۔

آپ کے وصال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ مبارک پور سے لے کر ملک کے مختلف شہروں تک علما، طلبہ، اہلِ قلم، صحافیوں اور عقیدت مندوں کے دل رنج و الم سے بھر گئے۔ جامعہ اشرفیہ کے علمی ماحول پر سوگواری کی کیفیت طاری ہو گئی، مساجد، مدارس اور دینی مراکز میں مرحوم کے لیے دعاؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جب کہ آپ کے ہزاروں شاگرد اور متوسلین سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع کے ذریعے اپنے غم اور تعزیتی جذبات کا اظہار کرتے رہے۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے اپنے پس ماندگان میں صرف اہل خانہ ہی نہیں بلکہ ہزاروں شاگرد، بے شمار قارئین، علمی نقوش اور فکری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں۔ آپ کی تحریریں، تحقیقی خدمات، صحافتی بصیرت اور تدریسی فیوض آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ رہیں گے۔ بلا شبہ ایسی شخصیات جسمانی طور پر دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں، مگر ان کا علمی سرمایہ، ان کی خدمات اور ان کی یادیں مدتوں زندہ رہتی ہیں۔ آج زبانِ حال یہی کہہ رہی ہے:

صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، ان کی دینی، علمی اور صحافتی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور تمام پس ماندگان، متعلقین، شاگردوں اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

علمی وصحافتی خدمات:

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی پوری زندگی علم و قلم، تدریس و تربیت اور دعوت و صحافت کے روشن

رابطہ نمبر: 9037099731 fidaulmusthafa938@gmail.com

ابواب سے عبارت تھی۔ آپ ان خوش نصیب اہلِ علم میں شمار ہوتے تھے جنھوں نے اپنی صلاحیتوں، علمی بصیرت اور فکری پختگی کو ذاتی شہرت یا دنیاوی منفعت کے بجائے دینِ اسلام، علمِ شریعت اور ملتِ اسلامیہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ کی ذات ایک ایسے شجر سایہ دار کی مانند تھی جس کی چھاؤں میں ہزاروں تشنگان علم نے علمی آسودگی حاصل کی اور جس کے ثمرات سے ایک وسیع علمی وفکری حلقہ مستفید ہوتا رہا۔

تدریسی زندگی:

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے اپنی حیاتِ مستعار کے تیس سے زائد قیمتی سال جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی علمی فضاؤں کو معطر کرنے میں صرف کیے۔ آپ کا شمار جامعہ کے ان منتخب اور محبوب اساتذۂ کرام میں ہوتا تھا جنھوں نے محض کتابیں نہیں پڑھائیں بلکہ نسلوں کی فکری تعمیر، علمی تربیت اور اخلاقی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ فقہ، حدیث، عربی ادب اور صحافت جیسے اہم علوم وفنون آپ کے خصوصی مضامین تھے، جن میں آپ کو گہری مہارت اور غیر معمولی بصیرت حاصل تھی۔ آپ کا اندازِ تدریس نہایت دل نشیں، سادہ اور مؤثر تھا۔ پیچیدہ علمی مباحث کو سہل اور عام فہم انداز میں بیان کرنا آپ کا خاص امتیاز تھا۔ درس گاہ میں آپ کی گفتگو محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ تحقیق، استدلال اور فکری بالیدگی کا حسین امتزاج ہوتی تھی۔ طلبہ نہ صرف آپ کے علمی مقام کے معترف تھے بلکہ آپ کی شفقت، خلوص اور حسنِ اخلاق کے بھی گرویدہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں فارغین آج بھی آپ کو اپنے علمی سفر کا محسن، مربی اور رہنما تصور کرتے ہیں۔

آپ کے فیض یافتہ شاگرد آج ہندوستان کے مختلف صوبوں سے لے کر دنیا کے متعدّد ممالک تک مساجد، مدارس، جامعات، تحقیقی مراکز اور دینی وصحافتی اداروں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ سب در حقیقت اس علمی چراغ کے روشن کیے ہوئے وہ چراغ ہیں جن کی روشنی آج بھی دور دور تک پھیل رہی ہے۔ ایک استاذ کا حقیقی سرمایہ اس کے شاگرد ہوتے ہیں، اور اس اعتبار سے حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی بے حد مالا مال تھے۔

صحافتی خدمات:

اگر تدریس آپ کی شخصیت کا ایک روشن پہلو تھا تو صحافت اس کا دوسرا تابناک عنوان تھی۔ اردو صحافت کے میدان میں آپ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کی شناخت خصوصیت کے ساتھ ماہنامہ "اشرفیہ مبارک پور" کے مدیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے قائم ہوئی۔ 35 برس سے زائد عرصے تک آپ نے اس تاریخی اور موقر رسالے کی ادارت کی ذمہ داری نہایت حسن وخوبی کے ساتھ نبھائی اور اسے علمی، تحقیقی اور فکری اعتبار سے نئی بلندیوں تک پہنچایا۔ آپ کے دورِ ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ محض ایک رسالہ نہیں رہا بلکہ علمی رہنمائی، فکری اصلاح اور ملی شعور کا ایک مؤثر ترجمان بن گیا۔ اس کے صفحات پر شائع ہونے والے تحقیقی مضامین، علمی مقالات اور عصری موضوعات پر مبنی تحریریں اہلِ علم کے لیے معتبر حوالہ تصور کی جاتی تھیں۔ آپ نے ملی مسائل کی وضاحت، معاشرتی اصلاح کی تحریک اور اہلِ سنت کے معتدل و مدلل موقف کی ترجمانی میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

خصوصی طور پر آپ کے اداریے "نقشِ قلم" علمی و فکری حلقوں میں غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے۔ اہلِ علم ودانش ہر شمارے میں ان اداریوں کے منتظر رہتے، کیوں کہ ان میں حالاتِ حاضرہ کا گہرا تجزیہ، مسائل کا متوازن مطالعہ اور مستقبل کے لیے فکری رہنمائی موجود ہوتی تھی۔ آپ کا قلم سنجیدگی، اعتدال، وقار اور تحقیق کا آئینہ دار تھا۔ آپ نے ہمیشہ صحافت کو محض خبر رسانی کا ذریعہ نہیں بلکہ اصلاحِ معاشرہ اور بیداریِ امت کا مؤثر وسیلہ سمجھا۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی صحافت کے تین بنیادی اصول تھے: تحقیق و تصدیق، زبان کی شائستگی اور مسلکی اعتدال۔ آپ خبر کی صحت پر کوئی سمجھوتا نہیں کرتے تھے، زبان کی پاکیزگی کو صحافت کی روح سمجھتے تھے اور اختلافی موضوعات میں بھی اعتدال و توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ یہی اوصاف آپ کو اپنے معاصر

صحافیوں میں ممتاز مقام عطا کرتے تھے۔

اردو صحافت کے فروغ اور نئی نسل کی تربیت کے لیے بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ نوجوان قلم کاروں اور صحافیوں کی رہنمائی کے لیے آپ نے ماہ نامہ اشرفیہ میں فکر انگیز تحریریں شائع کیں۔ آپ کی سرپرستی میں متعدّد نوجوان صحافیوں نے صحافت کے اصول وآداب سیکھے اور بعد ازاں مختلف قومی وملی اداروں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ بلاشبہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا شمار ان نادر شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے درس گاہ اور صحافت گاہ دونوں میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ آپ کا علمی سرمایہ، صحافتی بصیرت، تربیتی خدمات اور فکری نقوش آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ رہیں گے، اور جب بھی جامعہ اشرفیہ کی علمی وصحافتی تاریخ رقم کی جائے گی، آپ کا نام عزت واحترام کے ساتھ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

بیعت وخلافت:

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی شخصیت جہاں علم وتحقیق، تدریس وصحافت کے میدانوں میں نمایاں تھی، وہیں آپ کی روحانی وابستگی اور اصلاحی خدمات بھی اہلِ سنت کے حلقوں میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ آپ کو مخدوم المشائخ سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل تھا اور مسلکِ اہلِ سنت کے عظیم روحانی پیشوا، فقیہِ ملت اور مرجعِ اہلِ سنت حضرت تاج الشریعہ سے تمغۂ خلافت حاصل تھا۔ یہ نسبت آپ کے لیے محض ایک اعزاز نہیں بلکہ ایک عظیم امانت تھی، جس کی پاسداری آپ نے پوری دیانت، اخلاص اور ذمہ داری کے ساتھ فرمائی۔ خلیفۂ حضور تاج الشریعہ کی حیثیت سے آپ نے سنی بریلوی مکتبِ فکر کی علمی، فکری اور روحانی روایات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ ہمیشہ اعتدال، حکمت اور بصیرت کے ساتھ مسلکِ اہلِ سنت کی ترجمانی کرتے رہے۔ آپ کی مجالس میں علم ومعرفت کا نور، اکابرینِ اہلِ سنت کی تعلیمات کی خوشبو اور اصلاحِ باطن کا جذبہ نمایاں طور پر محسوس کیا جاتا تھا۔ آپ نے اپنے کردار، گفتار اور تحریر کے ذریعے محبتِ رسول ﷺ، ادبِ اولیا اور وابستگیِ اہلِ سنت کے پیغام کو عام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

مزید برآں آپ کو حضور عزیزِ ملت سے دامادی کی نسبت بھی حاصل تھی۔ اس طرح آپ ایک ایسے علمی وروحانی خانوادے سے وابستہ ہوئے جس نے برصغیر میں دینی تعلیم، اصلاحِ امت اور اشاعتِ مسلکِ اہلِ سنت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ گویا آپ کو دو عظیم علمی وروحانی سلسلوں کی نسبت اور فیضان حاصل تھا، جس کے اثرات آپ کی پوری زندگی، افکار اور خدمات میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کی شخصیت ان خوش نصیب اہلِ علم میں شمار ہوتی تھی جنھوں نے علمِ ظاہر کے ساتھ روحانیت اور تزکیۂ نفس کی دولت بھی حاصل کی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے حلقہ ارادت وتعلق میں شامل افراد آپ کو صرف ایک عالم یا استاذ ہی نہیں بلکہ ایک مخلص مربی، خیر خواہ اور روحانی راہنما کی حیثیت سے بھی یاد کرتے ہیں۔

تصنیفی وقلمی خدمات:

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی بنیادی طور پر تدریس، تربیت، صحافت اور ادارتی ذمہ داریوں میں غیر معمولی طور پر مصروف رہتے تھے، تاہم ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ نے قلم وقرطاس کے ساتھ اپنا رشتہ کبھی کمزور نہیں ہونے دیا۔ آپ ان اہلِ قلم میں سے تھے جو شہرت کے لیے نہیں بلکہ افادۂ عام اور خدمتِ دین کے جذبے کے تحت لکھتے ہیں۔ اگرچہ آپ نے مستقل تصنیف کے میدان میں نسبتاً کم وقت صرف کیا، لیکن آپ کی علمی وتحقیقی خدمات مختلف شکلوں میں محفوظ ہیں۔ آپ نے متعدّد اہم دینی، علمی اور تحقیقی کتابوں پر وقیع مقدمات تحریر کیے جو اپنے علمی استدلال، زبان کی شائستگی اور فکری گہرائی کے باعث اہلِ علم میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی علمی مجموعوں کی ترتیب وتدوین میں حصہ لیا اور مختلف موضوعات پر درجنوں تحقیقی، اصلاحی اور فکری مقالات سپردِ قلم کیے۔

آپ کی تحریروں کا نمایاں وصف یہ تھا کہ ان میں علم کی پختگی، فکر کی سنجیدگی اور اسلوب کی شگفتگی ایک ساتھ جمع ہو جاتی تھی۔ آپ مشکل علمی مباحث کو بھی نہایت سادہ، مدلل اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی تحریریں خواص کے ساتھ عوام میں بھی یکساں مقبول تھیں۔ خصوصی طور پر "صحافت اور ہماری ذمہ داریاں" کے عنوان سے آپ کے خطابات اور مقالات کا مجموعہ اردو صحافت سے وابستہ نوجوانوں کے لیے ایک اہم رہنما دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں آپ نے صحافت کے اخلاقی اصولوں، خبر کی امانت داری، تحقیق و تصدیق کی ضرورت، زبان و بیان کی نزاکتوں اور صحافیوں کی ملی و سماجی ذمہ داریوں پر نہایت بصیرت افروز گفتگو فرمائی ہے۔ آج بھی صحافت کے میدان میں قدم رکھنے والے بہت سے نوجوان اس مجموعے سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

بلاشبہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا قلم علم، اعتدال اور اخلاص کا ترجمان تھا۔ آپ نے اپنے افکار، تحریروں اور علمی نقوش کے ذریعے جو فکری سرمایہ امت کو عطا کیا، وہ آنے والے زمانوں میں بھی اہلِ علم و تحقیق کے لیے باعثِ استفادہ اور ذریعۂ رہنمائی بنا رہے گا۔

شخصیت کے چند درخشاں پہلو:

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی اُن ہمہ جہت شخصیات میں سے تھے جن کی زندگی کا ہر گوشہ علم، عمل، اخلاص اور خدمتِ دین سے روشن تھا۔ آپ بیک وقت ایک بلند پایہ عالمِ دین، کامیاب مدرس، صاحبِ طرز صحافی، مؤثر خطیب اور باصلاحیت منتظم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی متوازن اور پُرکشش شخصیت عطا فرمائی تھی جس میں علم کی سنجیدگی، فکر کی گہرائی، کردار کی پاکیزگی اور اخلاق کی دل آویزی یکجا ہو گئی تھی۔ آپ کی طبیعت میں عاجزی، انکساری، بردباری اور خندہ پیشانی اس درجہ رچی بسی ہوئی تھی کہ جو شخص ایک بار آپ کی مجلس میں بیٹھتا، وہ آپ کی سادگی اور حسنِ اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ علمی عظمت اور سماجی وقار کے باوجود آپ نے کبھی تکلف، خود نمائی یا برتری کے احساس کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ آپ کا طرزِ گفتگو نرم، لہجہ شائستہ اور اندازِ ملاقات انتہائی محبت بھرا ہوتا تھا۔

طلبہ کے لیے آپ محض ایک استاذ نہیں بلکہ ایک شفیق مربی اور خیر خواہ سرپرست تھے۔ آپ اپنے شاگردوں کی علمی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت اور عملی زندگی کی رہنمائی کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ بے شمار طلبہ آج بھی آپ کی نصیحتوں، دعاؤں اور شفقتوں کو اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے رفقائے کار اور اساتذۂ کرام کے درمیان آپ ایک مخلص دوست، قابلِ اعتماد ساتھی اور مشورہ دینے والی شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے۔ عوام الناس کے ساتھ آپ کا تعلق بھی نہایت محبت، خیر خواہی اور ہمدردی پر مبنی تھا۔ آپ ہمیشہ لوگوں کے مسائل کو توجہ سے سنتے، ان کی رہنمائی فرماتے اور حتی المقدور ان کی مشکلات کے حل کی کوشش کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ مختلف طبقاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد آپ سے قلبی وابستگی محسوس کرتے تھے۔

مسلکی اور علمی مباحث میں بھی آپ کا طرزِ عمل قابلِ تقلید تھا۔ اگرچہ آپ اپنے عقائد و نظریات پر مکمل استقامت رکھتے تھے، لیکن اختلافی موضوعات میں بھی آپ نے ہمیشہ شائستگی، اعتدال اور علمی وقار کو ملحوظ رکھا۔ آپ کی تحریروں اور تقاریر میں جارحیت یا اشتعال انگیزی کے بجائے استدلال، تحقیق اور مثبت دعوت کا رنگ غالب رہتا تھا۔ آپ کا یہ جملہ درحقیقت آپ کی پوری فکری زندگی کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے: "قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے، مگر اسے زخم دینے کے لیے نہیں بلکہ مرہم رکھنے کے لیے اٹھانا چاہیے۔" یہی وجہ تھی کہ آپ کے قلم سے نکلنے والے الفاظ دلوں کو جوڑنے، ذہنوں کو روشن کرنے اور معاشرے میں مثبت شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے رہے۔

اہلِ علم کی نظر میں:

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی رحلت پر پورے

علمی اور دینی حلقے سوگوار ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے ذمہ داران، اساتذۂ کرام، طلبہ اور وابستگانِ ادارہ سبھی اس عظیم خسارے کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے پرنسپل نے اپنے تعزیتی بیان میں گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:"مولانا مبارک حسین صاحب کی رحلت جامعہ اشرفیہ کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ وہ محض ایک استاذ یا منتظم نہیں بلکہ ادارے کے مضبوط ستونوں میں سے ایک تھے۔ ان کی علمی بصیرت، انتظامی صلاحیت اور مخلصانہ خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان کے وصال سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔" یہ الفاظ درحقیقت اُن جذبات کی ترجمانی ہیں جو آج جامعہ اشرفیہ کے ہر استاد، ہر طالبِ علم اور ہر وابستہ فرد کے دل میں موجزن ہیں۔

نمازِ جنازہ اور تدفین:

مرحوم کے اہلِ اخانہ کی جانب سے موصولہ اطلاعات کے مطابق حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی نمازِ جنازہ 5 جون بعد نمازِ جمعہ تقریباً ڈھائی بجے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ میں ملک بھر سے علما، مشائخ، مفتیانِ کرام، دانشوران، سیاسی و سماجی شخصیات اور کثیر تعداد میں عقیدت مندوں نے شرکت کی ۔ بعد ازاں آپ کو مبارک پور کے احاطہ اشرفیہ قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا، جہاں آپ اپنے اکابرین اور اسلاف کے جوار میں آسودۂ خاک ہیں۔ انتظامیہ کی جانب سے زائرین اور شرکاے جنازہ کی سہولت کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے تھے تاکہ اس عظیم اجتماع کو خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل کیا جاسکے۔

تعزیتی پیغامات کا تسلسل:

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کے وصال کی خبر منظرِ عام پر آتے ہی ملک بھر کے علمی، دینی اور روحانی مراکز سے تعزیتی پیغامات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف خانقاہوں، دینی اداروں، علمی مراکز اور ملی تنظیموں نے گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مختلف مدارس، جامعات اور علمی اداروں کے ذمہ داران نے بھی اپنے تاثرات میں مرحوم کی خدمات کو ناقابلِ فراموش قرار دیا ہے۔ سوشل میڈیا اور مختلف ذرائع ابلاغ پر ہزاروں شاگرد، عقیدت مند، اہلِ قلم اور دانش ور حضرات ان کے لیے دعاے مغفرت کر رہے ہیں اور ان کی یادوں کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

ایک عہد کا خاتمہ:

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا وصال محض ایک فرد کی جدائی نہیں بلکہ علم، تحقیق، صحافت اور تربیت کے ایک روشن باب کے اختتام کا اعلان ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اخلاص، للّٰہیت، استقامت اور خدمتِ دین کے جذبے کے ساتھ گزاری۔ آپ نے جس خاموشی، سنجیدگی اور وقار کے ساتھ علم وقلم کی خدمت کی، وہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن مثال اور مشعلِ راہ ہے۔ آج جامعہ اشرفیہ کا صحن، درس گاہوں کی نشستیں، ماہنامہ اشرفیہ کا دفتر، علمی مجالس کی محفلیں اور آپ کے شاگردوں کے دل سب ایک ایسی شخصیت کی جدائی پر سوگوار ہیں جس نے اپنی پوری زندگی دوسروں کو روشنی بانٹنے میں صرف کر دی۔

بلاشبہہ بعض شخصیات اپنی زندگی میں ادارہ بن جاتی ہیں، اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو محض ایک فرد نہیں بلکہ ایک پورا عہد رخصت ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی بھی انھی نادر شخصیات میں سے تھے جن کی یادیں، خدمات اور علمی نقوش مدتوں اہلِ علم کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ اللہ رب العزت اپنے فضلِ خاص سے مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور و سرور کا گہوارہ بنائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی دینی، علمی اور صحافتی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور تمام پس ماندگان ، شاگردوں، متعلقین اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ***

مولانا مبارک حسین مصباحی
اخلاق وکردار کے آئینے میں

مفتی محمد ناظم علی مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

پیکرِ اخلاق، فخرِ صحافت، نازشِ خطابت حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی و ادبی دل نواز اور پر وقار شخصیت گوناگوں خوبیوں اور ستودہ اوصاف و کمالات کی مالک تھی۔ آپ صاحبِ طرز ادیب، انشا نگار، عظیم صحافی، بلند پایہ خطیب، ممتاز ترین عالمِ دین اور موقر فاضل شرع متین تھے۔ آپ نے درس و تدریس، وعظ و خطابت، تالیف و تصنیف اور صحافت و ادارت کی گراں قدر اور نمایاں خدمات میں اپنی زندگی کا قیمتی اور اہم حصہ گزارا۔ آپ نے ملک و ملت کی عظیم ترین علمی و دینی دانش گاہ چمنستان حافظ ملت میں مسند درس و تدریس پر فائز رہ کر اعلیٰ درجات کے طالبانِ علوم نبوت کو گراں قدر درس سے سیراب فرما کر ان کی علمی و عملی زندگی کو باوقار اور انھیں پاکیزہ و شستہ و بلند اخلاق بنایا۔ ملک کے طول و عرض میں تبلیغی و دعوتی اسفار فرما کر اپنی گراں قدر اعلیٰ خطابت سے رشد و ہدایت کا اہم فریضہ انجام دیا، اور جامعہ اشرفیہ کے شہرہ آفاق مسلک حق، مسلکِ اہل سنت و جماعت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ "اشرفیہ" کی اعلیٰ ادارت کے ذریعے ضرورت کے مطابق قوم کو صحیح سمت کی راہ نمائی فرمائی اور عصری تقاضوں کے مطابق گراں قدر تصنیفی خدمات اور علمی نگارشات و قلمی رشحات کے ذریعے دعوت و ارشاد کا نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ نہ صرف ملک گیر بلکہ ہمہ گیر شہرت و مقبولیت کے حامل تھے۔ آپ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ خندہ روئی اور کشادہ قلبی سے ہر کسی سے ملنا آپ کا شیوۂ عمل اور طرۂ امتیاز تھا۔ آپ سے جو ملاقات کرتا آپ کے حسنِ اخلاق اور بلند و بالا کردار کی تعریف کرتا۔ آپ اپنے حسنِ اخلاق کی بنیاد پر عوام و خواص میں مقبول تھے، چھوٹوں پر شفقت کرنا اور بزرگوں کے آداب و اکرام بجالانا، ان کی دست بوسی و قدم بوسی کا شرف حاصل کرنا آپ کی جبلت اور خلقی فطرت و سرشت تھی۔ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ آپ کی علمی صلاحیتوں اور حسنِ اخلاق سے نہ صرف متاثر بلکہ اس کے روشن شاہد ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ اپنی تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور اسے اوج ثریا اور بامِ فلک تک پہنچانے کے لیے جب آپ کی طرف رجوع کرتے تو آپ خندہ روئی کے ساتھ تحریری امور میں ان کی راہ نمائی فرماتے، تحریر و انشا نگاری کے اصول و ضوابط کا حظ وافر عطا کرتے، ان کے تحریر کردہ گراں قدر مقالات کی خود اصلاح فرماتے اور مقالات کی کثرت اور اپنی اہم ترین مصروفیات اور گوناگوں مشغولیات کے سبب کشادہ دلی سے جامعہ کے ممتاز و مقبول ترین اساتذہ کی طرف رجوع کی نہ صرف خود رہنمائی فرماتے بلکہ ان قابلِ قدر لائق ستائش معتمد اساتذۂ کرام سے اس اہم خدمت کی انجام دہی کے لیے مخلصانہ گزارش کرتے کہ طلبہ کے ان مضامین کی اصلاح میں اہم ترین اوقات کا کچھ حصہ صرف فرمائیں تاکہ جماعتِ اہل سنت و جماعت میں اعلیٰ تحریری صلاحیتوں کے حامل صالح افراد پیدا ہوں۔

آپ نے اپنے عہدِ درس و تدریس اور ادارت میں طلبہ کی ایک جماعت تشکیل دی جو مختلف موضوعات پر اہم علمی

مقالات قلم بند کر کے آپ اور دیگر اساتذۂ جامعہ اشرفیہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنے مقالات کی اصلاح کراتے۔ ظاہر ہے کہ اپنے اہم ترین اوقات کا خاص حصہ طلبہ کی تحریری صلاحیتوں کو روشن کرنے اور جماعت کو صالح افراد فراہم کرنے کے لیے صرف کرنا اور کمالِ نشاط و کشادہ قلبی کے ساتھ بنظرِ غائر ان کا مطالعہ کرنا، ان کی اصلاح کرنا اور انھیں مفید اور قیمتی آرا سے سرفراز کرنا آپ کے کشادہ دل اور بلند اخلاق ہونے کی دلیل ہے۔
آپ طلبہ کے ساتھ ساتھ جامعہ اشرفیہ کے مایہ ناز اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے حامل موقر اساتذۂ کرام کا ذکر جمیل کرتے، ان کی اعلیٰ لیاقتوں کا برملا اعتراف کرتے، ان سے شگفتہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے، ان سے خوش کن باتیں کرتے، ان کی ہمت افزائی کرتے اور ماہ نامہ اشرفیہ کا علمی و ادبی معیار اور تحریری وقار بلند کرنے اور اسے ترقی و بلندی کی اعلیٰ ترین راہوں پر گامزن کرنے کے لیے تبسم آمیز لہجہ میں اساتذۂ اشرفیہ کو اہم اور خاص موضوعات پر مقالات قلم بند کرنے کی دعوت دیتے، اس کے لیے خاص گذارشات کرتے، بلکہ اپنی استطاعت و قدرت کے اعتبار سے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے بلا تفریق مصباحی و غیر مصباحی برادران اہلِ سنت و صاحبانِ قلم سے قرطاس و قلم کی اہم خدمت کے لیے محکم رابطہ فرماتے اور اہم علمی و ادبی مقالات ماہنامہ اشرفیہ کے روشن اوراق کو زینت بخشتے۔
اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا، ان کی علمی صلاحیتوں کا لحاظ کر کے علمی و قلمی سرگرمیوں میں انھیں مصروف رکھنا اور ان کے سینوں میں پوشیدہ علوم و معارف کے گوہرِ آب دار قوم کو عطا کرنا آپ کے اعلیٰ ظرف، کشادہ خاطر اور بلند اخلاق ہونے کی روشن دلیل ہے۔

آپ معزز علما اور موقر فضلا کے ساتھ قوم و ملت کے دانش وروں سے رابطہ کرتے اور انھیں قرطاس و قلم کی دعوت دیتے، ان سے علمی و قلمی رابطے کرتے، حسنِ اخلاق کے اس دائرہ کو وسیع تر کرتے۔ آپ نے جامعہ اشرفیہ کے روشن علمی مینار میں ایک میڈیا سیمینار کا انعقاد فرمایا، اس اہم علمی سیمینار میں حالات کے تقاضوں کے مطابق اہم موضوعات کا انتخاب کیا اور جامعہ اشرفیہ و دیگر دینی مدارس کے انشا پردازوں، مشاہیر و مقتدر علما و فضلا کے ساتھ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اہم علمی عہدوں پر فائز لکچررز اور پروفیسر حضرات کو قرطاس و قلم کی دعوت دی اور قرطاس و قلم کی اہم خدمات ان سے حاصل کیں۔ اس میڈیا سیمینار میں انھیں شرکت کی دعوت دی، صاحبانِ قلم علم دوست افراد نے آپ کی دعوت کا خیر مقدم کیا، اس سیمینار میں اہم مقالات کے ساتھ شرکت کو نہ صرف یقینی بنایا بلکہ اپنی شرکت سے اس سیمینار کو کامیابیوں سے ہمکنار کیا، اور یہ زریں سلسلہ یہیں پر جا کر ختم نہ ہو گیا بلکہ آفتاب کشور ولایت، تاج دارِ اہلِ سنت، افقہ امت سیدنا سرکار مفتیِ اعظم قدس سرہ کے عرس سراپا قدس کے موقع پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ کی جانب سے منعقد ہونے والے سیمینار میں دینی مدارس کے مقتدر علما کے ساتھ ساتھ علمی دانش کدوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے قابل و صالح افراد صاحبانِ قلم کے ذریعہ اہم توسیعی خطابات کا زریں سلسلہ قائم رہا۔

جامعہ اشرفیہ اور دیگر دینی مدارس کے رابطے ان کالجوں اور یونیورسٹیوں اور ان کے فاضلِ متبحر اور صالح افراد سے استوار ہونے اور ان کے دینی و ملی اخلاق کو فروغ و استحکام اور عروج و ارتقا حاصل ہوا۔ طالبانِ علومِ نبویہ کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم کا رشتہ کھلا اور مختلف میدانوں میں قوم کی قیادت کی راہیں ہموار ہوئیں جس کے نتیجے میں بہت سے علما و فضلا اپنے دینی و مذہبی تشخص کے ساتھ ان دنیاوی دانش گاہوں میں نہ صرف علوم و فنون کی تحصیل کرتے ہیں بلکہ وہاں دینی و ملی دعوت کے اہم فرائض انجام دیتے، نمازِ باجماعت، نمازِ تراویح، ختمِ قرآنِ کریم خاص کر جشنِ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر دینی و مذہبی پروگراموں کا انعقاد و اہتمام کرتے ہیں۔ دنیاوی

تعلیمات کے ساتھ دینی خدمات کی راہیں ہموار ہوئیں ۔ اب قابل و فائق علما و فضلا دینی درس گاہوں کے ساتھ دنیاوی دانش گاہوں میں پروفیسر و ڈاکٹر زوغیرہ کے اہم مناصب پر فائز ہوکر قوم کی صالح قیادت کے نمایاں فرائض کی انجام دہی میں مصروف اور سرگرم عمل ہیں اور یہ سلسلۃ الذہب روز افزوں ترقی کی اعلیٰ شاہراہ پر گام زن ہے ۔ ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیم سے مزین و آراستہ انسان جب پروفیسر، ڈاکٹر اور انجینئر کے اہم عہدہ و منصب پر فائز ہوگا تو "اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا" (اللہ کے بندوں میں اللہ سے صرف علما ہی ڈرتے ہیں) کا کامل مظہر بن کر اللہ عزّ وجلّ کا کامل خوف اور وافر خشیت رکھ کر اخلاص و للّٰہیت کے جذبہ کے ساتھ قوم کی راہنمائی کرے گا جو اسلامی اصول اور اسلامی آداب سے خوب خوب واقف و آگاہ ہے، جنھیں اسلامی علوم، اسلامی اصول اور اسلامی آداب احسن و اعلیٰ اور اکمل طریقہ پر حاصل نہیں وہ کامل ترین راہ نمائی سے قاصر ہیں۔

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی آفاقی فکر اور وسعتِ نظر نے اخلاق کا دائرہ اس قدر وسیع فرمایا کہ دینی اور دنیاوی دانش گاہوں میں حسین امتزاج قائم ہوا اور اس حسن امتزاج کے حسین اثرات ظاہر ہوئے اور ظاہر ہو رہے ہیں اور ان شاء اللہ عزوجل مستقبل میں بھی ظاہر ہوں گے ۔ نبی اعظم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "بعثت لاتمم مکارم الأخلاق" (میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا) کا کامل مظہر بن کر اسلام کی روشنی سارے عالم میں خوب خوب عام کیا، آپ کی پاکیزہ اخلاقی دعوت سے سارا عالم بقعۂ نور بن گیا، دین و اسلام کی ضیا پاش کرنوں اور ضوبار شعاعوں نے جہانِ کفر و ضلالت میں عظیم انقلاب پیدا کیا۔ چمنستان اسلام میں ایمان و اسلام کی روشن بہاریں آئیں۔

ع: خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی اقدار اور دینی تشخصات کے ساتھ اخلاق کا دائرہ وسیع تر کیا جائے اور دینی و دنیاوی علوم کا حسین امتزاج منصۂ شہود پر لایا جائے اور ترجیحات کا دروازہ سختی سے بند کیا جائے اور ہر ایک کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کیا جائے، اسے اس کا حق دیا جائے، حق تلفی نہ کی جائے۔

آپ نے اخلاقی دائرہ کو وسیع کرنے، اسے فروغ دینے اور امت مسلمہ کے دینی اخلاق و اقدار کو بلند کرنے اور ان کی غیر اخلاقی راہوں کی سد راہ کرنے کے لیے مجلس درس کا آغاز و انعقاد فرمایا اور مدارس و مساجد کے صالح داعی افراد کو دینی دعوت کے لیے سرگرم عمل کیا، خود بھی دعوت دیتے اور صالح و قابل افراد کو دعوت دیتے۔ اس سلسلۂ دعوت سے نہ صرف اخلاق کی بلند دیواریں مستحکم ہوئیں بلکہ معاشرہ میں در آئی بداخلاقیوں کے سد راہ کی راہیں ہموار ہوئیں اور اسلامی علوم و آداب سے دور رفتہ تشنہ قوم کو دینی علوم و آداب کی تحصیل کے ساتھ کشادہ دلی کے ساتھ سوال و استفسار اور علمی اشکال کے رفع کے زریں مواقع فراہم ہوئے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام اور اس کے فروغ و ارتقا میں آپ کی اخلاقی بلندیوں کا بڑا اہم کردار ہے۔ اس تنظیم کے قیام کا اہم اور خاص مقصد آفاق عالم میں موجود تمام ابنائے اشرفیہ سے رابطہ کر کے ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے، ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے، ان کی خدمات سے قوم کی تشنہ لبی دور کی جائے، قوم کو اس کی ضرورتوں کے مطابق صالح افراد عطا کیے جائیں، ترجیحی سلوک سے احتراز و اجتناب کر کے ہر شخص کو اس کی قابلیت و لیاقت اور اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے اہم مقام و منصب عطا کیا جائے، ان کی خبر گیری اور داد رسی کی جائے۔ اس تنظیم کے قیام سے انقلاب رونما ہوا، ظاہر ہے اپنے فرزندوں کو خود جوڑنا اور انھیں دوسروں کو جوڑنے کی دعوت دینا مکارم اخلاق کا اہم حصہ ہے۔ محسن انسانیت نبی محترم، ہادی دو جہاں سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صل من قطعك، واعف من ظلمك و أحسن إلى من أساء إليك."

جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے اپنا رشتہ جوڑو اور جو تم پر ظلم کرے اسے درگزر کردو اور جو تمھارے ساتھ بد سلوکی کرے اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

محسن انسانیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کی اس اعلیٰ تعلیم نے لوگوں کے ایمان و ایقان کو جلا بخشی، ان کی خلوت و جلوت کا حسین پیکر بن گئی اور انھیں ایک کشتی کا سوار بنایا۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام کا مقصد ابنائے اشرفیہ کو اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کے لیے منظم و سرگرم عمل کرنا تھا، اس شمع کو فروزاں رکھنا اور اس زریں سلسلے کو قائم رکھنا اور اس کے موانع دور کرنا ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے۔ "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته" تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ انبیائے کرام کے علوم کے حامل و وارث علمائے کرام داعیانِ امت کے سر پر ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔

ہمارے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اخلاق و کردار کی بلندی کسی خاص دائرہ میں محدود نہیں بلکہ ترجیحات سے بالاتر ہو کر ہر ایک کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھ کر خندہ روئی سے اس کے ساتھ پیش آنا، اس کی حوصلہ افزائی دل بستگی کرنا، اپنائیت کا اظہار کرنا، شکستہ دلوں کو جوڑنا، رنج و الم میں خبر گیری کرنا، بیماری میں مزاج پرسی کرنا، نیک دعائیں کرنا، اس کے اسباب و وسائل فراہم کرنا وغیرہ حسنِ اخلاق کے اعلیٰ مظاہر سے ہے۔ حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کے بیش قیمت اوقات و لمحات میں ہر خاص و عام اور چھوٹے بڑے کو اپنی محبتوں کا ساغر اخلاص اور چھلکتا جام عطا کیا، ہر خاص و عام اور چھوٹے بڑے سے اپنائیت اور محبت و شفقت فرمائی، اپنے اساتذہ و اکابر کا اکرام و احترام کیا اور چھوٹوں پر شفقت و نوازش فرمائی اور اپنی اخلاقی زندگی سے لوگوں کو نہ صرف اپنا متوالا اور چاہنے والا بنایا بلکہ انھیں راہِ اخلاق پر جادہ پیما رہنے کا درس دیا، آج ملک کے جس کونے میں جائیں گے آپ کے اخلاق کی خوش بو سے معطر افراد آپ کی یادیں تازہ کرتے ہیں، آپ کے حسنِ اخلاق کا ذکر جمیل کرتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبتوں کا چراغ روشن رہنا آپ کے حسن اخلاق اور بلندی اخلاق کا واضح ثبوت ہیں۔

اس بے مایہ و بے بضاعت سے آپ دلی محبت فرماتے، کشادہ قلبی اور خندہ روئی سے ملتے، اپنائیت کا اظہار کرتے، مزاج پرسی اور خبر گیری کرتے، دل بستگی اور حوصلہ افزائی فرماتے، علم و فضل میں مجھ سے بلند و برتر ہوتے ہوئے بھی میرا اکرام کرتے، عزت و وقار کی جگہ بخشتے، علمی و قلمی خدمات نگارشات کے لیے یاد فرماتے، میری ناقص تحریر کو اعلیٰ مقام دیتے۔ آپ کی اخلاقی خوبیوں کا ایک روشن باب ہے۔ استاذ العلما جلالۃ العلم ابوالفیض سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خاص روحانی فیضان نے آپ کی ایسی اخلاقی تربیت فرمائی کہ ہر خاص و عام کے دل میں آپ کی یادوں کا چراغ روشن ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ روشن رہے گا۔ آج بظاہر وہ جلوہ آرا نہیں مگر ان کی یادوں کے نقوش دلوں میں جلوہ آرا اور جلوہ ساماں ہیں۔ رب کریم اپنے حبیب اعظم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل آپ کے مقامات و درجات بلند فرمائے، آپ کی قبر بقعۂ نور بنائے، آپ کی قبر پر رحمت و انوار کی پیہم بارش فرمائے اور تا بہ حد نظر وسیع و کشادہ فرمائے اور جمیع لغزشات کو درگذر فرماتے ہوئے ایں دعا از من و از جملہ جہاں آباد باد۔

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ و أصحابہ أفضل الصلاۃ وأکمل التسلیمات إلی یوم الدین۔

▪▪▪

”اس نے بخشا مجھے تحریر و کتابت کا ہنر“

از: مفتی محمد اعظم مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

5 جون 2026ء جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھنے مسجد کی طرف جاتے ہوئے موبائل فون کی گھنٹی بجی، صبح صبح فون کی گھنٹی سنتے ہی میں گھبرا گیا کہ یا اللہ اتنی سویرے کس کا فون ہے ؟ خیریت تو ہے ؟ موبائل کے اسکرین پر نظر گئی تو دیکھا کہ برادر مکرم حضرت مولانا عبد المنان مصباحی کا فون ہے، کال ریسیو کی، دعا سلام کے فوراً بعد انھوں نے کہا کہ بھائی کچھ معلوم ہے ؟ میں نے نہیں میں جواب دیا تو وہ بولے کہ رات تقریباً پونے بارہ بجے دنیاے صحافت کے شہنشاہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر مالکِ حقیقی کے قرب میں چلے گئے۔ یہ سنتے ہی زبان پر سکتہ طاری ہو گیا، دل ہی دل میں استرجاع پڑھی پھر نماز ادا کر کے فوراً جامعہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جامعہ میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ پورا اشرفیہ ماتم کدہ بنا ہوا ہے، ساری آبادی پر شہر خموشاں کا سناٹا چھایا ہے در و دیوار ساکت ہو کر اپنے ایک عظیم فرزند کی جدائی کے غم میں آنسو بہا رہے ہیں، اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ دیکھو ہمارے اوپر مصائب پہاڑ جیسی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے، ہمارے گلشن کی زیب و زینت ہم سے رخصت ہو گئی، جس کی فصاحت و بلاغت کی خوشبو سے ایک جہاں معطر تھا۔ آؤ دیکھو اس فرزند کے غم میں ہم خزاں رسیدہ ہو گئے، ہماری رونقیں ماند پڑ گئیں اور ایسا کیوں نہ ہو اس لیے کہ وہ ہماری عزت و وقار تھا، وہ ہماری ترقی اور استحکام اور علمی و ادبی روایات کا مضبوط ستون تھا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ہمہ جہت شخصیت تھے۔ ایک زمانے تک درس و تدریس سے وابستہ رہے، اس میدان میں ان کی خدمات قابلِ قدر رہیں۔ ان کی زندگی کا اہم حصہ تحریر و کتابت، انشا پردازی، مقالہ نویسی، اور تصنیف و تالیف میں گزرا۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں تحریر کیں، ملی و سیاسی مختلف مسائل پر مقالے لکھے، طویل عرصے تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دینی و علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر رہے۔ ان کی ادارت میں ہر ماہ یہ رسالہ پابندی سے نکل رہا تھا۔ اچھے اچھے قلم کاروں کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ خود بھی پابندی کے ساتھ حالاتِ حاضرہ کے مطابق اداریہ تحریر کرتے۔ صحافت کے میدان میں ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انھوں نے اپنی کوششوں اور توجہ سے اس فن کو ایک نئی سمت عطا کر دی۔ ان کے مضامین، ان کی فکری بصیرت، تحقیقی مزاج، وسعتِ مطالعہ، حالات سے واقفیت، اصلاحِ معاشرہ اور دینی و ملی مسائل کے آئینہ دار تھے۔

انھوں نے ملک کے بہت سے مقامات پر منعقد ہونے والے سیمینار اور کانفرسوں میں شرکت کی اور الجامعۃ الاشرفیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کی بھر پور تبلیغ کی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک بنایا تھا۔ آپ ایک کامیاب مدرس، صاحبِ طرز انشا پرداز، بہترین مصنف، ماہرِ قلم کار، اور زبردست خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے مہمان نواز، بزرگوں کے مؤدب اور چھوٹوں پر شفیق تھے۔

راقم سطور نے ایک مرتبہ حضور عزیزِ ملت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کی ایک تقریر سنی، تقریر کی افادیت کے

پیشِ نظر میں نے اسے نقل کر کے محفوظ کر لیا، پھر اسے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہم اسے ماہنامہ اشرفیہ میں شائع کریں گے۔ پھر آپ نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ مستقل ماہنامہ اشرفیہ کے لیے کچھ نہ کچھ مضمون لکھا کریں۔ ہم نے اپنی کوتاہ علمی کا شکوہ کیا تو فرمانے لگے کہ آپ لکھا کریں کوئی ماں کے پیٹ سے لکھنے کا ہنر لے کر نہیں آتا، بلکہ لکھتے لکھتے اچھا قلم کار بن جاتا ہے۔ ہم لوگوں نے بھی اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت مصباحی صاحب قبلہ (علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ) سے بہت کچھ تحریر کے حوالے سے سیکھا ہے اور ان کی نگرانی میں لکھتے لکھتے آج کچھ لکھنے کے قابل ہو گئے۔

حضرت مولانا مصباحی کی اس حوصلہ افزائی نے مجھے سہارا دیا پھر وقتاً فوقتاً میں کچھ لکھ کر لے جاتا انھیں دکھاتا تو وہ اصلاح کرنے کے بعد اسے ماہنامہ اشرفیہ میں شائع کر دیتے۔ اس کے علاوہ وہ اکثر ماہنامہ اشرفیہ میں تبصرے کے لیے آنے والی کتابیں مجھے عنایت کر کے ان پر تبصرہ لکھنے کا حکم دیتے۔ جب حضرت مفتی بدر عالم مصباحی صاحب جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مسند صدارت پر متمکن ہوئے تو مولانا مبارک حسین مصباحی اور مولانا نعیم الدین عزیزی کے مشورے سے انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ کے لیے چھ اساتذہ پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا تھا۔ اور درسِ قرآن، درس حدیث، درس فقہ اور اساطینِ تصوف وغیرہ موضوعات پر مقالات لکھنے کے لیے مستقل کالم بنائے گئے۔ اربابِ تصوف پر مقالہ کے کالم کے لیے راقم سطور کا نام منتخب کیا گیا۔ میں ہر ماہ اربابِ تصوف کی سیرت و سوانح اور تصوف کی باتیں تحریر کر کے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی خدمت میں پیش کرتا حضرت انھیں اپنی اصلاح و نظرِ ثانی سے آراستہ کر کے ماہنامہ اشرفیہ میں شائع کرتے۔ کبھی کسی مہینے مجھ سے غفلت ہو جاتی تو اپنی آفس میں بلاتے اور نہایت ہی شفقت آمیز لہجے میں تنبیہ فرماتے۔ یہ مولانا مبارک حسین صاحب کی عنایت ہی ہے کہ مجھ جیسے کم نویس نے بھی کچھ تحریر کرنا سیکھا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بڑے فراخ دل آدمی تھے کبھی میرے ذریعہ کوئی کتاب کسی عالم نے ان کے پاس بھیجی، میں ان سے اس کتاب پر تبصرہ کے لیے عرض کرتا تو بڑی کشادہ ظرفی فرماتے اور نہ صرف یہ کہ اس پر تبصرہ کرتے بلکہ اسے ماہنامہ اشرفیہ کی زینت بھی بناتے۔

ایک مرتبہ میں نے امام ابو یوسف نبہانی علیہ الرحمہ کے رسالہ "اربعین ربا" کا ترجمہ کیا اس میں ترجمہ کے ساتھ ساتھ سود کے متعلق احکام فقہی کتب کی روشنی میں قلم بند کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے، دعائیں دیں اور شفقت فرماتے ہوئے اس کتاب پر ایک تفصیلی تعارف بھی انھوں نے قلم بند کیا۔ اس میں انھوں نے سود کی تباہ کاری سے متعلق نصوصِ قرآنی و احادیث مبارکہ پیش کیں اور مجھ حقیر کی تحسین فرماتے ہوئے جتنی کتابیں میں نے مرتب کی تھیں یا ترجمہ کی تھیں سب کا بڑے پیارے انداز میں تعارف کرا کے اپنی اصاغر نوازی کا ثبوت دیا۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ایک بلند بانگ خطیب تھے ان کی خطابت بڑی دل نشین ہوا کرتی تھی۔ قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے ارشادات و واقعات سے ان کی تقریر لبریز ہوتی، حالاتِ حاضرہ کی عکاسی بھی بڑے اچھے پیرایے میں ہوا کرتی تھی، یہی وجہ تھی کہ ملک کے گوشے گوشے میں ان کی خطابت کی گونج تھی۔ ان کی تقریر صرف رسمی نہ تھی بلکہ معاشرے کی ضرورت کے حساب سے گفتگو کرتے خطابت کے اصول و آداب اور شرائط و ثقافت سے پوری طرح باخبر تھے۔

2021ء میں ہمارے غریب خانے پر مولانا مبارک حسین مصباحی تشریف لے گئے، محفلِ میلاد میں عظمت و شانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ انھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز حضرت آسی غازی پوری کے ان اشعار سے کیا۔

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر پر
تمھارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارضِ منور پر
گناہ گار ہوں میں واعظو تمھیں کیا فکر
مرا معاملہ چھوڑو شفیعِ محشر پر
اخیر وقت ہے آسیؔ چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربتِ پیمبر پر

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثوں اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں مذکورہ موضوع پر اپنے انداز میں خطاب کیا تو مجمع عش عش کرنے لگا۔

جامعہ اشرفیہ میں مختلف تقریبات اور مواقع پر خاص طور سے ان کی تقریریں ہوا کرتی تھی۔ امام عزیز المساجد کی غیر موجودگی میں جمعہ کی امامت و خطابت راقم سطور کے ذمہ ہے۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی جب صحت و تندرستی میں تھے اس وقت جب بھی میں نے ان سے عرض کی کہ حضرت آج جمعہ میں خطاب فرمادیں تو حضرت نے کبھی میری بات سے انکار نہ کیا اور خوشی کے ساتھ خطاب فرمایا۔

موصوف علیہ الرحمہ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ بڑے خوش اخلاق اور مہمان نواز تھے، جب بھی ملاقات ہوتی تو فرماتے کہ آج کل آپ ہمارے دفتر اور گھر نہیں آتے، فلاں وقت دفتر میں آیئے۔ میں جب بھی حاضر ہوتا بڑی خاطر مدارات اور مہمان نوازی کرتے۔ میری شادی کے موقع پر ہمارے غریب خانے تشریف لے گئے تو ہمارے والد صاحب سے ملاقات و تعارف ہوا۔ پھر انھیں بھی حضرت نے جامعہ اشرفیہ اپنے دولت کدے پر آنے کی دعوت دی۔ پھر ایک روز مجھ سے فرمایا کہ آپ اپنے والد کو ہمارے یہاں نہیں لائے۔ تو میں نے والد سے عرض کیا تو وہ ایک دن جامعہ میں آنے کے لیے تیار ہو گئے، میں ان کے ساتھ مولانا مبارک حسین مصباحی کے دولت کدے پر گیا تو بڑے خوش ہوئے، خوب خاطر تواضع اور عزت افزائی فرمائی۔ ان کی اس خوش اخلاقی کا مظاہرہ دیکھا تو والد صاحب بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ ایک عالم دین میں جو اخلاقی خوبیاں ہونی چاہئیں وہ ان میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ ایک بہترین قلم کار تھے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ اکثر ان کی تحریریں ہند و پاک کے جرائد و مجلّات کی زینت بنتیں۔ انھوں نے طویل عرصے تک ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کا فریضہ بھی بحسن و خوبی انجام دیا، تسلسل کے ساتھ اس کے لیے ایسے اداریے رقم کیے جو امتِ مسلمہ کے لیے دینی و دنیاوی ہر جہت سے کار آمد ثابت ہوئے۔ بڑے بڑے علماے دین و دانش آج بھی ان کی اس خوبی کے معترف نظر آتے ہیں۔ ماہ نامہ اشرفیہ کے اس خصوصی نمبر کی ضخامت بھی اس پر شاہد ہے کہ انھوں نے لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں مقام بنایا۔

الغرض درس و تدریس کا میدان ہو یا ماہنامہ اشرفیہ کی بے مثل ادارت، حالاتِ حاضرہ پر بصیرت افروز اداریے ہوں یا منبر و محراب سے بلند ہونے والی دل نشین خطابت، آپ نے ہر جگہ علم و اخلاق کے ایسے لافانی نقوش مرتب کیے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ رہیں گے۔ آپ کی علمی دیانت، خوش اخلاقی، اصاغر نوازی اور فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ جو بھی آپ کی محفل میں آیا، وہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا اسیر ہو گیا۔ آج اگرچہ وہ اپنے مالکِ حقیقی کے جوارِ رحمت میں جا بسے ہیں، لیکن ان کی تصانیف، ان کے علمی مقالات اور ان کی فکری و اصلاحی خدمات کی خوشبو ہمیشہ اس گلشنِ علم کو معطر رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان سمیت تمام پسماندہ علمی حلقوں کو اس عظیم صدمہ پر صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

◘◘◘◘

مولانا مبارک حسین مصباحی

کردار و عمل اور شفقت و محبت کے آئینے میں

از: مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی، شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا الجامعۃ الرضویہ بیل بازار کلیان مہاراشٹر

ادب کی دنیا میں کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو صرف اپنی تحریروں اور تقریروں سے نہیں بلکہ اپنے کردار وعمل اور اپنی شفقت و محبت سے بھی ایک عہد کی پہچان بن جاتی ہیں۔ مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور بھی انھی نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کی رحلت [18 ذی الحجہ 1447ھ/4 جون 2026ء شب جمعہ] نے علمی و ادبی حلقوں کو سوگوار کر دیا۔ بلاشبہ ان کا وصال ادب کی دنیا کے لیے ایک ایسا عظیم خلا ہے جسے مدتوں پُر نہیں کیا جا سکے گا۔

ممدوح گرامی علیہ الرحمہ ایک بلند پایہ ادیب، صاحبِ فکر عالم اور سچے رہنما تھے۔ ان کی تحریروں میں فکری گہرائی، اسلوب کی سلاست اور بیان کی دل نشینی اس انداز سے یکجا ہوجاتی تھیں کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ وہ لفظوں کے معمار تھے، مگر لفظوں کی نمائش کے قائل نہیں؛ ان کے یہاں سادگی میں تاثیر اور اختصار میں وسعت نظر آتی تھیں۔ ان کی شخصیت کا سب سے روشن پہلو ان کی عاجزی اور انکساری تھی۔ اتنے بلند ادبی وفکری مقام پر فائز ہونے کے باوجود انھوں نے معاصر تو معاصر اصاغر سے بھی اپنے کو برتر نہیں سمجھا۔ وہ ہر طالبِ علم اور نو آموز قلم کار کو حوصلہ دیتے، اس کی ہمت افزائی کرتے اور اس کی صلاحیتوں کو نکھارنے کی کوشش کرتے، جس شخص میں بھی قلمی صلاحیت کی ہلکی سی چمک محسوس کرتے، اسے ابھارنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے۔ وہ نئے لکھنے والوں کے لیے صرف استاد نہیں بلکہ ایک مشفق مربی اور مخلص رہبر تھے۔ ان کی رہنمائی سے بے شمار افراد نے ادبی دنیا میں اپنی شناخت قائم کی، اور آج بھی ان کے شاگردان کے فیض کے امین ہیں۔ ان کے نزدیک اصل کامیابی یہی تھی کہ علم و ادب کی شمع دوسروں میں بھی منتقل ہو۔ وہ اپنے احباب اور شاگردوں کی تائید اور حوصلہ افزائی اس انداز میں کرتے کہ معمولی صلاحیت رکھنے والا بھی خود کو ایک بڑی منزل کے قریب محسوس کرنے لگتا۔

ممدوح گرامی علیہ الرحمہ کی گفتگو میں محبت کی ایسی مٹھاس گھلی ہوتی تھی کہ سننے والا خود کو ان کے قریب محسوس کرتا۔ ان کے الفاظ محض جملے نہیں ہوتے تھے بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے جذبات کے عکوس وترجمان ہوتے تھے۔ آج جب ان کی یاد آتی ہے تو ان کا نرم لہجہ، شفقت بھری باتیں اور محبت آمیز نصیحتیں دل کو بے چین کر دیتی ہیں اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی رحلت ایک ایسا سانحہ ہے جس نے اہلِ قلم کو یتیم کر دیا۔ لیکن ان کے نقوش حیات آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنے رہیں گے اور ان کی تحریریں، ان کے افکار ونظریات اور ان کے تربیت یافتہ شاگرد ہمیشہ ان کی یاد کو زندہ رکھیں گے۔

انھوں نے بے شمار افراد کو قرطاس وقلم اور تحقیق وتعاقب کا شعور عطا کیا، فقیر راقم السطور بھی انھی کی خصوصی توجہ اور حوصلہ افزا کلمات کی بدولت اس مقام پر پہنچا، راقم کو جب بھی ان سے بات کرنے کا شرف حاصل ہوتا، ان کے لبوں پر ہمیشہ

Mob:9510177400

محبت بھرے جملے ہوتے، کوئی مضمون بھیجتا، اور عرض کرتا حضور ایک نظر دیکھ لیں، فرماتے: ارے بھائی! ”آپ اچھا نہیں، بہت اچھا لکھتے ہیں“ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اصرار کرتا، فرماتے: آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے دیکھ لوں گا۔

ممدوح گرامی علیہ الرحمہ کے مذکورہ الفاظ بظاہر ایک جواب تھا، مگر ان میں ایک ایسا خلوص تھا کہ سننے والے کے دل میں یقین اور عزم کی نئی شمع روشن ہوجاتی۔ اور اپنی تحریر کی صداقت پر یقین ہوجاتا، کبھی کبھی ان کی شفقت آمیز گفتگو اور دل نواز انداز ایسا اثر چھوڑتے کہ آنکھیں بے اختیار نم ہوجاتیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی یہ خوبی تھی کہ سماجی زندگی ہو یا قلمی میدان جہاں کوئی کمی دیکھتے تنبیہ کرتے اور کبھی تنقید مگر وہ صرف تنقید نہیں کرتے تھے بلکہ اصلاح کے ساتھ ساتھ حوصلہ بھی دیتے تھے۔ ان کی صحبت میں مایوسی کا کوئی تصور نہ تھا۔ جب بھی فون پر گفتگو ہوتی، وہ گھنٹوں نہایت شفقت اور توجہ کے ساتھ بات کرتے، رہنمائی فرماتے اور زندگی کے نشیب و فراز میں صبر و استقامت کی تلقین کرتے۔ وہ اکثر حالات کی سختیوں کا ذکر کرتے ہوئے نصیحت فرماتے کہ: ”حالات کی ستم ظریفی پر گلہ شکوہ نہ کرو“ اور پھر بڑے محبت بھرے انداز میں کہتے:

”مبشر میاں! کام کرتے جائیے، مخالفت تو کام کرنے والوں ہی کی ہوتی ہے۔“

یہ جملہ دراصل ان کی زندگی کا نچوڑ تھا۔ انھوں نے خود بھی مخالفتوں، مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کیا، مگر کبھی ہمت نہ ہاری اور نہ ہی شکوہ کو زبان پر لائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت استقامت، صبر اور خلوص کی جیتی جاگتی تصویر بن گئی تھی۔ ان کی رحلت یقینا ایک عظیم سانحہ ہے، مگر ان کی یادیں، ان کی باتیں، ان کی تحریریں اور ان کی دی ہوئی ہمت ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ وہ اپنے پیچھے صرف کتابیں اور مضامین ہی نہیں چھوڑ گئے، بلکہ ایسے افراد بھی چھوڑ گئے ہیں جن کے دلوں میں انھوں نے حوصلہ، محبت اور علم کے چراغ روشن کیے۔

ممدوح گرامی علیہ الرحمہ کے حوصلہ بخش کلمات وہ چراغِ راہ ثابت ہوئے جن کی روشنی میں راقم نے قلمی سفر کی پہلی منزل طے کی۔ ان کی شفقت آمیز رہنمائی اور دل آویز حوصلہ افزائی نے خاموش صلاحیتوں کو مہمیز دی۔ آج جو کچھ بھی فقیر راقم السطور کے کھاتے میں قلمی اثاثہ نظر آتا ہے، اس کے پسِ منظر میں کہیں نہ کہیں ان کی تربیت، سرپرستی اور دعا کی گرم جوشی کار فرما ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس فکری و ادبی سفر کی بنیاد ان کے عطا کردہ حوصلے اور اعتماد پر استوار ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ کے محبوب و معروف کالم ”بزم دانش“ میں لکھنے کے لیے کبھی حضرت علیہ الرحمہ کا فون آتا، فرماتے: آپ کا پتہ نہیں چلتا ہے، آج کل آپ کیا کرتے ہیں؟“ عرض کرتا حضور فلاں کام میں مصروف تھا، فرماتے، کام تو ہمیشہ ہوتے رہے گا، ایسا ہے کہ دو دن ابھی باقی ہے ایک مضمون فلاں موضوع پر بھیجیں، عرض کرتا، حضور وقت تو بہت کم ہے، فرماتے آپ کے لیے وقت بہت ہے، دو گھنٹے بیٹھیں گے مضمون تیار ہوجائے گا، اس اعتماد کو میں ٹھیس نہیں پہنچا سکتا، حسب حکم وقت پر مضمون بھیجتا، آپ فرماتے آپ لوگ بہت جلدی مایوس کیوں ہو جاتے ہیں کہ نہیں ہوگا، عزم مصمم ہونا چاہیے سب ہو جاتا ہے۔

میں حضرت علیہ الرحمہ کے جملہ پس ماندگان بالخصوص بقیۃ السلف عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ مصباحی دام ظلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کرتا ہوں۔ «إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى»

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی بے حساب مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، اور ہمیں ان کے علمی و ادبی فیوض و برکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ***

مولانا مبارک حسین مصباحی
وقار و اعتدال کا سنگم

از قلم: قاری محمد یوسف عزیزی قادری

قوموں کی علمی زندگی میں بعض شخصیات ایسی پیدا ہوتی ہیں جن کا وجود محض ایک فرد کا وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے اندر ایک عہد، ایک روایت اور ایک علمی تسلسل سموئے ہوئے ہوتی ہیں۔ ان کی موجودگی اداروں کو وقار بخشتی ہے، علمی مجالس کو اعتبار عطا کرتی ہے اور نئی نسلوں کے لیے فکری رہنمائی کا سامان بنتی ہے۔ جب ایسے افراد اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کے جانے کا دکھ صرف ذاتی یا خاندانی نہیں رہتا بلکہ پورا علمی ماحول اپنے اندر ایک خلا محسوس کرتا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کا وصال بھی اسی نوعیت کا ایک بڑا سانحہ ہے جس نے اہل علم، اہل قلم اور دینی حلقوں کو گہرے رنج و ملال میں مبتلا کر دیا۔ مولانا مرحوم کا شمار ان اہل علم میں ہوتا تھا جنھوں نے اپنی زندگی کو خدمت دین، اشاعت علوم اور فکری رہنمائی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی شخصیت میں علم کی سنجیدگی، مزاج کی شائستگی اور فکر کی پختگی نمایاں تھی۔ وہ صرف کتابوں کے آدمی نہیں تھے بلکہ ایک زندہ علمی روایت کے امین تھے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ان کی وابستگی ان کی زندگی کا ایک نمایاں باب تھی۔ اس ادارے کے ساتھ ان کا تعلق محض تدریس تک محدود نہ تھا بلکہ وہ ادارے کی علمی روح اور فکری شناخت کا حصہ بن چکے تھے۔ برسوں تک انھوں نے طلبہ کی تعلیم و تربیت کی، انھیں علمی ذوق عطا کیا اور دین کی خدمت کے لیے تیار کیا۔

ان کے شاگرد آج مختلف میدانوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور یہی کسی استاد کی سب سے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ ان کی تدریس کا انداز نہایت سنجیدہ اور موثر تھا۔ وہ معلومات کے انبار لگانے کے بجائے ذہن سازی پر توجہ دیتے تھے۔ ان کے درس میں ترتیب، استدلال اور فکری تربیت نمایاں ہوتی تھی۔ طلبہ ان سے صرف سبق نہیں لیتے تھے بلکہ علمی مزاج اور ایک تہذیبی شعور بھی حاصل کرتے تھے۔

ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت بھی ان کی خدمات کا ایک روشن باب تھی۔ علمی جرائد اور رسائل ہمیشہ سے فکری بیداری کا ذریعہ رہے ہیں اور مولانا مرحوم نے اس میدان میں بھی نہایت ذمہ داری، دیانت اور وقار کے ساتھ خدمات انجام دیں۔ ان کی ادارت میں علمی مضامین، دینی مباحث اور فکری موضوعات کو متوازن انداز میں پیش کیا جاتا رہا۔ ان کے قلم میں سنجیدگی تھی، ان کے اسلوب میں شائستگی تھی اور ان کی فکر میں تعمیر کا جذبہ نمایاں تھا۔

آج کے دور میں جہاں علم کا شور تو بہت ہے لیکن علمی وقار اور فکری گہرائی کم ہوتی جا رہی ہے، وہاں مولانا مبارک حسین مصباحی جیسے اہل علم کی قدر اور بڑھ جاتی ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی سے یہ سبق دیا کہ علم صرف معلومات جمع کرنے کا نام نہیں بلکہ کردار سازی، فکری تعمیر اور روحانی ذمہ داری کا نام بھی ہے۔ مرحوم کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو ان کا اخلاص تھا۔ انھوں نے شہرت کو مقصد نہیں بنایا، بلکہ خدمت کو اپنا شعار رکھا۔ ان کی مجلسوں میں تکلف کم اور خلوص زیادہ ہوتا تھا۔ ان کے اندر وہ

وقار تھا جو بڑے علما کی پہچان سمجھا جاتا ہے۔ اہل علم کی اصل پہچان یہ نہیں ہوتی کہ وہ کتنے عہدوں پر رہے، بلکہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے جانے کے بعد کتنے لوگ انھیں یاد کرتے ہیں اور ان کے اثرات کتنی دیر باقی رہتے ہیں۔ مولانا مرحوم کی رحلت پر جس طرح علمی حلقوں میں افسوس اور رنج کا اظہار ہوا، وہ ان کی مقبولیت اور علمی اعتبار کا واضح ثبوت ہے۔

علمی دنیا کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ادارے عمارتوں سے نہیں بلکہ رجال علم سے پہچانے جاتے ہیں۔ عمارتیں دوبارہ بن سکتی ہیں، وسائل دوبارہ جمع ہو سکتے ہیں لیکن مخلص، صاحب فکر اور صاحب کردار اہل علم بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی انھی نفوس قدسیہ میں شامل تھے جنھوں نے علم کو عبادت اور خدمت کو ذمہ داری سمجھ کر زندگی گزاری۔

ان کی مجلس میں بیٹھنے والے محسوس کرتے تھے کہ علم محض الفاظ نہیں بلکہ ایک اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ وہ اختلاف میں بھی وقار قائم رکھتے تھے اور گفتگو میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کی علمی روش اس بات کی دلیل تھی کہ روایت اور بصیرت ساتھ ساتھ چل سکتی ہیں۔ یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ آج ہماری نئی نسل کو ایسے نمونوں کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے۔ ایسے وقت میں جب تیزی، ظاہریت اور فوری شہرت کا رجحان غالب ہو، مولانا مرحوم کی زندگی ہمیں صبر، اخلاص، مطالعہ اور مسلسل علمی خدمت کا درس دیتی ہے۔

ان کے انتقال کے بعد صرف تعزیت کافی نہیں، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے علمی سرمایہ، ان کے افکار اور ان کے تربیتی انداز کو محفوظ کیا جائے۔ اہل علم کے جانے کے بعد ان کی فکر کو زندہ رکھنا ہی ان کے لیے حقیقی خراج عقیدت ہوتا ہے۔ علم جب اخلاص سے ملتا ہے تو صدقہ جاریہ بن جاتا ہے، اور یہی مرحوم کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کو ایسی علمی خدمت میں صرف کیا جس کے اثرات آنے والے زمانوں تک محسوس کیے جاتے رہیں گے۔ آج ان کی رحلت پر دل افسردہ ہیں، لیکن اس افسردگی کے ساتھ ایک عزم بھی پیدا ہونا چاہیے کہ ہم اپنے علمی ورثے کی حفاظت کریں، مدارس اور جامعات میں سنجیدہ علمی ماحول کو فروغ دیں اور نئی نسل کو صرف اسناد نہیں بلکہ کردار اور فکر بھی منتقل کریں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی اگرچہ جسمانی طور پر اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی خدمات، ان کی یادیں، ان کے شاگرد اور ان کا علمی سرمایہ ان کے وجود کو زندہ رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے علمی فیوض کو جاری رکھے اور ان کے اہل خانہ، متعلقین تابندہ اور تمام وابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اہل علم کے انتقال پر آنسو بہانا فطری ہے لیکن ان کی حقیقی تعزیت یہ ہے کہ ان کے علم کو زندہ رکھا جائے، ان کے اخلاص کو اپنایا جائے اور ان کے چھوڑے ہوئے چراغوں کو بجھنے نہ دیا جائے۔

جو لوگ علم کے چراغ روشن کر کے جاتے ہیں وہ مرتے نہیں، وہ اپنی فکر، اپنے کردار اور اپنی خدمات کی صورت میں آنے والی نسلوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں، اور یہی کسی عالم کی سب سے بڑی بقا ہے۔

مرنے والے مر تو جاتے ہیں فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

اللہ رب العزت ان کی حسنات کو قبول فرمائے، پس ماندگان اور علمی حلقوں کو اس عظیم خلا پر صبرِ جمیل کی توفیق دے، اور جامعہ اشرفیہ کے اس درخشندہ ستارے کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین، بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ❊

مولانا مبارک حسین مصباحی
حسن اخلاق کے پیکر

مولانا جنید احمد مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

”كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ“ موت برحق ہے، اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے نہ ہی اسے فراموش کیا جا سکتا ہے۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے لیکن ایک عالم کی موت معاشرے کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان اور ایسا علمی خلا ہے جو کبھی پُر نہیں ہو سکتا، کیوں کہ علماے کرام انسانوں کو جہالت سے نکال کر ہدایت کی روشنی دکھاتے ہیں۔ ایک عالم کی وفات صرف ایک فرد کی موت نہیں، بلکہ علم و ہدایت اور روحانی فیض کے ایک پورے جہان کے مٹ جانے کے مترادف ہے کیوں کہ جب کوئی عالم وفات پاتا ہے تو اس کے ساتھ علم کا ایک بڑا ذخیرہ بھی رخصت ہو جاتا ہے معاشرہ ان کی علمی برکات سے محروم ہو جاتا ہے یقیناً ایک سچے عالم کی موجودگی میں معاشرہ گمراہی اور بے راہ روی سے محفوظ رہتا ہے اور ان کے اٹھ جانے سے برائی پھیلنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

اس تناظر میں پورے یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت سے کسی ایک فرد یا صرف ایک خاندان کا نقصان نہیں ہوا ہے بلکہ پوری امت مسلمہ کا نقصان ہوا۔ ان کا اس دارِ فانی سے کوچ کر جانا صرف ان کے خاندان کے لیے درد و الم کا باعث نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے باعثِ رنج و غم اور تکلیف کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے حضرت کی بے حساب مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے آمین۔

حضرت علامہ (نور اللہ مرقدہ) گوناگوں اوصاف و خصائص کے حامل اور نادر و نہاں خوبیوں کے مالک تھے اپنے رنگا رنگ اوصاف کی بنا پر ان کی شخصیت نہ صرف ہفت رنگ بلکہ ہمہ رنگ تھی، ہند و بیرونِ ہند کے علمی و ادبی حلقوں، درس گاہوں اور دانش کدوں میں اہلِ علم و عقل و علما کی مجلسوں میں معروف و مشہور تھے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

ان کی یہ مقبولیت نہ خاندانی وجاہت و وراثت کی مرہونِ منت تھی، نہ ہی مولد و مسکن کی شہرت و عظمت کی محتاج، بلکہ ان کی یہ شہرت اور مقبولیت عطاے خداوندی، علم دوستی، عمدہ اخلاق و کردار اور ذاتی اکتساب کا ثمرہ تھی۔

وہ بہت اعلیٰ حسنِ اخلاق کے مالک و حامل تھے، انھوں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنایا اور حسنِ اخلاق جو سرکارِ دو عالم کی افضل و اعلیٰ صفت ہے اس کو اپنایا اور اپنی حیاتِ مستعار کے لیے آئینہ بنایا اور حسنِ اخلاق کے پیکر میں خود کو ڈھال کر زندگی کے شب و روز گزارنے کی پوری کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے۔

یہ ان کے حسنِ اخلاق اور صالح کردار کا ہی ثمرہ ہے کہ جب سوشل میڈیا کے ذریعہ ان کے انتقالِ پر ملال کی خبر عام ہوئی تو ان کے احباب، تلامذہ اور متوسلین بے چین ہو گئے اور ان کو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا لوگ رات کے ڈھائی، تین بجے اس جاں کاہ خبر کی تصدیق کرتے رہے خود راقم کے پاس بہت سے ہم درس ساتھی اور ملنے والوں نے رات کے اس پہر خبر کی تصدیق کے لیے فون کیا اور جب یقین ہو گیا تو عوام و خواص سب اس عظیم

دکھ کی گھڑی میں اہل خانہ کے ساتھ برابر کے شریک تھے اور چاہنے والوں نے اپنے اپنے انداز میں درد و غم کا اظہار کیا۔

دورِ طالب علمی میں راقم نے بھی ان کے حسنِ اخلاق کا بہت نزدیک سے مشاہدہ کیا۔2008ء کی بات ہے حضرت اپنی ایک جدید تصنیف "شہرِ خموشاں کے چراغ" کی ترتیب کے کام میں مصروف تھے اور اس کام کے لیے انھیں ایک معاون کی ضرورت تھی میرے کچھ احباب (جو حضرت سے بھی بہت قربت رکھتے تھے) نے اس کام کے لیے میرا نام پیش کر دیا، حضرت نے مجھے بلایا اور اس کام کے لیے تعاون چاہا جو میں نے اپنے لیے باعثِ شرف سمجھتے ہوئے قبول کر لیا اور اس کام کو جی جان سے انجام دیا۔

اس کام کے دوران میں نے حضرت کے حسنِ اخلاق کا مشاہدہ کیا، چوں کہ اس کام کا مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا بلکہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ کسی تصنیفی کام میں تعاون کر رہا تھا اس لیے غلطی ہونا بالکل ممکن تھا بلکہ بہت بار غلطیاں ہوئیں لیکن حضرت نے کبھی غصے کا اظہار نہیں کیا بلکہ نہ ہی ڈانٹ کر کچھ کہا بلکہ ہنستے ہوئے اتنا کہتے "اماں حضر پھر غلط کر دیا" اور قہقہہ لگا کر ہنستے تھے۔کتاب کی ترتیب کا کام تقریبًا ایک ہفتہ تک دفتر ماہنامہ اشرفیہ میں جاری رہا اس دوران حضرت نے کئی مرتبہ چائے ناشتے کا بھی انتظام کیا۔

اتفاق کی بات کہ جب میں نے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا تو پھر حضرت کے ساتھ "فتاویٰ حافظ ملت" بنام (فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، جلد اول) کی تخریج کرنے کا حسین موقع ملا۔اس وقت بھی ان کے عمدہ کردار کو دیکھا، چوں کہ یہ کام لمبے وقت تک چلتا رہا، اس کام کے لیے بعد عشا حضرت کے گھر ٹیچر کالونی حاضر ہوتا اور ترتیب و تخریج کا کام جاری رہتا لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ میری طبیعت نہ چاہتی ہو اور وہ پھر بھی کام کروانا چاہتے ہوں بلکہ وہ خود ہی محسوس کر لیتے اور فوراً فرماتے کہ "ٹھیک ہے اب کل کر لیا جائے گا جاؤ آرام کرو" اور ہر دن چائے وغیرہ کا انتظام بھی گھر سے ہی کرواتے۔

اس کے علاوہ جمعہ کے دن صبح سے "دار الافتا" جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں یہ کام کیا جاتا تھا، اس دوران کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں وقت پر دار الافتا نہیں پہنچ پاتا تو حضرت ٹہلتے ہوئے میرے روم دار التجوید حاضر ہو جاتے اور فرماتے "اماں حضرت! سو رہے ہو چلو کچھ کام کر لیا جائے۔" یعنی میرے تاخیر کرنے پر ناراض نہ ہوتے، یہ ان کا حسنِ اخلاق اور عمدہ کردار تھا، اللہ انھیں غریقِ رحمت فرمائے، آمین۔

حضرت علیہ الرحمہ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ سب کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حوصلہ شکنی سے قابل اور صاحبِ لیاقت افراد ناکارہ ہو جاتے ہیں جب کہ معمولی سی حوصلہ افزائی عظیم خدمات انجام دلانے کا ذریعہ اور سبب بن سکتی ہے۔اس لیے حضرت اس معاملے میں بڑے فیاض طبیعت کے مالک تھے "شہرِ خموشاں کے چراغ" کی ترتیب کے دوران مجھ سے میری مصروفیت کے بارے میں پوچھا خصوصًا جماعتی رزلٹ سے متعلق دریافت کیا اور میرا رزلٹ سن کر بہت زیادہ خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، دعائیں دیں اور میرے تابناک مستقبل کے لیے میری حوصلہ افزائی بھی فرمائی میرے علاوہ کچھ اور علاقائی طلبہ وہاں موجود تھے ان کی بھی خوب حوصلہ افزائی کی۔

مغربی اتر پردیش کے طلبہ کی طرف سے ایک اردو جداریہ "ادب نما" کے نام سے نکلتا تھا جس کے اصل ذمہ دار مولانا رضاء المصطفیٰ مصباحی مرادآبادی تھے جو ہر پندرہ دن پر یہ جداریہ برکاتی ہاسٹل سے جاری کرتے تھے، جس میں راقم سمیت کئی طلبہ وقتاً فوقتاً مضمون نگاری کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت نے مولانا رضاء المصطفیٰ مصباحی راقم الحروف، مولانا محمد علی مصباحی سنبھلی وغیرہ کو دفتر میں بلایا اور جداریہ کی پوری تفصیل معلوم کی اور ہم سب کی حوصلہ افزائی فرمائی مزید تحریر و مضمون نگاری پر توجہ دینے کی ترغیب دلائی حتیٰ کہ یہ بھی فرمایا کہ آپ سب کچھ نہ کچھ لکھ کر میرے پاس لائیں ہم اس کو

بہتر کر کے ماہنامہ اشرفیہ میں بھی شائع کریں گے۔

جو بھی طلبہ ان کے پاس آتے جاتے تھے وہ سب کو مضمون نگاری اور مقالہ نویسی کی ترغیب ضرور دیتے تھے اور اگر کوئی کچھ لکھتا تو اس پر خوشی کا اظہار فرماتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود ایک بہترین، ماہر قلم کار، ادیب اور مفکر تھے اس لیے وہ دوسروں کو بھی اس میدان میں کمال حاصل کرتے دیکھنا چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ طلبہ درسیات کے ساتھ مقالہ نویسی میں بھی مہارت حاصل کریں اور اچھے قلم کار بنیں۔

تنظیم "پیغامِ اسلام" طلبہ جامعہ اشرفیہ کی ایک مضبوط تنظیم رہی ہے وہ ہر سال طلبہ کے اندر تحریری جذبہ پیدا کرنے کے لیے مقالہ نگاری کا مقابلہ کراتی اور پھر ایک شان دار پروگرام منعقد کر کے کامیاب طلبہ کو انعام سے نوازتی اور اس پروگرام میں خطاب کے لیے حضرت ہی مدعو رہتے، جو اپنے خطاب کا موضوع "قلم کی اہمیت و افادیت" ہی بناتے اور اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرماتے اور طلبہ کے اندر واقعی تحریری جذبہ پیدا کر دیتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگرچہ حضرت کا اصل عملی میدان صحافت، تحریر و قلم تھا اور اس میدان کے وہ شہسوار تھے جس کی دلیل تین دہائیوں سے زائد عرصہ تک "ماہنامہ اشرفیہ" کا ان کی ادارت میں نکلنا ہے وہ ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر کی حیثیت سے آخر تک کام کرتے رہے۔

یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر کوئی صاحبِ قلم ان شاء اللہ ایک وقیع مقالہ لکھ کر مشامِ جاں معطر کریں گے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ ان کا میدان صحافت تھا لیکن وہ ایک شان دار باصلاحیت مدرس بھی تھے اور لمبے عرصے تک انھوں نے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں معیار کی کتابوں کا درس دیا۔ راقم کو بھی جامعہ اشرفیہ میں چلنے والی علمِ نحو کی بہت معیاری اور معرکۃ الآرا کتاب "شرح جامی" حضرت سے پڑھنے کا موقع ملا، یقیناً وہ ایک اچھے صاحبِ لیاقت مدرس تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت کا ایک درخشاں پہلو خطابت بھی ہے، حالاں کہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ ایک اچھا مدرس یا قلم کار، کامیاب خطیب اور مقرر نہیں ہوتا ہے مگر کچھ مخلص بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ رب العزت بہت کمالات سے نوازتا ہے۔ حضرت کو بھی اللہ نے جن کمالات کا جامع بنایا تھا ان میں ایک کمال ان کی خطابت بھی تھی جہاں وہ اچھے قلم کار اور شان دار مدرس تھے وہیں بہت عمدہ خطیب بھی تھے۔

اس میدان میں بھی حضرت کا مقام نہایت بلند اور ممتاز رہا، آپ کا خطاب علم و حکمت، وقار و متانت، سوز و تاثیر، اور فکری پختگی کا حسین امتزاج ہوتا تھا، آپ سامعین کے جذبات محض گرمانے کے بجاے ان کے اذہان کو روشن اور ان کے قلوب کو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و محبتِ اکابر سے منور کرتے، ہمہ وقت گفتگو میں مسلکی استقامت بھی ہوتی اور حکمت و اعتدال بھی جس کی وجہ سے آپ اہلِ سنت کے ممتاز خطبا میں شمار کیے جاتے۔ الفاظ کا درست انتخاب فرماتے اور ان کا صحیح تلفظ بھی کرتے، مشکل بات کو آسان لب و لہجے اور عام فہم انداز میں بیان کرتے، موقع کی مناسبت سے واقعاتِ صحیحہ اور مناسب مثالیں پیش فرماتے۔ ان کی تقریر میں بناوٹ اور تصنع کے بجاے سچائی اور خلوص ہوتا تھا وہ صرف الفاظ کا جادو نہیں جگاتے بلکہ اپنے کردار و انداز سے سامعین کے دلوں میں گھر کرنے کی کوشش کرتے اور دین کا پیغام لوگوں کے سینوں میں اتارنے کی کوشش کرتے تھے، اسی لیے ان کی بات سنی جاتی تھی اور اس پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔

وہ خطابت کو ایک فن کی حیثیت سے نہیں دیکھتے، بلکہ ایک ذمہ داری سمجھ کر ادا کرتے، اپنی گفتگو سے معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے، سامعین کے حوصلے بلند کرنے اور انھیں صحیح سمت دکھانے کی کوشش کرتے تھے، اور ایک اچھے سچے، دین دار، باکردار، وفا شعار اور ایمان دار خطیب میں یہی خوبیاں ہونا چاہئیں۔

اس بات کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے کہ حضرت العلام علیہ الرحمہ مذکورہ خوبیوں کے جامع ہونے کے ساتھ غرور اور تکبر جیسی بد صفات سے دور تھے۔ تجربہ شاہد ہے کہ جب انسان کے پاس علم و ہنر یا کوئی مقام و مرتبہ ہوتا ہے تو اس کے اندر غرور، نخوت اور انانیت کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں (الا ماشاء اللہ) البتہ کسی میں یہ جراثیم کم ہوتے ہیں اور کسی میں زیادہ، مگر حضرت کی ذات اس وصف سے بالکل پاک تھی، وہ معمولی انسان سے بھی بڑے خلوص اور محبت سے پیش آتے، کیوں کہ وہ ایک سچے عالم تھے اس لیے اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ اگر علم کے ساتھ مزاج متکبرانہ ہوا تو لوگ وقتی طور پر اپنی علمی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھلے ہی تعلق خاطر کا اظہار کریں، لیکن دل سے قبول نہیں کر پائیں گے اور جیسے ہی ان کی ضرورت پوری ہو گی وہ دور ہو جائیں گے، اس کے برعکس اگر انسان صاحبِ علم ہونے کے ساتھ متواضع، منکسر المزاج ہو اور متکبر نہ ہو تو چاہے کتنا ہی عرصہ گزر جائے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت و الفت کی دنیا آباد رہے گی، ان کے دلوں پر انسان کی عظمت کا سکہ جما رہے گا/ حضرت علیہ الرحمہ نے اس بات کو ہمیشہ اپنے لیے آئینہ بنایا اور اس آئینے کو اپنے سامنے رکھ کر زندگی گزاری، یہی وجہ ہے کہ اس دارِ فانی سے جانے کے بعد بھی عوام و خواص ہر ایک کے دل میں ایک حسین یاد بن کر زندہ ہیں۔

افسوس صد افسوس ایسی عظیم صفات کی حامل شخصیت 4 جون 2026ء مطابق شب 18 ذی الحجہ 1447ھ بروز جمعرات اس دارِ فانی سے تقریباً پونے بارہ بجے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئی اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملی۔ رب العالمین کی بارگاہِ اقدس میں دعا ہے کہ وہ حضرت کی بال بال بے حساب مغفرت فرمائے اپنی جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے بلندیِ درجات عطا فرمائے۔ آمین!

***

(ص:35 کا بقیہ) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کے وصال کی خبر جوں ہی منظرِ عام پر آئی، دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ آپ کے شاگردوں، تلامذہ، احباب، متعلقین اور عقیدت مندوں پر غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہر دل افسردہ تھا اور ہر زبان پر افسوس و حسرت کے کلمات جاری تھے۔

مختلف دینی اداروں، علما، مشائخ اور اہلِ علم کی جانب سے تعزیتی پیغامات اور اظہارِ افسوس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سوشل میڈیا، علمی حلقوں اور دینی مراکز میں ہر طرف آپ کی رحلت کا تذکرہ تھا اور آپ کی علمی، دینی اور دعوتی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا جا رہا تھا۔

نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے ملک کے مختلف شہروں اور دور دراز علاقوں سے علما، فضلا، تلامذہ اور عقیدت مند جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، پہنچے۔ جنازے میں غیر معمولی ہجوم تھا۔ ہر شخص اپنے محبوب استاذ، مخلص عالمِ دین اور باعمل خادمِ اسلام کو آخری سلام پیش کرنے کے لیے بے تاب نظر آتا تھا۔ یہ عظیم الشان اجتماع اس بات کا زندہ ثبوت تھا کہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی اخلاص، علم اور حسنِ اخلاق کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں جو مقام پیدا کیا تھا، وہ آپ کے وصال کے بعد بھی پوری آب و تاب کے ساتھ برقرار رہا۔

وصال کے بعد بہت سے اکابرینِ اہلِ سنت نے جامعہ اشرفیہ حاضر ہو کر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ بطورِ خاص پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، حضور سید معین میاں قبلہ، کچھوچھہ شریف، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، حضور سید جامی میاں قبلہ، کچھوچھہ شریف، نیز حضرت سید حامد میاں کے صاحب زادے (سریاں شریف)، حضرت کے دولت کدہ پر جامعہ اشرفیہ تشریف لائے، اہلِ خانہ سے اظہارِ تعزیت کیا، پھر حضرت کے مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر چادر اور گل ہائے عقیدت پیش کیے اور فاتحہ خوانی فرمائی۔ ان اکابر کی یہ حاضری حضرت مرحوم سے ان کی قلبی محبت، دیرینہ تعلق اور گہرے احترام کا عملی مظہر تھی۔***

مولانا مبارک حسین مصباحی کے
خانقاہی مراسم

مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مصباحی، دہلی شریف

ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیر اعلیٰ، ترجمان جامعہ اشرفیہ، کل ہند جنرل سیکرٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ اور سینئر استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی (10 اکتوبر 1967ء-5 جون 2026ء) دسیوں کتابوں کے مصنف ادیب اور شاندار خطیب تھے، اس لیے علمائے کرام اور مشائخ عظام کے ساتھ خطباو شعرا کے درمیان بھی معروف و مقبول تھے اور بطور خاص اعراس کے موقع پر ہندوستان کی مختلف درگاہوں اور خانقاہوں کی سالانہ تقریبات میں خصوصی خطاب کے لیے مدعو ہوتے رہے، اس لیے سواد اعظم اہل سنت بریلوی جماعت کی اہم ترین درگاہوں خانقاہوں علمی دینی اور تعلیمی تدریسی مراکز سے انتہائی گہرا تعلق اور عقیدت مندانہ لگاو تھا۔ بنیادی طور پر خانقاہِ اشرفیہ خانوادہ عزیزیہ مبارک پور سے آپ کا روحانی تعلق کے ساتھ قرابت کا تعلق بھی ہے کہ شہزادہ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ کے داماد ہیں، اس لیے بھی خانقاہوں کے علمائے کرام آپ کو پسند کرتے تھے اور علم دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خطابت کے لیے یاد کرتے تھے۔

ہندوستان میں سلسلہ عالیہ قادریہ کی عظیم خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، دوسری بڑی خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف اور تیسری بڑی خانقاہِ عالیہ رضویہ بریلی شریف سے آپ کے مراسم جگ ظاہر تھے، جہاں سے آپ کو اجازت و خلافت کے تمغے حاصل تھے اور آپ کے خطابات بھی ہوا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر روحانی مراکز اور خانقاہوں سے آپ کے مراسم کی تفصیلات بھی ہم پیش کریں گے۔ سب سے پہلے یہ یاد رکھیں کہ مجھ سے بھی بلکہ یوں کہیے کہ آپ سے مجھے بھی گہرے مراسم تھے جس کا سلسلہ طالب علمی کے زمانے (2001-2004) سے شروع ہو گیا تھا۔ آپ سے میرے مراسم بے تکلفی کی حد تک گہرے تھے۔

خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف:

خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین تاج المشائخ حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی قبلہ مدظلہ العالی (میرے مرشد طریقت) نے اجازت و خلافت سے نوازا ہے۔

ہم نے مارہرہ شریف میں منعقد ہونے والے سالانہ عرسِ قاسمی برکاتی اور عرس نوری قادری اور دیگر خانقاہی تقریبات میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے دیکھا ہے بلکہ مولانا مبارک حسین مصباحی وہاں کے روحانی فیوض سے بجائے خود حاضر ہو کر مستفیض ہوتے، مارہرہ شریف کے بزرگوں کے ساتھ آپ کے انتہائی قریبی اور عقیدت مندانہ مراسم تھے، مسلسل چار پانچ سالوں تک عرس قاسمی برکاتی کے موقع پر منعقد ہونے والی ”فکر و تدبیر کانفرنس“ اور نصاب سازی وغیرہ سے متعلق نشستوں میں بھی بطور خاص مدعو ہوتے رہے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کی رحلت پر خانقاہ مارہرہ کی جانب سے بھی گہرے رنج و غم اور تعزیت کا اظہار کیا گیا، جس میں آپ کے مراسم اور تعلقات کا

اظہار کیا گیا ہے۔

خانقاہ رضویہ برکاتیہ بریلی شریف:

خانقاہِ رضویہ بریلی شریف کے روحانی ترجمان اور عالم دین تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان سے مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کو بیعت و ارادت اور اجازت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔ چوں کہ آپ نے اپنی تحریر و تقریر سے ترجمان اشرفیہ کی حیثیت سے تاحیات فیضان اعلیٰ حضرت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بریلی شریف کے دیگر رضوی مشائخ اور علمائے کرام سے بھی آپ کے ذاتی مراسم اور تعلقات تھے۔ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کے بانی و صدر حضرت مولانا مفتی محمد حنیف خان رضوی آپ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ عرس رضوی میں بریلی شریف کے مرکزی اسٹیج پر صاحب سجادہ حضرت مولانا سبحان رضا خان سبحانی میاں کی خواہش پر آپ نے بارہا خطاب کیا ہے اور تعارفی نظامت میں آپ کی خدمات کا بھی بارہا اعتراف کیا گیا ہے۔

خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف سے بنیادی روحانی رشتہ ہے جس کی بدولت مولانا مبارک حسین مصباحی کو خانوادہ اشرفیہ کے اکابر علما و مشائخ سے روابط اور تعلقات رہے ہیں اور بہت سے مشائخ سے ذاتی مراسم بھی رہے ہیں۔

آپ کے وصال کے موقع پر ہم نے دیکھا کہ خانقاہ کچھوچھہ شریف کے جواں سال شیخ حضرت سید جامی میاں اشرفی (کھمبات گجرات) اور صدر سنی جمعیت العلما ممبئی، قبلہ حضرت سید معین میاں اشرفی نے مبارک پور پہنچ کر تعزیت کا اظہار کیا، آپ کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی اور قبر پر چادر پیش کی۔ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خانوادہ اشرفیہ سے مولانا مبارک حسین مصباحی کے ذاتی طور پر بھی مراسم رہے ہیں جسے ہم نے یوں بھی محسوس کیا کہ انتقال کے بعد بہت سی اشرفی درگاہوں اور خانقاہوں سے تعزیت نامے دیکھے گئے اور بہت سی اشرفی درس گاہوں اور خانقاہوں میں دعاے مغفرت کی محفل سجائی گئی۔

کچھوچھہ شریف کی خانقاہ اشرفیہ سرکار کلاں میں بھی مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کو بارہا خطاب کرتے دیکھا ہے جیسے 16، اگست 2023 کو ہم بھی ایک سیمینار میں مدعو تھے جہاں حضرت نے حضرت سرکار کلاں سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی دینی روحانی خدمات پر شاندار خطاب کیا، اس سیمینار کی سرپرستی اور صدارت حضرت سید محمد اشرف اشرفی صاحب نے فرمائی۔

اگرچہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی بنیادی طور پر ہمہ وقتی خدمات ادارت و تدریس اور تصنیف و تالیف سے وابستہ رہیں، تاہم آپ کا تعلق صوفیاے کرام کے علمی روحانی مراکز سے بھرپور رہا ہے اور ایک بزرگ عالم دین نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور بجاے خود ایک اشرفی رضوی قادری برکاتی خانقاہی درس گاہ ہے جہاں سلسلہ عالیہ قادریہ اشرفیہ رضویہ کی خانقاہی روایات کو مساوی طور پر فروغ دیا جاتا ہے اور بشمول مولانا مبارک حسین مصباحی جہاں کے اکثر اساتذہ نے تصوف و صوفیہ، عقیدت و عقائد، صوفیانہ روایات اور دینی اصولی معمولات اور بزرگوں کے حالاتِ زندگی پر قلم اٹھا کر علمی انداز میں خانقاہی اقدار کی ترویج و اشاعت کی ہے اور کرتے رہیں گے، ان شاءاللہ۔

در اصل مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کو کچھوچھہ شریف کے دو عظیم بزرگوں حضرت سید شاہ محمد علی حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان اور محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان (والد محترم مدنی میاں)

سے گہری عقیدت تھی۔ اسی لیے خانقاہ اشرفیہ کے مشائخ کے افکار و تعلیمات کو آپ نے اپنی تحریروں میں نمایاں جگہ دی۔ خانقاہ اشرفیہ اور سلسلہ اشرفیہ کی تاریخی خدمات اور بزرگوں کی سوانح کو محفوظ کرنے میں آپ کا کردار محفوظ ہے۔ آپ نے سلسلہ اشرفیہ کی تاریخ وتذکرے پر مستند اور معیاری مضامین لکھے ہیں۔ آپ کی مشہور کتابوں میں "اشرفیہ کا ماضی اور حال" بھی ہے جس میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے خانقاہ اشرفیہ کے تاریخی تعلقات اور بزرگوں کی سرپرستی کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ تاریخی اعتبار سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی بنیادوں میں خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ کا بڑا کردار رہا ہے۔ محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی میاں دار العلوم اشرفیہ اہل سنت مصباح العلوم مبارک پور کے سرپرستِ اعلیٰ رہے ہیں۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے جامعہ اشرفیہ میں 30 سال سے زائد عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیں، اس لیے وہ براہ راست خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ کے فیض یافتہ اور ترجمان سمجھے جاتے تھے جس پر دلیل ہیں ان کی تحریریں اور تقریریں۔

خانقاہ واحدیہ وخانقاہ دعوۃ الصغریٰ بلگرام شریف

حضرت میر عبد الواحد بلگرامی اور حضرت میر دعوۃ الصغریٰ کی سرزمین بلگرام شریف کی دونوں خانقاہوں سے بھی آپ کے مراسم رہے ہیں بلکہ آپ خود اپنے علاج کی غرض سے یہاں برابر حاضر ہوتے رہے ہیں لیکن یہ عمر کا آخری زمانہ ہے جب آپ نے خطابت کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔

خانقاہ چشتیہ اجمیر شریف:

ہندوستان کی روحانی راجدھانی اجمیر شریف کی درگاہ کے سجادگان و مشائخ کرام سے بھی آپ کے ذاتی اور گہرے مراسم رہے ہیں جیسے وہاں کے معروف و مقبول شیخ طریقت حضرت مولانا سید محمد مہدی میاں چشتی سے گہرے مراسم تھے، اجمیر شریف کی حاضری کے دنوں میں مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب انھی کے گھر میں قیام فرماتے اور حضرت مہدی میاں کے دار المطالعہ میں گھنٹوں آپس میں گفتگو ہوتی۔ حضرت مولانا سید سلطان چشتی مصباحی وغیرہ دیگر سجادگان سے بھی تعلقات رہے ہیں. راجستھان کے ضلع باڑمیر کی خانقاہ نقش بندیہ جیلانیہ سوجا شریف اور خانقاہ سے متّصل دینی تعلیمی مرکز جامعہ صدیقیہ میں آپ دو سال لگاتار خطاب کے لیے بھی مدعو ہوتے رہے۔ خانقاہ و درس گاہ کے بانی و سرپرست شیخ طریقت حضرت پیر سید غلام حسین شاہ جیلانی ایک سنجیدہ فکر علم دوست علما نواز شیخ طریقت ہیں جو بنیادی طور پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور جامعہ اشرفیہ کے سبھی اساتذہ کو ہی عزیز رکھتے ہیں، البتہ صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی اور سراج الفقہاء حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔

خانقاہ اشرفیہ گجرات:

راجستھان سے آگے صوبہ گجرات کے شہر کھمبات میں واقع حضرت سید رئیس اشرف اشرفی کی خانقاہ اشرفیہ سے بھی آپ کے مراسم اور تعلقات رہے ہیں جن کے صاحب زادے حضرت جامی اشرف اشرفی عرف جامی میاں آپ کی تعزیت کے لیے مبارک پور پہنچے ہوئے تھے۔ یہاں بھی مختلف تقریبات میں مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب خطاب کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔

خانقاہ شرافتیہ ثقلنیہ بریلی شریف:

جانشین شاہ ثقلین الحاج محمد غازی ثقلینی سجادہ نشین خانقاہِ شرافتیہ مجددیہ بریلی شریف بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پیر و مرشد حضرت شاہ محمد ثقلین میاں حضور قادری مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں ہونے والے متعدّد اجلاس میں اور خانقاہ کے عرس

میں آپ نے بحیثیت خطیب خصوصی شرکت فرمائی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق مفید و کار آمد خطاب فرمایا، ہمارے پیر و مرشد متعدّد بار آپ کے قائم کردہ ادارے جامعہ طیبہ شاہ آباد رام پور میں بھی تشریف لے گئے، آپ کے واسطے سے اشرفیہ کے احوال و کوائف معلوم ہوتے رہتے اور ہماری خانقاہ سے بھی آپ برابر رابطے میں رہتے تھے۔ اس بیان سے یقین ہو جاتا ہے کہ خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف سے مولانا مبارک حسین مصباحی کے گہرے مراسم تھے اور ذاتی تعلقات بھی۔

حضرت شاہ ثقلین میاں کے مرید محب گرامی حضرت مولانا فہیم احمد ازہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی استاذ محترم مولانا صوفی رفاقت علی خان ثقلینی نعیمی سے جب بھی کہیں ملاقات ہوتی تو سینے سے لگا لیتے اور بے پناہ خوشی کا اظہار فرماتے، قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں شریف میں آپ کو حضرت صوفی صاحب نے متعدّد بار بحیثیت خطیب بلایا، ہر بار خوشی خوشی تشریف لائے، خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف کے سالانہ عرس میں بھی کئی بار بسلسلۂ خطاب تشریف لائے اور ایک بار خطاب کے شروع میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ خانقاہ شرافتیہ کے صاحبِ سجادہ حضرت شاہ محمد ثقلین میاں حضور قبلہ نے ابھی دوران ملاقات مجھ سے فرمایا "کہ آپ عرس مبارک میں تشریف لائے ہیں، بہت خوشی ہوئی، آپ کا استقبال ہے اور ہماری یہ گزارش ہے کہ تقریر صرف سیرت رسول اور صاحب عرس کے حالات پر ہو، ہمارے لیے کچھ نہ کہیں۔ حضرت کی اس ادا سے میں بہت متاثر ہوں۔"

فہیم ازہری صاحب لکھتے ہیں کہ شاہ ثقلین اکیڈمی شاخ مراد آباد کے زیر اہتمام اور حضرت شاہ ثقلین میاں حضور کی سرپرستی میں ترپن (۵۳) اجتماعی نکاح کے موقع پر 9 جون 2012ء کو مراد آباد کے آر۔ٹی۔او میدان میں ایک عظیم الشان آل انڈیا کانفرنس بنام جشن شاہ شرافت کا اہتمام ہوا جس میں بحیثیت خطیب خصوصی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے بھی شرکت فرمائی تھی اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کے حوالے سے بہت ہی پر مغز خطاب فرمایا، ساتھ ہی حضرت مفتی محمد ایوب خان نعیمی جامعہ نعیمیہ مراد آباد، شہید بغداد حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری محدث بدایونی، حضرت مولانا سید اسلم میاں وامقی خانقاہ وامقیہ بریلی شریف، حضرت شاہ فرحت احمد جمالی سجادہ نشین درگاہ حافظ شاہ جمال اللہ رام پور، حضرت مولانا سعید اختر شرافتی بھوجپور مراد آباد، مولانا زاہد رضا رضوی ردر پور اور حضرت الحاج ممتاز میاں صاحب نے متفقہ طور پر ریاستی اور ملکی حکومت کو مسلمانوں کے تعلق سے ایک میمورنڈم بھی اعلیٰ حکام کو پیش کیا، یہ میمورنڈم مولانا مبارک حسین مصباحی اور علامہ اسید الحق محدث بدایونی کے ہی مشورے سے مرتب کیا گیا تھا جس میں راقم سطور بھی شامل تھا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب ایک بار کسی کام سے بریلی شریف تشریف لائے اور اچانک فساد برپا ہو گیا تو کئی دن تک خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف میں ہی قیام رہا، اسی دوران آپ کی بیٹی کا انتقال ہو گیا تو حضرت شاہ ثقلین میاں حضور کے بھائی حاجی ممتاز میاں مرحوم نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے آپ کو بریلی شہر سے باہر تک روانہ کرایا، اسی سفر میں آپ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، جس سے آپ کے سر میں شدید چوٹ آئی اور آپ طویل عرصے تک ہسپتال میں داخل رہے۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ و الرضوان کا آبائی وطن بھوج پور ہے، یہاں کی اکثریت پچھلے سو سال سے سلسلہ شیریہ ثقلینیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہے، حضرت حافظ ملت کے خاندان کے متعدّد افراد بھی خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف سے وابستہ ہیں۔ خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف کے بانی و سجادۂ اول حضرت مولانا شاہ شرافت علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آبائی وطن ککرالہ میں جب 1961ء میں جامعہ بشیریہ قائم فرمایا تو حضرت حافظ ملت نے علمی

اور مالی دونوں طرح کا خاصا تعاون فرمایا تھا۔

مولانا فہیم ازہری کا یہ بیان بھی دلچسپ ہے کہ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی میں درس نظامی کی تحصیل کے دوران خارجی کتب کے مطالعے کے لیے جن کتابوں کا انتخاب کیا تھا، ان میں مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی تصنیفات بھی تھیں۔ متعدد اجلاس اور سیمیناروں میں آپ سے بار بار ملاقات ہوتی تھی، آپ کی اکثر کتابیں راقم سطور کی لائبریری میں موجود ہیں جو آپ نے اپنے دست اقدس سے عنایت فرمائی تھیں، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا قرطاس و قلم سے کتنا قدیم رشتہ ہے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہمارے استاذ گرامی حضرت مولانا صوفی رفاقت تقلینی صاحب کی کتابیں، فارسی کی پہلی اور دوسری، منہاج العربیہ اور گلزار دبستاں وغیرہ تقریباً تمام کتابوں پر مولانا مبارک صاحب کی تحریریں موجود ہیں اور سب پر "مبارک حسین شاہ آبادی" لکھا ہوا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لکھاری ہونے کا ذوق و شوق بچپن سے ہی تھا۔

خانقاہ رشیدیہ جونپور:

مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمن رشیدی مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان کے چہیتے مرید محب گرامی مولانا ابرار رضا رشیدی مصباحی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی، آپ کے تصنیفی اشاعتی ادارہ آسی فاؤنڈیشن اور خانقاہ رشیدیہ جونپور سے مولانا مبارک حسین مصباحی سے گہرے مراسم تھے، یہ جگ ظاہر ہے اور مرشد گرامی اور آپ کے ادارہ سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر خود مجھ ناچیز سے اچھے مراسم تھے اور کتنے اچھے اور گہرے مراسم تھے، اس کی تفصیل پیش کروں گا۔

مولانا ابرار رشیدی نے بتایا کہ بنارس جنکشن کے قریب سلسلہ رشیدیہ کی خانقاہ اور مدرسہ ہے۔ وارانسی سیٹی کے قریب مدرسہ مدینۃ العلوم جلالی پورہ ہے، اس سے بھی حضرت کا ربط و تعلق رہا ہے اور شکر تالاب میں بھی ایک خانقاہ حمیدیہ ہے، ممکن ہے وہاں بھی تشریف لائے ہوں۔ کیوں کہ بنارس کے اکثر سنی مدارس کے سینئر اساتذہ سے آپ کی شناسائی تھی اور علمی قلمی سرگرمیوں میں یہاں کے لوگ آپ کو شامل رکھتے تھے۔

خانقاہ قادریہ بدایوں شریف:

خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف سے آپ کے مراسم، شہید بغداد حضرت شیخ اسید الحق عثمانی ازہری صاحب سے ذاتی تعلقات سے شروع ہو کر مستحکم ہو گئے اور جب جام نور دہلی کے ذریعے شیخ صاحب کی شہرت ہونے لگی تب یہ قلمی رشتہ مزید استوار ہو گیا، مارچ 2014ء میں جب شیخ اسید الحق صاحب کی عراق میں شہادت ہوئی تب حضرت مولانا مبارک صاحب نے اپنی تعزیتی تحریر میں مولانا اسید الحق صاحب سے متعلق جن جذبات و احساسات اور تعلقات کا اظہار کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو خانقاہ قادریہ سے کتنی گہری عقیدت تھی اور خانقاہ قادریہ کو آپ کس نظر سے دیکھتے تھے۔ ہم نے بھی ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کا خصوصی شمارہ "نذر اسید" ترتیب دیا تھا، میرا اداریہ دیکھ کر حضرت مولانا مبارک صاحب فرمانے لگے کہ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ مزید دس پندرہ سال ہی مولانا اسید الحق صاحب باحیات رہتے تو خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کی آٹھ سو سالہ علمی اور تاریخی عظمت رفتہ کو بحال کر دیتے... بالکل درست لکھا ہے جس کی میں تائید کرتا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی اور تاریخی خانوادے کا صاحب زادہ اتنی محبت سے ہر کسی سے ملتا ہے اور ہر کسی کی حسب حیثیت قدر کرتا ہے، یہ خوبی نہیں لکھی آپ نے... سچ پوچھیے تو یہ خوبی ان کے والد محترم میں بھی موجود ہے جس کا پر تو ہیں مولانا اسید الحق صاحب۔

مجھے یاد ہے کہ حدیث افتراق امت کے حوالے سے ایک بحث مولانا مبارک صاحب کے مکان پر ہونے لگی اور تذکرہ ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کا شروع ہو گیا تو مولانا مبارک صاحب نے فرمایا کہ علم و تجربہ کے لحاظ سے مولانا اسید الحق صاحب

اور شرر مصباحی صاحب کا کوئی جوڑ نہیں، یہ تو میں کہہ سکتا ہوں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑکپن اور مروت کا جو مظاہرہ اسید الحق صاحب کر سکتے ہیں وہ شرر صاحب شاید نہ کریں کیوں کہ اسید الحق صاحب میں ایک خوبی میں نے دیکھی ہے کہ وہ دانستہ کسی سے بحث کا سلسلہ شروع کرنے کا موقع نہیں دیتے اور سچ پوچھیے تو آج علماے کرام کو یہی روش اختیار کر لینا چاہیے تاکہ بہت سے آپسی اختلافات سے نجات ملے۔ جس دن یہ بات ہو رہی تھی، اس دن وہ مجھے آم کھلا رہے تھے اور اچانک ہنستے ہوئے آم کی گٹھلی مجھے دیتے ہوئے کہا کہ یہ کھاؤ یار... اور... کھا کر پھینک دو.. یعنی اپنے کام سے کام رکھو۔ یہی تو کیا ہے اسید الحق نے۔ اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہو کہ درجنوں کتابیں ایسی منظر عام پر آچکی ہیں جن کے ہم مشتاق نظر آتے ہیں۔

خانقاہ نقشبندیہ سریاں شریف:

ضلع اعظم گڑھ میں ہی نقشبندی سلسلے کی ایک خانقاہ سریاں شریف ہے جس کے سجادہ نشین حضرت سید غلام رسول حضوری ہیں اور آپ کے برادر گرامی حضرت سید حامد میاں حضوری، دونوں سے ہی مولانا مبارک صاحب سے ذاتی تعلقات تھے اور آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سید محمد اشرف میاں حضوری مصباحی، مولانا مبارک صاحب کے ہم سبق ساتھی ہیں، اس لیے ایک عرصے سے آپ کے خانقاہ حضوریہ نقشبندیہ سریاں شریف سے گہرے مراسم تھے، اتنے گہرے کہ عرس کے علاوہ دیگر تقریبات میں بھی آپ شریک ہوتے اور خطابت کے لیے مدعو ہوتے۔

خانقاہ چشتیہ صمدیہ پھپھوند شریف:

ضلع اناو کانپور میں چشتی سلسلہ کی ایک خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف ہے جس کے سجادہ نشین حضرت سید اختر چشتی ایک سانس میں آپ کو اتنی دعائیں دیتے ہیں کہ سبحان اللہ. صرف اس لیے کہ آپ درگاہ و خانقاہ اور خانقاہی حضرات کی ضرورت اور مزاج کے مطابق خطاب کرتے اور جہاں دیکھتے کہ خانقاہ کا شیخ طریقت جہاں دیدہ اور زمانہ شناس ہے وہاں اپنی مدبرانہ جوہر دکھاتے، یہ جوہر ہی خانقاہ صمدیہ چشتیہ پھپھوند شریف کے حضرت کو محبوب تھا، در اصل خانقاہ سے متعلق ایک دینی تعلیمی ادارہ دار العلوم صمدیہ بھی ہے جس میں اکثر اساتذہ مصباحی ہوتے ہیں، اس لیے بھی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیر و ترجمان کی حیثیت سے آپ یہاں مدعو ہوتے رہے ہیں اور اپنا جوہر دکھاتے رہے ہیں۔ آپ کے انتقال پر یہاں سے بھی تعزیتی پیغام جاری ہوا دیکھا جس میں آپ کی علمی اور قلمی ادارتی خوبیوں کا اعتراف کیا گیا ہے۔

خانقاہ مداریہ مکن پور شریف:

ضلع کانپور میں واقع سلسلہ مداریہ کی خانقاہ مکن پور شریف سے بھی آپ کا تعلق رہا ہے دو مرتبہ وہاں خطاب کے لیے بھی مدعو تھے۔ خانقاہ مداریہ مکن پور شریف وغیرہ سے آپ کی قلبی وابستگی اور حاضری اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ علماے دین ہمیشہ اولیاے کرام اور خانقاہوں سے جُڑے رہتے ہیں تاکہ امت کی روحانی و فکری اصلاح کا سلسلہ جاری رہے۔

سلطان پور ضلع میں غوث نگر کی خانقاہ قادریہ غوثیہ میں بھی آپ برابر خطاب کے لیے تشریف لے جاتے تھے جہاں کے سجادہ نشین پیر نسیم القادری صاحب نے تاحیات کے لیے دعوت دے رکھی تھی لیکن آپ نے بطور احتیاط جانا بند کر دیا کیوں کہ در اصل یہ وہی خانقاہ ہے جس کے اشتہار کو ہر گاؤں محلے اور قصبہ شہر میں دیکھا جاتا ہے اور مجھے بھی حیرت ہوتی ہے کہ دہلی جیسے شہر میں بھی عرس قادری اور لنگر قادری سلطان پور کا اشتہار نظر آ جاتا ہے۔***

مولانا مبارک حسین مصباحی سے
میری ملاقاتیں

مولانا محمد اسلم رضا قادری اشفاقی، رکن سنی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور شریف۔ راجستھان

5 جون 2026 بروز جمعہ فجر کی نماز پڑھا کر گھر آیا، موبائل کھولا تو سب سے پہلے "مضامین برائے ماہنامہ سنی دنیا گروپ" میں اس مضمون پر نظر پڑی جس کا عنوان تھا "علامہ مبارک حسین مصباحی !صحافت کے ایک درخشاں باب کا اختتام" جسے حافظ افتخار احمد قادری، پیلی بھیت نے تحریر کیا تھا، ہیڈنگ سے ہی خطرہ محسوس ہو چکا تھا جب پڑھا تو دم بدم خود رہ گیا۔ افسوس اہل سنت کے ایک عظیم صحافی، مدبر و مفکر سے آج ہم محروم ہو گئے، دعا کی اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، تھوڑی دیر میں والد گرامی حضرت مفتی ولی محمد قبلہ رضوی سربراہ اعلیٰ سنی تبلیغی جماعت باسنی گھر پر تشریف لائے تو میں نے بتایا مولانا مبارک حسین مصباحی کا آج رات میں انتقال ہو گیا ہے، سن کر آپ نے بھی افسوس کیا اور بخشش و مغفرت کی دعا فرمائی۔ والد صاحب نے فرمایا:

"کل دفتر سنی تبلیغی جماعت باسنی میں فاتحہ خوانی کر کے ایصال ثواب کرنا اور تعزیت نامہ بھی بھیج دینا۔"

سنیچر کے روز دفتر میں فاتحہ خوانی کر کے آپ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور تعزیت نامہ بھی حضرت مولانا محبوب عزیزی صاحب انچارج ماہنامہ اشرفیہ کو ارسال کیا گیا۔

فخر صحافت، ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی اچانک رحلت سے دل کو بڑا دھچکا لگا اور یوں محسوس ہوا کہ کوئی سنی سنائی خبر ہے جس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ، کیوں کہ ہر خبر کا اعتبار کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ آج کل لوگ ایسے بھی اڑا دیتے ہیں۔

مگر جیسے جیسے دن ڈھلتا گیا موبائل کی اسکرین پر علما و اہل دانش کے تعزیتی پیغامات و اعلانات نے خبر کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ حادثہ ہوا ہے اور مولانا مبارک حسین مصباحی دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کر چکے ہیں اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

مولانا موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نامور فرزندوں میں سے ایک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی ایک خوبیوں سے مالا مال فرمایا تھا۔ قابل اور باصلاحیت عالم ہونے کے ساتھ بااخلاق، بلند کردار کے حامل تھے، ہر ایک سے مسکرا کر ملاقات فرماتے۔ بڑے ملنسار اور محبت والے تھے، سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ بلند اخلاق ہونا انسان کی بڑی خوبیوں میں سے ہے، حسن اخلاق بہت بڑی چیز ہے۔

آپ کی دینی، علمی، قلمی، تصنیفی خدمات کا دائرہ وسیع ہے جس پر اصحاب قلم سیر حاصل گفتگو کریں گے۔ مجھے سر دست دو چار باتیں سپرد قرطاس کرنی ہیں کیوں کہ یہ واقعات خود میرے اپنے ہیں، جو کسی دوسرے کے علم میں نہیں ہیں۔ اور میرا تو جملہ اہل قلم سے یہی کہنا ہے کہ کسی بھی جانے والے کے تعلق سے اپنے ساتھ پیش آنے والی مجلسوں اور محفلوں کا ذکر ضرور کریں تاکہ اس شخصیت کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے آسکے۔

مولانا موصوف جہاں بھی تشریف لے جاتے وہاں اپنی یادیں دلوں میں بسادیا کرتے تھے۔وعظ وبیان کے لیے ملک بھرمیں آپ کا جانا ہوتا تھا،کیوں کہ وہ خطابت کی دنیا کے شہسوار تھے اور قرطاس وقلم تو گویا ان کی پہچان تھی،تقریر بھی بڑی پُر مغز اور فکر انگیز کرتے تھے۔

پہلی ملاقات 2003 میں ہوئی،اس وقت میں جماعت سادسہ میں تھا۔آپ رسالہ مسجد پاؤٹا روڈ جودھ پور تقریر کے سلسلے میں تشریف لائے تھے،قیام گاہ پر ملاقات کے لیے حاضر ہوا،میرے مشفق ومہربان استاذ، حضرت مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی امجدی استاذو مفتی مادر علمی دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور مجھے اور مولانا محمد خالد رضا اشفاقی کو ساتھ لے گئے تھے،آپ نے موصوف سے میرا تعارف بھی کرایا،سن کر مسرت کا اظہار فرمایا،خفی د باتیں ہوتی رہیں،تعلیم کے تعلق سے پوچھتے رہے،میں نے عرض کیا کہ ”مفتی اعظم راجستھان اور خانوادۂ اشرفیہ و رضویہ سے روابط و تعلقات“ پر ایک طویل مضمون سپرد قرطاس کیا ہے تو آپ نے فرمایا: ماہنامہ اشرفیہ میں بھیج دیجیے ان شاء اللہ شائع ہو جائے گا۔

دسمبر 2001 میں آپ کی نایاب کتاب ”برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب“ شائع ہوئی جو علمی حلقے میں کافی مقبول ہوئی،مصباحی صاحب نے تقریباً سو کا پیاں استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی کے نام بھیجی تھیں، حضرت نے میری دستار فضیلت کے موقع پر وہ کتاب مجھے تحفہ میں دی اور اپنے قلم سے میرے نام کے آگے ”اعزالاعزۃ ارشد الارشد“ تحریر فرمایا۔

موصوف علیہ الرحمہ کی یہ کتاب ان کے چند اداریوں کا مجموعہ ہے،تحقیقی اور علمی مقالات و حوالہ جات سے مزین ہے، برصغیر میں اختلاف و افتراق کا بیج کس نے بویا اور کن لوگوں نے انگریزوں کی غلامی کا پٹہ باندھ کر برصغیر میں اختلاف و انتشار پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کیا؟ حضرت موصوف نے کتاب ہذا میں ان باتوں کو حقائق و شواہد کی روشنی میں آئینے کی طرح سامنے رکھ دیا ہے جو جس کا حامل ہے وہ خود بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ایک جگہ اپنے خلوص وللّٰہیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں اپنی اس تحریر کے سلسلہ میں کسی قسم کی داد وتحسین کا متمنّی ہرگز نہیں۔یہی کیا مجھے اپنی کسی بھی نگارش کے بارے میں اس کی خواہش نہ رہی ہے نہ ہے اور نہ ہوگی۔ہاں میرا قلم خدائے وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں اس آرزو کے ساتھ سجدہ ریز ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب، مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ان تحریروں کو گم گشتگان راہ کی ہدایت کا ذریعہ بنادے اور ٹولیوں میں بٹے لوگوں کو عشق رسول کے نقطۂ اتحاد پر متحد فرمادے،آمین۔“

[افتراق بین المسلمین،المجمع المصباحی،مبارک پور،ص:9]

اپریل 2007 میں جودھ پور کے اندر جب ”آل انڈیا مفتی اعظم راجستھان سیمینار و کانفرنس“ ہوئی،اس میں بھی آپ تشریف لائے،اس وقت بھی مولانا موصوف سے مجھے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا،دیگر کئی ایک علما و ارباب دانش واصحاب قلم بھی جلوہ افروز تھے۔

راجستھان کی سرزمین پر یہ ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی،جس میں حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ کی 65 سالہ دینی و علمی،تدریسی و تبلیغی،اصلاحی و رفاہی،سیاسی و سماجی خدمات کے اعتراف میں اہل راجستھان نے آپ کو چاندی سے وزن کیا تھا،پرانے اسٹیڈیم پولو کھیل گراؤنڈ میں یہ پروگرام منعقد ہوا تھا،جسے حضور شیر راجستھان حضرت علامہ مفتی شیر محمد خاں اور شہزادۂ مفتی اعظم راجستھان محترم الحاج معین الدین اشرفی نے ہینڈل کیا تھا۔سیمینار کے مقالات کا مجموعہ بنام ”معارف مفتی اعظم راجستھان“ بھی اشاعت پذیر ہوا تھا۔

نومبر 2009 میں ایک بار پھر جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ملاقات رہی برادر حافظ محمد ابوبکر رضوی بھی ساتھ تھے،

ماہنامہ اشرفیہ کی ہیڈ آفس اور جامعہ اشرفیہ کے دفتر میں ملاقات کا وقت ملا، مولانا محمد عثمان مصباحی کھاروی اس وقت جامعہ اشرفیہ میں زیر تعلیم تھے، ہمیں ہر جگہ ساتھ لے گئے اور علما و اساتذۂ جامعہ اشرفیہ (حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت مولانا صدر الوریٰ مصباحی، حضرت مولانا زاہد علی سلامی، حضرت مولانا مفتی اختر حسین فیضی، حضرت مولانا مفتی ناظم علی مصباحی، حضرت مولانا کاظم علی مصباحی وغیرہم) سے ملاقاتیں کراوئیں۔

موصوف علیہ الرحمہ سے فروغ دین وسنیت کے حوالے سے بھی گفتگو ہوئی، آپ نے فرمایا: ”کب تک قیام ہے شام کا کھانا ہمارے گھر پر کھایئے۔“ ہم نے کہا ہمیں شام کو یہاں سے روانہ ہونا ہے اور مارہرہ شریف حاضری کا ارادہ ہے۔ تو آپ نے ناشتہ سے ہماری ضیافت کی، اس وقت آپ کی کتاب ”شہر خموشاں کے چراغ“ طبع ہو کر آئی تھی، جس پر آپ نے راقم کو تبصرہ لکھنے کو بھی کہا تھا جو میں نے حکم کی تعمیل میں لکھا بھی تھا، تو حافظ صاحب نے کہا:

”ہمارے حضرت مولانا ظہور احمد اشرفی علیہ الرحمہ سربراہ اعلیٰ سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور شریف پر ان کے وصال کے وقت آپ نے ایک مضمون لکھا تھا وہ شامل نہ ہو سکا اگر شامل اشاعت ہو جاتا تو بہتر ہوتا۔“

موصوف نے فرمایا: ”ہاں! میں نے کافی تلاش کیا لیکن مل نہ سکا ورنہ ضرور شامل کرتا، جس کا مجھے بھی افسوس ہے“۔

اس طرح کئی ایک مفید ترین باتیں ہوئیں، بلاشبہ وہ ہماری جماعت کے ایک عظیم صحافی، اعلیٰ فکر کے حامل دانش منداور فکر رضا کے علم بردار تھے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سیدنا الشاہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت اور عبقری شخصیت پر موصوف کے کئی ایک زبردست علمی تحقیقی معلوماتی اداریے ہیں، عشق رضا کی سرفرازیاں، تحقیقی مقالہ نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتاب ”برکات الامداد“ کی تلخیص و ترتیب وغیرہ آپ کا بے مثال کارنامہ ہے۔

حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ کو آپ کی علمی و تعلیمی، تدریسی و فقہی خدمات کے اعتراف میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ارباب حل وعقد نے 2011 میں ”حافظ ملت ایوارڈ“ پیش کیا تھا اس وقت بھی موصوف اور دیگر کئی علما و اساتذۂ اشرفیہ سے ملاقات کا موقع ملا۔

عرس برکاتی مارہرہ شریف میں کئی بار ممدوح علیہ الرحمہ کا زبردست خطاب سننے کا موقع ملا اور قیام گاہ پر ملاقات بھی رہی، آپ کا قیام جامعہ اشرفیہ کے علما کے ساتھ پرانی حویلی ”بیت العلما“ کے اندر ہوتا تھا۔ جب بھی ملاقات ہوتی متواضع اور خلیق و ملنسار نظر آئے، اپنی دعاؤں، شفقتوں سے نوازتے تھے، دینی اور قلمی خدمات کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ فرماتے:

”لکھتے رہیے ایک دن اچھے قلم کار بن جائیں گے“۔

2012 میں جب عرس برکاتی مارہرہ شریف میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو ایک پھر آپ سے ملاقات کے لیے جانا ہوا، دیگر علمائے اہل سنت بھی تشریف فرما تھے، دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازا، دیگر علمائے کرام سے میرا تعارف بھی کرایا:

”مولانا صاحب! حضرت مفتی ولی محمد رضوی باسنی کے چھوٹے صاحب زادے ہیں، ان کے مضامین ماہنامہ اشرفیہ وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں اچھا لکھتے ہیں“۔

”ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور“ میں میرا پہلا مضمون مئی 2007 میں شائع ہوا، اس کے بعد بھی متعدد مضامین اور کئی خطوط ماہنامہ اشرفیہ میں شامل اشاعت ہوئے، خطوط میں ماہنامہ اشرفیہ کے مضامین و مقالات پر تبصرہ لکھتا اور خاص طور پر آپ کے اداریہ کی خوش اسلوبی اور اہمیت پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ موصوف نے میرے ہر مضمون وخط و تبصرہ کو شائع کرتے ہوئے پسند بھی فرمایا، حوصلہ افزائی بھی فرمائی جس سے میرے

اندر لکھنے پڑھنے کا ذوق و شوق پیدا ہوا اور برابر لکھتا رہتا یہاں تک دیگر رسائل میں بھی میرے مضامین شائع ہونے لگے۔

موبائل اور واٹس ایپ اور ای میل و فیس بک کا دور تو اب آیا ہے، پہلے پہل مضامین ڈاک کے ذریعہ ہی بھیجے جاتے تھے اور کبھی کبھی پرائیویٹ ڈاک کوریئر سے بھیجتا تھا، اس کے لیے ناگور جانا پڑتا تھا، مضمون ارسال کرنے کے بعد معلوم کرنے کے لیے جب فون کرتا، فرماتے: ”آپ کا مضمون مل گیا ہے اور رسالہ میں شامل کرلیا گیا ہے“۔

جب کبھی رسالہ پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی، تو میں فون کرتا حضرت! ابھی تک رسالہ نہیں ملا ہے؟ فرماتے: ”یہاں سے تو کبھی روانہ ہو چکا ہے ابھی تک آپ کو نہیں ملا، ہندستان کے ڈاک کا نظام آپ جانتے ہی ہیں“کئی بار عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ میں آنے کی دعوت دی، یہ ان کے مشفقانہ جملے تھے جو آج تک کانوں میں گونج رہے ہیں، ان کی خوش مزاجی اور خوش اخلاقی، مروت و احسان شناسی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ماہنامہ اشرفیہ میں مضامین و مقالات شائع ہونے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہندستان کے اصحاب قلم سے رابطہ ہو گیا، کیوں کہ ماہنامہ اشرفیہ اکثر و بیش تر علماے کرام کے روبرو جاتا ہے، خود ہمارے والد صاحب قبلہ رضوی کتاب گھر باسنی ناگور میں تیس سال سے پابندی سے منگواتے ہیں، اور باسنی کے علما و دانشوران قوم اس رسالے کے ممبر بنے ہوئے ہیں، پہلے بیس پچیس کا پیاں آتی تھیں، لیکن جیسے جیسے موبائل اور **PDF** کا رواج بڑھا تو رسالوں بلکہ کتابوں کے خریدار ہی کم ہو گئے۔

والد صاحب قبلہ فرماتے ہیں:

”1407ھ مطابق 1987ء کی بات ہے، دار العلوم غریب نواز الہ آباد کے سالانہ اجلاس میں جانا ہوا، باسنی کے چند دوست واحباب بھی ساتھ میں تھے، وہاں معلوم ہوا کہ ماہنامہ اشرفیہ کا ”مجاہد ملت نمبر“ شائع ہوا ہے تو میں نے احباب سے کہا ایک میرے لیے لے لینا انھوں نے مجھے لا کر دے یا میں سمجھا کہ رقم ادا کر دی ہوگی، گھر آکر جب میں نے پوچھا کہ کتاب کے کتنے روپے ہوئے تھے؟ تو بولے ہم نے تو روپے دیے ہی نہیں، مجھے اس بات کا بے حد افسوس ہوا کہ ایک ادارے کے پندرہ روپے میرے اوپر قرض ہیں، دوسرے سال میں حضرت مولانا سید شمیم گوہر کے گھر پر الہ آباد گیا جو اس وقت اشرفیہ کے مدیر تھے اور واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے تو اشرفیہ کی ادارت چھوڑ دی ہے، آپ ایسا کرو کہ پوسٹ کے ذریعہ یہ رقم بھیج دو تو میں نے وہیں سے 15 روپئے کا منی آرڈر کر دیا، وہاں کے ذمہ داروں نے جب یہ دیکھا تو بے پناہ خوش ہوئے اور اسی وقت سے خود بخود میرے نام سے ماہنامہ اشرفیہ جاری کر دیا جو آج تک الحمد للہ جاری ہے۔“

چند رسالوں کو چھوڑ کر سب رسالے بند ہو رہے ہیں، ماہنامہ کنز الایمان دہلی، سہ ماہی افکار رضا ممبئی کس قدر شہرت یافتہ تھے، آج دونوں بند ہو چکے ہیں۔

پھر 2011 سے میں نے تصنیف و تالیف کا ذہن بنایا اور پہلی کتاب ”بے اصل روایات تحقیقات رضا کی روشنی میں“ لکھی جس پر فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی محمد صدر الوری قادری مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی نظر ثانی ہے۔ موصوف علیہ الرحمہ کو بھی ارسال کی گئی، جب کتاب ملی تو فون پر مبارک باد دی اور فرمایا:

”آپ نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے، کافی محنت کی ہے“۔

اللہ تعالیٰ موصوف علیہ الرحمہ کی تمام تر علمی و تبلیغی و تصنیفی و اشاعتی خدمات کو قبول فرما کر بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنا دے، آمین۔ ٭٭٭

روبــــــرو

معاصر تعلیمی و ملی مسائل پر مفکرِ اسلام مولانا مبارک حسین مصباحی کے افکار

مرتب: خوشتر نورانی

برصغیر ہندو پاک میں میں مسلم صحافت اور بالخصوص اسلامی و مذہبی صحافت کی تاریخ جتنی طویل اور پُرآشوب ہے، اتنی ہی گوناگوں علمی و فکری مباحث سے مالامال بھی ہے۔ پونے دو سو سالہ تاریخ کے اس طویل سفر میں مسلم صحافت نے جہاں عروج و زوال کے کئی ادوار دیکھے، وہیں مذہبی رسائل و جرائد نے بھی امت کی نظریاتی و شرعی رہنمائی میں بنیادی اور کلیدی کردار ادا کیا۔ اس کے باوجود یہ ایک المناک حقیقت رہی ہے کہ مسلم سماج کے داخلی اور خارجی عناصر، روایتی طرزِ پیش کش، اور عصری تقاضوں سے بے التفاتی کی بنا پر مذہبی صحافت کو تاریخ و تنقید کے صفحات میں وہ مقامِ بلند نہ مل سکا جو دوسری قوموں کا مقدر ٹھہرا۔

مذہبی صحافت کے اسی جمود کو توڑنے، اور اسے جدید پیش کش، اچھوتے موضوعات اور معروضی اسلوب کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے سال 2002ء میں ماہ نامہ ”جام نور“ نے اپنی نشاۃِ ثانیہ کے ساتھ مقتدر شخصیات کے انٹرویوز کا کالم ”روبرو“ شروع کیا اور ماہ در ماہ عباقرۂ اہل سنت کے افکار و خیالات کو اپنے صفحات پر نمایاں مقام دیا۔ 2010ء میں ان گراں قدر، فکری، علمی، اور تاریخی انٹرویوز کو وقت کی دھول سے بچانے اور آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لیے کتابی شکل میں محفوظ کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہوا۔ چناں چہ پہلی جلد ”روبرو“ کے عنوان سے منصۂ شہود پر آئی جسے ممتاز عالم و صحافی ڈاکٹر خوشتر نورانی نے ترتیب دیا۔ اس کتاب کا ”اظہاریہ“ دراصل مسلم مذہبی صحافت کا ایک ایسا مبسوط اور تجزیاتی مقدمہ ہے جو ماضی کی غلطیوں کا احاطہ کرتے ہوئے مستقبل کے لیے ایک روشن تعمیری شاہ راہ متعیّن کرتا ہے۔

اسی تاریخی اور فکری پس منظر میں، ماہ نامہ ”اشرفیہ“ کے قارئین کی علمی ضیافت کے لیے ہم اس کتاب میں شامل معاصر علمی دنیا کی مایہ ناز شخصیت **مولانا مبارک حسین مصباحی** کا وہ معرکہ آرا انٹرویو ہدیہ قارئین کر رہے ہیں، جو انھوں نے ”جام نور“ کے کالم ”روبرو“ کے لیے دیا تھا۔ یہ انٹرویو صرف چند سوال و جواب کا مجموعہ نہیں، بلکہ عصرِ حاضر کے متنوع مطالبات، علمی ترجیحات، مدارس کے تعلیمی نظام، اور ملتِ اسلامیہ کے داخلی و خارجی مسائل پر ایک بصیرت افروز دستاویز ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ انٹرویو جہاں ایک طرف فکرِ رضا اور اسلاف کی علمی روایات کی پاس داری کا آئینہ ہے، وہی دوسری طرف دورِ حاضر کے ہائی ٹیک ذرائع ابلاغ، صارفیت کے سیلاب اور جدید فقہی و کلامی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے نوجوان نسل کو مخلصانہ اور مصلحانہ دعوتِ فکر بھی دیتا ہے۔ امید واثق ہے کہ یہ علمی مکالمہ قارئینِ ماہ نامہ ”اشرفیہ“ کی ذہن سازی، فکری ارتقا اور تعمیری شعور کی بیداری کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوگا۔ **(مہتاب پیامی)**

سوال: الجامعۃ الاشرفیہ کی حالیہ علمی، دینی و تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ روشنی ڈالیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اپنے علمی، دینی اور تبلیغی کارناموں کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہے اور

مقامِ مسرت ہے کہ اس کا دائرۂ دین و دانش کے مختلف شعبوں میں روز افزوں اور ترقی پذیر ہے۔ جامعہ کا تعلیمی نظام مختلف شعبوں پر مشتمل ہے۔ درسِ نظامی کے بعد شعبۂ تقابلِ ادیان ہے، شعبۂ تخصص فی الفقہ ہے، شعبۂ تربیتِ تدریس ہے، شعبۂ تربیتِ افتا ہے اور تمام شعبے متحرک و فعال ہیں جن کے حوصلہ افزا نتائج دن بہ دن سامنے آ رہے ہیں۔ یہ ایک سچائی ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ جامعہ کے ابنائے قدیم اور حالیہ فارغین علمی فکری اور اخلاقی اعتبار سے اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں سنیت اور مصباحیت کا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔
تعلیمی نظام کے علاوہ جامعہ میں مجلسِ شرعی ہے جس کا سالانہ فقہی سیمینار ہوتا ہے۔ سیمینار میں جدید فقہی مسائل پر اہلِ علم اور اہلِ افتا مقالات پیش کرتے ہیں، گرما گرم بحثیں ہوتی ہیں اور اتفاق رائے سے مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ اب تک کامیاب سولہ سیمینار ہو چکے ہیں۔ حل شدہ مسائل کی تفصیل ماہ نامہ اشرفیہ کے خصوصی شماروں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مقالات اور فیصلوں کی ترتیب و اشاعت کا کام محقق مسائلِ جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ کی نگرانی میں بڑی تیزی کے ساتھ ہو رہا ہے۔

آپ بخوبی واقف ہیں کہ اب تک اہلِ سنت کی درس گاہوں میں غیر اہلِ سنت کے مکتبوں کی مطبوعہ کتابیں داخلِ درس تھیں اور انھی کے حواشی پڑھائے جاتے تھے جو پوری جماعت کے لیے شرم کی بات تھی بفضلہ تعالیٰ دیگر علمی امور کی طرح اس سمت میں بھی جامعہ اشرفیہ نے پیش رفت کی۔ امینِ ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی سجادہ نشین خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی سرپرستی میں ”مجلسِ برکات“ کا قیام عمل میں آیا۔ علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کی نگرانی میں درسی کتابوں پر نظرِ ثانی اور اہلِ سنت کے حواشی کے ساتھ اشاعتی سلسلہ شروع ہوا اور علمائے اہلِ سنت کے جدید و قدیم حواشی کے ساتھ قریب قریب موجودہ مکمل نصاب منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ عصری تقاضوں کے پیشِ نظر نئی کتابیں بھی تصنیف و اشاعت کے دور سے گزر رہی ہیں۔ تنظیم المدارس کا قیام بھی جامعہ اشرفیہ کا ایک اہم اقدام ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ملک بھر کے مدارس میں یکساں نظام و نصاب کو رواج دینا ہے۔ اسی کے تحت بدلتے حالات کے پیشِ نظر ایک نصابِ تعلیم مرتب کیا گیا ہے جو امسال سے جامعہ اشرفیہ اور ملک کی دیگر درس گاہوں میں جاری بھی ہو گیا ہے۔ تبلیغی میدان میں بھی جامعہ اور اس کے فرزندوں کی خدمات بڑی اہم اور حوصلہ افزا ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کی علمی، دینی اور تبلیغی خدمات کا ایک عالم معترف ہے۔ مزید تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

سوال: کیا الجامعۃ الاشرفیہ کو آج یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اور سوادِ اعظم علمائے اہلِ سنت کے مسلکِ عشق و عرفان کا ترجمان ہے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: آپ کا یہ سوال تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کیا سورج کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس سے روشنی پھیلتی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ اور اسلاف کے مسلکِ عشق و عرفان کی ترجمانی جامعہ اشرفیہ کا بنیادی مقصد ہے۔ ایک صدی کے دامن پر پھیلی ہوئی اس کی خدمات گواہ ہیں کہ اس نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے مسلکِ عشق و عرفان کے لیے صرف نعرے نہیں لگائے اور نہ اس نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کا استعمال اپنے مخفی مفادات کے تحفظ کے لیے کیا ہے۔ بلکہ رضویات کے حوالے سے جامعہ اشرفیہ اور فرزندانِ اشرفیہ نے مخلصانہ ٹھوس علمی خدمات انجام دی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ جو امام احمد رضا کا سب سے اہم علمی اور قلمی شاہ کار ہے اس کی ترتیب و تحقیق اور اولین اشاعت کا کارنامہ جامعہ اشرفیہ ہی نے انجام دیا ہے۔ ایک بار حضور مفتیِ اعظم ہند نور اللہ مرقدہ الجامعۃ الاشرفیہ تشریف لائے، اساتذۂ اشرفیہ نے عرض کیا حضور! فتاویٰ رضویہ کی ترتیب و اشاعت ہونا چاہیے۔ حضور مفتیِ اعظم ہند نے ارشاد فرمایا: اس اہم کام کے لیے آپ حضرات سے بہتر کون ہو گا۔ حضور مفتیِ اعظم ہند کے اس ارشاد کے بعد حضور حافظِ ملت اور ان کے تلامذہ نے سنی دار الاشاعت قائم کیا۔ اور حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ فتاویٰ رضویہ کی

ترتیب واشاعت میں لگ گئے۔ ان کے بعد جامعہ کے شیخ الحدیث بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی صاحب نے اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آج فتاویٰ رضویہ کی جو 22 جلدیں منظرِ عام پر ہیں ان میں سے اکثر جلدوں کی ترتیب وتحقیق اور اولین اشاعت کا کریڈٹ جامعہ اشرفیہ کو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جد الممتار کی ترتیب و اشاعت، کنز الایمان اور حدائقِ بخشش پر نظرِ ثانی کا کام بھی فرزندانِ اشرفیہ نے انجام دیا۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں امام احمد رضا قدس سرہ کے تعارف میں جو کتابیں منظرِ عام پر آئیں ان میں ایک بڑا حصہ فرزندانِ اشرفیہ کا قلمی وفکری کارنامہ ہے۔ علامہ بدر الدین مصباحی، مولانا نسیم بستوی مصباحی، علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ یاسین اختر مصباحی اور علامہ عبد المبین نعمانی وغیرہ فرزندانِ اشرفیہ نے رضا شناسی کی تحریک میں کلیدی کردار ادا کیا۔ "المیزان" ممبئی کا "امام احمد رضا نمبر" بھی ایک مصباحی فرزند کا کارنامہ ہے، اور آج بھی نئے فارغین میں جو رضویات کے حوالے سے کام ہو رہا ہے ان میں اکثریت مصباحی اربابِ قلم کی ہے۔

سوال: کچھ عناصر الجامعۃ الاشرفیہ کی علمی قیادت، دینی خدمات اور مسلکی حمیت پر سوالیہ نشان کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ایسے افراد کے مقاصد کیا ہو سکتے ہیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: الجامعۃ الاشرفیہ کی علمی قیادت، دینی خدمت اور مسلکی حمیت شمس در کف حقیقت ہے۔ سورج پر گرد اڑانے سے سورج کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ گرد اڑانے والوں کے چہرے خود گرد آلود ہو جاتے ہیں۔ خلیفۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا۔ "جو اشرفیہ کی مخالفت کرے گا، ذلیل ہوگا، ذلیل ہوگا، ذلیل ہوگا"۔ سوالیہ نشان کھڑے کرنے والے بے وقعت افراد ہیں، جن کی نہ علمی حیثیت ہے نہ سماجی عزت۔ ان کا مقصد جماعتی سطح پر کچھ مسائل کھڑے کر کے اپنی روٹیاں سیکنا ہے۔ ہم یہاں ان کا ذکر کر کے ان کی روزی روٹی پر لات نہیں مارنا چاہتے۔

سوال: آج سے تقریباً دو سال قبل تنظیم ابنائے اشرفیہ کی تجدید واحیا آپ کی قیادت میں عمل میں آئی، اس بیچ قومی اور ملی سطح پر بہت سے بڑے بڑے مسائل سامنے آئے مگر ان میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کہیں بھی نظر نہیں آئی، آخر کیوں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: تجدید واحیا نہیں، بلکہ عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی قیادت میں قیام عمل میں آیا۔ میری حیثیت ایک معمولی خادم کی ہے۔ جہاں تک کارکردگی کا سوال ہے، تنظیم اپنی بساط کے مطابق مسلسل سرگرم عمل ہے۔ وہ ہر اہم مسئلے پر آواز بلند کرتی رہی ہے۔ آپ کو اس کا علم نہیں، حیرت ہے۔ تنظیم اپنے طے شدہ نشانوں پر عمل کے لیے کوشاں ہے۔ ابھی تک ہماری زیادہ توجہ ضلعی شاخوں کے قیام پر مرکوز رہی ہے۔ دہلی، کلکتہ اور ممبئی کے بعد پورے اتر پردیش میں ہم شاخوں کے قیام کا عمل تقریباً مکمل کر چکے ہیں۔ اب ملک کے دیگر صوبوں کی جانب پیش رفت کر رہے ہیں۔ شاید آپ جس انداز سے نظر آنے کی بات کر رہے ہیں اس سلسلے میں دو چیزیں حائل ہیں۔ جماعتی افراد میں تنظیمی مزاج کا فقدان اور مسائل کے حل کے لیے وسائل کا فقدان۔ مگر ہم مایوس نہیں ہیں تنظیمی ڈھانچہ کھڑا کرنے کے لیے دو سال کی مدت ہی کیا ہے۔ اس کے لیے ابھی برسوں درکار ہوں گے۔

سوال: تنظیم ابنائے اشرفیہ کے بینر تلے آپ کس طرح کے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس تنظیم کو فعال بنانے میں کس طرح کی رکاوٹیں درپیش ہیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: تنظیم ابنائے اشرفیہ کے اغراض ومقاصد طے شدہ ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ تنظیم کا بنیادی مقصد دعوت وتبلیغ اور دین وملت کی صاف و شفاف خدمت ورہنمائی ہے۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں مل بیٹھ کر مسائل حل کرنے اور کاندھے سے کاندھا ملا کر آگے بڑھنے کا مزاج نہیں۔ اس سلسلے میں ہم مسلسل ذہن سازی کر رہے ہیں اور نئی نسلوں سے بڑی حد تک پر امید ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں پیروں، خطیبوں،

عرسوں اور مدرسوں کے لیے پیسہ خرچ کرنا تو ثواب سمجھتے ہیں اور قومی اور ملی مسائل کے لیے پیسہ خرچ کرنا عبث تصور کرتے ہیں۔ جب کہ غیر اہلِ سنت میں اس مد پر بھی کثیر سرمایہ خرچ کرنے کا مزاج ہے۔ سب سے اہم مسئلہ ہمارے سامنے کثیر سرمایہ کا فقدان ہے۔

سوال: مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ سے اشتراک کے ساتھ یا انفرادی طور پر کیا تنظیم ابنائے اشرفیہ کو قابلِ قدر پیش رفت نہیں کرنی چاہیے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: تنظیم کو مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ سے اشتراک کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کا الگ پلیٹ فارم ہے اور ہمارا الگ، وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں اور ہم اپنے طور پر آگے بڑھنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔

سوال: آپ کی زیرِ ادارت الجامعۃ الاشرفیہ کا علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ بڑی کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ آپ اپنے تجربات کی روشنی میں بتائیں کہ ایک کامیاب رسالہ نکالنے کے لیے کس طرح کی صلاحیت اور محنت درکار ہے اور اس راہ میں کتنی دشواریاں درپیش ہوتی ہیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: بفضلہٖ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ کا علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ گزشتہ 32 برس سے پوری پابندی کے ساتھ جاری ہے اور دن بہ دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک کامیاب رسالہ نکالنے کے لیے قلمی صلاحیت، فکری، بلندی، بیدار مغزی، وسیع النظری کی ضرورت ہے۔ دینی اور علمی رسالہ نکالنے کے لیے ایک اچھے عالم ہونے کے ساتھ ضروری ہے کہ اس کی نظر بساطِ سیاست اور ملی مسائل پر بھی گہری ہو۔ صحافت انتہائی دشوار رہ گزر ہے۔ ہر ماہ قارئین کو دل و دماغ کا تازہ خون دینا پڑتا ہے۔ مذہبی رسائل کو اشتہار بھی نہیں ملتے۔ غیر شرعی اشتہارات سے وہ خود گریزاں رہتے ہیں اس لیے سب سے اہم مسئلہ سرمایہ کی قلت کا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر رسائل و جرائد بند ہو جاتے ہیں اور تمام لوگ اس ڈگر پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے۔

حضرت حافظِ ملت فرماتے تھے ”سب سے آسان کام تقریر، اس سے مشکل تدریس اور سب سے مشکل تحریر ہے“ اور ظاہر سی بات ہے کہ پرنٹ میڈیا تحریر و قلم ہی سے عبارت ہے۔ اس لیے صحافت انتہائی مشکل میدان ہے۔ جو لوگ اس راہ میں کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔

سوال: ابنائے اشرفیہ، الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حافظِ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سربراہ اعلیٰ مولانا عبدالعزیز صاحب قبلہ کی امیدوں پر کتنے اتر رہے ہیں۔ یعنی آپ اپنے ابنا سے کتنے مطمئن اور پرامید ہیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: حضور حافظِ ملت اس عالم میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ وہ اپنے تلامذہ سے خوش تھے۔ حضرت عزیزِ ملت کی امیدوں پر ابنائے اشرفیہ کتنے پورے اتر رہے ہیں یہ سوال آپ ان ہی سے کریں، ویسے مجموعی اعتبار سے جامعہ اشرفیہ اپنے فرزندوں سے مطمئن اور پرامید ہے۔ اس لیے کہ فرزندانِ اشرفیہ کی اکثریت جامعہ کی وفادار ہے اور وہ ملک و بیرونِ ملک میں دین و دانش کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور یہی حضرت عزیزِ ملت کی شب و روز محنت کا مقصد بھی ہے۔ جہاں تک غداروں کی بات ہے تو وہ کم و بیش ہر جماعت میں ہوتے ہیں۔

سوال: جماعت اہلِ سنت میں اتحاد و اتفاق وقت کی ضرورت ہے۔ آپ فرمائیں کہ اس کارِ عظیم کو کیسے کیا جائے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: حافظِ ملت فرماتے تھے: ”اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت“۔ یہ تو سچ ہے کہ آج جماعت میں انتشار ہے مگر اس انتشار کی بنیاد اخلاص کا فقدان، اور اپنے اپنے مخفی مفادات کا تحفظ ہے۔ ہر شخص صفِ اول میں رہنا چاہتا ہے۔ اگر اخلاص ہو اور ہر شخص دوسری صف میں کھڑے ہونے کے لیے تیار ہو جائے تو یہ انتشار بڑی حد تک ختم ہو سکتا ہے، مگر واضح رہے کہ اس انتشار میں ملوث کم لوگ ہیں۔ اکثریت آج بھی فکری اور عملی اعتبار سے متحد ہے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروفِ عمل ہے، دراصل بعض لوگ اس فطرت کے ہوتے ہیں کہ دینی اور جماعتی فلاح و بہبود کے لیے نہ خود کچھ کرتے ہیں۔

(باقی ص:104 پر)

مولانا مبارک حسین مصباحی کے اداریے

مفتی ساجد علی مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

آج سے کوئی پچاس برس پہلے کی بات ہے جب عالمگیر شہرت کے حامل پاسبانِ علم وفضل الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی کے شعبۂ نشرواشاعت کی جانب سے امت مسلمہ کی صحیح دینی وعلمی رہنمائی اور ملی واجتماعی معاملات ومسائل میں انھیں حقیقت پسندانہ تعمیری رجحان کی طرف دعوت دینے کے لیے صفر 1396ھ مطابق فروری 1976ء میں ایک فکری، ادبی، دینی اور علمی ماہ نامہ کا اجرا عمل میں آیا جو بفضلہ تعالیٰ پوری پابندی کے ساتھ اب تک جاری ہے۔ اس کثیر الاشاعت ماہنامے نے ملک وبیرون ملک مذہبی اور ملی معلومات وحقائق، علمی تحقیقات وتشریحات اور مسلک اہل سنت کی ترویج واشاعت میں گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے اور امت مسلمہ کو حرکت وعمل اور باہم اتحاد واتفاق کی دعوت دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ:

میری ہر ہر سانس سے اک زندگی بیدار ہے
ہے مرا مقصود بس تنظیم و تعمیر حیات

ماہنامہ اشرفیہ اور اس کے مدیران:

یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کسی بھی ماہنامہ کے عروج وارتقا اور اس کی کامیابی وکامرانی میں مدیر کے ذوق لطیف حسن انتخاب اور اس کے فکری، ادبی اداریوں کا بڑا دخل ہوتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ اداریے ہی ماہنامے کی جان اور اس کے مقررہ اہداف واغراض کے ترجمان ہوتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اب تک درج ذیل پانچ علمائے کرام نے اس ماہ نامے کی ادارتی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔

(1)- مولانا بدر القادری بدر مصباحی

(2)- مولانا سید شمیم گوہر مصباحی

(3)- مولانا قاری محمد یحیٰ اعظمی مصباحی

(4)- مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

(5)- مولانا مبارک حسین مصباحی

اداریہ نگاری اور اس کے اقسام:

اداریہ: اداریہ وہ مضمون ہوتا ہے جس میں کسی بھی اخبار یا رسالہ کے مدیر کی کسی اہم معاملہ پر رائے شائع ہوتی ہے۔ یہ رائے مدیر کے علاوہ اخبار و رسالہ کے ناشران یا مالکان کی بھی ہوسکتی ہے۔ اداریہ میں درج ذیل عناصر ضروری سمجھے جاتے ہیں:

◈ اسلوب بیان کی پاکیزگی ◈ نصب العین ◈ استدلال ◈ رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کی قوت ◈ قارئین کو صحیح راہ دکھانے کی اہلیت۔

اداریہ نگاری کے لیے دیدہ ریزی اور دماغ سوزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اداریہ غور وفکر کے بعد پوری ذمہ داری اور اس احساس کے ساتھ قلم بند کیا جاتا ہے کہ اس میں عصری حالات کے رخ کو موڑنے کی مخفی اور بے پناہ قوت موجود ہے۔

اداریہ نگار کسی بات کی حمایت کرتا ہے تو اطمینان بخش ثبوت اور دلائل کے ساتھ کرتا ہے اور اسی طرح کسی بات کی کھل کر مخالفت کرتا ہے تو بھی وہ اپنے غیظ وغضب کی حقیقی وجہ بیان کرتا ہے۔

اداریہ نگار ثناخواں ہو یا جنگ جو، اس کا ہر فعل ایک دانش ورانہ فعل سمجھا جاتا ہے۔ اقدار کی حفاظت کرنا وہ اپنی اخلاقی پابندی تصور کرتا ہے۔ کبھی وہ مذہبی پیشوا کی طرح تلقین کرتا ہے اور کبھی

قانون دان یا آئینی علوم کے ماہر کی طرح معاملہ کی بنیادی اہمیت کی تشریح کرتا ہے۔ وہ ہر افادی تحریک کی سرپرستی کرتا ہے اور ہر غلط روش کی مذمت کرتا ہے۔

اداریہ کے اقسام: عام طور پر اداریے تین قسم کے ہوتے ہیں: (1) وہ اداریے جو اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں۔ (2) وہ اداریے جو قارئین پر اپنا اثر و رسوخ جمانا چاہتے ہیں۔ (3) وہ اداریے جو قارئین کو محظوظ کرنا چاہتے ہیں۔

طرز کی بنیاد پر اداریے بیانیہ، تشریحی یا منطقی ہوتے ہیں اور مضمون کے اعتبار سے اداریے سیاسی، سماجی، اقتصادی، جمالیاتی یا سائنسی ہوتے ہیں۔

اطلاعاتی اداریہ: اطلاعاتی اداریے میں کسی بھی معاملہ کی تشریح ابتدا سے کی جاتی ہے اور یہ اشارہ دیا جاتا ہے کہ معاملہ کہاں تک پہنچا ہے۔

متاثر کن اداریہ: متاثر کن اداریوں میں وہی لب و لہجہ استعمال ہوتا ہے جو عموماً بحث و مباحثہ میں اپنایا جاتا ہے، موثر الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، بات منوانے کی کوشش کی جاتی ہے، مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر کے مطابقت اور مماثلت کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ ایسے اثر طلب اداریوں کا مدلل ہونا ضروری ہے۔

پر لطف اداریہ: پر لطف اداریوں میں طنز و مزاح کی چاشنی ہوتی ہے، تبسم ریز یا قہقہہ انگیز باتیں درج کی جاتی ہیں، انسانی روایات یا احساسات پر ہلکی چوٹیں کی جاتی ہیں، کبھی کبھی مذاق مذاق ہی میں پتے کی باتیں بھی کہہ دی جاتی ہیں۔

(رہبر اخبار نویسی از سید اقبال قادری)

یہ اداریہ نگاری کے وہ بنیادی عناصر اور اقسام ہیں جن کی کسوٹی پر کسی بھی سیکولر اخبار یا خالص مذہبی رسالہ کے اداریوں کو پرکھا جا سکتا ہے اور ان کے حسن و قبح، صحت و سقم کو پہچانا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی خالص دینی، علمی اور اصلاحی ماہنامہ کے اداریوں کا تجزیہ کرنے اور ان کے فضل و نقص کو سمجھنے کے لیے ان عناصر کے علاوہ اس کے اغراض و اہداف کا علم بھی نہایت ضروری ہے۔ اس لیے ذیل میں ماہنامہ اشرفیہ کے اہداف و مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔

ماہنامہ اشرفیہ اور اس کے مقاصد:

یہ ماہنامہ الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی، علمی اور اصلاحی ترجمان ہے۔ اس کا مقصود امت مسلمہ کو مذہبی معاملات و مسائل میں صحیح رہنمائی، احکام شرعیہ پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب، فکری اور دینی ارتداد سے ترہیب، اسلام دشمنوں کی طرف سے درپیش مسائل میں مسلمانوں کی مناسب ترجمانی، فرقہاے باطلہ کے مصنوعی چہروں سے نقاب کشائی، رسول مختار علیہ التحیۃ والثنا کی حیات مبارکہ اور صحابۂ کرام و تابعین عظام کے حالات زندگی سے عوام کو روشناس کرانا، نیز بزرگان دین کے علمی اور تعمیری کارناموں کو اجاگر کرنے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا درس دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ماہنامہ میں کسی بھی مضمون کی اشاعت کے لیے قلم کار کا صحیح العقیدہ ہونا بنیادی شرط ہے۔ فخر صحافت مولانا مبارک حسین مصباحی ایک اداریہ میں ان حقائق کو یوں الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:

"ہم نے ہر دور میں صحافت برائے تبلیغ و ہدایت اور اسلامی ادب برائے تعمیر ملت اور تحقیقات برائے فروغ دین و دانش کو اولین ترجیحات میں رکھا ہے۔ ہمارے یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ تحریر کی گنجائش کے لیے قلم کار کا صحیح العقیدہ ہونا بنیادی شرط ہے، کیوں کہ کبھی کبھی پیرایۂ بیان کی دلکشی قاری کو قلم کار کی اندھی عقیدت میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ قاری اپنے پسندیدہ قلم کار کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتا چلا جاتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے درد ناک حقائق اور الم ناک نتائج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، اور پھر بزم نگارش میں غیر سنیوں کو جگہ دینے کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوگا کہ عام قارئین کو یہ سمجھنا مشکل ہوگا کہ آیا یہ اہل سنت و جماعت ہیں یا کوئی غیر، ان کی تحریریں فکر و اعتقاد کے مباحث میں

بطور استشہاد پیش کی جاسکتی ہیں یا نہیں۔ اس لیے ہم کسی مہلک جدت طرازی کے مقابلے میں اسلاف کی "شراب کہن در جام نو" کو پیش کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ہم ایسی صحافت کو دور کا سلام کہتے ہیں جو ہمارے جماعتی تشخص کی شاہ رگ پر نشتر چلائے، جس جماعتی تشخص کے لیے ہمارے مشائخ زندگی کے ہر محاذ پر برسوں سے جنگ لڑ رہے ہیں، ہم زبان و بیان کے جمالیاتی ذوق پر اپنے جماعتی تشخص کو بھینٹ نہیں چڑھا سکتے۔" (جنوری 2003ء)

آئیے اب ہم اداریہ نگاری کے بنیادی عناصر و اقسام اور "اشرفیہ" کے اغراض و مقاصد کے تناظر میں اس کے اداریوں کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ماہنامہ اشرفیہ کے بیش تر اداریے اسلوب نگارش کی پاکیزگی، زبان و بیان کی چاشنی اور لب و لہجہ کی لطافت کے ساتھ دینی، علمی، تحقیقی اور اصلاحی ہوا کرتے ہیں۔ اور بعض وہ اداریے جو سیاست حاضرہ کے پس منظر میں زیب قرطاس ہوتے ہیں وہ بھی قوم مسلم کی صحیح رہنمائی اور انھیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ نوع بنوع عناوین پر تحریر کیے گئے اس کے اداریوں کو اختصار کے پیش نظر درج ذیل گیارہ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1) عربی ماہ و سال اور اشرفیہ (2) یاد رفتگاں اور اشرفیہ (3) ملکی مسائل اور اشرفیہ (4) ملی مسائل اور اشرفیہ (5) معاشرتی مسائل اور اشرفیہ (6) سیاسی مسائل اور اشرفیہ (7) اسلامی تعلیمات اور اشرفیہ (8) ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے (9) دعوت فکر و عمل اور اشرفیہ (10) حقائق کی بے باک ترجمانی (11) اردوے معلّٰی کا شاہ کار ادب

عربی ماہ و سال اور اشرفیہ:

یہ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ بہت سے عربی ماہ و سال ہمارے درمیان سے گزر جاتے ہیں اور ہمیں ان کا احساس تک نہیں ہوتا، یا احساس تو ہوتا ہے لیکن ہم تحصیل دنیا میں اس طرح مست ہوتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتے، حالاں کہ ان مبارک مہینوں کے دامن سے بہت سے ایسے بزرگوں کی یادیں وابستہ ہیں جنھوں نے اپنی حیات مستعار کی بہاروں کو اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے ایمان و عمل کی حفاظت و صیانت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ایسے الم ناک حالات میں اشرفیہ کے اداریے، قوم مسلم کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں، انھیں مبارک مہینوں کی آمد کا احساس دلاتے ہیں اور ان کی اہم تاریخوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے بزرگان دین سے اکتساب فیض کی دعوت دیتے ہیں، ساتھ ہی قابل تقلید شخصیتوں کے کردار و عمل اور ایثار و اخلاص کے تابندہ نقوش کو صفحہ قرطاس پر سجا کر امت مسلمہ کو انھیں محفوظ رکھنے کا فلسفہ سمجھاتے ہیں۔ گویا زبان حال سے یہ اعلان کرتے ہیں۔

اے مری قوم تجھے عظمت رفتہ کی قسم
تجھ میں احساس کے جذبات شکستہ کی قسم
اپنی تاریخ کو جو قوم بھلا دیتی ہے
صفحہ دہر سے وہ خود کو مٹا دیتی ہے
(بدر)

یہ عظیم اسلامی اور اصلاحی رسالہ چوں کہ ماہ صفر سے اشاعت پذیر ہوا ہے اس لیے ہم بھی اسی ماہ سے اس باب کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

ماہ صفر المظفر: ماہ صفر المظفر کا "اشرفیہ" اس درویش صفت تاجدار علم و فن کی نذر ہے جس نے کنج خمولی میں بیٹھ کر ملت اسلامیہ کی ڈگمگاتی کشتی کو چودھویں صدی کی ہلاکت خیز، ایمان شکن، فتنہ بردوش موجوں سے بچایا، جسے دنیا امام احمد رضا کے نام سے جانتی ہے۔ مگر وہ تنہا فقیر جنید و شبلی کا امین، تفقہ ابوابو حنیفہ کا وارث، فکر غزالی و رازی کا والی اور حالات و قرائن کا بے مثال نباض تھا جس کے نوک قلم نے علم و تحقیق کے وہ دریا بہائے کہ اساطین علما بھی جس سے سیراب ہوئے۔ جس کے فیضان علم

کی شہادت حرمین طیبین کے علم وفضل نے دی۔ پچاس سے زائد علوم کے ایک پیکر نے ان تمام فنون کے ذریعہ نہ صرف خدمت اسلام فرمائی بلکہ کار تجدید دین حق اور احیاے ملت صادقہ کا فریضہ انجام دیا۔ آج دانش وران زمانہ، مفکرین روز گار اور علمی بصیرت رکھنے والوں کی نگاہیں، فاضل بریلوی کے منور رخسار، لازوال کارنامے اور قلمی دردانوں کو تعجب سے دیکھ رہی ہیں۔

رہ رہ کے دیکھتے ہیں تمھیں کو خطا معاف
مجبور ہو گئے ہیں مذاق نظر سے ہم

امام احمد رضا قدس سرہ نے علوم کو زندہ کیا، فنون کو کمال عروج تک پہنچایا، دلوں میں حب رسول کی جوت جلائی۔ ان کے نوک قلم سے نکلی ہوئی پاکیزہ تحریریں پکار پکار کر تم سے اپنی زندگی کا حق مانگ رہی ہیں۔ تحقیقی مضامین، مدلل مباحث، مبرہن اقوال، انقلاب آفریں فقہی نکات، اچھوتے اور نایاب کلامی ابواب یعنی اقلیم قلم کے انکشافات محققین زمانہ کو دعوت نظارہ دینے کے لیے بے قرار ہیں مگر ہم ہیں کہ بے حسی کے مارے اس لیلاے علوم و افکار کو تیرہ و تار محبس میں بند کیے ہوئے فنا کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ ع:

جلوے بے تاب ہیں چلمن سے نکلنے کے لیے

کیا میں یہ سمجھ لوں کہ دنیاے سنیت میں علم و شعور کے شناور باقی نہ رہے، یا باقی ہیں تو ان پر مصلحت کوشی یا دنیا طلبی کا غلبہ ہو چکا ہے۔ ہوش میں آؤ کہ قوموں کی زندگی اور موت کا دار و مدار ان کے اپنے سیاسی استحکام پر ہوا کرتا ہے۔

(اداریہ اشرفیہ صفر المظفر 1398ھ/جنوری 1978ء)

اس طرح دیگر مہینوں کے تعلق سے بھی اشرفیہ کے اداریے مسلمانان عالم کی بروقت رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔

سال نو کی آمد: جب بھی کوئی نیا سال آتا ہے، لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں ایسے وقت میں اشرفیہ بھی مسلمانوں کو مبارک باد دیتا ہے لیکن ساتھ ہی ان کے اندر احساس زندگی بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور انھیں مقصد حیات سمجھاتے ہوئے کہتا ہے۔

”محرم الحرام کا نیا چاند اسلام کے نئے سال میں پھر قدم رکھ چکا ہے۔ ادارہ اشرفیہ اپنے قارئین کی خدمت میں سال نو کی آمد پر مبارک باد پیش کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ احساس بھی بیدار کرتا ہے کہ پروردگار کے بخشے ہوئے روز و شب صرف مہ و سال گننے کے لیے نہیں، صرف سال نو کی آمد پر خوشیاں منانے کے لیے نہیں بلکہ وقت کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے بخشے گئے ہیں۔ اللہ کی پوجا کرنے کے لیے عطا کیے گئے ہیں، سلسلۂ حیات کا صحیح احساس اگر سینۂ مومن میں تابندہ نہیں تو اسے خود کو مردہ ہی تصور کرنا چاہیے۔ صاحب ایمان کی زندگی اسلامی فرائض واحکام کا نمونہ ہونا چاہیے۔ اس کو اپنی رفتار حیات کا ہر دم محاسبہ کرنا چاہیے آیا ہماری زندگی تقاضاے اسلام کے مطابق صحیح گزر رہی ہے یا نہیں، مسلمانوں کا جینا صرف خدا اور اس کے رسول کی خوش نودی اور احکام شرعیہ کی پابندی کے لیے ہے۔“ (دسمبر 1978ء)

ایک دوسرے نئے سال کی آمد پر اس طرح دعوت فکر دیتا ہے:

”ہم اپنے قارئین کو سال نو کی مبارک باد پیش کرتے ہوئے ایک احساس سے ہم آغوش کرانا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے گزشتہ لمحات کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ اس مکمل ایک سال میں آپ نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ انفرادی اور قومی سطح پر اپنے فرائض کو کہاں تک نبھایا اور کس درجہ کوتاہی کی۔

یاد رکھیے! آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ صفحۂ زریں بن سکتا ہے۔ اپنے ”فردا“ کو تابناک بنانے کے لیے ”امروز“ کی قدر دانی ضروری ہے۔

وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

(جنوری 1977ء)

یادرفتگاں اور اشرفیہ:

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

اللہ والوں سے الفت و محبت اور بزرگان دین سے اکتسابِ فیوض و برکات ہمیشہ سے اہل سنت و جماعت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ جب بھی بزم عشق و عرفان کے کسی مردِ کامل نے اس دار فانی کو خیر باد کہا، دنیاے سنیت پر حزن و ملال کے آثار نمایاں ہوئے۔ اشرفیہ چوں کہ خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کا ہی ماہنامہ ہے اس لیے ایسے غم انگیز اور صبر شکن ماحول میں اس کا مضطرب ہونا بھی ایک فطری امر ہے، لیکن بایں ہمہ وہ اپنے فرض منصبی سے غافل نہیں ہوتا، اگر ایک طرف وہ انقلاب آفریں اور فلک پیما شخصیتوں کے فراق میں اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے تو دوسری جانب ان اللہ والوں کے ایثار و اخلاص، مذہبی اور ملی خدمات، علمی اور ادبی کمالات کی کہانی بھی رقم کرتا ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی ان کے معمولات زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنا سکیں۔ میرے اس مدعا پر اشرفیہ کے وہ متعدّد اداریے شاہد ہیں جو ایسے مواقع پر مدیروں کے نوک قلم سے معرض تحریر میں آئے ہیں۔ انھی میں سے چند اداریوں کے اقتباسات نذر قارئین ہیں۔

حضرت مولانا سید موصوف اشرف اشرفی علیہ الرحمہ:

28 فروری 2002ء شب جمعرات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے جلیل القدر فاضل اور خانوادۂ اشرفیہ، بسکھاری شریف کے چشم و چراغ حضرت مولانا سید موصوف اشرف اشرفی جیلانی مصباحی علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تو "اشرفیہ" نے ان کے فضل و کمال اور وفا شعاری کے اظہار کے لیے جو اداریہ شائع کیا اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

"مرحوم اپنے اسلاف کی روایات و برکات کے سچے امین، بلند پایہ علمی اور انتظامی صلاحیتوں کے حامل، بلند اخلاق اور دور اندیش عالم دین تھے۔ دارالعلوم محبوب یزدانی کے صدر مدرس، مقبول خطیب اور سنجیدہ قلم کار تھے۔ تصنیف و مطالعہ ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا۔ حضرت محبوب یزدانی سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی اور سلسلۂ اشرفیہ کے احوال و آثار پر ان کی گہری نظر تھی، اشرفی اور رضوی اختلافات سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ بہت سے اہل خانقاہ کو دیکھا گیا ہے کہ فراغت کے بعد اپنے محسن اساتذہ کا ذکر کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں کہ کہیں ان کی ملکوتی صفت شخصیت پر کسی انسان کی برتری ثابت نہ ہو جائے، مگر آپ حق گو اور حق شناس تھے، احسان فراموش نہیں تھے، وہ اپنے اساتذہ بالخصوص حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ محدث مراد آبادی سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کی محفل میں جب ذکر حافظ ملت چھڑ جاتا تھا تو وہ ان کے اوصاف و کمالات اور ان کی اخلاقی اور علمی نوازشات کا تذکرہ سناتے ہی چلے جاتے۔ کتنی ہی بار ہم نے ان کی آنکھوں میں ذکر حافظ ملت کے دوران اشکہاے محبت چھلکتے دیکھے ہیں۔"

(اداریہ اپریل 2002ء)

فیض العارفین حضرت مولانا غلام آسی پیا علیہ الرحمہ:

13 جنوری 2003ء کو رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کے برادر بزرگ و سرپرست فیض العارفین حضرت مولانا شاہ غلام آسی پیا علیہ الرحمہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، اس وقت مدیر اشرفیہ نے اس حق آشنا مرد قلندر کی ذات بابرکات کے تعلق سے جو اداریہ زیب قرطاس فرمایا اس کا ایک اقتباس کچھ اس طرح ہے۔

"حضرت فیض العارفین بہت سی خوبیوں کے جامع اور بافیض بزرگ تھے ان کے دانش مندانہ دماغ پر قلندرانہ مزاج غالب تھا اور عالمانہ جاہ و جلال پر صوفیانہ رنگ چڑھا ہوا تھا۔ آج عام طور پر جو مرشدانِ طریقت ہیں وہ یا تو نرے جاہل ہیں یا نرے عالم جب کہ تصوف کے میدان میں قال پر حال کا غلبہ نہ ہو اور دانش وری پر قلندری کی عارفانہ چادر نہ چڑھی ہو تو مجاہد بے سیف

نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ حال کے لیے قال اور قلندری کے لیے دانش وری ریڑھ کا درجہ رکھتی ہے ،ورنہ ڈرامائی رنگ روپ اور مستانہ ہا و ہو کی حیثیت ایک دل فریب آرٹ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ۔حضرت فیض العارفین پر قلندرانہ رنگ بہت چوکھا تھا، وہ مسلسل کیف و جذب کے عالم میں سرشار نظر آتے تھے، لیکن اہل علم کی محفل میں اگر موڈ میں آجاتے تو اچھے اچھوں کا ناطقہ بند کر دیتے تھے۔ فراغت کے بعد آپ نے ناگ پور کی ایک درس گاہ سنبھالی، برسوں تک منطق و فلسفہ کی گتھیاں سلجھائیں ،فقہ و حدیث کے مقام مشیخیت پر فائز ہوئے۔ (اداریہ فروری 2003ء)

ملکی مسائل اور اشرفیہ:

تقسیم ہند کے بعد سے ”ہندو مسلم فساد“ بھارت کی پیشانی پر ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ کہنے کو یہاں ہر مسئلے پر غور کیا جاتا ہے، ہر حادثے پر بحث ہوتی ہے، کمیشن بٹھایا جاتا ہے اور تدبیریں بھی کی جاتی ہیں مگر انسداد ظلم و فساد کے لیے کوئی بھی صورت نہیں نکالی جاتی۔ ایک طرف مسلمانوں کا قتل عام ہوتا رہتا ہے اور دوسری طرف سربراہان ممالک اپنی سیاستوں کا بازار چمکانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ علی گڑھ کا دردناک فساد ہو یا مراد آباد کی عید گاہ میں توحید پرستوں پر گولیوں کی بوچھار، جمشید پور کا بھیانک حادثہ ہو یا گجرات کا الم ناک سانحہ، ہر جگہ مسلمان بے چارے اپنے وطن میں ہی غریب الوطن ہو کر رہ جاتے ہیں، ایسے ہوش ربا حالات میں اشرفیہ پریشان حال مسلمانوں کے مصائب و آلام کو دور کرنے کی تدبیریں کرتا ہے۔ کبھی حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ وہ فرقہ پرستوں کی جانب سے ہونے والے ظلم وستم پر کنٹرول کرے تو کبھی مسلمانوں کو اپنی حفاظت خود کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ کہیں فساد زدہ مسلمانوں کے لیے امداد و تعاون کی اپیل کرتا ہے، تو کہیں واقعات ماضیہ کے تناظر میں انھیں تنبیہ کرتا ہے۔

علی گڑھ کا فساد: غالباً 19 اکتوبر 1978ء کی بات ہے جب علی گڑھ میں مسلمانوں کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا اور ان کی جائداد و املاک کو لوٹا گیا۔ قریب چار ماہ تک قتل و غارت گری اور فساد و خوں ریزی کا بازار گرم رہا جس کے نتیجے میں نامعلوم کتنی عورتوں کا سہاگ لٹ گیا اور کتنے لاڈوں کے پالے یتیم ہو کر رہ گئے۔ بیوہ عورتوں نے مرکزی وزرا کے پاس پس ماندہ مہندیاں اور اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں بھجوائیں کہ شاید کچھ ترس آئے، ماں بہنوں نے اپنی آہیں نچھاور کیں کہ کہیں یہ رقص ابلیس ختم ہو۔ مگر افسوس کہ ان سب کے باوجود ارباب سیاست و حکومت کی جانب سے طفل تسلیوں کے سوا کچھ نہ ہوا۔

مہر و وفا کے شہر میں دل شاد تھا بہت\
ظلم وستم نے خون کے دریا بہادیے

(گوہر)

اس وقت اشرفیہ نے اپنی جرات و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قوم مسلم کے نام ایک کھلا پیغام شائع کیا جو چشم عبرت سے پڑھے جانے کے لائق ہے۔

”قوم کے نام ایک کھلا پیغام: مسلمانو! فساد اور غارت گری کا اندھیرا ہمارے دامن سے اب چپک کر رہ گیا ہے۔ زندگی کا ہر ساز آہ و فریاد کی ٹکراتی ہوئی آوازوں میں گم ہوتا جارہا ہے۔ فساد کے بھیانک شعلے جہاں کہیں بھی بھڑک اٹھتے ہیں مسلم طبقہ پہلے اپنی تباہی کا انتظار کرنے لگتا ہے گویا شر پسندی کے اندھیارے میں تباہی موت کا پیغام دینے لگتی ہے۔ ہم کہتے ہیں: کیا اس پیغام کی لذت سے مسلمان خوف کھانے لگا ہے؟ کیا یہ پیغام خون کی سرخیوں پر حاوی ہونا چاہتا ہے؟ اپنی مقدس تاریخ کو بھول جانے والے مسلمانو! اپنے ماضی کے اوراق کو اپنے سینے سے لگا کر رکھو، ان کی گرمیوں کی تہ میں اتر جانے کی کوشش کرو ورنہ پھر مستقبل کے حالات تمھاری قدر کرنے سے احتراز کرنے لگیں گے۔ کسی محاذ پر ہمت ہارنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہ رہا۔ ہم خوب جان چکے ہیں یہ فسادات ہماری ملت کے لیے ناسور بن کر

رہ گئے ہیں۔ نیزوں کی ساری انیاں ہمارے نام لکھ دی گئی ہیں، مگر یہ سلسلہ اب کب تک جاری رہے گا؟ ہماری مائیں، بہنیں اور بچے ہماری جواں مردی سے کب تک مایوس ہوتے رہیں گے؟ ان کی حفاظت کے نام کا ہمارے جسم میں کچھ بھی خون نہیں؟ — میرے دوستو! ہے ضرور ہے اور یقیناً ہے مگر ہم اس کی پہچان سے غافل ہیں۔ جذبات کی للکار کو ہم سن نہیں پا رہے ہیں۔ جان لو سویم سیوک (ذاتی محافظت) کی بنیاد پر اپنی حفاظت آپ کرنا ہوگی۔ اپنی رکھوالی خود آپ کرنی ہوگی، شرپسند جماعتوں سے یہ حکومت خود بے زار ہے۔ یہاں مدد اور سہاروں کی کوئی گنجائش نہیں۔ کسی آس کا انتظار کرنا بے سود ہے۔ اپنے آپ کو ہر منزل، ہر گام پر تنہا محسوس کرو اور اپنے بازو کی قوت پر اعتماد کرنا سیکھو۔ تم دیکھو گے تمھارا شان دار مستقبل تمھارے سر پر تاج بن کر چمکے گا۔ خدا اور اس کے مقدس رسول کا سہارا سب سے بڑی نعمت ہے۔ تمھاری حوصلہ مند اور باوقار تنہائی کی ہمت پر برکتوں کا سایہ رہتا ہے، تم اپنی تنہائیوں کے صحرا میں روحانی سپاہیوں کا قافلہ دیکھو گے۔ لہذا ہمارا یہ پیغام ہے کہ اپنے آپ کو پہچانو اور وقت کے ساتھ انصاف کرو، خدا اور اس کے رسول کی محبت وعظمت جس قدر سینے میں سرایت کرتی جائے گی جذبۂ ایمانی میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔ مسلمانو! آؤ، آگے بڑھو، عزت وناموس کے پروانو اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر رکھ دو فتح ونصرت کی دولت تمھارے سر پر ہوگی۔" (اداریہ جنوری 1979ء)

مراد آباد کا فساد: اسی طرح 13 اگست 1980ء میں ملک دشمن عناصر اور بنیاد پرستوں نے مراد آباد کی عید گاہ میں دعا مانگتے ہوئے مسلمانوں پر جارحانہ حملہ کیا اور چشم زدن میں ہزاروں نہتے بندگان خدا کو گولیوں سے چھلنی کر ڈالا۔ عید کا پرمسرت دن آہوں، سسکیوں اور دردناک چیخ وپکار میں یوم الم بن کر رہ گیا۔ پورا شہر ہراساں، ہر مسلمان خوف زدہ اور چہار جانب موت کا سناٹا۔ ایسے بھیانک وقت میں اشرفیہ نے جو اس دل خراش منظر کی عکاسی کی اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو تسلی دی پھر وزیر اعظم سے ان کی جان وجائداد کی حفاظت کی اپیل کی وہ کچھ اس طرح ہے:

"مراد آباد کی عید گاہ تقریباً اسی ہزار پرستاران توحید سے بھر چکی تھی۔ وقت ہونے پر امام صاحب نے نماز عید الفطر پڑھائی اور خطبہ کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ ابھی خطبہ خوانی کا سلسلہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ عید گاہ میں اچانک کچھ سور داخل ہوگئے، ماحول میں تناؤ پیدا ہوا۔ فضا سنگین ہوتی گئی اور نتیجہ کے طور پر کیا کیا ہو گیا، ساری داستان سے اخبار کے ذریعہ آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ مراد آباد کی عید گاہ شاید دنیا کی پہلی عید گاہ ہے جہاں پروردگار عالم کے آگے دعا مانگتے ہوئے ہزاروں مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے واپس جاکر اپنی ماں کے ہاتھ سے ایک چمچہ سوئیں بھی نہ کھا سکے۔ انتظار کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں، دل بے تاب کے ٹکرے ہوگئے اور دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہی سارا مراد آباد آنسوؤں میں ڈوب گیا۔ ظلم وستم کے بے باک بھیڑیوں نے جشن مسرت منایا۔ حق پرستوں کا خون کبھی رائگاں نہیں جاتا۔ قدرت نے سارا منظر دیکھا ہے، وہی بہتر انصاف کرنے والا ہے، وہی دردمندوں کی فریاد سننے والا ہے۔ وہی مفاد پرستوں سے بدلہ لے گا....

وزیر اعظم ہند شریمتی اندرا گاندھی اور ارکان بالا سے ہم ایک بار پھر اپیل کرتے ہیں کہ ہندوستان کی دوسری اکثریت مسلم طبقہ کے جان ومال کی حفاظت کے لیے ضروری اقدام کرنے میں اب تاخیر نہ کریں۔ ہندوستان کی دھرتی پر برس ہا برس تک راج کرنے والی قوم کے جذبۂ حب الوطنی کا بچاؤ جمہوری فریضہ ہے۔

(اداریہ ستمبر 1980ء)

گجرات کا فساد: - 2002ء میں کچھ شرپسند افراد نے سوچی سمجھی سازش کے تحت گودھرا اسٹیشن پر سابر متی ایکس پریس کی ایک بوگی میں آگ لگا دی، پھر کیا تھا وشو ہندو پریشد کا منصوبہ بند

ظلم وستم شروع ہوگیا اور اس پس منظر میں احمد آباد اور دیگر گجراتی علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا اس سے پورا ملک ہل کر رہ گیا۔ ایسے قیامت خیز حالات میں اشرفیہ نے سیاسی بازی گروں کی جو گرفت کی اور مسلمانوں کے صبر و تحمل کو جس انداز سے اجاگر کیا وہ سنگ دل انسانوں کے لیے بھی درس عبرت ہے۔ لیجیے اس کا ایک اقتباس آپ بھی مطالعہ فرمائیے:

"مرکزی حکومت اور گجرات حکومت نے بار بار اس بات کو دہرایا کہ احمد آباد کی سرزمین پر جو کچھ ہوا یہ دراصل گودھرا اسٹیشن پر سابرمتی ایکس پریس کی ایک بوگی میں لگائی جانے والی آگ تھی جو گجراتی مسلمانوں کے خون سے بجھائی گئی۔ اگر گودھرا کے چند مسلمان وشوہندو پریشد کے ترشول بردار تلک دھاریوں کو گیروا آگ میں نہ جلاتے تو احمد آباد کے ہزاروں مسلمانوں کو نذر آتش نہیں کیا جاتا، عورتوں کی عصمت دری نہیں کی جاتی، بچوں پر پٹرول چھڑک کر جلاتے ہوئے رقص بسمل کا قیامت آشوب منظر نہیں دکھایا جاتا، کروڑوں کی املاک لوٹ کر گجراتی مسلمانوں کو فاقہ کشی پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ ملک کے بے لاگ تبصرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ فرقہ وارانہ فساد نہیں تھا یک طرفہ ظلم تھا، وشوہندو پریشد کا منصوبہ بند ستم گری کا پروگرام تھا جسے مودی حکومت میں اسٹیج کیا گیا، ظلم وستم اور شیطانیت و بربریت کا وہ کون سا حربہ تھا جسے احمد آباد اور گجرات کے دیگر علاقوں میں مسلمانوں پر آزمایا نہیں گیا، عورتوں کے پیٹ سے بچے نکال کر ترشول پر اچھالے گئے، برہنہ عورتوں کو روڈ پر دوڑایا گیا، کئی سو مساجد میں بت رکھ دیے گئے، گھروں میں پانی بھر کر کرنٹ چھوڑا گیا، دنیا چیختی رہی اور رقص ابلیس ہوتا رہا، مائیں بلبلاتی رہیں اور ان کی نگاہوں کے سامنے بچوں کو نذر آتش کیا جاتا رہا، ہندوستان کے وزیر اعظم مسٹر واجپئی صرف اتنا کہہ کر اپنی تمام تر ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئے۔ کہ گجرات حادثہ سے ہمارا سر شرم سے جھک گیا۔ مگر افسوس پھر اٹھا تو مودی حکومت کی حمایت میں اٹھا ہی رہ گیا۔ وہ اپنی حکومت کے استحکام کے لیے اکثریتی فرقے کے ووٹوں کو کافی سمجھتے ہیں انھیں اقلیتی فرقے کی حمایت کی نہ امید ہے اور نہ ضرورت، جب کہ انھوں نے بر سر عام بنارس میں اس کا اظہار بھی کیا— اگر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ گودھرا کے مسلمانوں نے یہ قابل مذمت حرکت کی، تو حکومت کی ذمہ داری تھی کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جاتا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کیا گودھرا کے لوگوں نے، تباہ کیا گیا احمد آباد کو اور دیگر گجراتی علاقوں کو؟ اگر یہ انتقام در انتقام کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو یہ تباہ کن سلسلہ جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل سکتا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے جس صبر و تحمل اور دانش مندانہ عمل کا مظاہرہ کیا اس سے اکثریتی فرقے کی حامی حکومتوں کو سبق لینا چاہیے، بلکہ بڑے پیمانے پر اس تعمیری اور دانش مندانہ اقدام کی ستائش کرنی چاہیے تاکہ آئندہ فسطائی قوتوں کو عبرت ہو اور تعصب و شر پسندی کا سلسلہ ختم ہو اور ملک تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ لیکن اس کے بر خلاف مسلمانوں کو ہی بدنام کیا جا رہا ہے۔ مسلسل انھیں دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے"۔ (اداریہ اگست 2002ء)

اس طرح اور بہت سے ملکی مسائل ہیں جن میں اشرفیہ نے بر وقت مسلمانوں کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھا ہے، ان کی صحیح رہنمائی کی ہے اور انھیں صحیح معنوں میں مسلمان بننے کا درس دیا ہے۔

ملی مسائل اور اشرفیہ:

اسلام کے کمال و زوال کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اسلام کو ہمیشہ نام نہاد مسلمانوں کی منافقانہ اور ضمیر فروشانہ روش نے نقصان پہنچایا ہے۔ بے ضمیر دین فروشوں نے ہر دور میں امت مسلمہ کی سرفرازی پر ذاتی منفعت کو ترجیح دی ہے، صیہونیت و صلیبیت نے بھی اپنی مسلسل شکست و پسپائی کے نتیجے میں میدان کارزار سے رخ موڑ کر کھنکتے سکوں کی تاب و توانائی کا سہارا لیا اور ان نام نہاد مسلمانوں کو

اسلام کے خلاف خوب استعمال کیا۔ مسلمانوں کی یہ فرقہ بندی، مناہج اسلاف سے کج روی اور توحید خالص کے نام پر ناموس رسالت اور مقامات اولیا سے بے زاری مخالفین اسلام کی پر اسرار سازشوں کا ہی شاخسانہ ہے، مگر یہ بھی ایک سچائی ہے کہ جب بھی ایمان فروشوں نے جاہ طلبی میں اسلامی نظام و قوانین میں دخل اندازی کی، یا دینی نظریات و معتقدات کے خلاف آواز اٹھائی تو ”اشرفیہ“ نے مردانہ وار اس کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کی غیرت و حمیت کو للکار کر انھیں میدان عمل میں اتارنے کی کوشش بھی کی، جس کی بہت سی نظیریں آفاق اشرفیہ پر درخشاں ہیں، بطور مثال دو چار درج ذیل ہیں:

پیغام نامی فلم: جب 1976ء میں مصطفی عقاد نامی ایمان فروش کی ہدایت پر بنائی گئی۔ فلم ”دی میسیج“ برٹش فورڈ برطانیہ کے سنیما ہالوں میں شو کی گئی جس میں صحابہ کرام کی فرضی تصویریں دکھائی گئیں اور ان کی سیرت طیبہ کو افسانوی کردار کے طور پر پیش کیا گیا۔ تو اس وقت مدیر اشرفیہ نے اس سے متعلق بڑا جرأت مندانہ اداریہ سپرد قلم فرمایا اور امت مسلمہ کے دھڑکتے دلوں کی ترجمانی اس انداز سے کی:

”دنیا کا کوئی بھی مسئلہ ہو جب اس کے ذریعہ ہمارے اعتقاد و مذہب کی دیوار میں نقب زنی اور اسلامی نظام و قوانین میں دخل اندازی کی بات ہوتی ہے اس وقت مسلمانوں کے عبائے صبر و شکیب کے تکمے سلامت نہیں رہ پاتے۔ ہر اذیت گوارا ہے، سارے دکھ درد قابل قبول ہیں، مگر جہاں مصطفی جان رحمت کے دامن تقدیس سے کھیلنے کی اسکیمیں ہوں گی، دین حق میں دست درازی کا معاملہ ہوگا، سیرت طیبہ کے اوراق پر دھبّہ آنے والا ہوگا، اہل بیت کی طہارت پر غلاظت کے چھینٹے پڑیں گے، صحابہ اور صحابیات کے چاندی سے زیادہ ستھرے اوراق حیات کو فرضی کرداروں اور نقلی حرکتوں سے آلودہ کیا جائے گا، اس وقت مسلمان خاموش رہے، غیر ممکن ہے۔ عقاد کی یہ فلم اگر بالفرض ہندوستان میں لائی گئی تو یہاں کے مسلمان کبھی اسے گوارہ نہیں کریں گے۔“ (اداریہ دسمبر 1976ء)

سعد الحرمین کا نظریہ: ماہ شعبان 1397ھ میں سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض سے نکلنے والے جریدہ ”الدعوۃ“ میں سعد الحرمین نامی سیاہ دل قلم کار کا مضمون بنام ”رأی آخر فی الحرمین والقدوۃ“ شائع ہوا۔ اس مضمون میں اس دریدہ دہن، ایمان فروش قلم کار نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی قبر انور کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا اور گنبد خضرا کو منہدم کر دینے اور قبر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین بوس کر دینے کی ناپاک تجویز پیش کی تو اس وقت مدیر اشرفیہ نے غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے حق کا اظہار کیا اور پھر صحافیوں کو بایں الفاظ للکارا:

”وقار علم و قلم سچائی سے عبارت ہے، سیاست کا صدق و کذب چاہے کچھ اور ہو مگر جہاں معاملہ اسلامی معتقدات اور دینی نظریات کا ہو وہاں تمام دنیاوی مصالح کو پس پشت ڈال کر قرآن و سنت کے احکام پر سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ چند روزہ دنیا کی طمع ممکن ہے آڑے آ رہی ہو مگر اے غیرت مند صحافیو اور دین دارو! اس بات کو نہ بھولو کہ:

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

آج کا دور قلم کاروں کا قلم، دین داروں کی غیرت اور ایمان دار سینوں سے رسول خدا اور اہل بیت و اصحاب کی عظمت سلب کرنا چاہتا ہے۔ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمہاری وابستگی کا تقاضا ہے کہ للکار کر کہہ دو کہ اے سوداگران دین و دانش! ہم عشق و عرفان مصطفیٰ کے بازار میں ایک بار بک چکے ہیں، ہمیں ایک خریدنے والے نے خرید لیا ہے، اب بازار دنیا میں ہماری قیمت لگانے والا کوئی نہیں۔

یار کی گلیوں میں اک بار جو آ کر بک جائے

کون ہے اب جو لگا پائے گا قیمت اس کی

(اداریہ مئی 1978ء)

قضیۂ بابری مسجد: ”الرسالہ دہلی“ کے مدیر اعلیٰ مولانا وحید الدین خاں جو اپنی منافقانہ روش اور فریب کارانہ تقریر و تحریر کی وجہ سے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں خاصے مشہور ہیں ان کی ایک تحریر 12 جولائی 2003ء کے ہفت روزہ عالمی سہارا میں شائع ہوئی جس میں انھوں نے اسلام کے اس مسلمہ اصول کو تسلیم کرتے ہوئے کہ بابری مسجد دوسری جگہ منتقل نہیں ہوسکتی، ایک دوسرے راستے سے اسی زمین پر رام مندر کی تعمیر کی راہ ہموار کرنے کی مذموم کوشش کی اور مسلمانوں کو ہراساں کرنے کا مجرمانہ کردار پیش کیا، چناں چہ انھوں نے لکھا:

”لیکن اسی کے ساتھ شریعت کا دوسرا مسئلہ یہ ہے ”الضرورات تبیح المحظورات“ یعنی ضرورت حرام چیز کو حلال کر دیتی ہے، اگر مسجد توڑنا حرام ہے تو یہ بھی ہے کہ بعض اوقات حرام، حلال ہو جاتا ہے۔ یہاں ہندوستان میں میرے نزدیک اسلام کا یہ اصول قابل عمل ہو گیا ہے؛ کیوں کہ عملاً مسلمانوں کے اختیار میں یہ نہیں رہا کہ وہاں پر دوبارہ ٹھیک اسی مقام پر مسجد بنائی جائے، ممکن کیا ہے مسجد وہیں بناؤ کے نام پر اپنے کو مروانا، مسجد وہیں بناؤ کی سیاست جو آپ کھیلیں گے تو مسلمان تو مارے جائیں گے مگر مندر نہیں ٹوٹے گا، مسلمان ٹوٹتے رہیں گے اور مسجدیں بھی ادھر ادھر توڑی جائیں گی۔“

اور اس سے آگے اپنے مدعا کے اثبات میں مسلمانوں کی تباہی کے لیے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا ڈالا اور بڑی بے باکی سے لکھ مارا:

”عرب میں کہیں مسجدیں سڑک چوڑی نہیں کرنے دے رہی ہیں، کہیں مسجدیں پارک نہیں بننے دے رہی ہیں.... اس کے نتیجے میں سیکڑوں نہیں ہزاروں مسجدیں منتقل کی گئیں، بلکہ ڈھا دی گئیں، گویا ضرورت کے تحت ایک مسجد کو منہدم کرکے اس نام کی مسجد دوسری جگہ بنا دی گئی اور مسجد کی پہلی والی جگہ شہری منصوبہ بندی میں استعمال کر لی گئی۔“

خان صاحب کی اس تحریر کے مضر اثرات کو مدیر اشرفیہ کی تیز نگاہوں نے فوراً محسوس کر لیا اور ”الضرورات تبیح المحظورات“ کی صحیح توجیہ کرتے ہوئے مولانا موصوف پر تعزیرات شرع کا پہرہ بٹھا دیا۔ اور آخر میں سیاسی طور پر اس تحریر کے خطرناک نتائج کی طرف توجہ دلاتے ہوئے برملا حق کا اعلان فرمایا اور صاف لفظوں میں لکھ دیا کہ:

”انگریزوں کے اشاروں پر عرب کے وہابیوں نے جو کچھ کیا مولانا وحید الدین خاں صاحب وشو ہندو پریشد کے اشارے پر ہندوستان میں وہی کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا فقہی بصیرت کے افلاس میں اس حد تک مبتلا ہیں کہ وہ شرعی ضرورت کا ذرہ برابر مفہوم ہی نہیں سمجھ سکے، کیا پارک بنانے کے لیے انہدام مسجد کا ارتکاب کرنا اور جان بچانے کے لیے اکل حرام کا ارتکاب کرنا دونوں مقام پر یکساں اضطراری کیفیت ہے؟ خان صاحب! دین فروشی کی بھی ایک حد ہوتی ہے آپ جس بے باکی کے ساتھ پارک اور روڈ بنانے کے لیے مسجدوں کے منتقل کرنے اور ڈھا دینے کا فتویٰ دے رہے ہیں قطع نظر اس کے کہ شریعت میں آپ کے اس ارشاد گرامی کی حیثیت کیا ہے، سیاسی طور پر بھی اس کے خطرناک نتائج دیکھنے کے لیے آپ کی بصیرت ختم ہو چکی ہے۔ اگر ہندوستان میں علماے اسلام آپ کی اس گمراہ فکر کی تائید کر دیں تو لاکھوں مسجدوں اور قبرستانوں کو شہری منصوبہ کے لیے استعمال کرنے سے ہمارے حریفوں کو کون روک سکتا ہے۔ ہم یہ بانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ عربوں کا عمل بھی خلاف شرع ہے اور مولانا وحید الدین خان کی فکر بھی خلاف شرع ہے۔ مسجدوں کی منتقلی اور ان کے ڈھانے کے تعلق سے نہ ضرورت کا تحقق عرب میں ہے اور نہ ہندوستان میں۔ علماے اہل سنت نام نہاد محافظین حرم کے خلاف بھی برسوں سے چیخ رہے ہیں اور ان کے اعتقاد و

عمل کے نفاق وگمراہی کا بھی اعلان کر رہے ہیں، ان حالات میں مخالفین اسلام کے سامنے سعودی حکمرانوں کے کردار وعمل کو پیش کرکے اسلام کے خلاف تخریب کاریوں کی دعوت دینا کتنی بڑی گمراہ گری اور منافقت ہے۔" (اداریہ اشرفیہ ستمبر 2003ء)

معاشرتی مسائل اور اشرفیہ:

آج ہمارا معاشرہ سیکڑوں برائیوں میں مبتلا ہے نہ فرد اپنی معاشرتی، اخلاقی اور دینی ذمہ داریوں کو محسوس کر رہا ہے اور نہ ملی سطح پر ہماری کارگزاریاں اطمینان بخش ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ تمام طور پر سماجی، ملی اور دینی مسائل میں احساس کی مسئولیت کے فقدان کا رونا رویا جاتا ہے۔ ہر فرد ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے پر طعن وتشنیع کے تیر ونشتر برساتا ہوا نظر آتا ہے مگر خود اسے اپنی کوتاہیوں اور ذمہ داریوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا، ایسے بگڑے ہوئے ماحول میں "اشرفیہ" مسلم معاشرہ میں پائی جانے والی خرابیوں کا ذکر کرکے طرح طرح سے ان کی اصلاح کے راستے بیان کرتا ہے۔ ان میں بعض کچھ اس طرح ہیں:

معاشرتی خرابیاں اور ان کا حل: موجودہ ماحول میں مسلم سوسائٹی میں جو خرابیاں، بلکہ تباہ کاریاں ایک سرکش عفریت کی طرح سر اٹھائے کھڑی ہیں اور انھوں نے ہمارے ذہن وفکر اور عقل ودماغ کو ایک حیثیت سے ماؤف کرکے زندگی کی ہنگامہ خیزیوں سے کنارہ کش کر دیا ہے یا ذلت وخواری کی زنجیر سے جکڑ دیا ہے وہ یہ ہیں:

(1)-علم کی دولت سے محرومی: علم کا عروج وزوال عبارت ہے قوم کے عروج وزوال سے۔ جب علم چھن جاتا ہے تو قوت فکر وعمل بھی جواب دے جاتی ہے اور یہ وجود خاک جو علم کے نور سے رشک مہ وانجم کہا جاتا ہے ایک ذرۂ بے مقدار بن جاتا ہے اور اس کی حیثیت اس اونٹ کی سی ہو جاتی ہے جس کی ناک میں نکیل ڈال کر ایک بے شعور بچہ بھی جہاں چاہے گھماتا پھرتا ہے، اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

(2) طبقۂ نسواں کی جہالت عامہ۔

(3) مایوسی، اداسی اور احساسِ کمتری۔

(4) آپسی افتراق وانتشار

(5) اخلاقی مفاسد مثلاً شراب خوری، جوابازی، بدکاری، سنیما بینی، ٹی وی بینی، بغض، حسد، عداوت، تنگ دلی، تملق و چاپلوسی، تعصب، جھوٹ، غیبت، حرص زر، غصب، رشوت خوری، جہیز کی لعنت، بے حیائی، بے ادبی وغیرہ وغیرہ۔

(6)-نااہل قیادت۔

(7)-کاہلی اور تضییع اوقات (یہاں ہر عنوان کے تحت کچھ تفصیل اور احادیث کے ذریعہ مسئلہ کی تفہیم بھی ہے جو اختصار کے پیش نظر ترک کر دی گئی ہے) یہ وہ خرابیاں ہیں کہ کسی معاشرے کی تباہی کے لیے ان میں سے صرف ایک کا پایا جانا کافی ہوتا ہے اور جس معاشرے میں یہ سب مجتمع ہوں اس کا حال کیا ہوگا۔

اک شاخ پہ الو بیٹھا ہو برباد نشیمن ہوتا ہے
ہر شاخ پہ الو بیٹھے ہیں انجامِ گلستاں کیا ہوگا

لہٰذا ہماری اولین ذمہ داری ہے کہ ہم وقت کی قدر کریں کہ یہ فی الواقع وقت کی نہیں بلکہ اپنی زندگی کی قدر ہے۔ لغویات سے بچیں، علم کے دلدادہ بنیں، مایوسی، اداسی اور احساسِ کمتری کو دور کریں اور یہ سمجھ لیں کہ ہم اپنی محنت وجانفشانی کے ذریعہ دنیا کے اہم ترین فرد بن سکتے ہیں اور اسی حوصلے کے ساتھ سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ بچوں کی تعلیم کے لیے جابجا اسلامی ماڈرن اسکول قائم کیے جائیں، مسلم طلبہ کو دینی علوم کے ساتھ عصری علوم سے بھی روشناس کرایا جائے۔ ریاضتِ بدنی کو کسی حد تک لازم قرار دیا جائے۔ قوم میں دینی وعلمی بیداری لانے کے لیے تحریر وتقریر

دونوں ذرائع استعمال کیے جائیں اور ہر کام میں بہر حال اخلاص پیشِ نظر رہے۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر نفس پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

(اداریہ فروری 1999ء)

اخلاقی برائیاں: ایک دوسری جگہ ”اشرفیہ“ خود احتسابی کی دعوت اور اخلاقی ذمہ داریوں کو نبھانے کی ترغیب اس انداز میں دیتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

”آج ہمارے معاشرے میں کچھ اخلاقی برائیاں اس طرح سرایت کر گئی ہیں کہ ان کا گناہ و جرم ہونا ہی دلوں سے محو ہوتا چلا جا رہا ہے مثلاً حسد و کینہ، جاہ طلبی، نفس پرستی، کذب بیانی، اقربا پروری، ناانصافی، غیبت و چغل خوری اور ریاکاری وغیرہ۔ اس قسم کی برائیوں میں بڑے بڑے سفید پوش اور برگزیدان عہد بھی مبتلا نظر آتے ہیں۔ ہم شرابیوں کو تو خوب لعن وطعن کرتے ہیں مگر چغل خوری میں مبتلا نظر آتے ہیں، چوروں کو تو برا کہتے ہیں مگر خود حسد و ناانصافی سے پرہیز نہیں کرتے، خود تو جاہ طلبی اور نفس پرستی میں مبتلا نظر آتے ہیں مگر اپنے دینی بھائیوں کا مذاق اڑانے اور دل شکنی میں مزہ پاتے ہیں، یہ اندازِ پارسائی بھی خوب ہے۔ برائی کوئی بھی ہو، بہر حال برائی ہے، گناہ گناہ ہے کیسا بھی ہو اور کوئی بھی کرے۔ سنتوں کے اہتمام کی تو دہائی دیتے ہیں لیکن بدمعاملگی، بد خلقی اور فریب دہی سے باز نہیں آتے حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«بعثت لاتمم مکارم الاخلاق»

میں اخلاقی بلندیوں کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

اور مسلمان کی شان اس انداز میں بیان فرمائی کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔“

(اداریہ مئی 2001ء)

معاشرہ میں طلاق کی کثرت: آج کل مسلمانوں کی ازدواجی زندگی اور مسئلۂ طلاق کو لے کر بڑا واویلا مچایا جا رہا ہے۔ میڈیا میں مختلف جہتوں سے مسئلہ طلاق کو اس تاثر کے ساتھ اچھالا جا رہا ہے گویا کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا اختیار دے کر کوئی ظلم کا ہتھیار دے دیا ہے جس سے وہ صنفِ نازک کو مسلسل ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اس مسئلے کو اسلام کے حوالے سے اس قدر دہرایا جا رہا ہے گویا دوسرے مذاہب میں طلاق کی وارداتیں ہوتی ہی نہیں ہیں۔ اس لیے اشرفیہ نے طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کا جائزہ لیا اور اس کے بنیادی اسباب کو میڈیا کے سامنے پیش کر دیا۔ ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی طشت از بام کر دیا کہ دوسرے مذاہب میں طلاق کا اختیار نہ ہونے کی وجہ سے قتل و غارت گری اور جلنے جلانے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں رقم کیے گئے اداریے کی چند سطریں درج ذیل ہیں:

”مسلم معاشرہ میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح یقیناً تشویش ناک ہے۔ ذیل میں ہم اس کے اسباب اور تدارک پر گفتگو کریں گے۔ اس سے پہلے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ طلاق کی وارداتیں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ دیگر قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ عائلی زندگی میں قتل و غارت گری، جلنے جلانے تک کے حادثات سے ہر روز اخبارات بھرے رہتے ہیں۔ کسی نئی نویلی دلہن کو نذرِ آتش کرنے سے ہزار درجہ بہتر تو یہی تھا کہ طلاق دے کر اسے اس کے خاندان میں لوٹا دیا جائے۔ مسلمانوں میں طلاق کی کثرت کے اسباب میں ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے شادی بیاہ کی رسموں کو ہندوانہ رسوم سے مستعار لے لیا ہے اور شادی کی تقریبات و معاملات میں مغربی اقوام کے آزادانہ رسم و رواج کو اختیار کر لیا ہے۔ ان حالات میں زوجین کے درمیان اختلاف و طلاق کی شکل میں نتائج کا برآمد ہونا لازمی امر ہے۔ اسلام کا عطا کردہ نظامِ زندگی ایک کامل دستورِ حیات ہے، اسی طرح اس کا عائلی نظام بے پناہ خوبیوں اور حکمتوں سے موجزن

ہے، دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ اگر مسلمان آج بھی اسلام کے معاشرتی اور خاندانی نظام پر عمل پیرا ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے ہواؤں کا رخ سوئے حرم پھر سکتا ہے اور مسلم معاشرہ عہدِ نبوی ﷺ کی محبت افروز تصویر بن کر ابھر سکتا ہے۔ رشتہ ازدواج کے اصول وآداب کو نظر انداز کر کے آپ لاکھ تدبیریں کریں، نتائج غیر متوازن ہی سامنے آئیں گے۔"

(اداریہ فروری 2005ء)

سیاسی مسائل اور اشرفیہ:

آج ہمارا ملک سیاسی اعتبار سے جس نازک موڑ پر کھڑا ہے اس سے ہر باشعور انسان غم زدہ ہے اور مستقبل میں اس سے بھی زیادہ تشویش ناک حالات پیدا ہونے کے خطرات بڑھ رہے ہیں۔ اپنے دیگر ہم وطنوں کے بالمقابل مسلمانوں کی صورتِ حال انتہائی غیر مطمئن، غیر یقینی اور پُر خطر ہے۔ ہر چہار جانب مسلمانوں کو دہشت گرد اور مدارسِ اسلامیہ کو دہشت گردی کے مراکز جیسے اذیت رساں ناموں سے شہرت دی جا رہی ہے۔ ایسے حالات میں اشرفیہ آگے بڑھ کر مسلمانوں کی ترجمانی کرتا نظر آتا ہے۔ کہیں وطن کی آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا ذکر کرتا ہے، کہیں ہند و پاک جنگ بندی کے فوائد بیان کرتے ہوئے سیاسی پارٹیوں کی بد عملی پر انھیں تنبیہ کرتا ہے اور کبھی مسلمانوں کو الیکشن کی گہما گہمی میں دعوتِ فکر و نظر دیتا ہے۔

دہشت گردی: جب وشو ہندو پریشد کے جنرل سکریٹری پروین توگڑیا نے کانپور کے ایک اجلاس میں 10/ جنوری 2003ء کو اپنے دہشت گردانہ لب ولہجہ میں کہا کہ:

"ملک کے تمام مدارس بنیاد پرست نوجوان پیدا کر رہے ہیں، یہ مدارس دہشت گردی کی ترویج کے مراکز ہیں جو ملک اور ساری دنیا کے لیے خطرہ ہیں........ مدارس کے قانونی اور غیر قانونی ہونے کا سوال نہیں، سبھی مدارس پر مکمل پابندی لازمی ہے۔" (سہارا- 11/ فروری 2002ء)

اس اشرفیہ نے بڑی شد و مد کے ساتھ اس بیان کی خبر لی اور مسلمانوں کو اپنی حکمتِ عملی بدلنے کی بات کہی۔ اس مضمون کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"ہمیں افسوس ہے کہ بابری مسجد کے انہدام کو دس برس کا طویل عرصہ گزر گیا مگر اب تک قاتلوں کو ان کے جرم کی سزا نہیں دی گئی۔ کیا بابری مسجد کا انہدام حکومتِ ہند کے سب سے بڑے نظامِ قانون کے ساتھ کھلواڑ نہیں تھا؟ حادثہ بابری مسجد کے بعد ہزاروں جانیں گئیں، ملک کا امن غارت ہوا، جمہوریہ ہند کا دنیا بھر میں مذاق اڑایا گیا، باشندگانِ ہند کا معاشی گراف یک لخت زمین بوس ہو گیا اور ملک کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال دن بدن ابتر ہو رہی ہے۔ اس غم وغصے کے ماحول میں بھی علمائے کرام نے قومِ مسلم کو صبر کی تلقین کی اور مسلم قائدین نے انتہائی صبر و شکیب کے ساتھ قانونی چارہ جوئی کی راہ اختیار کی۔ اس پر بھی بڑی شد و مد سے یہ الزام دہرایا جا رہا ہے کہ مدارس دہشت گردی کے اڈے ہیں۔ ان مدارس کے علما نے ملک کے کس گوشے میں فساد کرایا؟ انھوں نے کون سا مندر توڑا؟ ان مدارس سے کون سی جنگ جو فوج تیار ہوئی؟

ہاں! ان علما نے بڑھ چڑھ کر آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ 1857ء میں انھیں مدارس کے اٹھارہ ہزار علما نے ملک کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دی تھی۔ ان قربانیوں کا صلہ یہ ہے کہ ان علمی گہواروں کو تہس نہس کر دیا جائے؟

لیکن ان حالات میں بھی مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، اسلام پر اس قسم کے برے دن بارہا آئے ہیں، حکمتِ عملی بدلنے کی ضرورت ہے۔" (اداریہ مارچ 2002ء)

مسئلہ کشمیر: جن دنوں کشمیر کی برفیلی چوٹیاں جنگ کی آگ میں جھلس اٹھی تھیں اور اس دردناک مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے پاکستان کے وزیر خارجہ سرتاج عزیز اور ہندوستان کے وزیر خارجہ جسونت سنگھ کے درمیان مذاکرات کا طویل

سلسلہ جاری تھا، دونوں ملکوں کے وزراے خارجہ گفت وشنید کے دوران ایک دوسرے پر یہ الزام لگاتے رہے کہ جنگ کی پہل آپ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، اس وقت اشرفیہ نے اس سلگتے ہوئے مسئلے کے حل سے متعلق کہا:

”ہماری دنیا کو معلوم ہے ہندوستان و پاکستان دونوں ہی ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ اگر دونوں طرف سے مکمل جنگ چھڑ گئی تو پورے جنوبی ایشیا کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے اور دونوں ملکوں کی لاکھوں جانیں جا سکتی ہیں۔ اس لیے کچھ بھی ہو اور غلطی کسی کی بھی ہو، پہلے جنگ بند ہونی چاہیے۔

ٹینک آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو یا ہار کا سوگ، زندگی میتوں پر روتی ہے
اس لیے اے شریف انسانوں! جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

ملک کی داخلی صورت حال کے تعلق سے ہم یہ لکھ دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ بھارتیہ جنتا پارٹی یا دیگر اپوزیشن پارٹیاں کرگل مسئلے کو اپنے سیاسی فائدے کے لیے ہرگز استعمال نہ کریں۔ اگر اس مسئلے کو طول دے کر کسی بھی پارٹی نے آنے والے انتخابات کے لیے اقتدار و کامیابی کی راہ ہموار کی تو یہ ملک کے ساتھ غداری ہوگی حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی کی زیر قیادت مرکزی حکومت ابھی اس الزام کا بھی جواب نہیں دے سکی ہے کہ جب دراندازی جنوری سے ہی ہماری سرزمین پر سرگرم تھے تو حکومت کی خفیہ تنظیمیں کہاں سو رہی تھیں؟ اس لیے ملک کی وفاداری اور انسانی ہمدردی اسی میں ہے کہ گفت وشنید سے مسئلے کا حل تلاش کر کے وادیٔ کشمیر میں امن و آشتی کا پرچم لہرایا جائے۔“

(اداریہ جولائی 1999ء)

پس چہ باید کرد: 2004ء میں جب پارلیمانی الیکشن کی سرگرمیاں پورے شباب پر تھیں، اس وقت اشرفیہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ حق راے دہی کے استعمال پر روشنی ڈالی اور قوم مسلم کے سامنے مختلف پارٹیوں کے اعمال کو بڑے واضح انداز میں پیش کرتے ہوئے انھیں دعوتِ فکر دی تاکہ مسلمان ان کا جائزہ لے کر اپنے حقِ راے دہی کا مناسب استعمال کر سکیں۔ مختلف پارٹیوں کے بیان کیے گئے اعمال میں یہ چند باتیں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں:

”22 دسمبر 1948ء کی تاریک رات میں جب چوری سے بابری مسجد میں مورتیاں رکھی گئیں تو یوپی اور دہلی دونوں جگہ کانگریس حکومت تھی۔ بابری مسجد میں نماز پڑھنے سے جب روکا گیا تو کانگریس ہی کی حکومت تھی۔ خانۂ خدا پر تالا لگا کر نماز بند کر دی گئی، یہ تالا بندی بھی کانگریس کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ پھر تالا کھول کر تمام پوجا پاٹ کی اجازت بھی کانگریس کے دورِ اقتدار میں عمل میں آئی اور 1992ء میں ظالمانہ انداز میں جب بابری مسجد شہید کی گئی تو کانگریسی وزیر اعظم نرسمہا راؤ کرسی اقتدار پر براجمان تھے۔ اس ظالم نے نہ صرف یہ کہ مسجد کو شہید کروا دیا بلکہ وہاں اس وقت تک فورس نہیں بھیجی اور کرفیو نہیں لگایا جب تک ناجائز عارضی رام مندر تعمیر نہیں کر لیا گیا۔ 67 گھنٹے ناجائز مندر تعمیر ہوتا رہا اور نرسمہا راؤ کی طرف سے ان فسادیوں، بلوائیوں اور عارضی مندر تعمیر کرنے والوں کو پورا تحفظ حاصل رہا۔“

”یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی، آر ایس ایس کی اولاد ہے اور لائق اولاد اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتی ہے، اس لیے بھارتیہ جنتا پارٹی وہی کرے گی جو آر ایس ایس چاہے گی اور آر ایس ایس انگریزوں کی پروردہ مسلم دشمن تنظیم ہے۔ اس لیے بھارتیہ جنتا پارٹی سے خیر کی امید کرنا احمقوں کی جنت میں سیر کرنے کے مترادف ہے۔ موجودہ وقت میں بھی بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایجنڈے میں یکساں سول کوڈ، دفعہ 370 کا خاتمہ اور رام مندر بمقامِ بابری مسجد شامل ہے۔ گویا جو لوگ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حمایت کرتے ہیں یا حمایت کرنے کی بات کہتے ہیں، وہ لوگ لازمی طور پر یکساں سول کوڈ یعنی اسلامی

قانون وراثت و نکاح و طلاق وغیرہ چھوڑ کر ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی سب کے لیے ایک ہی قانون کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس مطالبے کے بعد وہ اپنے ایمان و اسلام کا جائزہ خود ہی لے لیں۔ کیا خدا اور رسول اور قرآن و حدیث کی رو سے ایسے لوگ مسلمان رہ جائیں گے؟"

"آج بڑی تیزی کے ساتھ پرانے کانگریسی، بھارتیہ جنتا پارٹی کی رکنیت قبول کر رہے ہیں، اسے دیکھتے ہوئے بلا جھجک یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو طاقت و توانائی فراہم کرنے والے کانگریسی ہی ہیں۔ کل جو لوگ کانگریس پارٹی میں رہ کر صوبوں کے وزیر اعلیٰ اور دیگر اہم عہدوں پر متمکن تھے، یکے بعد دیگرے بھگوا رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں تمام مسلمانوں کو بصیرت سے کام لیتے ہوئے بھارتیہ جنتا پارٹی اور کانگریس سے یکساں دوری بنائے رکھنی چاہیے اور سیکولر سیاسی پارٹیوں کو ووٹ دے کر ملک کے سیکولر جمہوری نظام کو برقرار رکھنا چاہیے۔" (اداریہ مئی 2004ء)

اسلامی تعلیمات اور اشرفیہ:

آج مطلق العنانی، آزاد طبعی اور ذمہ داریوں سے بے پروا ہو کر آرام طلبی و بے فکری کی زندگی گزارنا ہمارا شیوہ بن چکا ہے، اس سے نئی نسل کے بہت سے افراد اسلامی مسائل و احکام سے بالکل ناآشنا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ بعض لوگ تو ایسے بھی نظر آتے ہیں جو فرائض و واجبات تک ادا کرنے کی فکر نہیں کرتے اور بعض جان بوجھ کر یا انجانے میں عبادتوں کو برباد کر ڈالتے ہیں۔ ایسے افسوسناک حالات میں اشرفیہ ان کی رہنمائی کی کوشش کرتا ہے اور وقتاً فوقتاً نہایت آسان مگر دلکش لب و لہجہ میں اسلامی اصول و آداب کا درس دیتا رہتا ہے۔ اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

سفرِ حج: حج کے تعلق سے مسلمانوں کو حقائق سے یوں آگاہ کرتا ہے:

"یہ سفر عام اسفار کی طرح سیر و تفریح اور لیلائے نجد کی تلاش میں بادیہ پیمائی نہیں بلکہ عشق و عرفان سے لبریز ایک انتہائی بلند پایہ عبادت اور تطہیر نفس کی ریاضت ہے۔ اس کے دنیوی اور اخروی فضائل و منافع کی بھی ایک لمبی قطار ہے۔ یہ انتہائی نازک اور بابرکت سفر ہے، خبردار ایک لمحہ کے لیے بھی خوفِ الٰہی اور اخلاص و للٰہیت کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے۔ آج بعض لوگوں نے اس سفر کو محض زراندوزی اور نفس پرستی کا ذریعہ بنا لیا ہے، چند لوگ قانون شکنی کرتے ہیں اور پوری امتِ مسلمہ کو رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ حج و زیارت کے ساتھ اخلاصِ عمل کی دولت سے بھی سرفراز فرمائے، آمین۔

اس سفر کے آداب و مسائل سے واقف ہونا حرمین جانے والوں کے لیے ایک انتہائی بنیادی ضرورت ہے۔ اس لیے عام لوگ حج و زیارت کے مسائل پر مشتمل علمائے اہل سنت کی کتابوں کو ضرور ساتھ رکھیں اور دوران سفر علمائے اہل سنت سے مسلسل رابطہ رکھیں، مسائل دریافت کرنے میں کسی قسم کی عار محسوس نہ کریں اور موقع میسر آئے تو انھیں کی اقتدا میں نمازیں ادا کریں، بد مذہبوں کی اقتدا کر کے اپنی نمازوں کو ہرگز برباد نہ کریں۔" (اداریہ مارچ 1997ء)

روزۂ رمضان: رمضان المبارک کے فضائل و آداب کو بیان کرنے کے بعد روزہ کا فلسفہ اس انداز سے سمجھاتا ہے:

"اسلام میں روزے کا مقصد صرف اتنا نہیں ہے کہ ایک انسان صبح سے شام تک کھانا پینا ترک کر دے، مجامعت پر کنٹرول کر لے۔ یہ مقصد اصلی نہیں مقصدِ اصلی تک پہنچنے کی ایک راہ ہے۔ روزے کا مقصد دراصل تطہیر نفس اور تزکیۂ قلب ہے۔ روزہ اسلام کے اوامر و نواہی پر عمل درآمد کی ایک تربیت اور عملی مشق ہے۔ روزہ غریبوں کے دکھ درد کو سمجھنے کی ایک مؤثر تدبیر ہے، روزہ پورے جذبۂ اخلاص کے ساتھ حکمِ الٰہی کی اطاعت شعاری

ہے۔احکم الحاکمین کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار ہے۔

اب ذرا چند لمحے ٹھہر کر اس اہم عبادت کا آپ خود جائزہ لیجیے۔ایک روزہ دار انسان بھوک سے مضطرب ہے۔دستر خوان لذیذ نعمتوں سے بھرا ہوا ہے قسم قسم کے میوے اور پھل لگے ہوئے ہیں۔پیاس کی شدت سے تڑپ رہا ہے۔چہرہ مرجھایا ہوا ہے، نگاہوں کے سامنے شیریں اور ٹھنڈے جام سجے ہوئے ہیں، مگر واہ رے نفس کشی اور اطاعت شعاری کا حیات آفریں جذبہ! اس شدید بھوک اور تڑپا دینے والی پیاس کے باوجود قبل از وقت نوالہ اٹھانا تو دور کی بات ہے، اس قسم کا تصور بھی اپنے لیے زہرِ قاتل تصور کرتا ہے۔

اب آپ روزے کی اس حیرت انگیز کیفیت کی روشنی میں خود اندازہ کیجیے کہ جب ایک بندۂ خدا اوقات کی بھرپور پابندی کے ساتھ ایک ماہ مسلسل سخت گیر نگاہوں سے اپنے نفس کا محاسبہ کرے گا اور جب اس کا سرکش نفس روزے کی تربیت گاہ میں خدا ترسی اور اطاعت شعاری کا عادی اور خوگر ہو جائے گا تو وہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اس کی کوشش ضرور کرے گا کہ وہ شرعی حدود کی پابندی کرے اور اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق اپنی زندگی کے شب و روز گزارے۔یہی روزے کا فلسفہ ہے جس کی جانب قرآن عظیم ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ سے اشارہ فرما رہا ہے۔“

(اداریہ فروری 1995ء)

عام روش: عام مسلمانوں کی عام بے راہ روی کا ذکر اور ان کے دشمنوں کی شناخت کرانے کے بعد انھیں تنبیہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”کاش مسلمان اپنی قوت کو پہچانیں، اپنے دین کی قدر کریں، اپنے احکام کی عظمت سمجھیں، اپنے دشمنوں کے پھیلے ہوئے جال سے چوکنا رہیں۔نہ ان کی تہذیب اپنائیں نہ روزہ و نماز اور دیگر احکام اسلام ترک کر کے دشمن کے منصوبے کو کامیاب کریں، نہ اپنی روحانی و ایمانی قوت گھٹائیں، نہ اپنا ضمیر مردہ و خوابیدہ ہونے دیں، بلکہ نفس و شیطان اور ان کے آلۂ کار انسانوں کو خوب پہچان کر ان کے ہر حربے کو ناکام بنائیں، لباس، تہذیب، معاشرت، عادات واطوار، رہن سہن، معاملات ہر راہ سے آج ان پر حملہ ہو رہا ہے، غدار احملہ آوروں کی پیروی کر کے اپنی موت کا سامان نہ کریں بلکہ ایک زندہ قوم اور زندہ و تابندہ اسلامی تشخص کے ساتھ جینے کی تدبیر کریں اور یہ سمجھ لیں کہ اسلامی حکومتوں کی توانائی کے زمانے میں تو ایک مسلمان کا گناہ صرف اس کی خرابی تک محدود رہتا تھا کیوں کہ دوسروں کو بچانے والی قوتیں موجود تھیں، مگر آج گناہوں کو اپنانے کا مطلب ہے باطل کے خفیہ منصوبوں کو کامیاب بنانا اور اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے معاشرے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے دہانے تک پہنچانا۔آج پہلے سے بھی زیادہ ہمیں اپنے ظاہری و باطنی اسلحوں اور اپنی روحانی قوتوں سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے۔(اداریہ جنوری 1999ء)

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے:

آج ہمارے درمیان کس قدر افتراق و انتشار ہے اسے بتانے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔آج ہم اپنی لامرکزیت کے نقصانات اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور ذہنی طور پر محسوس بھی کر رہے ہیں۔یہ مسلم ممالک کے عوام کے عدمِ اتفاق کا ہی ثمرہ ہے کہ یورپ و امریکہ جس پر چاہتے ہیں جو الزام چاہتے ہیں تھوپ دیتے ہیں اور پھر قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔یہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف کا ہی نتیجہ ہے کہ نجدی سعودی کہیں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کر رہے ہیں اور کہیں اہل بیتِ اطہار اور اکابرین اسلام کے مزارات کو منہدم کر رہے ہیں۔ایسے سنگین حالات میں اشرفیہ قومِ مسلم کو وقت کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے انھیں مختلف انداز سے اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتا ہے اور طرح طرح سے اس کی برکتوں کا فلسفہ سمجھاتا ہے۔اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

خوف و ہراس کے بادل: آج اسلام دشمن آفاق سے

خوف وہراس کے بادل مسلم ممالک اور مسلم آبادیوں پر جس طوفانی انداز سے منڈلا رہے ہیں مسلمان بحیثیت مسلمان دنیا کے ہر خطے پر سہما سہما نظر آرہا ہے، اگر دو چار دہائیوں تک یہی خطرناک صورت حال باقی رہ گئی تو ایک دن وہ بھی آسکتا ہے جب مسلمان اپنے آپ کو مسلمان بتانے میں شرم محسوس کرے گا بلکہ بعض مقامات پر تو یہ حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ مگر افسوس! ان غیر مطمئن حالات میں بھی مسلمانوں کے اجتماعی، عالمی اور قومی اعصاب سرد مہری کے شکار ہیں اور عالمی سطح پر مسلم ممالک اسلام اور مسلمانوں کے دفاع اور اقدام کا کوئی مشترکہ لائحہ عمل بنانے کی جرأت نہیں کر رہے ہیں اور نہ ملک کا مسلمان بحیثیت قوم دفاعی اور اقدامی جدو جہد کے لیے کسی طرح کی پیش قدمی کے لیے سنجیدہ ہے۔ جو جہاں ہے وہیں اپنی ڈفلی بجا رہا ہے۔ اس سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امت مسلمہ میں عام طور پر ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو قربان کیا جا رہا ہے، ملکی منفعت پر عالمی منفعت کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ جب کہ قومی مفاد پر انفرادی مفاد کو قربان کرنے کا رجحان قومی شعور کی بیداری کی پہلی منزل ہے۔ پہلے کسی بھی قوم میں اجتماعی شعور پیدا ہوتا ہے پھر کسی قوم کی اجتماعی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

(اداریہ مارچ 2003ء)

ارض فلسطین: جب ظالم اسرائیلیوں نے بے دردی کے ساتھ فلسطین کو ظلم وستم اور دہشت وبربریت کا نشانہ بنایا اس وقت اشرفیہ نے اس انداز سے قوم مسلم کو اتحاد واتفاق کی دعوت دی:

”اے میری قوم کے جوانو! اٹھو، کردار وعمل کی ناقابل شکست چٹان بن جاؤ اور زمانے کی رفتار بدل دو، رنجیدہ خاطر نہ ہو، حزن وملال کی چادر اتار کر پھینک دو تم ہی بلند وبرتر ہو گے مومنِ کامل تو بنو۔ ہمارے دامن میں حقائق وتجربات کے ستارے جگمگا رہے ہیں۔ ہم نے ماضی میں اصول پسندی کو گلے سے لگایا تو زمانے کی سرکش قوتیں ہمارے قدموں میں رحم وکرم کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ آج ہم دوسروں کے رحم وکرم پر ہیں ایسا لگتا ہے ہمیں اپنے کردار وعمل کی لازوال قوتوں کا احساس ہی نہیں رہا...

اے عالم اسلام کے حکمرانو! مست خوابی کو جھٹک کر بیدار ہو جاؤ۔ ارضِ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کا لہو پکار رہا ہے کہ عرب سے مشرق تک مسلمان اعلائے کلمۃ اللہ اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے متحد ہو جائیں۔ قبلۂ اول بیت المقدس کے در و دیوار کسی فاروقِ اعظم اور کسی سلطان صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

(اداریہ مئی 2002ء)

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک: جس وقت درندہ صفت سعودیوں نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزارِ پر انوار کو منہدم کیا اور قبروں پر جانے سے متعلق یاوہ گوئی کی، اس وقت اشرفیہ نے ان کی مشرکانہ حرکتوں کا رد کرتے ہوئے کہا:

”اگر زیارتِ قبور کے جواز پر دلائل و شواہد جمع کیے جائیں تو دفتر تیار ہو جائے۔ اس مختصر بحث سے مجھے اپنا یہ مدعا ثابت کرنا ہے کہ قبروں پر جانا شرک و بدعت نہیں، بلکہ عین سعادت اور سنتِ رسول ہے بلکہ خاص حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر جانا بھی رسول وصحابہ کی سنت اور بزرگان دین کا محبوب طریقہ رہا ہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک کو منہدم کرنا سعودیوں کا ناقابلِ معافی جرم ہے۔ خاکِ حجاز کے آثار اور مقدس مقامات ان کی جاگیر نہیں بلکہ عالمِ اسلام کا حق ہے۔

اس لیے ہماری عالمِ اسلام اور خاص طور سے برصغیر کے سنی مسلمانوں سے پر زور اپیل ہے کہ وہ سعودیوں کے

خلاف اپنے احتجاجات کی اسپرٹ مزید تیز اور مضبوط کردیں۔ اگر ان کے خلاف منظم اور محکم انداز سے کوئی نوٹس نہیں لیا گیا تو وہ ایک دن اسی بنیاد پر گنبدِ خضریٰ کے خلاف بھی اقدام کرسکتے ہیں۔" (اداریہ اگست 1999ء)

دعوتِ فکروعمل اور اشرفیہ:

موجودہ حالات میں اسلام اور قرآن کے حوالے سے مستشرقین کی تحریکِ تشکیک اور ان کی سائنسی اور ثقافتی بالادستی نے مسلمانوں کے ایک طبقے کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور کچھ حرص دنیا کی وجہ سے ان کے دلدادہ ہوگئے ہیں، ایسے لوگ آئے دن اخبارات و میڈیا میں قرآن و شریعت پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ جب بھی کوئی آواز مستشرقین کی جانب سے اٹھتی ہے تو خود مسلمانوں میں جدت پسندوں کا ایک طبقہ ان کی حمایت و ترجمانی کے لیے کھڑا ہوجاتا ہے۔ اس پر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے بیانات و مشمولات شاہد ہیں۔ ایسے افسوس ناک حالات میں اشرفیہ آگے بڑھ کر اربابِ علم و دانش اور اصحابِ فکر و قلم کو دعوتِ فکروعمل دیتے ہوئے کہتا ہے:

"اے میری قوم کے غیور فرزندو! کیا اب تمھیں بیدار ہونے کے لیے کسی فرشتہ آسمانی کا انتظار ہے؟ کیا تمھیں خواب غفلت سے جگانے کے لیے یہ پرزور صدائے قرآن کافی نہیں: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تمھاری موجودہ زبوں حالی کی علامت پر تمھارے عہدِ رفتہ کی پُرشوکت روایت غالب آئے؟ اے وارثینِ علومِ نبوت! اگر تم ہی مست و بے خود ہو کر سوگئے تو اس خفتہ نصیب قوم کے سرہانے نعرۂ انقلاب لگانے کے لیے کون کھڑا ہوگا؟ دیکھو عصرِ جدید کے تقاضے تمھیں آواز دے رہے ہیں، جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ حق و صداقت کے مہر نیم روز سے زمانے کی آنکھوں کو خیرہ کردو، دین و دانش کی کوندتی بجلیوں سے باطل کے نشیمن کو دھواں دھواں کردو۔ آج زمانہ کا دانشور طبقہ اسلام کو پڑھنا چاہتا ہے، قرآنِ عظیم کی معجزانہ دعوت کو سننا چاہتا ہے، کردارِ رسول کو دیکھنا چاہتا ہے مگر ان کا عالم یہ ہے کہ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم۔" (اداریہ جولائی 2004ء)

ایک دوسری جگہ "اسلام اور عصرِ جدید" کے عنوان سے مسلمانوں کے اندر حرکت و عمل اور غور و فکر کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش اس انداز سے کرتا ہے:

"قومیں اپنے انحطاط و زوال کی خود ذمہ دار ہوتی ہیں، خالقِ کائنات نے قرآنِ عظیم میں بار بار کوہ و دریا، بحر و بر اور ان میں پیدا ہونے والی اشیاء کا تذکرہ کیا ہے اور پورے زورِ بیان کے ساتھ مسلسل ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ظاہر ہے کہ حکمتوں سے لبریز یہ سارے فرمودات شاعرانہ تخیلات نہیں اور نہ ان کا مقصد صرف جمالیاتی حسن کی تسکین ہے بلکہ مقصودِ الٰہی یہ ہے کہ انسان ارضیات اور ان میں پوشیدہ توانائیوں کا ادراک کرے، تجربہ گاہوں میں ان سے حیرت انگیز فوائد حاصل کرے اور فضاؤں اور سیاروں میں مخفی توانائیوں پر گرفت حاصل کرے۔ قرآنِ عظیم نے ان تجربات اور مشاہدات کی دعوت اس وقت دی تھی جب یورپ ابھی علم و حکمت کے ابتدائی مفہوم سے بھی ناآشنا تھا مگر انھوں نے اپنی مسلسل جد و جہد کے نتیجے میں سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں اتنی ترقی کی کہ آج امتِ مسلمہ ان کی گردِ راہ بن کر رہ گئی ہے۔ علم و تجربہ کی اس ابتر صورتِ حال میں اگر مسلمانانِ عالم لازوال انحطاط کی پگڈنڈیوں پر لڑکھڑا رہے ہیں تو یہ عین نظامِ فطرت ہے اور یہی اسلام کا فلسفۂ زوال و کمال بھی ہے۔" (اداریہ اپریل 2005ء)

ایک جگہ اشرفیہ قرآن کے حوالے سے اظہارِ حقیقت کرتے ہوئے اس طرح عملی میدان میں اترنے پر مسلمانوں کو آمادہ کرتا ہوا نظر آتا ہے:

"قرآنِ عظیم علوم و معارف اور تاریخ و حقائق کا بحر ناپیدا کنار ہے۔ مستشرقین مطالعۂ قرآن کی روشنی میں نت نئے انکشافات

اور حیرت انگیز ایجادات پیش کر رہے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ ہم انھیں کے مطالعہ و تجربہ کے حوالے سے قرآن و سائنس کے موضوع پر معلومات فراہم کرتے ہیں جن کا پورا وجود قرآن دشمنی کے زہر میں بجھا ہوا ہے، وہ اس تعلق سے کتنی کتر بیونت کرتے ہوں گے یہ کسی پر مخفی نہیں، جس قرآن کے نور سے جہل کدۂ عالم میں ہم نے علم و حکمت اور فکر و فن کے چراغ روشن کیے تھے آج خود ہمارے دانش کدے مطالعۂ قرآن کے جدید تجربات و مشاہدات سے محروم ہیں۔ ضرورت ہے ہمارے مدارس اور عصری درسگاہوں میں قرآنِ عظیم اور عصرِ جدید کے موضوع پر باضابطہ مطالعہ و تحقیق کا آغاز کیا جائے اور جدید علوم پر گہری نظر رکھنے والے علمی اور عصری حوالے سے قرآنِ عظیم کی تفسیریں لکھیں اور قرآنِ عظیم کی روشنی میں عصرِ جدید کے چیلنجز کا جواب دیں۔" (اداریہ جولائی 2005ء)

حقائق کی بے باک ترجمانی:

اداریہ نگاری کے سلسلے میں اربابِ صحافت کہتے ہیں کہ اداریے میں حق گوئی اور بے باکی کا عنصر نمایاں رہنا بہت ضروری ہے، عصبیت، طرفداری اور خوف سے اداریہ کا پاک ہونا لازمی ہے، بزدلی سے لکھا جانے والا اداریہ کبھی لائقِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس تناظر میں ہم جب اشرفیہ کے اداریوں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے بالکل واضح ہوتی چلی جاتی ہے کہ اشرفیہ کے اداریے اس نہج سے بھی نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور صفحاتِ اشرفیہ پر جابجا اس کی مثالیں ملتی ہیں، انھی میں سے بعض درج ذیل ہیں:

عصری خانقاہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ خانقاہیں شریعت و طریقت کا سنگم اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہوا کرتی ہیں۔ تقویٰ شعاری، شب بیداری اور کتاب و سنت پر عمل گزاری اہلِ خانقاہ کے امتیازات ہوا کرتے ہیں مگر عصرِ حاضر میں خانقاہوں کے بدلتے افکار و امتیازات اور انحطاط پذیر اوصاف و کمالات قوم و ملت کا درد رکھنے والوں کے لیے انتہائی کرب ناک ہیں، ایسے میں اشرفیہ لومت لائم کی پروا کیے بغیر ان حقائق کا اس طرح اظہار کرتا ہے:

"صوفیا اور مشائخ کی زندگی میں توکل و استغنا، جود و سخا، ایثار و قربانی اور رضاے مولیٰ از ہمہ اولیٰ کی اتنی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں کہ پڑھ پڑھ کر عقل ورطۂ حیرت میں ڈوبتی چلی جاتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سلاطینِ زمانہ کے چھم چھم کرتے ہوئے خزانے بھی ان کی خدا ترس اور نیچی نگاہوں کا وقار نہیں خرید سکے۔ کج کلاہان زمانہ ان کی دہلیز پر تو سر خمیدہ نظر آتے تھے لیکن ان کے قدم شاہی محلوں کی جانب اٹھتے ہوئے نظر نہیں آتے تھے۔ مگر اب خم خانۂ تصوف کے جام و سبو بدل چکے ہیں، خانقاہیں پُر نور ہیں مگر اہلِ خانقاہ کے دل بے نور ہیں۔ کل اہلِ دولت و ثروت پیر کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے، اب اہلِ خانقاہ ان کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ عہدِ حاضر کے بگڑے ہوئے خانقاہی نظام پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے:

رمز و ایما اس زمانے کے لیے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

(اداریہ فروری 2002ء)

میدانِ تقریر و تحریر: دعوت و تبلیغ کے عام طور پر دو طریقے رائج ہیں تحریر اور تقریر۔ ذرائع ابلاغ کے اس جدید دور میں پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ وغیرہ کی بنیادیں بھی زبان و قلم پر ہی رکھی گئی ہیں۔ ان ذرائع دعوت و تبلیغ کی اہمیت کے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ خالقِ کائنات ارشاد فرماتا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾

مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ان میں باضابطہ کام کرنے والے افراد نہ ہونے کے برابر ہیں۔ میدان خطابت میں گہما گہمی تو نظر

آتی ہے مگران میں بھی کثرت نااہلوں کی ہوتی ہے۔

ان حقائق کو طشت از بام کرتے ہوئے اشرفیہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے:

"آپ دنیا بھر کو نہ دیکھ کر سرِ دست اپنے ملک کا جائزہ لیجیے، خاکِ ہند کے 80٪ مسلمانوں کی قیادت کرنے والے علمائے اہل سنت کے بہ مشکل تمام چار پانچ رسالے ہیں اور انگلیوں پر گنے جانے والے چند اہل علم ہیں۔ ہاں! مقررین کے نام سے اسٹیج پر خوب بھیڑ بھاڑ ہے مگر ان میں باضابطہ خطبا اور واعظین کی تعداد پانچ فیصد سے زیادہ نہیں۔ مقررین کے بھیس میں کثرت نااہلوں کی ہے۔ وہ بازاری لب و لہجہ میں دو چار تقریریں رٹ لیں اور بنجاروں کی طرح نکل پڑے۔ سیاسی اور ادبی جلسوں میں داد وتحسین کا اظہار تالیاں بجاکر کیا جاتا ہے اور دینی جلسوں میں سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہہ کر داد دی جاتی ہے یا کبھی کبھی تکبیر و رسالت کی آوازوں سے۔ مگر اب تو مقررین اور شعرا دینی اسٹیجوں پر خود ہی داد وتحسین کی فرمائش کرتے ہیں اور وہ بھی اتنی ڈھٹائی سے کہ بس الامان والحفیظ، اس لیے ضروری ہے کہ مدارس اسلامیہ ٹھوس تعلیم کے ساتھ تحریر وتقریر کی اصلاح پر بھی زور دیں اور اس کے لیے گونا گوں موضوعات پر مشتمل لائبریری کا ہر مدرسے میں ہونا اولیں ضرورت ہے۔ نیز میں قوم کے اہل خیر حضرات سے گزارش کروں گا کہ وہ چندہ دینے سے زیادہ مدارس کی اصلاح پر زور دیں۔" (اداریہ جنوری2002ء)

سفرائے مدارس: مدارس اسلامیہ کے تحفظ و بقا اور عروج وارتقا کے لیے قوم سے چندہ مانگنا اور اس کے لیے سفر کی مشقتوں کو جھیلنا یقیناً بہت بڑا کارِ خیر ہے۔ زکوٰۃ کی رقم وصول کرنے کے لیے اہل ثروت کے دروازوں پر دستک دینا اور ان کی خوشامد کرنا اپنے نفس کے ساتھ عظیم جہاد ہے جس کا بڑا اجر و ثواب ہے، مگر مدارس کی خدمت کے نام پر تن پروری کرنا انتہائی بدترین عمل ہے۔ یہ مذموم پیشہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ کوئی اس کے خلاف آواز اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اشرفیہ کی حق پسندی اور بے باکی ہے کہ وہ ان رہزنوں کے چہروں سے نقاب کشائی کرتا ہے اور ان کی اصلاح کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے:

"مقامِ افسوس ہے سفرائے مدارس کے بھیس میں کچھ رہزن بھی ہیں جو مدارس کے نام پر تن پروری کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر خوشامدانہ مزاج کے حامل اور باتونی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ فروغِ دین کے نام پر فرضی منصوبہ بندی کو اس کمالِ فن کے ساتھ واقعات کے گلدستے میں سجا کر پیش کرتے ہیں کہ اہل خیر حضرات ورطۂ حیرت میں ڈوب کر منہ تکنے لگتے ہیں۔ ان میں اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے پاس نہ کوئی ادارہ ہوتا ہے اور نہ آئندہ کوئی ارادہ اور بعض وہ لوگ ہوتے ہیں جو خانہ پری کے لیے برائے نام مکتب چلاتے ہیں، ان لوگوں کی وصولیابی کا انداز کچھ اتنا پرزور ہوتا ہے کہ چندہ ملتے ہی ملت میں کوئی انقلاب آجائے گا اور اگر ان کا بر وقت بھرپور تعاون نہیں کیا گیا تو اسلام اور مسلمانوں کو خطرات کے طوفان سے نکالنے والا ہمارے بعد کوئی پیدا نہیں ہو سکے گا۔ ریاکاری اور کذب بیانی میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ دین و ملت کے غم میں پلکیں ہمیشہ نم رہتی ہیں اور کبھی کبھی دورانِ گفتگو ہچکیاں بھی بندھ جاتی ہیں اور اگر انھیں معلوم ہوجائے کہ فلاں سیٹھ صاحب فلاں پیر کے مرید ہیں تو بس مت پوچھیے سات پشت سے پیر صاحب سے اپنے روابط ثابت کرنے کے لیے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ الامان والحفیظ..... ان حالات میں ضرورت ہے کہ چندہ دینے والے سفیروں سے پہلے مطمئن ہوں یا جو باخبر لوگ ہیں ان سے حالات و کوائف دریافت کرلیں کہ کون ادارہ کتنا کام کررہا ہے اور وہ ہمارے تعاون کا کتنا مستحق ہے۔" (اداریہ نومبر2003ء)

اردوئے معلیٰ کا شاہکار ادب:

اشرفیہ کے اداریے اپنی گونا گوں خوبیوں کے ساتھ اسلامی ادب کے آفاق پر بھی نمایاں اور ممتاز نظر آتے ہیں۔

پیرایۂ بیان کی دل آویزی اور اسلوبِ تعبیر کی پاکیزگی مدیروں کی لطافتِ فکر کا پتہ دیتی ہے۔ اس خصوص میں فخرِ صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا سحر نگار قلم اپنا جواب نہیں رکھتا۔ موصوف کے بعض اداریے تو اردوے معلّی کا شاہکار معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی اداریہ نگاری میں فصاحت وبلاغت کا موجزن سمندر اور حقائق بیانی کا دلکش منظر دیکھنا ہو تو ستمبر 2004ء کے اداریہ کا یہ اقتباس پڑھیے:

”حق پسند ہندوستانی مسلمانوں نے علم وحکمت، تہذیب وثقافت، تصنیف وتالیف، صنعت وحرفت اور آرٹ وجمالیات کے میدانوں میں صد قابلِ افتخار اور تاریخ ساز کارنامے انجام دیے ہیں کہ اگر ہندوستانی تاریخ سے ان زریں کارناموں کو نظر انداز کر دیا جائے تو تاریخِ ہند کا رنگ اتر جائے گا اور ایک پر بہار چمن خزاں رسیدہ نظر آئے گا جس میں نہ صنعتی جمال وکمال کے جلوے ہوں گے اور نہ علم وفن کے گوہر آبدار، نہ تحقیق وتصنیف کا دبستاں ہوگا اور نہ جمالیاتی تہذیب وثقافت کے نمایاں آثار، نہ حسن وعشق کا نمائندہ تاج محل ہوگا اور نہ شوکتِ ہند کا نشان لال قلعہ، درس گاہیں بے آب نظر آئیں گی اور سائنس وٹیکنالوجی کی زلفیں پریشان نظر آئیں گی۔ ملک کے تحفظ کے لیے اسلحہ سازی، فروغِ علم ودانش کے لیے ادارہ سازی اور ملکی سرحدوں پر وفا پیشہ سپاہیوں کی حیثیت سے ایثار وقربانی کے جو ناقابلِ شکست نقوش چھوڑے ہیں وہ تاریخِ ہند کا زریں اور ناقابلِ فراموش باب ہے۔“

فروری 2000ء کے اداریے کا ایک اقتباس پڑھیے:

”حکیم اہلِ سنت نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو گھر آنگن میں علم وادب کی خوشبوئیں تھیں، دین ودانش کی جلوہ ریزیاں تھیں، رنگارنگ کتب کی قوس قزح تھی، تہذیب وثقافت کی دودھیا چاندنی تھی۔ ماہرینِ تعلیم کا تجربہ بتاتا ہے کہ جب کوئی اخاذ طبع، محنت ومطالعہ کا خوگر، علم وادب اور تہذیب وثقافت کی گھنی چھاؤں میں نشوونما پاتا ہے تو کلیوں کی طرح چٹکتا ہے، پھولوں کی طرح مہکتا ہے، چاندنی کی طرح چمکتا ہے، چڑھتے سورج کی طرح ابھرتا ہے اور سمندروں کی طرح پھیل جاتا ہے۔“

مئی 1998ء کے اداریے کا ایک اقتباس اور پڑھ لیجیے:

”حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی شخصیت میں دنیاے دین ودانش کو نور بخشتا ہوا ماہتاب دیکھتی آنکھوں روپوش ہو گیا، ہر طرف غم واندوہ کے تاریک بادل چھا گئے، لوح وقلم کی سرگرم محفلوں پر سکتہ طاری ہو گیا، وعظ وخطابت کی بزموں میں خاموشیاں چھا گئیں، علم وادب کی انجمنیں سوگوار ہو گئیں، میخانۂ عشق وعرفان کی بہاریں روٹھ گئیں، وہ کیا گئے ان کے قلم سے وابستہ ہزاروں آرزوؤں کا جنازہ نکل گیا۔ دیکھنے میں وہ ایک فرد تھے مگر سچائی یہ ہے کہ فرد کی شکل میں ایک فعال انجمن تھے، وہ ایک شگفتہ پھول نہیں پر بہار چمن تھے، وہ علم کی ایک کتاب نہیں مکمل دبستان تھے۔“

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے:

ماہنامہ اشرفیہ کے اداریے اپنے نوع بہ نوع عناوین کی جاذبیت ودلکشی، رنگارنگ نکات آفرینی وحقائق بیانی اور دینی وملی خدمات کے باعث دعوت وتبلیغ کے آفاق پر چھائے ہوئے ہیں۔ اپنے اور پرائے سبھی اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی، علمی، اخلاقی اور اصلاحی ترجمان کہتے اور مانتے ہیں لیکن بایں ہمہ امتیازات وکمالات ان سحر انگیز اداریوں کے ساتھ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس بلند معیار رسالے کے شایانِ شان نہیں مثلاً اداریوں کی طوالت اور غیبوبیت وغیرہ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض اداریے اتنے طویل ہوتے ہیں کہ قاری گردابِ حیرت میں پھنس جاتا ہے اور تھوڑی دیر تک اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ کسی ماہنامہ کا اداریہ پڑھ رہا ہے یا کوئی مستقل کتاب۔ اسی طرح بعض رسالوں میں جب قاری ہزار تلاش وجستجو کے بعد بھی اپنا محبوب

اداریہ پانے میں کامیاب نہیں ہوتا ہے تو اس کے جذبات مجروح ہو جاتے ہیں اور وہ حیران و پریشان سوچتا رہ جاتا ہے کہ اس کمی کو مدیر سحر نگار کی عدیم الفرصتی کی جانب منسوب کرے یا پریس و طباعت کی دیگر خامیوں کی طرح اسے بھی کاتب و طابع کے سر مڑھے۔ اثبات مدعا کے لیے اس افراط و تفریط کی دو چار مثالیں درج کی جاتی ہیں:

نومبر، دسمبر 1998ء "خواجہ غریب نواز نمبر" ہے جو 104/ صفحات پر مشتمل ہے اور 28 صفحات صرف اداریہ کی نذر ہیں۔

ستمبر 1999ء کا ماہنامہ 56/ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا اداریہ بعنوان "حافظ ملت اپنے خطبات کے آئینے میں" 26/ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

جون، جولائی 2002ء خصوصی شمارہ "بیاد گار حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ" ہے۔ یہ رسالہ 96/ صفحات کا ہے اور اس کا اداریہ 59/ صفحات کو محیط ہے۔

ستمبر 2002ء کا رسالہ 52 صفحات کا ہے اور اس کا اداریہ بعنوان "مدارس اسلامیہ تاریخ و حقائق کی روشنی میں" 30/ صفحات کو گھیرے ہوئے ہے۔

مارچ 1996ء اور فروری 2005ء کا ماہنامہ اداریہ ندارد ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی خوبیاں اور کچھ خامیاں اشرفیہ کے اداریوں میں پنہاں ہیں جن کا احاطہ میں نہیں کر سکا اور نہ ہی میں اس کے درپے تھا۔ رب تبارک و تعالیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کے اس دینی، علمی، اخلاقی اور اصلاحی ترجمان کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

خوب کی سیر چمن پھول چنے شاد رہے
باغباں جاتا ہوں گلشن ترا آباد رہے

***

(ص:82 کا بقیہ)- اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ حالیہ انتشار کے تعلق سے ایک بزرگ سے میں نے اپنے درد کا ذکر کیا تو بڑی سنجیدگی سے انھوں نے جواب دیا کہ اس قسم کے سازشی ذہن رکھنے والوں سے گفتگو کے ذریعہ اتفاق کی کوئی امید نہیں بس اتحاد کی ایک ہی صورت ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ انھیں اخلاص و ہدایت عطا فرما دے یا انھیں زمین سے اٹھا لے۔

سوال: ملی قیادت کی سطح پر ہماری نمائندگی کیسے ہو؟ کیا دشواریاں ہیں اس راہ کی اور آپ کی نظر میں ان کا حل کیا ہے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: ملی قیادت کے حوالے سے جہاں تک ہماری نمائندگی کا سوال ہے تو آزادی سے پہلے علمائے اہل سنت کی نمائندگی بھرپور تھی خاص طور پر انقلاب 1857ء میں علمائے اہل سنت ہی ہر محاذ پر پیش پیش رہے مگر آزادی کے بعد اکثر باصلاحیت افراد پاکستان منتقل ہو گئے۔ جو بچے وہ اپنے مدارس، اپنی خانقاہوں اور اپنے مذہب کے تحفظ میں لگ گئے۔ عام طور پر ملی اور سیاسی میدانوں سے علمائے اہل سنت کنارہ کش رہے، انفرادی طور پر جو ملی سیاست میں آئے انھوں نے جماعت کی نمائندگی کم اور پارٹیوں کی وفاداری زیادہ کی اور اس سلسلے میں غیر اہل سنت کے سیاسی علما بھی مبرا نہیں۔ اس جمہوری دور میں ملی قیادت کی نمائندگی کے لیے تنظیمی ڈھانچہ ضروری ہے جب تک مضبوط تنظیمی پلیٹ فارم نہیں ہو گا ملی قیادت کی سطح پر ہماری بھرپور نمائندگی کا فقدان رہے گا۔

سوال: ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

مولانا مبارک حسین مصباحی: جام نور کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں اور قارئین سے گزارش ہے کہ جام نور کو مشائخ اہل سنت کی سرپرستی حاصل ہے۔ یہ ملت کا بے باک ترجمان ہے۔ اس میں حدیث و قرآن اور فقہ کے حوالے سے اہم مضامین ہوتے ہیں، اصلاح امت کا سامان بھی ہوتا ہے۔ اس کو خرید کر پڑھنا اور دوسروں تک پہنچانا باعث اجر و ثواب ہے۔ (جام نور شمارہ مئی 2009ء) ***

مولانا مبارک حسین مصباحی کے علمی وفکری اداریے

مفتی سبطین رضا مرتضوی، ایڈیٹر سہ ماہی صدائے مناظر اہل سنت، دھامی گچھ، سونا پور اتر دیناج پور، بنگال

فن صحافت کی اقلیم کا وہ تاجدار، جس کے خامہ گہربار نے کئی دہائیوں تک ملت اسلامیہ کے فکری جمود پر تازیانے برسائے اور جس کے افکار کی بازگشت "ماہنامہ اشرفیہ" کے صفحات سے بلند ہوکر گوش فلک تک پہنچی، آج وہ نیر تاباں بزم گیتی سے غروب ہو چکا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ محض ایک روایتی مدیر کا نام نہیں، بلکہ وہ بذات خود ایک فکری تحریک اور بیدار مغز قرطاس وقلم کے غازی تھے جن کی تحریر کی کاٹ نے وقت کے بڑے بڑے فتنوں کے دانت کھٹے کیے۔ جب دجل وفریب کے اندھیرے ملت کے شعور پر شب خون مار رہے تھے اور مصلحت پسندی نے ارباب فکر کی زبانوں پر قفل چڑھا دیے تھے، اس پرآشوب دور میں "الجامعۃ الاشرفیہ" کے اس جلیل القدر ترجمان نے اپنے افکار کی شمع روشن کی اور خاموشی کے تعفن میں ڈوبے ہوئے معاشرے کو حق گوئی کی لازوال خوشبو سے معطر کر دیا۔

مولانا کی علمی وصحافتی خدمات کا سب سے روشن باب ان کی اداریہ نگاری ہے۔ یہی اداریے ان کے فکری منہج، علمی رسوخ اور زمانہ شناسی کے سب سے معتبر ترجمان ہیں۔ صحافت کی دنیا میں اداریہ کسی بھی جریدے کی روح اور اس کی فکری سمت کا عکاس ہوتا ہے۔ یہ صحافی کا وہ معرکہ آرائی کا میدان ہے جہاں الفاظ محض حروف کا مجموعہ نہیں رہتے، بلکہ فکر ونظر کے وہ شرارے بن جاتے ہیں جو تاریک اذہان میں بصیرت کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ مولانا مصباحی علیہ الرحمہ نے ادارتی صحافت کو روایتی تکلفات اور سطحی نعرہ بازی کے قفس سے آزاد کرایا اور اسے وہ تنظیمی جلال، علمی متانت اور ادبی دبدبہ عطا کیا جو کم ہی اہل قلم کے حصے میں آتا ہے۔

آپ کا قلم جب قرطاس پر چلتا، تو بظاہر روشنائی بکھیرتا؛ مگر حقیقت میں وقت کے دھارے کا رخ موڑ دیتا تھا۔ آپ کے علمی وفکری اداریے وقتی سیاست کی سطحی کشاکش سے ماورا، تحقیق وتفقہ کے اس بلند مقام پر فائز تھے جہاں پہنچ کر عصری چیلنجوں کے بت پاش پاش ہوجاتے ہیں اور فتنۂ عصر کی ہیبت دم توڑ دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے اداریے محض حالات حاضرہ پر تبصرے نہیں، بلکہ ملت کی فکری رہنمائی، دینی غیرت کے تحفظ اور عصری فتنوں کے تعاقب کا ایسا علمی سرمایہ ہیں جو آج بھی اپنی معنویت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ آئیے، اب ہم مولانا کے چند مایہ ناز اداریوں کی فکری وعلمی جہات کا کھوج لگائیں اور ان کے افکار کے ان درخشاں گوشوں کا سراغ حاصل کریں جن میں ملت کا درد، زمانے کی نبض شناسی، علم وتحقیق کی تاب ناک کرنیں اور حق گوئی کی بے باک روایت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

دینی، فقہی اور اصلاحی بیداری کی جہت:

مولانا مصباحی علیہ الرحمہ کے اداریے متعدّد فکری جہات کے آئینہ دار ہیں، لیکن ان کے فکر وقلم کا سب سے مضبوط اور موثر رخ دینی، فقہی اور اصلاحی شعور کی بیداری ہے۔ چناں چہ ان کے اداریوں کے مطالعے کا آغاز اسی جہت سے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا مصباحی علیہ الرحمہ جب شریعت کے کسی حکم یا اسلام کے کسی عبادتی نظام پر قلم اٹھاتے تھے، تو ان کا اسلوب روایتی وعظ وتذکیر کے چوکھٹے میں قید نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ عبادت کے باطنی فلسفے کو عہد حاضر کے سلگتے ہوئے ملی وسماجی تناظر میں پیش کرتے تھے۔ ان کے اداریوں کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ

sibtainraza160@gmail.com-6297289394

اسلام کی ہر عبادت فرد کی باطنی تطہیر کے ساتھ ساتھ ملت کی اجتماعی اصلاح کا ایک طاقت ور ذریعہ ہے۔

اس فکری رجحان کی سب سے نکھری ہوئی اور تاب ناک مثال اپریل 2018ء کے ”ماہنامہ اشرفیہ“ میں شائع ہونے والا ان کا معرکہ آرا اداریہ ”اعتکاف: فضائل و آداب“ ہے۔ بظاہر یہ اداریہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی ایک عظیم سنت اور اس کے فضائل و آداب کے بیان سے متعلق معلوم ہوتا ہے، لیکن مولانا کا وسیع النظر اور درد مند قلم اس موضوع کو محض چند فقہی مسائل یا روایتی فضائل تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ اسے ملت اسلامیہ کی دینی، فکری اور اجتماعی صورت حال کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ چناں چہ اعتکاف کی روح اور اس کے مقاصد پر گفتگو سے قبل وہ مسلمانوں کو درپیش داخلی کمزوریوں اور بیرونی چیلنجوں کا جائزہ لیتے ہوئے امت کو خود احتسابی، اصلاح احوال اور رجوع الی اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی تناظر میں وہ لکھتے ہیں:

”آج ملکی اور بین الاقوامی حالات سب پر بڑی حد تک ظاہر ہیں۔ عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو جو نشانہ بنایا جارہا ہے، اس سے بھی کسی حد تک ہمارے قارئین واقف ہوں گے، عالمی میدانوں میں بے شمار مسائل ہیں، سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی مگر ان جیسے تمام مسائل میں غیر مسلموں کا نشانہ عام طور پر مسلمان ہیں۔ یہ ایک سچائی ہے کہ مسلمانوں کے لیے نصرت الٰہی ہوتی ہے، رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمتیں ہوتی ہیں، اولیاے کرام کی برکتیں ہوتی ہیں، یہ نعمتیں آج بھی ہیں مگر ان تمام کے فیوض و برکات جو مسلمانوں کے لیے ماضی میں تھے، اب اس جیسے جلوے نظر نہیں آتے، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مسلمانوں کو اتحاد اور یکجہتی کے ساتھ دشمنوں کا مثبت انداز سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ مگر ہمیں سامنے آنے کے ساتھ اپنے عقائد و اعمال پر بھی نگاہ ڈالنا چاہیے۔ ہمیں اپنی عبادت و ریاضت پر غور کرنا چاہیے، خشیت ربانی اور تقوی شعاری پر محاسبانہ نظر ڈالنا چاہیے، ہمیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی محبت کتنی ہے؟، اولیاے کرام سے عقیدت و محبت پر بھی سنجیدگی سے سوچنا چاہیے، کیا صرف ان کے مزاروں پر حاضری ضروری ہے؟، یا اس کے ساتھ اپنے معمولات کو ان کے اعمال صالحہ کے سانچے میں ڈھالنا بھی ضروری ہے؟۔“[ص:3]

اس اداریے کا دوسرا رخ اس سے بھی زیادہ تیکھا، مصلحانہ اور دل دوز ہے، جہاں مولانا اپنوں کی اخلاقی پستی اور معاشرتی بے راہ روی پر نہایت جلال آمیز اور مصلحانہ انداز میں متنبہ کرتے ہیں۔ وہ اس درد درون کا اظہار کرنے میں کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوتے کہ جو قوم زنا کاری، حرام خوری، بدکاری، سود خوری، غیبت اور جھوٹ کے دلدل میں گردن تک ڈوبی ہو، وہ صرف ظاہری اسباب کے بل بوتے پر کامیابی و سربلندی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے پھوٹنے والے درد کو الفاظ کا غلاف پہناتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

”اس حقیقت سے تو سب واقف ہیں کہ مسلمان عام طور پر گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں، مثلاً: قتل و غارت گری، زنا کاری، بدکاری، حرام خوری، شراب نوشی، چوری، ڈاکہ زنی، غیبت، چغلی، الزام تراشی، بدنگاہی، رشوت خوری، دھوکہ، فریب دہی“۔[ص:3]

یہی وہ مقام ہے جہاں اعتکاف کی اصلاحی اور تربیتی حکمت پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ اس اداریے کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ امت کا اصل بحران بیرونی کمزوریوں سے زیادہ باطنی زوال اور اخلاقی انحطاط کا ہے؛ اسی لیے اعتکاف کو محض چند روزہ گوشہ نشینی نہیں، بلکہ نفس کی تطہیر، کردار سازی اور روحانی تجدید کا ایک مؤثر ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اعتکاف کا اصل پیغام یہی ہے کہ مسلمان اپنی روحانی قوت کو از سر نو بیدار کریں، اپنے اعمال و کردار کو سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالیں اور باطل کی یلغار کے مقابلے میں ایک صالح اور باکردار معاشرے کی

تشکیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے اعتکاف کو محض ایک عبادت کے فقہی احکام تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے امت کی فکری وعملی بیداری کے ایک موثر وسیلے کے طور پر پیش کیا:

”فلمی گیتوں میں ملوث کتنے ڈانسر جب انھیں توفیق ملی اور اعتکاف میں بیٹھے تو ان کے دل کی دنیا ہی بدل گئی، توبہ واستغفار کے بعد قاتل محافظ بن گئے، بدکار خواتین کی عصمتوں کے پاسبان بن گئے، حرام خور حلال خوری کے داعی بن گئے، شرابی حوض کوثر کے حقدار بن گئے، غیبت اور الزام تراشی کرنے والے انھیں حضرات کے مداح اور حامی بن گئے، چور اور ڈاکو اپنے گناہوں سے تائب ہو کر انھیں کے مالوں کے محافظ بن گئے، رشوت خور حق وانصاف کی دعوت دینے لگے، دھوکہ اور فریب دینے والے ہمدرد وغم گسار بن گئے، بدعملی کرنے والے اعمال صالحہ کے خوگر بن گئے، بدنظری میں مبتلا رہنے والے نیچی نگاہیں رکھنے میں مشہور ہو گئے، گیتوں اور ڈانسوں میں مبتلا حضرات مداح رسول اور معروف نعت خواں بن گئے، یہ بڑے تفصیلی احوال ہیں جنھیں باضابطہ متعلقین کے تاثرات کے ساتھ مستقل کتابوں میں جمع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور ہم بھی اعتکاف میں بیٹھیں اور سنت رسول ﷺ کے مطابق انھیں پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں میں بھی صالح اور حیرت انگیز انقلاب پیدا فرمائے۔“[ص:3]

ان الفاظ کا جلال و دبدبہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ مولانا مصباحی علیہ الرحمہ کے اداریے صرف صفحات کو سیاہ کرنے کے لیے نہیں لکھے جاتے تھے، بلکہ وہ ملت کے لیے ایک فکری لائحہ عمل مہیا کرتے تھے۔ اگرچہ انھوں نے امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے اعتکاف کی تعریف نقل کی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کے احکام شرعیہ کو بھی مدلل انداز میں پیش کیا، لیکن ان کا اصل مقصود امت کو اس فکری غفلت سے بیدار کرنا تھا جو دنیا پرستی کے باعث رفتہ رفتہ امت کے مزاج میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔

دینی وفقہی جہت کا ایک اور تابناک مصلحانہ پہلو اگست 2022ء کے ”ماہنامہ اشرفیہ“ کے اداریے میں سامنے آتا ہے، جہاں مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے ”عبادت و ریاضت میں میانہ روی“ کے عنوان سے امت مسلمہ کے تنزلی کے اسباب اور صالحین کی فکری کج روی پر خالصتاً اصلاحی گفتگو فرمائی ہے۔ آپ نے جہاں ایک طرف ملت میں ذوق عبادت کے فقدان پر ماتم کیا ہے، وہیں دوسری طرف تقویٰ کے نام پر غلو اور ریاکاری کرنے والوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

”ایک بندۂ مومن کے لیے عبادت و ریاضت میں بلند مقام حاصل کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ عابدین وزاہدین کا مقام ہر عہد میں اعلیٰ رہا ہے، صحابہ کرام ہوں یا اغواث و ابدال، خانقاہوں میں زہد و ورع کے پیکر ہوں یا مدارس کے علمائے ربانیین، فیضان الٰہی بھی حسب مراتب ان پر خوب برستا ہے اور رحیم وکریم آقا کی رحمتوں کے بادل بھی ان پر سایہ فگن رہتے ہیں، ان نیکوں کی برکتوں سے امت مسلمہ بھی روحانی اور علمی میدانوں میں سرخرو رہتی تھی اور اقتصادی اور سیاسی محاذوں پر بھی کامیاب و کامراں رہتی تھی۔ آج جو دنیا میں عام طور پر مسلمان ہر محاذ پر پیچھے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ مسلمانوں میں ذوق عبادت کا فقدان اور ریاضت سے محرومی ہے، اس کے ساتھ یہ بھی حق ہے کہ بعض افراد وقتی طور پر عبادت و ریاضت میں عزم و حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر ان کا ذوق جنون یہ وقتی ہوتا ہے، وہ تاحیات اس پر قائم رہنے سے عاجز اور ناکام رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو وہ عمل زیادہ پسندیدہ ہے جس میں ہمیشگی ہو، اگرچہ کم ہی ہو۔ اللہ کریم کے پیارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ“ بارگاہ الٰہی میں اعمال میں دائمی عمل زیادہ پسندیدہ ہے اگرچہ کم ہی ہو۔“[ص:3]

مولانا کی محققانہ بصیرت کا اصل کمال اداریے کے اگلے

حصے میں ظاہر ہوتا ہے، جہاں وہ معاشرے کے اس خود ساختہ پارسا طبقے پر ضرب لگاتے ہیں جو تقویٰ کے غلو میں مبتلا ہو کر اخلاص کی روح کو پامال کر دیتا ہے۔ واضح رہے کہ نیک اعمال بجالانا مستحسن ہے، مگر جب اس میں دکھاوا اور دوسروں کی تحقیر شامل ہو جائے تو وہ بارگاہ الٰہی میں مردود ہو جاتا ہے۔ انھوں نے نہایت دردمندی اور نپے تلے اسلوب میں اس فکری بگاڑ کی جراحی کرتے ہوئے واضح کیا کہ صالحین کو عمل صالح ضرور کرنا چاہیے، مگر ریاکاری، خود نمائی اور دوسروں پر طعن و تشنیع کرنے کی وبا سے سخت پرہیز لازم ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی تقوی شعاری میں غلو کرتا ہے، عمل تو کرتا ہے مگر مظاہرہ عمل بھی خوب کرتا ہے، ریا کاری اور خود نمائی بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں۔ صالحین کو عمل صالح کرنا چاہیے مگر دکھاوا، ریاکاری اور مکاری سے سخت پرہیز کرنا چاہیے۔ نیک اعمال کرنا اچھی اور بہت اچھی بات ہے مگر ریاکاری اور خود نمائی ناپسندیدہ اور مردود عمل ہے۔ مسئلہ صرف اپنی خوش عملی کا نہیں بلکہ اس کے ساتھ وہ دیگر حضرات پر طعن و تشنیع بھی کرتے رہتے ہیں۔''[ص:3]

ان سطور سے مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی اصلاحی بصیرت کا ایک نہایت اہم پہلو سامنے آتا ہے کہ عبادت و ریاضت محض ظاہری اعمال اور رسمی مشقتوں کا نام نہیں، بلکہ اخلاص، اعتدال اور دوام عمل سے عبارت ہے۔ امت کی حقیقی روحانی ترقی اسی وقت ممکن ہے جب عبادت جذباتی ہیجان یا وقتی جوش کی بجائے مستقل مزاجی، للّٰہیت اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے سانچے میں ڈھل جائے۔ اسی لیے مولانا نے ایک طرف عبادت سے غفلت اور سستی کو زوال امت کا سبب قرار دیا، تو دوسری طرف عبادت کے نام پر ریاکاری، خود نمائی اور غلو جیسے روحانی امراض کی بھی نشاندہی کی۔

دینی، فقہی اور اصلاحی جہت کا ایک اور نہایت جرات مندانہ اور چشم کشا پہلو مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے اس معرکہ آرا اداریے میں جلوہ گر ہوتا ہے جہاں انھوں نے دور حاضر کے سب سے ہولناک اخلاقی ناسور، یعنی عالمی اور ملکی سطح پر پھیلی ہوئی زناکاری، عریانیت اور فکری اباحیت پسندی پر اپنے قلم سے کاری ضرب لگائی ہے۔ اکتوبر 2015ء کے ''ماہنامہ اشرفیہ'' میں شائع ہونے والا مولانا کا یہ اداریہ ''اسلام، زناکاری اور عہد حاضر'' محض روایتی پند و نصائح کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ عصر حاضر کی مادہ پرست تہذیب، مغرب زدہ قوانین اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلائی جانے والی فحاشی کا ایک مقتدر اور ناقابل تردید سماجی و عمرانی پوسٹ مارٹم ہے۔ وہ منظر عام پر آنے والی زنا بالجبر (ریپ) کی رپورٹوں کے پس پردہ، معاشرے میں خاموشی سے سرائیت کر جانے والے ''زنا بالرضا'' کے خوفناک طوفان کا پردہ چاک کرتے ہوئے اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''آج ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بدکاری اور زناکاری کے تعلق سے جو رپورٹیں سامنے آرہی ہیں، یہ زنا بالجبر کے حوالے سے ہوتی ہیں، زنا بالرضا کی لاکھوں خبریں زناکاری میں مبتلا افراد کے ذہنوں میں دفن ہو جاتی ہیں، عام طور پر دنیا بھر کی موجودہ حکومتیں انھیں کوئی جرم ہی نہیں سمجھتیں، منظر عام پر آنے والی یہ رپورٹیں زمینی حقائق کے عشر عشیر بھی نہیں ہوتیں، اس کا بہت بڑا سبب مذاہب کا اختلاف بھی ہے، در اصل اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب عالم عام طور پر زنا بالرضا کو جرم ہی نہیں سمجھتے، یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں مردوں کی اپنی بیویوں کے علاوہ گرل فرینڈز بھی ہوتی ہیں جو زندگی کے مختلف مراحل میں ساتھ رہتی ہیں، یہ چیز نہ لڑکوں کے متعلقین میں معیوب ہوتی ہے اور نہ لڑکیوں کے متعلقین میں باعث ننگ و عار ہوتی ہے۔ زناکاری کا فعل قبیح پہلی ملاقات ہی میں شروع نہیں ہوتا بلکہ اس میں عورتوں کی عریانیت، فحاشی اور ان کے بدنوں کا نشیب و فراز بنیاد بنتا ہے اور دوسرا اہم سبب مردوں اور عورتوں کی بدنگاہی ہوتی

ہے۔ عہد حاضر میں زنا کاری کو انٹرنیٹ اور موبائلوں نے بھی بہت زیادہ فروغ دیا ہے، ذرائع ابلاغ نے نیکیوں کے فروغ میں برائے نام اور گناہوں کے فروغ میں بہت زیادہ کردار ادا کیا ہے اور یہ سلسلہ دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔ انٹرنیٹ اور سی ڈیز میں زنا کاری کرتے ہوئے باضابطہ دکھایا جارہا ہے۔ ان حرام اور بدترین حرکتوں سے نوجوانوں کی امنگوں میں ناقابل برداشت جوش و خروش پیدا ہوتا ہے،عام طور پر زنا کاری کا عمل گھر کے بند کمروں میں، یونیورسٹیز کے ہاسٹلوں میں ہوتا ہے،اسی طرح ہوٹلوں میں بڑے سکون سے یہ سارے کام ہوتے ہیں۔ یہ جرائم صرف آوارہ نوجوان ہی نہیں کرتے بلکہ بڑے بڑے نامور سادھو اور سیاسی لیڈران بھی انجام دیتے ہیں اور ناخدا ترس تاجروں اور بڑی کمپنیوں کے مالکوں کی تعداد تو بے حساب ہے۔"[ص:3]

مولانا کی فکری گہرائی اور معاشرتی نبض شناسی کا اصل کمال یہاں ظاہر ہوتا ہے، جہاں وہ اس اخلاقی بگاڑ کی جڑ یعنی انسانی سوچ، بدنگاہی اور مسلم معاشرے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں سرایت کرتے ہوئے مغربی کلچر پر سخت گرفت کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ زنا صرف ایک جسمانی فعل کا نام نہیں بلکہ ایک پوری فاسد سوچ، گرل فرینڈ کلچر اور مادر پدر آزاد طرزِ زندگی کا شاخسانہ ہے، جس نے اب مسلم معاشرے کے اعلیٰ عصری تعلیم یافتہ طبقے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ وہ اس تلخ ترین سچائی کا پردہ چاک کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"زنا کاری، بدنگاہی اور دست درازی کے واقعات میں اپنی سوچ کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ مسلم معاشرہ میں عام طور پر لوگ اس کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی دوست غیر محرم لڑکیاں ہوں، مگر شہروں کے اعلیٰ عصری تعلیم یافتہ حضرات میں اب یہ کوئی عیب کی بات نہیں رہ گئی۔ لڑکوں کی لڑکیاں دوست ہوتی ہیں اور لڑکیوں کے لڑکے دوست ہوتے ہیں، بلکہ اب تو باضابطہ دوران سفر بھی اپنی گرل فرینڈز کو ساتھ رکھتے ہیں، اس سلسلے میں کھلاڑیوں کا نام پیش کیا جا سکتا ہے، اس طرح اور بھی بہت سے افراد ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ اسلام کے جاں باز سپاہی مختلف ممالک میں خواتین سے متعلق مسلسل اصلاح و فلاح کے لیے شب و روز لگے ہوئے ہیں، اس سلسلے میں علما، مشائخ اور مبلغین اہل سنت کا بھی بہت اہم کردار ہے۔"[ص:3]

ان اقتباسات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کا قلم ملت کے اخلاقی زوال پر کس قدر بے چین تھا۔ انھوں نے نہ صرف مرض کی جڑ (بدنگاہی، عریانیت، میڈیا کا غلط استعمال) کی نشان دہی کی، بلکہ الحاد پسندی کے اس طوفان کے سامنے علما، مشائخ اور مبلغین اہل سنت کی شب و روز کی اصلاحی کوششوں کو امت کا اصل سرمایہ اور نجات کا واحد ذریعہ قرار دیا۔ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے اس اداریے کے آخری حصے میں محض مرض کا رونا رونے کے بجائے، اس بھیانک گناہ کے بھیانک دنیاوی و اخروی نتائج پر روشنی ڈالی ہے اور امت کو اس سے بچنے کا ایک مکمل عملی اور شرعی لائحۂ عمل فراہم کیا ہے۔ آپ نے زنا کے خاندانی و سماجی بائیکاٹ کے مابعد اثرات کو واضح کرتے ہوئے اور اس سے بچنے کے ان آٹھ اصولوں کو قرطاس کے سپرد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"زنا ایک بدترین جرم ہے، اس سے نہ صرف زنا کاری میں ملوث افراد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم ہوتے ہیں بلکہ رحمت مصطفیٰ ﷺ بھی ان سے روٹھ جاتی ہے، اس قسم کے لوگ جن خاندانوں سے ہوتے ہیں ان سے بھی لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں، ملکی اور سماجی طور پر بھی لوگ ان سے کنارہ کش رہنے لگتے ہیں، زنا اور اسباب زنا سے بچنے کی چند تدبیریں نوٹ کی جاتی ہیں: (1) زنا سے بچنے کے لیے نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ (2) عورتیں اجنبی مردوں سے نرم اور لچک دار گفتگو کرنے سے پرہیز کریں۔ (3) ہر ممکن حد تک غیر محرموں کی آواز اور ان کے زیور کی آواز سے دور رہیں۔ (4) عورتیں عریانیت سے سخت پرہیز کریں،

عورتوں پر شرعی طور پر لازم ہے کہ اپنے بدن کو چھپائیں، خاص طور پر وہ حصے جن میں جنسی کشش پائی جاتی ہے۔(5) میاں بیوی بھی ایسی حرکات و سکنات سے غیروں کے سامنے سخت پرہیز کریں جیسے بوس وکنار اور ہنسی مذاق وغیرہ۔(6) زناکاری پر مشتمل فلموں کے دیکھنے سے سخت اجتناب کریں، یوں توکسی بھی غیر شرعی فلم کا دیکھنا روانہیں مگر جنسی خرافات پر مشتمل انٹرنیٹ کی ویب سائٹوں اور سی ڈیز سے ہمیشہ کنارہ کش رہیں۔(7) اسی طرح وہ تمام چیزیں جن سے جنسی ہیجان پیدا ہو ان سے سخت اجتناب کریں۔(8) خواتین خوشبو کا استعمال ہرگز نہ کریں، کیوں کہ اس سے بھی شہوت ابھرتی ہے۔"[ص:7]

مولانا کا یہ حکیمانہ اور ناصحانہ انداز بیان یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کا قلم جہاں باطل نظریات کے سامنے ایک سخت حصار تھا، وہیں معاشرے کی اخلاقی گرانی پر وہ ایک مشفق مصلح کا روپ دھارلیتا ہے۔ انھوں نے ان آٹھ نکات کے ذریعے مسلم معاشرے کے ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مجرد ہو یا صاحب خانہ، سب کے لیے عفت و پاک دامنی کا وہ شرعی ضابطۂ اخلاق مرتب کر دیا ہے، جس پر عمل کر کے ہی ایک پاکیزہ، صالح اور فتنوں سے پاک اسلامی معاشرے کی تشکیل ممکن ہے۔

دینی وفقہی بصیرت کی اسی جہت کا ایک اور نمایاں نمونہ ستمبر 2016ء کے ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہونے والا اداریہ "عید قرباں اور عہدِ حاضر" ہے۔ جہاں قربانی کے روایتی تصور سے آگے بڑھ کر اس کے ہمہ گیر، معاشی اور کائناتی اسرار سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ تحریر جہاں ایک طرف اس ابدی سنت ابراہیمی کی تاریخی عظمت کو واضح کرتی ہے، وہیں دوسری طرف ناداروں کی کسمپرسی، مدارس اسلامیہ کے معاشی استحکام اور نظام قدرت کے ایک ایسے عظیم الشان تکوینی قانون کو سامنے لاتی ہے جو عقل انسانی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ اس ابدی عبادت کے تاریخی پس منظر، شرعی مفہوم اور اس کے آفاقی معانی کو قرطاس کے سپرد کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

"عید قرباں دنیا کے مسلمانوں کا ایک مذہبی تیوہار ہے جو عالم اسلام میں بڑی عقیدت و محبت سے منایا جاتا ہے، یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، انھوں نے اپنے عزیز ترین فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش فرمائی۔ یہ پروردگار کا فیضان تھا کہ اس نے اپنے محبوب بندے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو محفوظ فرمالیا، حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ ایک جنتی دنبہ حضرت اسماعیل کی جگہ رکھ دو۔ اپنے محبوب بندوں کی یہ ادائیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئیں اور اس طریقۂ قربانی کو ہم سب کے آقا و مولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کے لیے بحکم الٰہی باقی رکھا اور آج پوری دنیا کے مسلمان عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ قربانی کا مفہوم بڑا وسیع ہے، قربانی کے ایام میں قربانی سے زیادہ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، قربانی کا شرعی مفہوم تو فقط اتنا ہے کہ "مخصوص جانوروں کو مخصوص دن میں بہ نیت تقرب ذبح کرنا قربانی ہے"۔ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو اس امت کے لیے باقی رکھی گئی ہے اور نبی کریم کو قربانی کا حکم دیا گیا۔ ارشاد فرمایا: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَر"، تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔"[ص:3]

قربانی محض ایک رسم یا جانور ذبح کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے اندر ایک گہرا معاشی توازن اور عمرانی حسن رکھتی ہے۔ معاشرے کا وہ غریب اور سسکتا ہوا طبقہ جو ناداری کے سبب سال بھر گوشت خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور مسلسل اپنی خواہشات کی قربانی دیتا رہتا ہے، عیداضحی کے ان ایام میں وہ بھی اس نعمت سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی، مسلم معاشرے کے وجود اور بقا کے ضامن یعنی دینی مدارس، جن کا سارا انحصار عوام وخواص کے مخلصانہ تعاون پر ہوتا ہے، ان کے لیے ان قربانیوں کی کھالیں آمدنی کا ایک بہت بڑا اور پائیدار ذریعہ بنتی ہیں۔ اس عبادت کے سماجی فوائد اور افزائش نسل کے حیرت انگیز

کائناتی نظام کو لفظوں کا جامہ پہناتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

”قربانی اپنے اندر بڑے ہمہ گیر اور آفاقی معانی رکھتی ہے، اپنی جیب سے رقم خرچ کر کے جانور خریدنا یا خود عقیدت و محبت سے پرورش کرنا یہ بجائے خود بڑی عبادت ہے۔ مخصوص ایام میں نماز عید ادا کرنے کے بعد اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے ہی محبوب جانور کو قربان کرنا یہ جذبات محبت کی قربانی ہے۔ اس موقع پر ذرا آپ غور فرمائیں کہ دنیا میں کتنے افراد ہیں جو غربت و افلاس میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کی نگاہوں کے سامنے گوشت مسلمانوں کو فروخت ہوتا ہے، مگر وہ اپنی ناداری کی وجہ سے مسلسل اپنی خواہشات کی قربانی کرتے رہتے ہیں۔ قربانی کے ایام میں ان پریشان حالوں میں بھی بھرپور گوشت مل جاتا ہے۔ اس طرح آپ ذرا سنجیدگی سے دیکھیں کہ دینی مدارس جو عوام و خواص کے تعاون سے زندہ ہیں، قربانیوں کی کھالیں بھی ان کے لیے ایک بڑا ذریعۂ آمدنی ہیں۔ اس طرح ان قربانیوں کے بے شمار فوائد ہیں۔ یہ مسلمانوں میں ہی نہیں دیگر مذاہب میں بھی قربانی کا تصور ملتا ہے اور عملی طور پر ہم ان کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، اب رہی یہ بات کہ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ان کا طریقہ کار قوم کے لیے کتنا مفید اور کتنا مضر ہے؟ جن جانوروں کی قربانیاں ہوتی ہیں، فضل الٰہی سے ان میں مسلسل کثیر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جن جانوروں کی قربانیاں جائز نہیں ہیں، ان کی بھیڑ آپ کو شاذ و نادر ہی نظر آسکتی ہے۔ یہ ایک مستقل نظام قدرت ہے، جس پر انسانوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔“[ص:3]

اداریے کا یہ حصہ مادہ پرست عقل اور معاشی ماہرین کے منہ پر ایک زور دار طمانچہ ہے؛ جن حلال جانوروں کو ہر سال کروڑوں کی تعداد میں ذبح کیا جاتا ہے، قدرت کا ایسا عجیب نظام ہے کہ ان کی تعداد اور نسل میں دن بہ دن کثیر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، جب کہ اس کے برعکس جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں (جیسے کتے، بلی یا درندے وغیرہ) اور جنھیں کوئی ذبح بھی نہیں کرتا، ان کی نسل میں وہ برکت اور کثرت شاذ و نادر ہی دکھائی دیتی ہے۔

ملّی، سیاسی اور عالمی چیلنجوں کی جہت:

دینی، فقہی اور اصلاحی موضوعات کے ساتھ ساتھ مولانا مصباحی علیہ الرحمہ کی فکر کا ایک نہایت اہم اور نمایاں رخ ملت اسلامیہ کو درپیش ملّی، سیاسی اور عالمی مسائل کا گہرا شعور بھی ہے۔ آپ کے اداریوں میں جہاں ایک طرف دینی احکام کی حکمتیں اور اصلاح باطن کا درس ملتا ہے، وہیں دوسری طرف مسلمانوں کے اجتماعی مستقبل، قومی حالات اور بین الاقوامی چیلنجوں کا نہایت بصیرت افروز تجزیہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ چناں چہ ان کے فکر و قلم کی اس جہت کا مطالعہ بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

اس ملّی و سیاسی جہت کا ایک نہایت حساس، بے باک اور چشم کشا رخ مئی 2015ء کے ”ماہنامہ اشرفیہ“ میں شائع ہونے والا مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے معرکہ آرا اداریے ”ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف زہر آلود سیلاب“ میں جلوہ گر ہوتا ہے، اس اداریے میں ہندوستان کے بدلتے ہوئے سیاسی منظر نامے، مسلم نوجوانوں کی قید و بند، میڈیا کے متعصبانہ رویے اور مسلمانوں کے جمہوری حقوق پر ہونے والے حملوں کا نہایت سنجیدہ اور تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تحریر محض ایک سیاسی تبصرہ نہیں ہے، بلکہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش سیاسی، سماجی اور آئینی مسائل کا ایک درد انگیز دستاویزی بیان ہے، جس میں معاصر حالات کی بازگشت بھی پوری شدت کے ساتھ سنائی دیتی ہے۔ وہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کے ضیاع، ملک کی تقسیم کے مابعد اثرات اور مسلم نوجوانوں کی مظلومیت کا پردہ چاک کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ہندوستان کی آزادی اور تقسیم در تقسیم کو ایک طویل عرصہ گزر رہا ہے مگر مسلمانوں کو ان کی جد و جہد اور جنگ آزادی کا وہ فائدہ نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ پہلے مرحلے میں ہندوستان سے پاکستان بنا اور اس کے بعد پاکستان سے کٹ کر بنگلہ دیش بنا، جب کہ

جو مسلمان ہندوستان کے طول وعرض میں رہ گئے ان کی تعداد اور طاقت بھی بہت اہم تھی، ہندوستانی مسلمانوں کو مختلف جہات سے کثیر نقصانات پہنچائے گئے اور یہ سلسلہ دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔ ہندو مسلم فسادات کے قیامت خیز سفر کی داستان بہت کڑوی ہے ہم سر دست اس سے گریز کرتے ہیں، اس وقت ہمارے سامنے چند اہم مسائل ہیں جو بالکل تازہ ہیں۔ ملک کے مختلف گوشوں میں مسلم نوجوانوں کو جیلوں میں ڈالا گیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ان میں اکثر سادہ لوح اور صاف ستھرے نوجوان ہیں۔ مقام افسوس یہ ہے کہ ان کا موقع بہ موقع انکاؤنٹر بھی کیا جارہا ہے۔ ہندوستان میں جب بھی کوئی دہشت گردی کا معاملہ سامنے آتا ہے تو میڈیا کی نظر صرف مسلمانوں کی جانب اٹھتی ہے، جب کہ اب تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے پیچھے بھی ہندو دہشت گرد ہوتے ہیں۔" [ص:3]

میڈیا اور تحقیقاتی اداروں کے اس متعصبانہ رویے کے بعد، اس اداریے کا سب سے اہم اور جرات مندانہ حصہ وہ ہے جہاں مودی حکومت کے دور اقتدار میں مسلمانوں کے سب سے بڑے جمہوری ہتھیار، یعنی "حق رائے دہی" پر ہونے والے حملے کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ شیوسینا کے اخبار "سامنا" میں سنجے راوت کی طرف سے مسلمانوں سے ووٹ کا حق چھیننے کی آئین شکن وکالت پر سخت آئینی وسیاسی گرفت کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

"مودی حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کو طرح طرح کی زیادتیوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے، چند روز قبل شیوسینا کے "سامنا" اخبار میں شیوسینا کے ممبر پارلیمنٹ سنجے راوت نے ہندوستان کے مسلمانوں سے ان کی رائے دہندگی کے حق کو چھیننے کی وکالت کی ہے ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں ووٹ ڈالنے کا حق ختم کر دینا چاہیے۔ مقام افسوس ہے کہ سنجے راوت نے اس آئین کی خلاف ورزی کی ہے جس کا حلف لے کر وہ پارلیمنٹ کے رکن بنے ہیں۔ اس وقت مرکز میں بی جے پی برسر اقتدار ہے، اسی طرح مہاراشٹر حکومت میں بھی ان کی برابر کی حصے داری ہے۔ اگر واقعی یہ حکومتیں چاہتی ہیں کہ مسلمانوں سے ان کے ووٹ دینے کا حق چھین لیا جائے تو کوئی ایسا قانون پاس کریں، مگر وہ دن موجودہ حکومت ہند کے لیے انتہائی خطرناک ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ جو کہا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد 20 کروڑ ہے، یہ قدیم سروے ہے، اگر حق و دیانت کے ساتھ سروے کیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد میں کروڑوں کا اضافہ ہوگا۔" [ص:3]

اس اقتباس سے مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی ملّی بصیرت، سیاسی شعور اور آئینی حساسیت کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ہے۔ انھوں نے اس بیان کو محض ایک سیاسی رہنما کی انفرادی رائے سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اسے اس ذہنیت کی علامت قرار دیا جو ہندوستانی مسلمانوں کے بنیادی جمہوری حقوق کو محدود کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ یہ واضح کیا کہ حقِ رائے دہی جیسے آئینی حق پر کسی بھی قسم کی دست درازی نہ صرف جمہوری اقدار کے منافی ہے بلکہ ملک کے دستور اور اس کی تکثیری شناخت کے لیے بھی ایک سنگین چیلنج ہے۔

اسی ملّی و سیاسی جہت کا ایک اور نہایت حساس، جرات مندانہ اور دستاویزی رخ "ماہنامہ اشرفیہ" کے جنوری 2015ء کے شمارے میں شائع ہونے والے اس معرکہ آرا اداریے کی تمہید میں جلوہ گر ہوتا ہے، جس کا عنوان "آگرہ میں غریب مسلمانوں کا مذہب تبدیل کرانے کا حادثہ" ہے۔ یہ تحریر محض ایک وقتی حادثے کی روداد نہیں، بلکہ یہ ہندوستان کے جمہوری و آئینی حقوق، لو جہاد کے نام پر رچی جانے والی فاشسٹ سازشوں، شدھی کرن کے لیے کارفرما کارپوریٹ و مالیاتی جال، اور مسلمانوں کو ووٹ بینک کے طور پر استعمال کرنے والے نام نہاد سیکولر لیڈروں کی منافقت کا ایک مقتدر تاریخی منشور ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی ملک کے جمہوری توازن، لو جہاد کے ناٹک کے پیچھے چھپی سنگھ پریوار کی رسوائی، اور مسلمانوں کے ارتداد کے لیے باضابطہ فنڈنگ اور چندہ مہم کے ہولناک حقائق کو طشت ازبام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اس کے جمہوری نظام میں ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کے مطابق رہنے سہنے اور زندگی گزارنے کا حق ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ہر دور کے ہندوستان میں اسی پر عمل بھی رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا ہر مذہب والے کو حق ہے۔ اگر کوئی فرد اپنے اطمینان قلب کے بعد کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرتا ہے تو یہ قانونی طور پر کوئی جرم نہیں مگر افسوس کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں لو جہاد کا ناٹک رچایا گیا اور مسلم نوجوانوں کو بدنام کرنے کی سازش کی گئی کہ یہ لوگ غیر مسلم لڑکیوں کو فریب دے کر محبت کرتے ہیں اور پھر انھیں جبراً مسلمان کر لیتے ہیں، حالاں کہ اب یہ بات پورے طور پر بے نقاب ہو چکی ہے کہ اس کے پیچھے آر ایس ایس وغیرہ ہندو تنظیموں کی منظم سازش ہیں، اب تک ایسا کوئی معاملہ سامنے نہیں آیا، بلکہ ضلع میرٹھ کی تحصیل کھرکھودا کے ایک گاؤں سراواں میں ایک غیر مسلم لڑکی کی محبت کا معاملہ سامنے آیا تو اس نے آر ایس ایس وغیرہ کی مکمل پول کھول دی اور ہندو تنظیمیں سر عام رسوا اور ذلیل ہو گئیں اور اب یہ ہندو سازشیں سامنے آ رہی ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانے کا ایک جال پھیلایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو ہندو بنانے پر پانچ لاکھ روپے اور ایک عیسائی کو ہندو بنانے پر دو لاکھ روپے خرچ ہوں، اس کے لیے باضابطہ ہندوؤں میں چندوں کی اپیل بھی ہو رہی ہے، یہ صرف مذہبی طور پر ہی غلط نہیں بلکہ اس ملک کے جمہوری نظام کے بھی خلاف ہے۔ اس کی مختلف جہتوں سے مذمت ہونی چاہیے بلکہ ہندوستانی قانون کے مطابق ان کو سخت سزائیں بھی ملنا چاہیے۔“[ص:3]

اداریے کی اس تمہید کا دوسرا بیباکانہ اور سیاسی رخ اتر پردیش کی اس وقت کی حکمراں جماعت ”سماج وادی پارٹی“ اور اس کے سربراہ ”ملائم سنگھ یادو“ کی مسلم مخالف پالیسیوں اور فکری تبدیلی پر سخت ترین گرفت کرتا ہے۔ وہ مسلمان ووٹروں کی مظلومیت اور مسیحا کے روپ میں چھپے سیاسی شعبدہ بازوں کے بدلے ہوئے تیوروں کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آگرہ کی خبر منظر عام پر آنے کے بعد ملک اور بیرون ملک اس کی سخت مذمت کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو امید تھی کہ سماج وادی پارٹی ان کی حمایت کرے گی مگر افسوس اس نے بھی اپنا رویہ بدل دیا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ابھی چند دن قبل ملائم سنگھ یادو نے ایک تقریب کے دوران پردے کے خلاف بہت سخت جملے کہے تھے اور پردہ کرنے والی خواتین کو جیل تک میں ڈال دینے کی وکالت کی تھی۔ مظفر نگر کے فسادات کے دوران بھی جو لچر اور ڈھیلا ڈھالا رویہ ملائم سنگھ نے اپنایا تھا وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ یہ واقعات ایسے ہیں جو ملائم سنگھ اور ان کی سماج وادی پارٹی کی پالیسیوں میں تبدیلیوں کا واضح اشارہ دیتے ہیں۔ ورنہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ملائم سنگھ کو ان کی مسلم نواز پالیسیوں کی وجہ سے ان کے مخالفین ”مولانا ملائم سنگھ“ کہتے تھے۔ کسی وقت یوپی کے مسلم کسی مسلم قائد پر بھروسا کرنے کے بجائے ملائم سنگھ پر زیادہ اعتبار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ 2012ء کے اسمبلی انتخابات میں جب ان کو زبردست کامیابی ملی تو ان کی سب سے بڑی مخالف ”مایاوتی“ نے کہا کہ یوپی کے 70 فیصد مسلمانوں نے ملائم سنگھ کو ووٹ دیے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے اس قدر بڑی تعداد میں ووٹ دے کر ملائم سنگھ کی قیادت میں اعتماد جتائے جانے کے باوجود ملائم سنگھ نے اپنا رویہ بدل لیا ہے اور یوپی کے مسلمان سوچ رہے ہیں کہ آخر ایک مسیحا ہی ان کو زخم لگانے کے لیے کیوں نکل پڑا ہے؟“۔[ص:3]

سیاسی فریب کاری کے اس پس منظر کو واضح کرنے کے بعد، اداریے کا رخ سیدھا آگرہ کے ان غریب اور بی پی ایل (BPL) کارڈ ہولڈر مسلمانوں کے المیے کی طرف مڑتا ہے جن کی غربت اور لاچاری کا فائدہ اٹھا کر انھیں ارتداد کے اندھیرے میں دھکیلنے کی ناپاک کوشش کی گئی، مگر حق کی روشنی نے بالآخر انھیں دوبارہ اسلام کی آغوش میں لا کھڑا کیا۔ وہ اس زمینی حقیقت کو المیہ بنا کر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سر دست ہمارا رخ آگرہ کے ساتھ سے زیادہ مسلم خاندانوں کو جبراً ہندو بنانے سے متعلق ہے۔ در اصل ہوا یہ کہ بی پی ایل کارڈ بنوانے اور دیگر سہولیات کا لالچ دے کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ جب اس حادثے کی خبریں میڈیا میں آئیں اور دنیا کے ہر طبقے کے منصف مزاج افراد نے اس کی مذمت کی تو ان مسلمانوں کو ہوش آیا اور احساس ہوا کہ ہم نے معمولی سے دنیاوی مفاد کے لیے پوجا پاٹ کر کے انتہائی بدترین جرم کیا ہے۔ اب وہ لوگ کھلے دل سے اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔" [ص:3]

مولانا کی یہ گراں قدر ادارتی تمہید یہ ثابت کرتی ہے کہ ان کا قلم ملت اسلامیہ کے لیے صرف ایک فکری حصار ہی نہیں تھا، بلکہ وہ مسلم اقلیت کی معاشی کس مپرسی اور سیاسی یتیمی پر خون کے آنسو بہانے والا ایک حساس اور بیدار مغز ترجمان تھا۔ انھوں نے غریب مسلمانوں کو دنیاوی لالچ کے ذریعے مرتد بنانے کی اس ناپاک سنگھی سازش کے سیاسی تانے بانے اور میڈیا ہائپ کو اس اداریے میں پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے۔

اسی ملّی اور عالمی جہت کا ایک اور انتہائی اہم، جرات مندانہ اور حقیقت پسندانہ رخ "ماہنامہ اشرفیہ" کے اس معرکہ آرا اداریے کی تمہید میں سامنے آتا ہے، جس کا عنوان "موجودہ دہشت گردی اور اسلامی تقاضے" (فروری 2016ء) ہے۔ یہ تحریر محض دہشت گردی کی روایتی مذمت نہیں، بلکہ یہ جدید دور کی دہشت گردی کے عالمی جغرافیے، نام نہاد جہادی تنظیموں کے فکری و نظریاتی پس منظر اور اس کے پیچھے کارفرما خفیہ عالمی سرمایہ کاری کا ایک بے خوف اور محققانہ پوسٹ مارٹم ہے۔ جدید دہشت گردی کے عالمی پھیلاو، اس کے غیر مذہبی کردار اور اسلام میں خود کش حملوں کی قطعی ممانعت کو واضح کرتے ہوئے مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"ہر دور میں جہالت و سفاکیت اور ظلم و دہشت گردی کے الم ناک واقعات رونما ہوتے رہے ہیں مگر افسوس بیس پچیس برس سے جدید دور کی جدید دہشت گردی شروع ہوئی ہے۔ اس وقت دنیا کے بیش تر ممالک میں حیرت انگیز احوال و کوائف کا سامنا ہے۔ افغانستان، عراق، شام، یمن، سوڈان، صومالیہ، لیبیا، انڈونیشیا، پاکستان، افریقہ، فلسطین، امریکہ، برطانیہ اور ہندوستان وغیرہ ممالک میں عجیب و غریب صورت حال ہے۔ عام طور پر حساس سیاسی مسائل پیدا کر دیے ہیں، کب کہاں کیا ہو جائے؟ قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، دہشت گرد کون لوگ ہیں؟ اس کا تعلق نہ کسی خاص قوم و مذہب سے ہے اور نہ کسی خاص ذات اور ملک سے، جرائم کے اس بہتے دریا میں یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ اور مسلمان وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ عالمی سطح پر اس کا نشانہ نوے فیصد سے زیادہ مسلمان ہی بنتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے اسباب کیا ہیں؟ ان دہشت گردوں کو تیار کون کرتا ہے؟ ان کی سوچوں میں قتل و غارت گری، تباہ کاری اور خود کشی کے جذبات کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟ دہشت گردی اور خودکشی وغیرہ نہ اسلام میں پہلے کبھی جائز تھا اور نہ آج جائز ہے۔ پھر دوسروں کو مارنے کے لیے اپنے جسموں پر بم باندھنا اور خود کو موت کے گھاٹ اتار کر دوسروں کو قتل کرنا، جہاد کہاں سے ہو گیا؟"۔ [ص:3]

اداریے کا دوسرا اور سب سے زیادہ چشم کشا رخ وہ ہے جہاں ان نام نہاد جہادی تنظیموں (طالبان، القاعدہ، لشکر طیبہ، داعش وغیرہ) کے باطل عقائد کو بے نقاب کیا گیا ہے، جن کی بربریت کا سب سے پہلا نشانہ خود مسلم لٹریچر اور بزرگان دین کے مزارات بنے۔ وہ حرمین طیبین کے مقابر مقدسہ کی تباہی پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان تمام تحریکوں پر آپ تجزیاتی نظر ڈالیں اور ان کے افکار و معمولات کا گہرائی سے جائزہ لیں، تو آپ کو اندازہ ہو گا، ان میں ایک بھی سچا سنی اور صوفی مسلمان نہیں۔ عام طور پر ان کے حملوں کا نشانہ مسلمان بنتے ہیں، بزرگان دین کے مزارات بنتے

ہیں، اسلام کے تاریخی آثار بنتے ہیں۔ آپ دور مت جائیے، حرمین طیبین کو دیکھ لیجیے، وہاں جس بری طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے، ان کی یادگاروں کو نیست ونابود کیا ہے، انھیں دیکھ کر ایک بندۂ مومن آج بھی خون کے آنسو روتا ہے۔ ان کے مشہور قبرستانوں، جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کو جس بے دردی کے ساتھ تباہ کیا گیا ہے، قیامت خیز حادثات سے مسلمانوں کے دل دہل جاتے ہیں، والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس قبروں کو بھی شہید کر دیا گیا۔ دنیا میں جہاں جہاں انبیائے کرام، صحابۂ عظام اور اولیاے ذوی الاحترام کے مزارات ہیں، ان کی بے حرمتی کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور ان باطل نظریات کو عملی میدانوں میں اتارنے کے لیے آج بھی مسلسل مصروف عمل ہیں۔[ص:3]

اداریے کے ایک حصے میں عالمی سیاست کے اس بھیانک تضاد اور منافقت پر انگلی اٹھائی گئی ہے کہ جو طاقتیں زبانی طور پر دہشت گردی کی مذمت کرتی ہیں، وہی پس پردہ ان تنظیموں کو جدید ترین اسلحہ اور کثیر سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ وہ اس عالمی سازش پر سوال اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان دہشت گردوں کے پاس اتنا کثیر سرمایہ اور جدید ترین وافر اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ یہ دہشت گرد خود ہی اسلحہ تیار کریں اور خود ہی ان کا استعمال کریں۔ ان کے پیچھے یقیناً کچھ ممالک ہیں جن کے تعاون سے یہ دہشت گرد اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر سب کچھ کرنے اور کرانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ بظاہر یہ بھی سچ ہے کہ دنیا کے چند ممالک زبانی طور پر ان کی مذمت بھی کرتے ہیں، مگر یہ دہشت گرد تنظیمیں نام بدل بدل کر دنیا میں پھیلتی جارہی ہیں اور دن بہ دن ان میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ فکری مغلوبیت کے ساتھ یہ اسباب جنگ ان کے پاس کہاں سے آرہے ہیں؟“۔[ص:3]

اس مقتدر اداراتی تحریر سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کا قلم عالمی سیاست اور ملّی مسائل پر کتنی گہری اور دور رس نظر رکھتا تھا۔ انھوں نے نہ صرف یہ ثابت کیا کہ ان دہشت گرد تنظیموں کا صوفیانہ وسنی اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ عالمی برادری کے سامنے یہ چبھتا ہوا سوال بھی رکھ دیا کہ اگر دنیا واقعی دہشت گردی کا خاتمہ چاہتی ہے، تو ان تنظیموں تک پہنچنے والے جدید ترین اسلحے اور غیر ملکی سرمائے کی سپلائی لائن آج تک بند کیوں نہیں کی جا سکی؟

اصلاح معاشرہ اور اخلاقی و سماجی مسائل کی مصلحانہ جہت:

ملّی، سیاسی اور عالمی مسائل پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ مولانا مصباحی علیہ الرحمہ کی فکر کا ایک اہم میدان معاشرے کی داخلی اصلاح بھی تھا۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ بیرونی چیلنجوں کا مقابلہ اسی وقت ممکن ہے جب قوم اپنے اخلاقی اور سماجی امراض کا بھی مداوا کرے۔ چناں چہ ان کے اداریوں کا ایک نمایاں حصہ معاشرے کی ان خرابیوں کی نشان دہی اور اصلاح کے لیے وقف نظر آتا ہے جو فرد اور قوم دونوں کی تباہی کا سبب بنتی ہیں۔

اسی اصلاح معاشرہ اور سماجی مسائل کی جہت کے تحت ”ماہنامہ اشرفیہ“ کے مئی 2016ء کے شمارے میں شائع ہونے والے اداریے ”شراب کی لعنت اور اس کے مہلک اثرات“ پر تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔ یہ تحریر بہار میں ہونے والی دیسی و انگریزی شراب بندی کے سیاسی پس منظر، خواتین کی بیداری، اور شراب نوشی کے نتیجے میں جنم لینے والے گھریلو، معاشی اور فرقہ وارانہ فتنے کا ایک مقتدر عمرانی و سماجی پوسٹ مارٹم ہے۔ بہار کے پٹنہ میں منعقدہ پروگرام میں ایک خاتون کی احتجاجی آواز، وزیر اعلیٰ نتیش کمار کے تاریخی انتخابی وعدے اور اپریل 2016ء میں شراب پر مکمل پابندی کے نفاذ کی دستاویزی تاریخ کو قرطاس کے سپرد کرتے ہوئے مولانا رقم طراز ہیں:

”مقام مسرت ہے کہ بہار حکومت کے موجودہ وزیر اعلیٰ

نتیش کمار نے اپنے انتخابی وعدے ”شراب پر پابندی“ کو عملی جامہ پہنا دیا، یکم اپریل 2016ء کو پہلے دیسی شراب پر پابندی عائد کی اور اس کے بعد 5 اپریل کو انگریزی شراب پر بھی پابندی عائد کر دی۔ در اصل جولائی 2015ء کو پٹنہ میں منعقدہ ”گرام وار تا پروگرام“ میں نتیش کمار تقریر کر کے بیٹھے کہ ایک خاتون نے آواز بلند کی ”وزیر اعلیٰ صاحب شراب بند کرائیے، ہمارا گھر برباد ہو رہا ہے“ اس کے بعد مزید چند عورتیں اس خاتون کی آواز میں آواز ملا کر کہنے لگیں ”ہمارا مطالبہ بھی یہی ہے، جتنی جلد ہو سکے آپ شراب بند کرائیں“۔ ان آوازوں کو سن کر جناب وزیر اعلیٰ اٹھے اور بر وقت یہ کہہ گئے کہ اگر اس الیکشن میں وزارت اعلیٰ کی کرسی مل گئی تو میں شراب ضرور بند کرا دوں گا۔...وزارت اعلیٰ کی کرسی پر بیٹھ کر جناب نتیش کمار نے شراب بندی کے مدعا کو اپنے سات فیصلوں میں شامل کیا، اور حکومت کی تشکیل کے بعد یکم اپریل سے 5 اپریل 2016ء تک شراب پر مکمل پابندی کا اعلان کر دیا۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ نشہ کرنے کے لیے جو رقم خرچ ہوتی ہے وہ اب تعلیم و تربیت اور مقوی غذاؤں پر خرچ ہو۔ ان حالات سے خواتین میں خوش حالی آئے گی اور خاندانی ترقی میں تیزی آئے گی۔“[ملخصًا، ص:3]

اس معاشی رخ کو واضح کرنے کے بعد، اس اداریے کا سب سے زیادہ بصیرت افروز حصہ وہ ہے جہاں ان مادہ پرست معاشی ماہرین کا محاسبہ کیا گیا ہے جو شراب سے ہونے والی سرکاری آمدنی کا رونا روتے ہیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی شراب نوشی کے طبی اخراجات اور اس کی وجہ سے اچانک بھڑک اٹھنے والے مصنوعی ”ہندو مسلم فسادات“ کی ہولناک سماجی سچائی کو بے نقاب کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

”یہ بھی ایک سچائی ہے کہ شراب پر پابندی سے ظاہری طور پر تو خسارہ ہے، گزشتہ برس بہار کو شراب فروختگی سے 3300 کروڑ کی آمدنی ہوئی مگر یہ خسارہ واقعی خسارہ نہیں ہے، اس آمدنی سے کئی گنا زیادہ رقمیں اسی سے متعلق دیگر صیغوں پر خرچ ہو جاتی ہیں۔ شراب نوشی سے پیدا ہونے والی بیماریوں پر لمبے اخراجات ہوتے ہیں، اس کے باوجود بھی صحت و عافیت یقینی نہیں ہوتی، اسی طرح شراب نوشی فتنہ و فساد کا سبب بھی بنتی ہے۔ ایک شراب خانے میں ایک ہندو اور ایک مسلمان گئے، دونوں نے خوب شراب پی اور باہم جھگڑنے لگے۔ ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے، بات آگے بڑھی اور شہر کے مختلف علاقوں میں غلط پیغام یہ چلا جاتا ہے کہ بازار میں ہندو مسلم فساد ہو گیا اور پھر شہر میں ہندو مسلم فساد واقعی شروع ہو جاتا ہے، اس سے نہ صرف جانی نقصان ہوتا ہے بلکہ لاکھوں لاکھ کا مالی نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زنا کاری، بدکاری، قتل وغارت گری، چوری، ڈاکہ زنی، سیاسی اور سماجی برائیاں پھیلنے لگتی ہیں۔ اسی طرح شراب نوشی سے پاگل ہو کر فصلوں اور آشیانوں میں آگ لگا دینا، بیویوں کو طلاق دے دینا، غیر محرم لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ وغیرہ تباہ کاری کے ہزار راستے ہیں۔“[ص:3]

اس فکری تجزیے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی معاشرتی مسائل کو محض اخلاقی یا مذہبی زاویے سے نہیں دیکھتے تھے، بلکہ ان کے سماجی، معاشی اور سیاسی اثرات کا بھی گہرا ادراک رکھتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے شراب نوشی کو صرف ایک انفرادی گناہ قرار دینے کے بجائے اسے خاندانی انتشار، معاشی نقصان، جرائم کے فروغ اور سماجی بدامنی کے ایک ہمہ گیر سبب کے طور پر پیش کیا۔

نیز اکتوبر 2018ء کے ”ماہنامہ اشرفیہ“ میں شائع ہونے والا مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا معرکہ آرا اداریہ ”ہم جنس پرستی جائز یا ناجائز؟ ایک تجزیاتی مطالعہ“ بھی معاشرتی اور اخلاقی انحرافات کے خلاف ان کے مصلحانہ قلم کا ایک اہم نمونہ ہے۔ یہ تحریر دور حاضر کے لبرل فلسفوں اور اباحیت پسندی کے طوفان کے سامنے اسلام کے خاندانی توازن اور پاکیزہ معاشرتی نظام کا ایک ناقابل تسخیر علمی حصار ہے۔ اس میں اس قبیح فعل کی تاریخی جڑوں، ابلیسی محرکات، انسانی جبلت کے بگاڑ اور قرآنی

نصوص کی روشنی میں اس کے مجرمانہ انجام کا نہایت باریک بینی سے احاطہ کیا گیا ہے۔ اس لعنت کے چار ہزار سالہ تاریخی پس منظر، حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت، اور سدوم کی بستیوں کے جغرافیائی وسماجی احوال کو قرطاس کے سپرد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”اس وقت ہم بات کریں گے ہم جنس پرستی کے جواز اور عدم جواز کے حوالے سے۔ اس لعنت کا آغاز قرآن عظیم کی روشنی میں چار ہزار برس پہلے ہوا تھا۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے (راجح قول) حضرت لوط علیہ السلام ”بابل“ عراق کے مشہور شہر میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ تین افراد کا قافلہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت لوط علیہ السلام روانہ ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ فلسطین میں اتر گئے اور حضرت لوط علیہ السلام ملک شام کے شہر حمص کے پاس ایک بستی اردن میں مقیم ہوئے۔ آپ وہاں کی چار یا پانچ بستیوں کے نبی تھے، ان میں قریب ایک لاکھ جوان تھے، عورتیں بچے ان کے علاوہ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بحیثیت پیغمبر شہر سدوم میں قیام فرمایا، آپ بیس برس تک اپنے حلقۂ نبوت میں خدا کے پیغام کو پہنچاتے رہے اور گمراہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ان آبادیوں کے بد نصیب افراد انتہائی افسوس ناک گناہوں میں مبتلا رہتے تھے، جیسے ڈکیتی، راہزنی، غریبوں پر ظلم وستم اور باہمی مجلسوں میں بد اخلاقی اور بدتمیزیاں۔“[ص:3]

قوم لوط کی ان سرسبز بستیوں میں بیرونی مسافروں اور سیاحوں کی کثرت کے بعد، اس جرم قبیح کی ایجاد کے پیچھے کارفرما ابلیسی سازش اور انسانی فطرت کے مسخ ہونے کے ہولناک نتائج کا پردہ چاک کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

”قوم لوط کی آبادیاں بہت سرسبز و شاداب تھیں، غلے اور میوے خوب پیدا ہوتے تھے، دلکش نہریں تھیں اور دل و دماغ کو خوش کرنے والی ہوائیں اور فضائیں رہتی تھیں۔ دیگر آبادیاں ان نعمتوں سے محروم تھیں، اس لیے بہت زیادہ لوگ یہاں سیر وتفریح کے لیے آتے تھے اور باغوں سے چوری وغیرہ کر کے طرح طرح سے پریشان کرتے تھے۔ یہ لوگ ان مہمانوں کی کثرت سے تنگ ہو گئے تھے۔ ایک دن شیطان لعین بوڑھے انسان کی شکل میں آیا اور اس نے اپنے مصنوعی بزرگانہ انداز سے ایک سازشی ترکیب بتائی کہ جب مہمان آئیں تو آپ لوگ ان سے اغلام بازی کریں۔ تاریخ انسانی میں یہ پہلا واقعہ ہے اس سے پہلے دنیا میں اغلام بازی کا کوئی تصور نہیں تھا جیسا کہ قرآن عظیم میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ قوم لوط کو یہ منصوبہ پسند آیا، اس کے بعد شیطان ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں آیا اور اس نے بھی وہاں چوری سے باغوں سے پھل توڑنے شروع کر دیے۔ اب جب اسے پکڑ لیا تو اس نے بوڑھے شخص کی بتائی ہوئی ترکیب دوہرائی، یہ سن کر قوم لوط کے افراد نے اس سے خوب اغلام بازی کی، اور پھر وہاں کے افراد آہستہ آہستہ اس کے عادی ہو گئے اور مہمانوں کے ساتھ بھی یہی بیہودہ سلوک کرنے لگے۔ یہ انسانی فطرت ہے جو لوگ مردوں کے ساتھ اغلام بازی کرتے ہیں وہ عورتوں کے لائق نہیں رہ جاتے، اب عورتوں نے بھی آپس میں بدکاریاں کرنا شروع کر دیں، اس طرح خواتین بھی باہم رنگ رلیاں کرنے لگیں، تاریخ وتفسیر میں ہے کہ جانوروں میں اس حادثۂ فاحشہ کے بعد خنزیر نے بھی یہ عمل شروع کیا، اس عمل کو لواطت کہا جاتا ہے، یہ لفظ لوط سے نہیں بلکہ ”لوطی“ سے بنا ہے۔ شرعی طور پر اغلام بازی حرام قطعی ہے، اس کا منکر کافر ہے۔“[ص:3]

اس ابلیسی جرم کی شرعی حیثیت اور اس کی حرمتِ قطعی کو واضح کرنے کے بعد، اداریے کا رخ براہِ راست قرآنِ حکیم کے ان مقتدر اور ابدی نصوص کی طرف مڑتا ہے جو مجرمین کے عبرت ناک انجام اور عذابِ الٰہی کی گواہی دیتے ہیں۔ مولانا سورۂ اعراف اور سورۂ ہود کی آیاتِ مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے اس مسئلے کی قرآنی بنیادوں کو اجاگر کرتے ہیں، اس تاریخی اور قرآنی پس منظر کے بعد

اداریے کا آخری حصہ اس الحاد پسند وبا کے ان مہلک اور ہولناک نتائج کو سامنے لاتا ہے جو انسانی معاشرے، صحت اور بقائے نسل انسانی کے لیے ایک مستقل خطرہ بن چکے ہیں۔ چناں چہ مولانا نے اس مادہ پرست تہذیب کے پیدا کردہ بنیادی مفاسد اور نقصانات کو نہایت دردمندی اور بے باکی کے ساتھ قلم بند فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”اب ہم ذیل میں اس حرام کاری کے چند واضح نقصانات بیان کرتے ہیں:

(1) ہم جنس پرستی مذہبی طور پر انتہائی شدید جرم ہے، عام طور پر اس کی سزا قتل ہے اور عورتوں کے باہمی جنسی روابط بھی بڑا اور بہت بڑا جرم ہے۔ پہلے تو یہ بات تھی کہ عورتیں باہم دخول سے عاری تھیں، مگر عہدِ حاضر میں تو اس کے لیے مصنوعی عضوِ تناسل بنا لیا گیا ہے اور عورتیں خود یا اپنی ہم جنس پرست خاتون سے وہ سب کچھ کراتی ہیں جس سے ان کی جنسی تسکین پوری ہو جاتی ہے۔

(2) ہم جنس پرست افراد سماج میں بھی انتہائی مجرم نظر آتے ہیں۔ یہ افراد مرد ہوں یا خواتین جس گھر میں بھی ہوں گے ان کے اہل خانہ کو کتنی شرم و حیا رہے گی، ہم یہاں اپنی اسلامی فکر کی بنیاد پر لکھ رہے ہیں، اسی طرح اس میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہیں جو اسے فتح سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے ہم جنس پرست سماجوں میں اس کی شرم و حیا بھی ختم ہو گئی ہو، بہر حال یہ انتہائی بڑا جرم ہے اور شیطان یہ سب کام کرا کے خوب بغلیں بجا رہا ہو گا۔

(3) آپ یہ تو بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ شہوت نسل بڑھانے کے لیے عطا فرمائی ہے، جب کہ ہم جنس پرستی میں وہ چیز ہی مفقود ہو جاتی ہے نہ مرد مرد سے بچہ جن سکتا ہے اور نہ عورت عورت سے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ دنیا کی تباہی کا یہ بھی ایک راستہ ہو اور قربِ قیامت کی یہ بھی ایک علامت ہو۔

(4) ہم جنس پرستی کے نتیجے میں ایڈز، جریان، سوزاک اور آتشک وغیرہ متعدّد بیماریاں شروع ہو گئی ہیں۔ ایڈز وغیرہ تو بیماری نہیں بلکہ بیماریوں کا سرچشمہ ہے۔ آج زمانہ طرح طرح کی بیماریوں سے دوچار ہے، یہ ہماری بہت بڑی نادانی ہے کہ ہم جنس پرستی میں ملوث ہو کر ان تمام بیماریوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ الامان والحفیظ۔

(5) انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع ابلاغ نے آج پوری دنیا کو ایک انسان کی مٹھی میں رکھ دیا ہے، یوں تو تمام دنیا کے لوگ ہی اس کا استعمال کرتے ہیں مگر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس میں عام طور پر ملوث رہتے ہیں۔ اگر ان ذرائع کا استعمال صحیح طریقے سے کیا جائے تو اس کے کثیر فوائد ہیں، مگر دنیا میں اچھوں کی تعداد بہت کم ہے، عام طور پر ان ذرائع کا استعمال گندی چیزیں دیکھنے اور اپنے گندے کرتوت زمانے کو دکھانے کے لیے اپلوڈ کرتے رہتے ہیں۔ ان ذرائع کے غلط استعمال سے دیگر غلط کاموں کی طرح ہم جنس پرستی کی لعنت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، لڑکا لڑکے سے اور لڑکی لڑکی سے، ہم جنس کی وبا پھیلانے میں ان ذرائع کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔“[ص:7]

ان پانچوں نکات کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا کا غیور قلم جدید مادی ترقی کے پس پردہ چھپے ہوئے اخلاقی دیوالیہ پن کو کس شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ انھوں نے جدید آلات کے ذریعے عورتوں کے باہمی جنسی بگاڑ پر ضرب لگائی، خاندانی وقار اور حیا کے جنازے اٹھنے کا نوحہ لکھا، اور سب سے بڑھ کر بقائے باہمی اور افزائش نسل کے کائناتی قانون کی پامالی کو قربِ قیامت کی ہولناک علامت قرار دیا۔ انھوں نے ایڈز، سوزاک اور آتشک جیسی مہلک بیماریوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ باور کرایا ہے کہ فطرت کے مسلمہ اصولوں سے انحراف بالآخر ایسے نتائج کو جنم دیتا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ آخر میں میڈیا اور انٹرنیٹ کے الحاد پسندانہ استعمال کو اس وباء کا اصل محرک قرار دے کر انھوں نے مسلم نوجوانوں کو عفت و پاک دامنی کے اسی ابدی شرعی قلعے میں پناہ لینے کی تلقین کی ہے جو اسلام نے مقرر کیا ہے۔

اسی اصلاح معاشرہ اور تربیتی جہت کا ایک اور نہایت اہم

اور کلیدی رخ جون 2014ء کے "ماہنامہ اشرفیہ" میں شائع ہونے والے اس معرکہ آرا اداریے "انسانی معاشرے کی صلاح و فلاح میں نوجوانوں کا کردار" سے نمایاں ہوتا ہے، جہاں ملت کے سب سے قیمتی اثاثے یعنی نوجوانوں کے فکری بگاڑ پر گہرے رنج و ملال کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ تحریر محض ایک روایتی ناصحانہ مضمون نہیں ہے، بلکہ یہ مادہ پرست ماحول کی سفاکی، حالات کے دباؤ کے سبب بدلتے ہوئے ذہنی زاویوں اور شرعی تعلیم وتربیت سے دوری کے نتیجے میں جنم لینے والے عالمی جرائم کا ایک گہرا نفسیاتی اور سماجی مطالعہ ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ دور حاضر کے سنگین زمینی حقائق، انسانی فطرت پر حالات کے اثرات، اور اسلامی اصولوں سے انحراف کے ہولناک نتائج کو لفظوں کا جامہ پہناتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"آج جب ہم اپنے گرد و پیش کو دیکھتے ہیں اور نوجوانوں کی سرگرمیوں پر ملکی اور عالمی سطح پر تجزیاتی نظر ڈالتے ہیں تو دل و دماغ غم والم سے نڈھال ہونے لگتے ہیں، ایک بچہ سادہ لوح اور اسلامی فکر و مزاج پر پیدا ہوتا ہے مگر حالات کا دباؤ اس کی سوچ و فکر کے زاویے بدل دیتا ہے اور پھر یہ انھیں حالات میں عنفوان شباب تک پہنچ جاتا ہے۔ اس قسم کے نوجوان نہ صرف اپنے لیے مضر ہوتے ہیں بلکہ اپنے خاندان، اپنے معاشرے اور اپنے ملک کے لیے ناکامی اور بدنامی کا سبب بن جاتے ہیں، بے عملی اور بد عملی کے یہ زہریلے اثرات شعوری اور غیر شعوری طور پر دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں اور پھر ان خطرناک جرائم کا سلسلہ جہاں در جہاں عام ہو جاتا ہے۔ اے کاش اگر ہم نے اپنے بچوں اور اپنے معاشرے کی تعلیم وتربیت اسلامی اصول اور شرعی قوانین کی روشنی میں کی ہوتی تو نہ صرف ہماری اولاد کامیاب ہوتی بلکہ ہمارا معاشرہ اور ہماری قوم وملت بھی کامیاب و سرفراز ہوتی۔" [ص:3]

تحریر کا یہ ابتدائی حصہ یہ واضح کرتا ہے کہ مولانا کا مصلحانہ قلم معاشرے کے اس بنیادی المیے کو کتنی گہرائی سے محسوس کر رہا تھا جہاں بچہ پیدا تو فطرت اسلام پر ہوتا ہے، مگر عصری ماحول کی بے راہ روی اور والدین کی غفلت اسے جوانی کی دہلیز تک پہنچتے پہنچتے ایک مجرم بنا دیتی ہے۔ ان کا یہ تڑپتا ہوا اظہار خیال کہ بد عملی کے یہ زہریلے اثرات کسی ایک ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ شعوری اور غیر شعوری طور پر پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، دراصل مسلم قوم کے لیے ایک فکری تازیانہ ہے۔ وہ حسرت اور دردمندی کے ساتھ امت کو اسی ابدی حل کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ خاندانی بقا، ملّی سرخروئی اور دنیاوی واخروی کامیابی کا واحد راستہ صرف اور صرف بچوں کی وہ پاکیزہ تربیت ہے جو قرآن و سنت کے الٰہیاتی قوانین سے ثابت ہے۔

مگر مولانا صرف اس المیے پر نوحہ کناں نہیں ہوتے، بلکہ اس کے پس پردہ کارفرما اسباب کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔ چناں چہ عصری ماحول کے ان زہریلے اثرات اور اخلاقی گراوٹ کے بنیادی محرکات کی جراحی کرتے ہوئے، وہ دور حاضر کے سب سے بڑے فتنے یعنی ٹی وی، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے غلط استعمال کو اس بگاڑ کا اصل ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ آپ نے جہاں ایک طرف جمہوریت کے چوتھے ستون یعنی "میڈیا" کی غیر معمولی طاقت اور اس کے تجارتی پھیلاؤ کا احاطہ کیا ہے، وہیں دوسری طرف فحش ویب سائٹس کے ایسے خوف ناک عالمی اعداد و شمار پیش کیے ہیں جو کسی بھی بیدار مغز انسان کو لرزا دینے کے لیے کافی ہیں۔ وہ مسلم معاشرے، ملک اور زمانے کی اس ابتر صورت حال اور میڈیا کی ترجیحی طاقت کو لفظوں کا جامہ پہناتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس وقت ہمارا معاشرہ، ہمارا ملک اور ہمارا زمانہ بد اعمالیوں اور بداخلاقیوں میں مبتلا ہے، اس کی بہت بڑی وجہ ٹی وی اور سوشل میڈیا وغیرہ ہیں۔ فحاشی اور عریانیت عام ہے، عصمت دری کے دردناک واقعات سامنے آرہے ہیں، خواتین پر مظالم بھی بڑھ رہے ہیں۔ جہیز کی زیادتی بھی خوب ہو رہی ہے، جوا، سٹہ اور وقت گزاری کی وبا بھی خوب پھیل رہی ہے۔ سودی کاروبار اور عام

سود کی لعنت بھی بھر پور عام ہو رہی ہے۔ زنا کاری اور ہم جنس پرستی کا ماحول بھی گرم ہو رہا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ان جدید ذرائع ابلاغ کے فوائد بھی بہت ہیں مگر افسوس آج ان کا غلط استعمال بہت زیادہ ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں مذکورہ چیزیں سامنے آرہی ہیں اور اسی طرح کی بے شمار برائیاں انسانی دنیا میں وبا کی طرح پھیل رہی ہیں۔ یہ ایک سچائی ہے کہ کسی بھی جمہوری ملک کے چار ستون ہوتے ہیں (1) مقننہ (2) عاملہ (3) عدلیہ (4) میڈیا۔ عہد حاضر میں میڈیا نے اپنے ماقبل کے ستونوں پر بھی ترجیح حاصل کر لی ہے۔ آپ اپنے ملک ہندوستان ہی کو دیکھ لیجیے، اس وقت تین سو پچاس سے زیادہ ٹی وی چینل ہیں، جن میں قریب چالیس نیوز چینل ہیں، یہ میڈیا کا فروغ ہے کہ اس وقت ہندوستان دنیا کا تیسرا بڑا ٹیلی ویژن مارکیٹ بن گیا ہے۔"[ص:4]

میڈیا مارکیٹ کے اس جغرافیائی پھیلاؤ کے بعد، اداریے کا سب سے زیادہ دستاویزی اور رلا دینے والا رخ وہ ہے جہاں سوشل میڈیا کی فتنہ انگیزی اور انٹرنیٹ پر عریانیت (پورنوگرافی) کے عالمی کاروبار کے ہوش ربا حقائق کو طشت از بام کیا گیا ہے۔ وہ اس الحاد پسند مادی یلغار کے نتیجے میں مسلم لڑکیوں کے غیر مسلموں کے ساتھ فرار ہونے جیسے سنگین المیے کا پردہ چاک کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے آج ہم سوشل میڈیا تک پہنچے ہیں، فیس بک اور ٹویٹر وغیرہ نے بلا شبہ آج کے عہد کو ذرائع ابلاغ کی انتہا پر پہنچا دیا ہے، لیکن سر پیٹنے کا مقام یہ ہے کہ اس کو ہم نے نیکیوں کی دعوت کے بجائے گناہوں کی امنگیں پھیلانے کا کام زیادہ لیا ہے اور دن بہ دن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں میڈیا اور انٹرنیٹ سے فحاشی اور بے حیائی کے اسباب شب و روز بڑھ رہے ہیں۔ عریانیت (پورنوگرافی) پر ہر سیکنڈ تین ہزار ڈالر سے زائد خرچ کیے جا رہے ہیں۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں میں ہر سیکنڈ 28 ہزار سے زائد لوگ فحش سائٹس پر جاتے ہیں۔ اس وقت 12 فیصد سے زائد ویب سائٹس فحش مواد پر مشتمل ہیں۔ فحش ویب سائٹس کا کاروبار سالانہ 13 ملین ڈالر منافع حاصل کر رہا ہے۔ اس سے آپ ہندوستان کی بگڑتی صورت حال کا جائزہ لیں کہ دولت کس طرح فضول خرچیوں اور سٹے بازیوں میں ضائع کی جا رہی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار ہو رہی ہیں اور زنا کاری اور بدکاری کی وبا عام ہو رہی ہے۔"[ص:4]

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا کا قلم محض اخلاقی نصیحت تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ دور حاضر کے فکری اور سماجی چیلنجوں کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیتا تھا۔ فحش ویب سائٹس سے متعلق پیش کردہ یہ اعداد و شمار اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ نوجوان نسل کس قدر ہولناک اخلاقی انحطاط کی زد میں آچکی ہے۔ مولانا نے نہایت دردمندی کے ساتھ اس امر کی نشان دہی کی کہ جدید ذرائع ابلاغ اگر خیر و اصلاح کے بجائے شر اور بے راہ روی کے فروغ کا ذریعہ بن جائیں تو پورا معاشرہ اس کے تباہ کن اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

میڈیا اور انٹرنیٹ کے ان مہلک نقصانات اور ہولناک اعداد و شمار کو سامنے لانے کے بعد، اداریے کا آخری حصہ انسانی اعضاء اور سائنسی ایجادات کے تقاضوں کو واضح کرتے ہوئے امت کو ایک متبادل اور صالح لائحۂ عمل فراہم کرتا ہے۔ مولانا نے اداریے کے آخر میں نہایت پختہ استدلال کے ساتھ یہ واضح فرمایا ہے کہ مادی ایجادات بذات خود بری نہیں ہیں، بلکہ ان کا غلط اور غیر شرعی استعمال انسان کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ اس کائناتی حقیقت اور امت کی اخلاقی ذمہ داری کو قرطاس کے سپرد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حاصل گفتگو یہی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اعضا عطا فرمائے ہیں، یہ انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ اگر چاہے تو ان کا غلط استعمال بھی کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان سے اچھے کام بھی

لے سکتا ہے۔ اسی طرح جدید سائنس نے بہت ہی اچھی چیزیں ایجاد کی ہیں، اگر ان میں کوئی ممانعت نہیں ہے یا اگر ہے تو ان میں کسی حد تک جواز کے راستے موجود ہیں تو ان کا جائز استعمال کرنا چاہیے، مگر افسوس یہ ہے کہ نہ صرف ہم ان کا غلط استعمال کرتے ہیں بلکہ دنیا میں غیر شرعی امور پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو ہدایت وسنیت کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان حالات کے پیش نظر ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اصلاح بھی کریں اور ہماری دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اسلام و شریعت کے سانچے میں ڈھالیں خاص طور پر بچیوں کی نقل وحرکت پر تیز نظر رکھیں۔ نوجوانی میں بچیاں آزاد فکر ہوتی ہیں وہ اچھے برے میں فرق نہیں کر پاتیں۔"[ص:7]

عصری اداروں میں ماحول کی بے راہ روی کا علاج تجویز کرتے ہوئے، اداریے کا رخ سیدھا بچیوں کی دینی تعلیم اور صوفیانہ وسنّی دعوتی تحریکوں کی طرف مڑتا ہے۔ آپ کا یہ پختہ یقین ہے کہ ایک عورت اگر صالح ہو جائے تو وہ پورے خاندان اور معاشرے میں ایک پاکیزہ انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ وہ اس مصلحانہ حل اور تحریکوں کے حق میں دعائیہ کلمات لکھتے ہوئے اداریے کا اختتام ان الفاظ پر فرماتے ہیں:

"اے کاش ہم آج اپنی بچیوں کو کالجز اور یونیورسٹیوں کے بجائے دینی مدارس میں داخل کرائیں اور ہو سکے تو دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کے ماحول سے وابستہ کریں۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ ہماری بچیاں اصلاح قبول کریں گی بلکہ آنے والے دنوں میں ایک خوب صورت اور صالح معاشرہ وجود میں آئے گا۔ ایک ماں اور بہن کی حیثیت سے معاشرے کی صلاح و فلاح میں صالح انقلاب لا سکتی ہیں۔ اپنے خاندان اور مسلم معاشرے کو کتاب وسنت کے سانچے میں ڈھالیں، اگر ایسا ہوگا تو ہمارا معاشرہ انتہائی خوب صورتی سے صلاح و فلاح کا نمونہ بن جائے گا۔ آج بہت سی تحریکیں اور ادارے اسی دعوت وتبلیغ میں مصروف عمل ہیں، اللہ تعالیٰ ان اداروں اور تحریکوں کو شب وروز ترقی عطا فرمائے۔ آمین!"[ص:7]

اس آخری فکر انگیز نچوڑ سے یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ مولانا کا قلم صرف مسائل کی نشان دہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ امت کو ایک متبادل اور عملی راستہ بھی دکھاتا ہے۔ انھوں نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مادر پدر آزاد ماحول کے مقابلے میں دینی مدارس کی پناہ گاہ تجویز کی، اور بچیوں کی فکری آزادی کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے پاکیزہ ماحول سے وابستگی کو وقت کا سب سے بڑا تقاضا قرار دیا۔ ان کا یہ مصلحانہ اختتام مسلم خواتین کو ان کے اس اصل مقام (بیش قیمت ماں اور بہن) کی طرف متوجہ کرتا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر ہی کتاب وسنت پر مبنی ایک مثالی، صالح اور فتنوں سے پاک اسلامی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

اسی اصلاح معاشرہ اور اخلاقی وسماجی مسائل کی جہت کے تحت ایک اور اہم اداریے پر گفتگو ملتی ہے، جس کا عنوان "میاں بیوی کے حقوق اور آداب" (فروری 2022ء) ہے۔ یہ تحریر کائنات کی وسعتوں، تکوینی نظام قدرت، عظمت انسانی اور فیضان نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لاہوتی والٰہیاتی پس منظر سے شروع ہو کر انسانی معاشرے کی سب سے بنیادی اکائی یعنی رشتۂ ازدواج کے فقہی و سماجی حقوق کا ایک گہرا مصلحانہ احاطہ کرتی ہے۔ اس میں نہایت فصیح و بلیغ اسلوب کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ جو کائنات انسان کے لیے مسخر کی گئی ہے، اس انسان کے خاندانی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے شریعت نے کیا ضوابط مقرر کیے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

"یہ زمین و زماں کی پہنائیاں، یہ مکین و مکاں کی خوش رنگیاں، یہ عرش وفرش کی وسعتیں، یہ سمندروں کی سر پٹختی موجیں، یہ پہاڑوں کے فلک بوس سلسلے، یہ ہزاروں قسم کے فرحت بخش اشجار، یہ انگڑائیاں لیتی، بل کھاتی خوش نما بیلیں، یہ رنگ برنگے پھولوں کے دل کش چمنستان، یہ دل ودماغ کو سرور بخشنے والی ہوائیں، یہ خوش گوار فضائیں، یہ کھانے پینے کے ہزاروں لذیذ ماکولات، یہ

جسم وجاں کو شاداب کرنے والے مشروبات، یہ لوح وقلم کا استحکام دستور، یہ عرش وکرسی کا بے مثال نظام، یہ دنیا وآخرت کی بے شمار نعمتیں، انھیں دیکھ کر ہر لحہ ورطۂ حیرت میں ڈوبے رہتے ہیں۔ یہ تمام مخلوقات اپنی جگہ مسلم ہیں، مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ بنایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسٰنَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ“(سورۃ التین:4) بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔ حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار احسانات سے سرفراز فرمایا، کھانے پینے کی نت نئی اشیا، رہنے سہنے کے لیے آرام دہ مکانات، زمین کا فرش، آسمان کا شامیانہ، دل کش ہوائیں اور فرحت بخش فضائیں، یہ خوشگوار پہاڑوں کے سلسلے، یہ دریاؤں اور سمندروں کے حیرت انگیز آبشار اور جھرنے۔ جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس میں جو کچھ ہے وہ انسان کے لیے تخلیق فرمایا، مگر خود انسان کا وجود نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے، حدیث نور میں مکمل تفصیل موجود ہے۔ طویل حدیث نور کا ابتدائی جز ملاحظہ فرمائیں: ”عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالَى، فَقَالَ: هُوَ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ خَلَقَهُ اللّٰهُ۔ امام عبد الرزاق (متوفی 211ھ) معمر سے، وہ ابن منکدر سے، وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی شے پیدا کی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا۔“[ص:3]

کائنات اور وجود انسانی کے اس عظیم الٰہیاتی فلسفے کو قائم کرنے کے بعد، تحریر کا رخ سیدھا اپنے اصل نقطۂ نظر یعنی انسانی نسل کی بقا، عقد مسنون کی اہمیت اور مسلم معاشرے میں حقوق زوجین سے غفلت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہولناک گھریلو ناسوروں کی طرف مڑتا ہے۔ وہ اس تلخ زمینی حقیقت اور معاشرتی بے راہ روی کا پردہ چاک کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

”اب ہم آتے ہیں اپنی تحریر کے خاص نقطۂ نظر پر: اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقا، سماج کی برتری اور نفسانی خواہشات کی تسکین کے لیے نکاح یعنی عقد مسنون کا حکم دیا۔ شریعت کی پاسداری میں اس رشتۂ ازدواج کا سلسلہ عہد رسالت سے آج تک جاری ہے۔ یہ ایک سچائی ہے، مکمل طور پر آداب سنت کی ادائیگی بہت کم نظر آتی ہے، شریعت نے میاں بیوی کے حقوق طے فرما دیے ہیں مگر مسلمان ان حقوق کی ادائیگی سے جزوی طور پر غافل نظر آتے ہیں۔ اس غفلت اور بے راہ روی کے نتیجے میں معاشرے میں بہت سی برائیاں پیدا ہو گئی ہیں، کہیں کم جہیز کے مسئلے ہیں، کہیں ساس بہو کے جھگڑے ہیں، کہیں بے جا شکوے اور شکایات ہیں، کہیں قتل وغارت گری ہے، کہیں شوہر کی عدم توجہ کا مسئلہ ہے، کہیں بیویوں کے مارنے توڑنے کا قضیہ ہے، کہیں نان ونفقہ نہ دینے کا صدمہ ہے، کہیں طلاق وخلع کار گڑا ہے وغیرہ۔“[ص:3]

یہ گراں قدر کلمات یہ ثابت کرتے ہیں کہ مولانا کا مصلحانہ قلم خاندانی نظام کے بگاڑ پر کس قدر تڑپ رہا تھا۔ انھوں نے یہ نکتہ واضح کیا کہ جو انسان کائنات کی سب سے افضل مخلوق ہے، جب وہ سنت کے مطابق ازدواجی آداب کو فراموش کر دیتا ہے تو وہی گھرانہ جو سکون کا گہوارہ ہونا چاہیے تھا، ساس بہو کے جھگڑوں، بیوی پر تشدد، نان ونفقہ کی محرومی اور طلاق وخلع جیسی مسائل کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد مولانا نے حقوق زوجین سے متعلق متعدد اہم مسائل پر قرآن وسنت کی روشنی میں قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے، جن میں حسن معاشرت، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواجی اسوۂ حسنہ، بیویوں کے حقوق، شوہر کے حقوق، گالی گلوچ کی ممانعت، نافرمانی زوجہ کے احکام اور دیگر اصلاحی وتربیتی مباحث شامل ہیں۔

حاصل کلام:

اس بحث کے اختتام پر یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا

ہے کہ ماہنامہ اشرفیہ کے قدیم شماروں کی ورق گردانی اور مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے اداریوں کے مطالعے کے دوران بارہا یہ احساس شدت کے ساتھ ابھرا کہ ان کا فکری جہان اس قدر وسیع، متنوع اور ہمہ گیر ہے کہ اس کا مکمل احاطہ ایک مستقل تصنیف بلکہ متعدّد جلدوں کا متقاضی ہے۔ ان کے قلم نے دینی و فقہی مباحث، ملّی و سیاسی مسائل، اخلاقی و سماجی انحرافات، عصری فتنوں اور امت مسلمہ کو درپیش بے شمار چیلنجوں پر جس وسعت نظر اور بصیرت کے ساتھ گفتگو کی ہے، اس کے مقابلے میں زیر نظر مطالعہ محض ایک اجمالی تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔

راقم کی خواہش تھی کہ مولانا کے اداریاتی سرمایے کے زیادہ سے زیادہ گوشوں کو اس تحقیق میں شامل کیا جائے اور ان کے فکری و علمی ورثے کا ایک جامع نقشہ سامنے لایا جائے، لیکن وقت اور مقالے کی متعیّن حدود اس راہ میں حائل رہیں۔ چناں چہ بادل ناخواستہ ان کے بحر افکار سے صرف چند نمائندہ اداریوں کا انتخاب کیا گیا ہے، جو ان کے وسیع فکری سرمایہ کی محض ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ محققین اور اہل قلم اس گراں قدر علمی ذخیرے کے دیگر گوشوں کو بھی تحقیق و تدوین کا موضوع بنا کر منظر عام پر لائیں گے، تاکہ اس عہد ساز مصلح کے افکار و نظریات سے نئی نسلیں بھی بھرپور استفادہ کر سکیں۔

اگرچہ اس مقالے میں ان کے تمام اداریاتی سرمایے کا احاطہ ممکن نہ ہو سکا، تاہم زیر مطالعہ اداریے ہی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی صحافتی اور علمی خدمات دورِ حاضر کی ملّی تاریخ کا ایک گراں قدر اور لازوال اثاثہ ہیں۔ ”ماہنامہ اشرفیہ“ کے صفحات پر کئی دہائیوں تک بکھرے ہوئے یہ اداریے محض وقتی حوادث پر سرسری تبصرے یا جذباتی بیانات نہیں، بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے طوفان میں سسکتی ہوئی ملت اسلامیہ کے لیے فکری، سماجی، سیاسی اور اخلاقی مسائل کی نشان دہی اور ان کے تدارک کا ایک مؤثر لائحۂ عمل ہیں۔

شریعت مطہرہ کے ابدی اصولوں کو عصری زبان اور معاصر فکری تقاضوں کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنے کا جو ملکہ مولانا کو حاصل تھا، وہ معاصر صحافت میں کم ہی نظر آتا ہے۔ اعتکاف اور عید قرباں جیسی عبادات کے مصلحانہ و معاشی اسرار سے لے کر میاں بیوی کے حقوق اور آداب تک، ارتدادی فتنوں اور نام نہاد نامی گرامی رہنماؤں کی سیاسی فریب کاریوں کے مقابل بے باک حق گوئی سے لے کر شراب، ہم جنس پرستی اور زنا کاری جیسے نازک اخلاقی و سماجی مسائل کی جرات مندانہ فکری تحلیل تک، ہر میدان میں ان کا متین اور نپا تلا قلم ملت اسلامیہ کے لیے صراط مستقیم کی نشان دہی کرتا ہے۔

عہد حاضر کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نوعیت کا بلند پایہ، بصیرت افروز اور انقلابی علمی سرمایہ رسائل و جرائد کے پرانے فائلوں میں دب کر گوشۂ گمنامی کا شکار ہو جاتا ہے۔ چناں چہ اس مصلح قوم کے افکار کی تعمیر و ترویج کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ”ماہنامہ اشرفیہ“ میں شائع ہونے والے مولانا مصباحی علیہ الرحمہ کے ان تمام شاہکار اداریوں کو ان کی حقیقی علمی کٹیگریز اور مروجہ فکری جہات (جیسے دینی و فقہی، سماجی و اخلاقی، اور ملی و سیاسی جہت وغیرہ) کے تحت مستقل ابواب میں مرتب کر کے ایک ضخیم کتابی مجموعے کی صورت میں مدون اور شائع کیا جائے۔ یہ علمی کاوش نہ صرف ان کے فکری مشن کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بنے گی، بلکہ جدید تعلیم یافتہ طبقے، ارباب مدارس، مبلغین اور مستقبل کے اہل قلم کے لیے فکری ارتداد کے اس پرآشوب دور میں ایک مضبوط اور پائیدار فکری لائحۂ عمل بھی ثابت ہوگی۔

بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ خالق کائنات مولانا مصباحی علیہ الرحمہ کی ان مخلصانہ ادارتی، ملّی اور علمی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرما کر انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے، اور ملت اسلامیہ کو ان کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے دین و دانش کی سچی خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ☆☆☆

مولانا مبارک حسین مصباحی کی سیاسی بصیرت

اداریوں کی روشنی میں

مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ و مفتی دارالعلوم غریب نواز داہوگنج، منی پٹی، کشی نگر، یوپی

کسی بھی رسالے کا مدیر اعلیٰ محض الفاظ و معانی کا نگہبان اور رسالے کو موصول ہونے والی تحریروں کا نگراں نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے عہد کے فکری، سماجی اور سیاسی شعور کا ترجمان بھی ہوتا ہے۔ جس طرح ایک جہاز کو متلاطم سمندروں میں منزل تک پہنچانے کے لیے دُور اندیش ملّاح کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ایک مؤثّر اور باوقار رسالے کی رَہ نمائی کے لیے مدیر اعلیٰ کے اندر سیاسی بصیرت کا ہونا ناگزیر ہے۔ سیاسی بصیرت وہ روشن چراغ ہے جو حالاتِ حاضرہ کے پیچیدہ گوشوں کو منوّر کرتا ہے، واقعات کے پس منظر کو سمجھنے کی صلاحیت بخشتا ہے اور مستقبل کے امکانات کا اِدراک عطا کرتا ہے۔ اگر مدیر اعلیٰ سیاسی شعور سے محروم ہو تو وہ زمانے کی کروٹوں، معاشرتی تغیّرات اور قومی و بین الاقوامی حالات کے اثرات کو نہ صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے قارئین کی فکری رَہ نمائی کا حق ادا کر سکتا ہے۔

فکر و تدبر اور سیاسی بصیرت مدیر اعلیٰ کی شخصیت کو توازن، اعتدال اور حکمت کی دولت سے مالا مال کرتی ہے۔ یہی وصف اسے جذبات کی تند و تیز لہروں میں بھی حقیقت کی متین چٹان پر قائم رکھتا ہے اور اسے یہ سلیقہ عطا کرتا ہے کہ وہ وقتی نعروں اور شور و ہنگامہ کے بجائے حقائق کی روشنی میں رائے قائم کرے۔ ایک صاحبِ بصیرت مدیر نہ صرف قوم کی فکری سمت متعیّن کرنے میں معاون ہوتا ہے بلکہ اپنے اداریوں اور تجزیوں کے ذریعے عوام کے اَذہان میں شعور، ذمہ داری اور بیداری کی شمع بھی روشن کرتا ہے۔ اس کی سیاسی فراست رسالے کو محض معلومات کا ذخیرہ نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے فکر و نظر کی ایسی دانش گاہ بنا دیتی ہے جہاں قلم، حکمت کے ساتھ چلتا ہے، رائے، ذمہ داری کے ساتھ تشکیل پاتی ہے اور صحافت، ملت و معاشرہ کی تعمیر کا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا شمار ان اصحاب فکر و قلم میں ہوتا ہے جنھوں نے صحافت کو محض خبر رسانی کا ذریعہ نہیں بلکہ ملت کی فکری و عملی رہ نمائی کا مؤثّر وسیلہ بنایا۔ ان کے اداریے حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر، سیاسی شعور، قومی و ملی مسائل کے ادراک اور مستقبل شناسی کا عمدہ نمونہ ہوتے تھے۔ وہ سیاسی معاملات کا تجزیہ کرتے ہوئے محض جذباتی انداز اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ واقعات کے پس منظر، ان کے اسباب اور ممکنہ نتائج پر بھی روشنی ڈالتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں سیاسی بصیرت اور فکری پختگی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔

ان کے اداریوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ ملکی سیاست میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ جمہوری اقدار، آئینی حقوق، سماجی انصاف اور قومی یکجہتی کے داعی تھے۔ ان کے اداریوں میں ملتِ اسلامیہ کو درپیش سیاسی چیلنجز کا حقیقت پسندانہ جائزہ ملتا ہے، جہاں وہ ایک طرف مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے بیدار کرتے ہیں تو دوسری طرف انہیں قانون، حکمت اور تدبر کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ ان کی سیاسی سوچ جذباتیت سے پاک اور اعتدال و توازن سے مزین تھی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی سیاسی بصیرت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ وقتی سیاسی فوائد کے بجائے دُور رس

نتائج کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ ان کے اداریوں میں بارہا یہ احساس جھلکتا ہے کہ کسی بھی سیاسی فیصلے یا تحریک کی کامیابی کے لیے دانش مندانہ منصوبہ بندی، اتحادِ ملت اور حالات کی صحیح تفہیم ناگزیر ہے۔ وہ ملت کو محض ردِّعمل کی سیاست سے نکال کر مثبت اور تعمیری کردار ادا کرنے کی دعوت دیتے تھے۔

ان کے اداریوں کا اسلوب بھی ان کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ وہ تنقید کرتے تھے تو دلائل کے ساتھ، اختلاف کرتے تھے تو شائستگی کے ساتھ اور رہ نمائی کرتے تھے تو خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ۔ ان کی تحریریں قاری کو سوچنے، حالات کا تجزیہ کرنے اور سیاسی معاملات میں سنجیدہ رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ یہی اوصاف ان کے اداریوں کو محض صحافتی مضامین کے بجائے فکری اور سیاسی رہ نمائی کا معتبر سرمایہ بنا دیتے ہیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی سیاسی بصیرت کا تجزیہ ان کی 36 سالہ ادارت اور ان کے تمام گراں قدر اداریوں کی روشنی میں کیا جائے تو یہ تحریر بڑی طویل ہو جائے گی، سردست ہم یہاں ان کے چند اداریوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی سیاسی بصیرت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

سی اے اے اور این آر سی کا معرکہ:

2019ء کے اواخر میں ہندوستان کی مرکزی حکومت نے پارلیمنٹ میں شہریت ترمیمی بل پیش کیا جسے دونوں ایوانوں سے پاس کرا کے قانونی حیثیت دے دی گئی، سی اے اے کے بعد این آر سی لاگو کر کے ہندوستانی مسلمانوں کی شہریت چھیننے کا ناپاک منصوبہ بنایا گیا، یہ بل آئین کی روح کے منافی اور جمہوری اقدار کے سراسر خلاف تھا، آئین کا آرٹیکل (14) ریاست کو مذہب، نسل، ذات، جنس یا جائے پیدائش کی بنیاد پر کسی بھی شہری کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے روکتا ہے جب کہ سی اے اے کے تحت پڑوسی ممالک سے آئے ہوئے ہندو، سکھ، بدھ، جین، پارسی اور عیسائیوں کو شہریت دیے جانے کا قانون پاس کیا گیا اور ان کے علاوہ مذاہب کے لیے شہریت حاصل کرنے کے راستے مسدود کر دیے گئے، یہ ہندوستانی مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر کے ڈی ٹینشن سینٹر میں ڈالنے اور ان پر مظالم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کرنے کا ایک ناپاک منصوبہ تھا، اس سے قبل آسام میں این آر سی کے ذریعہ یہی عمل مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا گیا، آسام کی این آر سی میں چوں کہ مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم اپنی شہریت ثابت کرنے میں ناکام ہوئے تھے، اب جب پورے ملک میں این آر سی کا منصوبہ بنا تو مرکزی حکومت کو خدشہ ہوا کہ آسام کی صورت حال کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ این آر سی کی مخالفت میں ملک کے ہندو بھی سڑکوں پر آ جائیں، اس لیے مرکزی حکومت نے سی اے اے کا چور دروازہ نکالا کہ اگر کسی غیر مسلم شہری کی شہریت این آر سی کے ذریعہ متاثر ہوتی ہے تو اسے سی اے اے کے ذریعہ شہریت مل جائے گی، یہ مسلمانوں کے خلاف کس قدر خطرناک سازش تھی، اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مرکزی حکومت ہندوستانیوں کو مسلسل گمراہ کرنے کی کوشش کرتی رہی، سی اے اے اور این آر سی کو الگ الگ کر کے سمجھانے کی ناکام کوششیں ہوئیں، ملک میں کہیں ڈی ٹینشن سینٹر نہ ہونے کا بھی اعلان کیا گیا، ایسے میں ملک کا باشعور طبقہ سراپا احتجاج ہو گیا، تعلیمی اداروں، یونی ورسٹیوں اور ملک کے مختلف شہروں میں زبردست احتجاجات ہوئے۔ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے بر وقت "سی اے اے، این آر سی، این پی آر۔ موجودہ حکومت کا عمل اور دنیا کا ردِّعمل" کے عنوان سے ایک زبردست اداریہ تحریر فرمایا اور ملک گیر سطح پر ہونے والے احتجاجات کو درست قرار دیتے ہوئے حکومت کے غلط منشا اور جھوٹے پروپیگنڈوں کی قلعی کھول دی۔ اداریے کے درج ذیل اقتباسات کو پڑھیں اور مدیر اعلیٰ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ لگائیں:

"اس وقت ہمارے محبوب ملک ہندوستان کے سیاسی، سماجی، دینی اور تعلیمی احوال انتہائی ابتر ہیں، پورا ملک CAA,

NRC اور NPR کے خلاف سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ صورت حال صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہندو، سکھ، عیسائی، بودھ، پارسی آدیواسی بھی بڑھ چڑھ کر ریلیاں نکال رہے ہیں۔ اس قومی یک جہتی نے ملک کی آزادی 1947ء اور اس سے پہلے کی یاد تازہ کر دی ہے، ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں جامعہ ملیہ دہلی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، جے این یو دہلی، ہندو یونی ورسٹی بنارس کو کہ ان کے طلبہ نے سراپا احتجاج بن کر آوازوں کو بلند کیا اور حکومت ہند کے کارندوں اور آر ایس ایس کے جوانوں کا ظلم سہ کر بھی آج تک مختلف انداز سے احتجاجات درج کرا رہے ہیں، معاملہ صرف ان چند یونی ورسٹیوں کا نہیں بلکہ ہند کی 993/ یونی ورسٹیوں کا یہی حال ہے، طلبہ کسی بھی ملک کا مستقبل ہوتے ہیں، ہماری حکومتوں کو طلبہ کا رخ دیکھنا چاہیے۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ جنوری 2020)

مرکزی حکومت کی جانب سے بار بار یہ کہا گیا کہ ہمارے ملک میں کوئی ڈی ٹینشن سینٹر نہیں ہے، یہاں تک کہ وزیر اعظم نے بھی اس کا برملا اعلان کیا، جب کہ یہ باتیں حقائق کے خلاف اور ملک کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف تھیں، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے بڑی جرأت و بے باکی کے ساتھ اس فریب کا پردہ فاش کیا، آپ لکھتے ہیں:

"آسام میں چھ ڈی ٹینشن سینٹر ہیں، لیکن ان کو ضلع جیلوں میں بنایا گیا ہے، ان میں ایک ہزار لوگوں کو رکھا گیا ہے، ایک ساتواں سینٹر زیر تعمیر ہے۔ آسام کے سابق وزیر اعلیٰ اور سینئر کانگریسی رہ نما ترون گگوئی نے کہا کہ مودی جھوٹے ہیں، آسام کے گوال پاڑہ ضلع کے مٹیا میں تین ہزار غیر قانونی مہاجروں کے رہنے کے مد نظر ایک بڑے ڈی ٹینشن سینٹر کی تعمیر کے لیے مودی حکومت نے ۴۶/ کروڑ روپے منظور کیے تھے، وہ اچانک کہتے ہیں کہ ملک میں کوئی ڈی ٹینشن سینٹر نہیں ہے۔"

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ جنوری 2020)

سی اے اے اور این آر سی معاملے میں ایک بڑا فریب یہ بھی تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے اور اس سے ہندوستانی مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ نے اس فریب سے بھی قارئین باتمکین کو آگاہ فرمایا:

"کہا جا رہا ہے کہ شہریت ترمیمی بل CAA اور NRC سے مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہو گا، اس وقت ہمارے سامنے آسام کے سونت پور ضلع میں بسنے والے مسلم باشندوں کے بارے میں یہ خبر ہے کہ انھیں بنگلہ دیشی قرار دیتے ہوئے صرف اس وجہ سے ان کے گھر مسمار کر دیے گئے کہ وہ اس مخصوص علاقے کے ووٹر نہیں تھے جہاں وہ مقیم تھے، ان کے پاس ملک کے اور تمام دستاویزات موجود ہیں، لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی۔ ۲۶/ خاندانوں کو بے گھر کر دیا گیا، اپنی زمین سے محروم یہ لوگ کھلے آسمان کے نیچے کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔"

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ جنوری 2020)

سپریم کورٹ ہندوستان کا سب سے قابل احترام ادارہ ہے، یہاں سے مظلوموں کی آس لگی ہوتی ہے، ملک کے طول و عرض سے شہری انصاف کی امید لے کر یہاں آتے ہیں، لیکن اس پورے معاملے میں سپریم کورٹ کا رویہ بھی قابل افسوس رہا ہے، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے اس پر بھی اظہار تشویش فرمایا ہے:

"بلاشبہہ سپریم کورٹ ہمارے ملک کا سب سے معتبر اور قابل احترام ادارہ ہے، مگر اب اس پر بھی بی جے پی کے اثرات نظر آنے لگے ہیں، ماضی میں جو فیصلے ہوئے ہیں وہ خود ایک مثال ہیں، ان کے تعلق سے عرضیاں بھی خارج کر دی گئیں۔ یہ بحث کا بر وقت موضوع نہیں، موجودہ این آر سی اور سی اے اے کو بھی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں منظور کر لیا گیا ہے۔ چند حضرات نے غیر جمہوری دستوروں کے خلاف سپریم کورٹ میں عرضیاں گزاریں تو وہاں کا جواب تھا کہ پہلے حالات معمول پر آجائیں تو سماعت ہوگی، یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ڈاکٹر کے پاس کوئی مریض آیا اور اس کے پیر سے خون بہ رہا ہے تو ڈاکٹر فرمائیں کہ جب خون رک جائے گا تو علاج شروع کیا جائے گا۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ جنوری 2020)

زرعی بل اور کسان آندولن:

2020ء میں مرکزی حکومت نے زرعی ترمیمی بل پارلیمنٹ میں پیش کیا اور پارلیمنٹ میں واضح اکثریت ہونے کی وجہ سے یہ بل پاس بھی ہو گیا، اس وقت کے صدر جمہوریہ رام ناتھ کوند کی دست خط کے بعد اس بل کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی، یہ بل ملک کے کسانوں کے مفادات کے خلاف اور ان کی کاشت کو گروی رکھنے کے مترادف تھا، کسانوں کی مانگ تھی کہ نئے زرعی قوانین کو مرکزی حکومت واپس لے، یہ قوانین کسی طرح کسانوں کے مفاد میں نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان قوانین کے نفاذ سے ملک کے کسان چند سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے اور سرمایہ دار من مانی قیمتوں پر ان کا اناج خریدیں گے۔ ان زرعی قوانین کے خلاف کسانوں نے ایک محاذ کھول دیا اور انھوں نے ہندوستانی تاریخ میں احتجاج کی ایک نئی تاریخ رقم کر دی، وہ پہلے پہل ہریانہ اور پنجاب میں احتجاج درج کرتے رہے پھر انھوں نے دارالسلطنت دہلی کی سرحدوں کو اپنے احتجاج کا مرکز بنالیا، کئی مہینوں تک چلنے والے اس احتجاج کے خلاف حکومت نے اپنی پوری طاقت استعمال کر لی اور احتجاجیوں کو پسپا کرنے کے سارے حربے استعمال کر لیے لیکن ان کسانوں کے عزم واستقلال میں فرق نہیں آیا، آخر کار حکومت نے کسانوں کے مطالبات کو قبول کر لیا۔ مدیر ماہ نامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے جولائی 2020ء کے شمارے میں ”زرعی قوانین کی منظوری کاشت کاروں کے لیے تباہی کا پیغام“ کے عنوان سے ایک شان دار اداریہ تحریر فرمایا اور حکومت کے طرز عمل، گندی سیاست اور کسانوں کے ساتھ ان کے ظالمانہ رویے پر کھل کر لکھا، ذیل کے اقتباسات کو پڑھیں اور ان کی ژرف نگاہی اور دُور بینی کو دَاد دیں:

”یہ ایک سچائی ہے کہ ان زرعی بلوں کی مخالفت لوک سبھا اور پارلیمنٹ میں آنے سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی۔ لوک سبھا میں مرکزی حکومت کی اکثریت ہے اس لیے وہاں پاس کرالینا آسان تھا، راجیہ سبھا میں قدرے مشکل تھا، مگر وہاں بھی شاطرانہ چال صوتی رائے دہی سے منظور کرالیا گیا۔“

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ جولائی 2020ء)

” معلوم ہو کہ راجیہ سبھا دستور کے اصول 37 کے مطابق چیرمین ایوان کی کارروائی کی مدتِ کار میں تبدیلی اتفاق رائے سے ہی کر سکتے ہیں، جس کو ”سنس آف دی ہاؤس“ کہا جاتا ہے، جس وقت زرعی بل پاس کیا گیا تو اس وقت ایک بج چکے تھے اور راجیہ سبھا کی کارروائی کی مدت ختم ہو گئی تھی، اپوزیشن کا مطالبہ تھا کہ دوسرے دن کارروائی ہو، جب کہ ان کے مطالبہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ایوان کی کارروائی کی مدت کار میں چیرمین نہیں بلکہ ڈپٹی چیرمین تبدیلی کر دیتے ہیں اور بل کو پاس کرا دیتے ہیں۔“ (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ جولائی 2020)

واضح رہے کہ اپوزیشن کی 20 سرگرم پارٹیاں اور تین سو کسان تنظیمیں شدید مخالفت کر رہی ہیں، گاندھی جینتی کے بعد بی جے پی ممبران پارلیمنٹ اور ارکان اسمبلی کا بائکاٹ شروع ہو چکا ہے .... ہم نے یہ چند باتیں ملکی سیاست کے دُوررَس نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے نوٹ کی ہیں، اگر تمام اپوزیشن پارٹیاں کاشت کاروں کو ساتھ لے کر متحد ہو جائیں تو ان شا اللہ تعالیٰ نتائج بہتر ہوں گے۔“ (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ جولائی 2020)

فروری 2021ء میں اسی مسئلے پر ایک اور اداریہ ”حکومت تینوں زرعی قوانین واپس لے اور ایم ایس پی کو قانونی شکل دے“ کے عنوان سے لکھا، ذرا اس اداریے کے کچھ اقتباسات پر بھی نظر ڈال لیں:

”اب سوال یہ ہے کہ حکومت کی مجبوری کیا ہے کہ جن کے لیے قوانین بنائے گئے ہیں وہ لینے کو تیار نہیں مگر مودی جی اینڈ کمپنی زبردستی ان قوانین کو تھوپ رہی ہے۔“

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ فروری 2021)

”اب دردناک سوال یہ ہے کہ حکومت اتنا زور کیوں دے رہی ہے، اڈانی یا امبانی یا دیگر بڑے ادیوگ پتیوں سے ایسے کیا فوائد ہیں جن کی وجہ سے 90 فی صد ہندوستانیوں کی بات ماننے

سے مسلسل انکار کیا جا رہا ہے، یہ بھی ایک سچائی ہے کہ یہ صرف کسانوں کا نقصان نہیں ہے بلکہ ہر ہندوستانی کا نقصان ہے، ایک کسان اپنے ہاتھ میں ایک گوبھی لیے ہوئے تھا، اس نے باضابطہ میڈیا کے سامنے یہ بیان دیا کہ اس آدھا کلو گوبھی کو پانچ سو روپے میں خرید کرلایا ہوں، یہ گوبھی کتنے کی ہوگی؟ مگر کمپنی نے اس پر اپنا لیبل لگادیا تو اس کی قیمت ایک ہزار روپے کلو ہوگئی، کسان نے مزید کہا کہ اسی طرح گیہوں اور چاول وغیرہ بھی آپ کو ملیں گے۔"

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ فروری 2021)

الیکشن میں مناسب سیاسی رہ نمائی:

اکثر الیکشن کے مواقع پر ہندوستانی مسلمان اضطراب کا شکار ہوتا ہے، ان کے لیے یہ فیصلہ مشکل ہوتا ہے کہ کس پارٹی کی حمایت کریں اور کس کے حق میں اپنا قیمتی ووٹ ڈالیں، سیکولرازم کے نام پر الیکشن جیتنے کا خواب دیکھنے والی ہر پارٹی مسلمانوں کے ووٹ پر نظر رکھتی ہے اور الیکشن کا وقت آتا ہے تو انھیں سہانے خواب دکھائے جاتے ہیں، لیکن مسلمان ہمیشہ فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے، مسلمانوں کے ووٹ کے بل پر اقتدار میں آنے والی پارٹیاں بھی مسلمانوں کے مفادات کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔ مدیر ماہ نامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ اعلیٰ سیاسی فکر وبصیرت کے حامل تھے، وہ ہر سیاسی بحران کے دور میں مسلمانوں کی بہتر رہ نمائی فرماتے تھے، وہ حالات اور زمینی حقائق کا گہرائی سے مطالعہ کر کے جو رائے قائم کرتے وہ انتہائی دُور رَس ہوتا اور امت مسلمہ کی خیر خواہی اس میں پوشیدہ ہوتی۔ مارچ 2017ء میں ہندوستان کی پانچ ریاستوں میں اسمبلی الیکشن تھا، اس موقع پر مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ نے "خاک ہند کی پانچ ریاستوں میں اسمبلی الیکشن ایک مثبت جائزہ" کے عنوان سے ایک بصیرت افروز اداریہ لکھ کر امت مسلمہ کی سیاسی رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ہم یہاں ان کے پیش کردہ اہم نکات کا خلاصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

"(1)- ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی جو اچھا لیڈر ہو اسے کام یاب کرنا چاہیے، اس وقت ہمارے ملک میں ذات برادری کی سیاست فروغ پا رہی ہے، یہ ایک بڑی سیاسی غلطی ہے، اس سے سماج میں دُوریاں بڑھتی ہیں، اتحاد کا شیرازہ بکھرتا ہے اور نتیجے کے طور پر فسادات ہوتے ہیں، جان ومال کا نقصان ہوتا ہے، اتحاد اور یک جہتی کا تصور ناپید ہونے لگتا ہے، ذات پات کی بنیاد پر جب الیکشن ہوتا ہے تو ناکام کام یاب ہو جاتا ہے، اور کام یاب ہونے والا ناکام ہو جاتا ہے اور سماج کو فائدہ کے بجائے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔"

"(2)- اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کے بہت سے مسائل الجھے ہوئے ہیں، حالاں کہ قانونی طور پر انھیں حل ہونا چاہیے تھا، انھیں صرف تعصب اور ظلم وجبر کی بنیاد پر الجھایا گیا ہے۔ ان حالات میں اقلیتوں کو چاہیے کہ ان مسائل کی لسٹ بنالیں، اس اہم کام کے لیے منصف مزاج اہل سیاست اور دانشوروں کا سہارا لیں... اس کے بعد اس فہرست کو بڑی پارٹی کے امیدواروں کو دکھائیں، ان میں جو تیار ہو یہ فہرست اس کے حوالے کر دیں... اس لیے کہ چھوٹی پارٹیاں عام طور پر ایک دو سیٹیں لاتی ہیں اور کبھی کبھی زیرو ہی رہ جاتی ہیں، الیکشن کا نتیجہ آنے کے بعد وہ خود مجبور ہوتی ہیں، وہ خود برسر اقتدار پارٹی کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں... ان حالات میں پوری دور اندیشی کا مظاہرہ کریں، ان حالات میں معمولی غلطی بھی بڑے نقصان کے نتیجے کو سامنے لاتی ہے۔"

"(3)- زبان وبیان کا صحیح استعمال ایک انسان کے لیے بہت ضروری ہے، عام زندگیوں میں اس کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے، خاص طور پر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے، مگر افسوس بعض قائدین لوک سبھا، راجیہ سبھا اور اسمبلی میں دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے لیے زبان کا بہت غلط استعمال کرتے ہیں... اسی طرح یہی لوگ الیکٹرانک میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ میں نازیبا بیانات داغتے رہتے ہیں، دلتوں اور مسلمانوں کے تعلق سے تو اس کی کثیر مثالیں ہیں۔"

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ ستمبر 2016)

ہندوستان میں مسلمانوں کے سلگتے مسائل اور اہل سیاست کی دوہری پالیسی:

وطن عزیز میں مسلمان ہمیشہ مسائل کا شکار رہے ہیں، آزادی سے قبل انگریزوں کے اصل دشمن بھی مسلمان ہی تھے اور قربانیاں بھی مسلمانوں کو ہی پیش کرنی پڑی ہے، جد وجہد آزادی میں سب سے زیادہ جان ومال کی قیمت مسلمانوں نے ہی چکائی، انقلاب 1857ء سے 1947ء کے درمیان ہزاروں مسلمانوں نے اپنی جان کی قربانی پیش کی، آزدیٔ ہند کی جنگ میں ہزاروں علما کو دار ورسن کا سامنا کرنا پڑا، کتنے جلیل القدر علما کالاپانی کی سزا کاٹتے ہوئے راہی ملک عدم ہوگئے، آزادی کی صبح بہاراں نصیب ہوئی تو یہاں کے مسلمانوں کو لگا کہ اب ہماری جد وجہد کا دور ختم ہوا اور اب ہم چین وسکون کے ساتھ اپنے وطن میں زندگی گزار سکیں گے اور اپنے دین ومذہب پر عمل کے حوالے سے آزاد ہوں گے، لیکن ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، مسلمان ہر حکومت میں امتیازی برتاؤ کے شکار رہے، مذہب کی بنیاد پر ان کے ساتھ ہمیشہ بھید بھاؤ کا سلوک ہوا، مرکز میں بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد تو مسلمانوں کا دائرۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے، آئے دن نت نئے مسائل کا انھیں سامنا ہے، کہیں ان کے عبادت خانے منہدم کیے جارہے ہیں، کہیں ان کے تعلیمی اداروں کو بلدوز کیا جارہا ہے تو کہیں ان کا وجود مٹانے کی ناپاک سازش کی جارہی ہے۔ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ عقابی نگاہ اور دَرد مند دل رکھتے تھے، انھیں اپنی قوم کی فکر تھی، وہ اہل سیاست کی چال بازیوں سے واقف تھے، وہ ان حالات میں کیسے خاموش رہ سکتے تھے، انھوں ماہ نامہ اشرفیہ کے شمارہ مارچ 2024ء میں ”اپنے وطن کے چند سلگتے مسائل“ کے عنوان سے ایک گراں قدر اداریہ تحریر فرمایا جس میں انھوں نے مرکزی حکومت کی غلط پالیسیوں، غیر قانونی بلڈوزر کارروائیوں، مساجد اور مدارس کی انہدامی کارروائیوں اور جمہوری اقدار کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے اصحاب اقتدار پر کھل کر لکھا، مسلمانوں کو ان کے منصوبوں کو سمجھنے اور حکمت وتدبیر سے کام لینے کی تاکید فرمائی۔ وہ لکھتے ہیں:

”یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کے بعد اتراکھنڈ کے وزیر اعلیٰ پشکر سنگھ دھامی کے آرڈر پر ہلدوانی میں سرکاری بلڈوزروں نے ایک مدرسے کو منہدم کردیا، حالاں کہ انہدامی کارروائی عدالت میں زیر سماعت ہے، اور ۱۴؍فروری کی تاریخ بھی طے تھی ،لیکن اس سے پہلے ہی بلڈوزر وہاں پہنچ گئے اور انھوں نے مسجد ومدرسہ مسمار کر دیا، اس غیر قانونی کارروائی کے خلاف جو مسلمان سڑکوں پر آئے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو ایسے موقعوں پر کیا جاتا ہے۔“

”گزشتہ برس یہی ہلدوانی اس وقت سرخیوں میں آیا تھا جب ایک مسلم آبادی پر یہ کہ کر بلڈوزروں سے دھاوا بولا گیا تھا کہ یہ آبادی ریلوے کی زمین پر بنی ہے، جب کہ مکینوں کے پاس سینکڑوں برس پرانے کاغذات موجود تھے، ابھی تک یہ سمجھ میں نہیں آسکا ہے کہ یہ نئے بلڈوزر کس تکنیک سے بنے ہیں کہ وہ جب بھی حرکت میں آتے ہیں تو ان کا نشانہ مسجدیں، مدرسے اور مسلم بستیاں ہی ہوتی ہیں پچھلے دنوں ان ہی بلڈوزروں نے دہلی کی صدیوں پرانی آبادی مہرولی میں ایک 700 سالہ پرانی مسجد اور مدرسے کو ناجائز تعمیر قرار دے کر مسمار کر دیا تھا۔“ (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ مارچ 2024ء)

دفعہ 370 کی منسوخی اور کشمیر:

کشمیر وطن عزیز ہندوستان کا اٹوٹ حصہ ہے، یہ خطۂ ارض اپنی قدرتی کشش اور دل فریب فطرت کے مناظر اور اور صحت بخش آب وہوا کے لیے مشہور ہے، اسی سرزمین کے لیے کہا گیا:

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

تقسیم وطن کے وقت جموں وکشمیر کو دفعہ 370 کے ذریعہ خصوصی اختیارات دیے گئے تھے، یہ دفعہ جموں وکشمیر کو اپنا آئین بنانے اور اسے برقرار رکھنے کی آزادی دیتی تھی، اس خصوصی دفعہ کے تحت دفاعی امور وغیرہ کو چھوڑ کر کسی اور معاملے میں متحدہ

مرکزی حکومت، مرکزی پارلیمان اور ریاستی حکومت کی توثیق کے بغیر بھارتی قوانین کا نفاذ ریاست جموں وکشمیر میں نہیں کر سکتی تھی، اس خصوصی دفعہ کے تحت شہریوں کے لیے جائداد، شہریت اور بنیادی انسانی حقوق شامل ہیں۔

ہندوستان میں بی جے پی حکومت آنے کے بعد سے مسلمانوں کی بنیادوں کو کمزور کرنے، ان کی تہذیب وثقافت کو مٹانے اور ان کی تاریخی عمارتوں کو منہدم کرنے کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، یہ ساری چیزیں مسلم دشمنی کے اظہار اور غیر مسلموں کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ہے، دفعہ 370 کی منسوخی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کے ذریعہ کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کر کے وہاں کے مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کو اکثریت سے اقلیت میں لانے کی ایک بڑی سازش ہے۔ دفعہ 370 کی منسوخی کے بعد کشمیر میں جو حالات پیدا ہوئے اور کشمیر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو جن قیامت خیز حالات سے گزرنا پڑا اس پر کوئی دردمند دل رکھنے والا مفکر اور قوم ملت کی فکر رکھنے والا سیاسی مبصر کیسے خاموش رہ سکتا تھا، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے ستمبر 2019ء کے اداریے میں ”جنت نشان جموں وکشمیر – آج اور کل“ کے عنوان سے وہاں کے سلگتے حالات کا جائزہ پیش فرمایا، اس اداریے میں انھوں نے دفعہ ۳۷۰ کی منسوخی، کشمیر کے ناگفتہ بہ حالات اور اس کے دُور رس اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ اداریے کے درج ذیل اقتباسات ان کی سیاسی بصیرت اور ان کی دور اندیشی کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

”جنت نشان کشمیر 5 اگست 2019ء کے بعد سے مسلسل نظر بند ہے، ریاست جموں وکشمیر ہندوستان کی آزادی کے بعد کش مکش میں مبتلا تھا، اس بہتر سالہ دور میں جموں وکشمیر مختلف آزمائشوں سے گزرتا رہا ہے، اس میں ملکی وغیر ملکی، دہشت گردیوں کا نشانہ بھی بنتا رہا ہے۔ در اصل آرٹیکل 370 اور 35-اے کے منسوخ ہونے کے بعد جموں وکشمیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔(1) لداخ کو سینٹرل گورنمنٹ کے مستقل ماتحت کر دیا گیا، اب وہاں اپنی اسمبلی نہیں ہوگی بلکہ سب کچھ مرکزی حکومت کے ماتحت ہوگا۔ (2)-جموں وکشمیر یہ بھی بعض شرائط کے ساتھ مرکزی حکومت کے ماتحت ہوگا۔ اس میں اسمبلی ہوگی۔“

اس پورے معاملے میں میڈیا کا جو گھنونا کردار رہا اس پر آپ نے روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:

”ملکی میڈیا اس وقت وہی دکھا یا بتا رہا ہے جو مرکزی حکومت چاہتی ہے، یعنی جموں وکشمیر میں سب کچھ ٹھیک ہے، غیر ملکی میڈیا کسی طرح جو کچھ حق اور سچ بتانے یا دکھانے کی کوشش کر رہا ہے اسے ملک مخالف پروپیگنڈہ کہ کر نظر انداز کیا جارہا ہے، یعنی یہ صحافی ہند مخالف ہیں، حقائق سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو صرف ہندو مسلم فسادات کی راہ ہموار کر رہے ہیں، ہند میں نفرت اور بیزاری کا ماحول پیدا کرنا چاہ رہے ہیں، مگر سچائی یہ ہے کہ جو حقائق اور دردناک مناظر سامنے آرہے ہیں انھیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں، سری نگر وغیرہ میں جو کثیر مسلم خواتین مظاہرے کر رہی ہیں، ان پر مسلسل ظلم وتشدد ہو رہے ہیں۔“ (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ ستمبر 2019)

دفعہ 370 اور 35-اے کی منسوخی سے اس خطے پر مرتب ہونے والے اثرات کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان دونوں دفعات کے ختم ہونے کا مطلب ہے کہ دیگر حضرات بڑی تیزی سے وہاں زمین خریدلیں گے اور کشمیری سادہ لوح حضرات ہیں وہ نوٹوں کے لالچ میں سستی زمینیں فروخت کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کشمیر میں مسلم اقلیت میں آجائیں گے، عام طور پر باشندگان کشمیر کس مپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے، ان کی حیثیت لکڑی کاٹنے، پانی بھرنے، قلی باورچی اور چپراسی جیسی ہو جائے گی، دیگر صوبوں کے دولت مند کشمیری خواتین کا بھی بے جا استعمال کریں گے، وہاں بڑے بڑے ہوٹل بنیں گے، شر پسند عناصر عیاشیاں کریں گے، کشمیر ایک زرخیز وادی ہے وہاں بڑے حضرات تمام زرخیز زمینوں کو خریدیں گے اور ملک کے حالات دن بہ دن مزید بگڑیں

گے۔"(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ ستمبر2019ء)

کشمیر مسلم اکثریت والا علاقہ ہے، اسی وجہ سے اس کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے اس قدر ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا جب کہ یہ خصوصی حیثیت اور بھی کئی خطوں کو حاصل ہے۔ حکومت کی اس دوہری پالیسی پر نقد کرتے ہوئے مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ لکھتے ہیں:

"آپ ذرا غور کریں، یہ خصوصی امتیاز صرف جموں وکشمیر ہی کو حاصل نہیں ہے بلکہ دیگر چند ریاستوں کو بھی یہ امتیاز حاصل ہے ،مثال کے طور پر اس وقت ۳۷۰-اے کے ذریعہ ناگالینڈ میں کسی بھی بیرونی باشندے کو وہاں زمین خریدنے پر پابندی ہے۔ یہاں آراضی صرف قبائلی عوام خرید سکتے ہیں جو ریاست کے مکین ہیں ،یہاں تک کہ تلنگانہ کے لمباڑے اور چینچو قبائل کے افراد دوسرے ایس ٹی طبقات بھی یہاں ارضیات نہیں خرید سکتے بلکہ ان کا جھنڈا بھی الگ ہے اور باضابطہ ویزا لینا بھی ضروری ہے۔۔۔ میزورم میں ۳۷۱-جی کی وجہ سے لوگ آراضیات نہیں خرید سکتے، دفعہ 371-ای یہی دفعہ ہماچل پردیش میں بھی ہے، یہاں بھی دیگر حضرات آراضیات نہیں خرید سکتے، یہی حال اروناچل پردیش، میگھالیہ، منی پور اور آسام میں ہے، ان علاقوں میں کوئی مستقل قیام کرنا چاہے تو وہ بھی خلاف قانون ہوگا۔"(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ ستمبر2019)

وقف ترمیمی قانون اور ہندوستانی سیاست:

ہندوستان میں مسلمان کرایے دار نہیں ہیں، مسلمانوں نے اس ملک کی تعمیر وترقی میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، یہاں مسلمانوں نے صدیوں تک حکمرانی کی ہے، ملک کی جڑوں کو مضبوط کیا ہے، اپنے عہد کی عظیم نشانیاں چھوڑی ہیں، بعض عیش کوش حکمرانوں کی عیاشی اور بزدلی کی وجہ سے جب انگریزوں نے وطن عزیز پر قبضہ کیا تو اس وقت ان کے سب بڑے دشمن مسلمان تھے، انھوں نے مسلمانوں کو تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اسی کوشش کی ایک کڑی مسلمانوں کے اوقاف میں خُرد برد اور ان پر بے جا قبضہ بھی ہے، انگریزوں نے اوقاف کی جائداد پر غاصبانہ قبضہ کیا تو مسلمان سراپا احتجاج ہوگئے، جس کے نتیجے میں وقف ایکٹ ۱۹۳۲ء بنا، آزادی کے بعد 1954ء میں اوقاف کے تحفظ کے لیے وقف ایکٹ بنایا گیا، پھر 1984ء، 1995ء، 2010ء اور 2013ء میں وقف ایکٹ میں ترمیم کا سلسلہ جاری رہا، ان تمام ترمیمات کا مقصد وقف جائداد کو تحفظ فراہم کرنا بتایا گیا، لیکن ایسا نہیں ہوا، اوقاف کے تحفظ کے نام پر ہمیشہ اس پر غاصبانہ قبضہ ہی کیا گیا، وقف بورڈ کے ارکان وممبران نے بھی اپنی ذمے داریاں نبھانے کے بجائے لوٹ پاٹ میں کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق 9 لاکھ ایکڑ سے زائد زمینیں اوقاف کی ہیں، فوج اور ریلوے کے بعد سب سے زیادہ زمینیں اوقاف کے پاس ہیں۔ 2024ء میں وقف ایکٹ کا ترمیمی بل پیش کیا گیا اور اس میں متعدد ایسے دفعات شامل کیے گئے جس سے وقف جائدادوں کو حکومت کی تحویل میں لینے اور انھیں مسلمانوں کی دسترس سے باہر کرنے کا کھیل بڑی مہارت کے ساتھ کھیلا گیا تھا، اس بل کے خلاف بھی خوب احتجاج ہوا۔ مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے ماہ نامہ اشرفیہ کے شمارہ ستمبر 2024ء میں "وقف ترمیمی بل 2024ء ایک جائزہ" کے عنوان سے ایک جامع اداریہ لکھ کر حکمراں جماعت کی سازشوں اور ان کے خطرناک عزائم سے مسلمانوں کو واقف کرایا، اس ترمیمی بل کے نقصانات بھی بتائے، اس گراں قدر اداریے کے درج ذیل اقتباسات چشم کشا اور سیاسی چال بازیوں کو واشگاف کرنے والے ہیں۔

"غیروں کے لیے دردناک سوال یہ ہے مسلمانوں کے رفاہی امور کے لیے اتنی زیادہ زمینیں اور عمارتیں کیوں ہیں؟ دراصل جن لوگوں کو مسلمانوں کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا ان کو مسلمانوں کے اوقاف سے بھی تکلیف ہے اور وہ کسی بھی قیمت پر ان جائدادوں پر ناجائز قبضہ چاہتے ہیں۔ اس نئے بل میں تقریبًا چالیس ترامیم کی گئی ہیں، ہمیشہ کی طرح حکومت نے مسلمانوں کو یہ فریب دیا ہے کہ اس نئے بل میں مسلمانوں کے لیے فائدہ ہی

فائدہ ہے ،اس بل سے خواتین، بچوں اور کمزور مسلمانوں کو فائدہ ہوگا،لیکن اس بل کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وقف مسلمانوں کا مذہبی عمل ہے اور اس کے احکامات فقہ کی کتابوں میں درج ہیں اس کے خلاف کرنا درست نہیں ہے لیکن حکومت نے اس ترمیمی بل کا خاکہ بناتے وقت کسی مسلم تنظیم سے رابطہ کیا نہ کسی خانقاہ اور معروف ادارہ سے، حد تو یہ ہے کہ علمائے کرام سے مشورہ بھی نہیں لیا گیا۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ ستمبر 2024ء)

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے اس اداریے میں چالیس ترامیم میں سے چند اہم ترامیم کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے اس کے دور رس اثرات، نقصانات اور شرعی قباحتوں پر روشنی ڈالی ہے، ان کا سیّال قلم پورے جوبن پر ہے، ان کی علمی اور سیاسی بصیرت سطر سطر سے عیاں ہے، ان کے جملوں سے ان کا درد بھی جھلکتا ہے، ان کا قلم جہاں اہل سیاست کی سیاسی بازی گری کا پردہ چاک کرتا ہے وہیں اسلامیان ہند کے سقوط وزوال پر آہ وفغاں بھی کرتا نظر آتا ہے، وہ حکومت کے اس غیر منصفانہ عمل پر سراپا احتجاج ہیں اور اپنی قوم کو اس بل کی نازکیوں سے باور کرانا چاہتے ہیں۔ ذرا ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر باتدبیر کے ان جملوں کو چشم بصیرت سے دیکھیں:

"اس ترمیم میں ایک بڑی تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ اب نئے وقف کونسل میں چاہے مرکزی وقف بورڈ ہو یا صوبائی وقف بورڈ اس کے ارکان میں غیر مسلم بھی شامل ہوں گے بلکہ وقف بورڈ کا ایگزیکیٹو بھی غیر مسلم بن سکتا ہے، اسی طرح وقف کا سی ای او غیر مسلم بن سکتا ہے، سوال یہ ہے کہ جب گرو دوارہ کمیٹی میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا ہے اور ہندوؤں کی جو مندر وغیرہ کی کمیٹی ہوتی ہے اس میں کوئی مسلمان ممبر نہیں ہوتا ہے، یوپی، کیرالا، کرناٹک ، تمل ناڈو میں ایسے قوانین ہیں کہ ہندو مذہبی املاک کے معاملات میں ہندو ہی اس کا ممبر ہوگا، تو پھر وقف بورڈ میں کوئی ہندو کیوں کر ممبر ہوگا، اور اس کے مرکزی عہدوں پر ہندو کیوں کر فائز ہو سکتا ہے۔ کیا یہ مسلمانوں کے املاک کو غیر مسلموں کو دینے جیسا نہیں ہے؟۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ ستمبر 2024ء)

"اس نئی ترمیمی بل میں ایک شق یہ بھی ہے کہ جو اوقاف کی جائدادیں باضابطہ طور پر واقف کی طرف سے رجسٹرڈ نہیں ہیں بلکہ اسے صرف وقف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اسے وقف تسلیم نہیں کیا جائے گا، وقف درست ہونے کے لیے رجسٹرڈ ہونا لازم ہوگا۔ یہ قانون بھی اسلام کے اصولِ وقف کے خلاف ہے، اس لیے حضرات فقہانے زبانی طور پر وقف کو درست قرار دیا ہے، اس قانون کی بنیاد پر بہت سی جائدادیں وقف ہونے سے نکل جائیں گی، اور حکومت ان جائدادوں پر اپنا تسلط حاصل کر لے گی، اس لیے کہ ہندوستان میں اوقاف کی تاریخ بہت پرانی ہے اور بہت سی مساجد ہیں جو چار پانچ سو سال پرانی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا کوئی ریکارڈ تلاش کرنا ممکن نہیں ہے، اس کے وقف ہونے کا یہی ثبوت ہے کہ اتنے سالوں سے بطور وقف استعمال کیا جارہا ہے۔ قانون کی یہ شق بھی سیدھے طور پر مسلمانوں کے اوقاف کو ہڑپنے اور ان کو اپنی اوقاف سے بے دخل کرنے جیسا ہے، اس طرح بہت سی مساجد اور مدارس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل سکتے ہیں۔"

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ ستمبر 2024ء)

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی حکومت کے ظالمانہ رویے کے ساتھ وقف بورڈوں کی نااہلی، بدعنوانی اور ان کے ذریعہ غیر قانونی قبضوں پر بھی احتجاج درج کراتے ہوئے حقیقت حال سے قوم باخبر کرتے ہیں:

"اس وقت ملک میں 35 وقف بورڈ کام کرتے ہیں، ملک میں سب سے زیادہ آمدنی کرناٹک وقف بورڈ کی ہے، سب سے بُرا حال مہاراشٹر وقف بوڑد کا ہے اور سب سے زیادہ ناجائز قبضے مہاراشٹر ہی میں ہوئے ہیں۔ سیاسی لیڈروں اور وقف کے ذمے داروں کی مہربانی سے۔ ملک کے موجودہ اوقاف کے جائداد کی جو قیمت نکالی گئی ہے ۔1.2 لاکھ یعنی 12000 بلین۔ اگر اس رقم کا 10٪ حصہ یعنی 12000 کرور بھی مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی، مسائل پر خرچ کیا جائے تو بغیر سرکاری خزانے کو ہاتھ لگائے ان کی ترقی ہو سکتی ہے۔

اتر پردیش میں وقف بورڈ کی 3000 زمینوں پر ناجائز

قبضہ جات ہیں جن کی موجودہ قیمت کروڑوں کھربوں میں ہے ، صرف ملک کی راجدھانی دہلی کی ہم بات کرتے ہیں تو یہ حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں کہ دہلی میں وقف جائداد کی تعداد 1977 ہے جس میں 600 پر سرکاری اداروں اور زمین مافیا، 138 پر ڈی ڈی اے اور مرکزی محکمۂ تعمیرات نے 108 قیمتی زمینوں پر عمارتیں کھڑی کر رکھی ہیں، یہ فہرست کافی طویل ہے۔"

ان حالات میں دردناک سوال یہ ہے کہ حکومت کے بلڈوزر اب کہاں سو رہے ہیں، کیا ان حقائق سے حکومتوں کے شعبے آشنا نہیں ہیں۔ یہی ناجائز قبضے اگر مسلمانوں یا دیگر پس ماندہ حضرات نے کیے ہوتے تو کب کا ان کو بے گھر کر دیا گیا ہوتا۔"

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ ستمبر 2024)

سیاسی بلڈوزر اور جمہوری اقدار:

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اس کا اپنا دستور العمل ہے، جس میں جرم وسزا کے دفعات صاف لفظوں میں لکھے ہوئے ہیں، حکومت، انتظامیہ اور عوام، کوئی بھی من مانی کرنے کے لیے آزاد نہیں ہے، جرائم پر سزاؤں کے لیے ایک پورا پروسیس ہے، کوئی بھی قانون ہاتھ میں لے کر یوں ہی سزا نہیں دے سکتا، اس کے لیے قانونی مراحل طے کرنا لازم ہے۔ 2019ء سے ہندوستان میں سیاسی بلڈوزر متعارف ہوا، اتر پردیش سے اس کارِ بد کا آغاز ہوا، اس بلڈوزر کا قبلہ اکثر مسلمانوں کے دکان ومکان ہوتے ہیں، ایک جمہوری ملک میں بغیر کسی قانونی چارہ جوئی کے لمحوں میں برسوں کی کمائی سے بنائے آشیانے کو مسمار کر دیا جاتا ہے۔ اس غیر جمہوری عمل کے خلاف ہر ہندوستانی کو آواز بلند کرنی چاہیے تھی، لیکن چوں اس کا شکار اکثر مسلمان ہوتے تھے اس لیے اس غیر انسانی عمل کی ایک طبقے کی جانب سے خوب ستائش ہوئی اور اسے ایک سیاسی آلۂ کار بنا لیا گیا، سیاسی ریلیوں میں بلڈوزر لائے جانے لگے، اتر پردیش کے چیف منسٹر کو بلڈوزر سے منسوب کرتے ہوئے "بلڈوزر بابا" کہا جانے لگا، عوامی مقبولیت اور سیاسی مقاصد پورا ہوتے دیکھ بلذور کارروائیاں بڑھتی گئیں، سیکڑوں مکانات، مدارس اور مساجد نیست ونابود کر دیے گئے، اتر پردیش سے شروع ہونے والی اس ظالمانہ کارروائی نے اپنے پیر پسارے اور بہار، ایم پی، اترا کھنڈ، دہلی، گجرات اور اب بنگال تک اس کا سلسلہ دراز ہو گیا ہے، اکثر صوبوں میں زعفرانی طاقتوں کا تسلط ہے اور سیاست ہندو مسلم منافرت کے ارد گرد گردش کر رہی ہے۔ بلڈوزر کارروائی پر سپریم کورٹ نے کئی بار امتناعی احکامات جاری کیے ہیں اور حکومتوں سے ان کارروائیوں کے جواز پر سوال بھی کیا گیا ہے، لیکن موجودہ حکومت نے سپریم کورٹ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر اپنا مشن جاری رکھا ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ اکتوبر 2024ء میں "بلڈوزر ایکشن" کے عنوان سے اداریہ لکھا، جس میں انھوں نے بلڈوزر کے ذریعہ مسلمانوں کے دکان مکان اور مدارس ومساجد کے تباہ کیے جانے کا جائزہ پیش فرمایا اور اس کے پس پرہ حکومت کے سیاسی مقاصد کی عقدہ کشائی فرمائی:

"2019ء سے جزوی طور پر اور پھر 2022ء میں بلڈوزر ایکشن شروع کیا، ہر طرف ہاہا کار مچی ہوئی تھی، بلڈوزر ایکشن یوپی کے مختلف علاقوں میں اپنی گھن گرج کے ساتھ آگے بڑھتا رہا، اس کے بعد ایم پی اور راجستھان وغیرہ میں اس کے شعلوں کی چنگاریاں اٹھنے لگیں۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ اکتوبر 2024)

"قابل ذکر ہے کہ بی جے پی حکومت والی تین ریاستوں میں قانونی عمل کو در کنار کر کے من مانے ڈھنگ سے قصوروار قرار دے کر ان کے مکانات کو مسمار کرنے کی کارروائی کی جاتی رہی ہے۔ آئینی نظام پر حملے کی شروعات یوپی کے وزیر اعلیٰ یوگی ادتیہ ناتھ نے کی تھی، وہ اس کام میں اتنے مشہور یا کہ لیجیے کہ بدنام ہوئے کہ لوگ انھیں "بلڈوزر بابا" کہنے لگے، اس لقب پر بابا بھی پھولے نہیں سماتے رہے، ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مدھیہ پردیش اور پھر بی جے پی حکومت بننے کے بعد راجستھان میں بھی بلڈوزر گرجنے کی بازگشت سنائی دینے لگی۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ اکتوبر 2024ء)

"یہ افسوس ناک حالات ہیں، ہم نے چند باتیں اختصار کے ساتھ سپرد قلم کی ہیں، ان درناک احوال کی روداد سناتے

ہوئے قلم اشک بار ہے، آپ نے سنا، کتنے مدارس، مساجد اور مزارات کو شہید کر دیا، ان مقدس مقامات سے مسلمانوں کی عقیدت کا رشتہ تھا اور مدارس میں نئی نسلوں اور نادار طلبہ کی تعلیم و تربیت کا تعلق تھا، جن کے مکانات توڑے گئے ہیں ان بے چاروں کے پاس اتنا سرمایہ کہاں ہے کہ وہ نئی زمینیں خرید کر اپنے مکان تعمیر کرائیں۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ اکتوبر 2024)

حضرت مولانا مبارک حسین علیہ الرحمہ ملکی سیاست کے ساتھ بین الاقوامی سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، عالمی سطح پر بدلتے حالات پر ان کی نظر رہتی تھی، وہ عالمی سیاسی منظر نامے پر خاص نگاہ رکھتے تھے، خاص طور سے عالم اسلام کے سیاسی حالات اور وہاں وقوع پذیر حادثات وواقعات ان کے غور وفکر کا موضوع ہوتا تھا، انھوں نے عراق، فلسطین، مصر، شام اور ترکی وغیرہ کے مسائل پر بھی اداریے لکھے۔ فلسطین کئی دہائیوں سے عالمی سیاست کا مرکز بنا ہوا ہے، اسرائیلی جارحیت نے فلسطینیوں کو جس کرب واضطراب سے دوچار کیا ہے اس کی مثال کہیں نظر آتی۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رقم طراز ہیں:

"اس وقت دنیا کا حساس مسئلہ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان جنگ ہے، اس وقت فلسطین کے غزہ پٹی میں وہاں کے عام باشندوں، خواتین اور بچوں پر جو ظلم وجبر کیا جارہا ہے، اسرائیل کی اس دہشت گردی اور نسل کشی پر دنیا چیخ رہی ہے، چھوٹے بڑے ہسپتالوں اور مریضوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے، دوائیں ختم ہورہی ہیں، کھانے پینے کی اشیا ختم ہو چکی ہیں۔"

(اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ جنوری فروری 2024ء)

"اب حالات کا جبری تقاضا یہ ہے کہ اسرائیل وفلسطین میں طے شدہ شرائط پر صلح کرادی جائے، حق تو یہ ہے کہ یہودیوں کے لیے دنیا کے کسی خطے میں ایک انچ بھی زمین نہیں ہے، مگر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ نے جس طرح فلسطین اور یروشلم کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا، کم از کم اسی تقسیم کو باقی رکھتے ہوئے اس خوں ریز ضرب وحرب کا سلسلہ موقوف کیا جائے، اسی میں سب کی بھلائی اور امن وآشتی ہے۔" (اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ اکتوبر، نومبر 2023)

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ تقریباً 36 سالوں تک ماہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ رہے، انھوں نے اس دوران ملکی وبین الاقوامی سطح پر حالات بنتے بگڑتے دیکھا، سیاسی آندھیاں دیکھیں، مشکل اور نازک دور کا مشاہدہ کیا، مبارک پور سمیت ملک کے مختلف علاقوں میں وقوع پذیر فسادات اور سیاسی اتھل پتھل کا بھی مطالعہ کیا، وہ زندہ دل انسان تھے، بلند فکر اور عالی دماغ تھے، وہ اپنے گرد وپیش کے حادثات وواقعات کو نظر انداز کیسے کر سکتے تھے، ایک موقر رسالے کے مدیر ہونے کی حیثیت سے ان کا منصبی فریضہ بھی تھا کہ وہ دیگر تمام موضوعات کے ساتھ سیاسی معاملات ومسائل پر بھی اظہار خیال کریں، سیاست کی پیچیدگیوں سے اہل وطن کو باخبر رکھیں، قارئین کو اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کریں۔ انھوں نے اس زاویے سے بھی ماہ نامہ اشرفیہ کو ممتاز رکھا، 36 سالہ دور ادارت میں سیاسی موضوعات پر انھوں نے درجنوں اداریے اور مضامین لکھے، ایک بڑے ادارے کے ذمہ دار استاذ ہونے کی وجہ سے بہت سارے تحفظات بھی ہوتے تھے، اس کے باوجود انھوں نے بڑی دانش مندی کے ساتھ سیاسی مسائل پر اظہار خیال فرمایا، ان کا قلم ہمیشہ جادۂ اعتدال پر قائم رہا، انھوں ہمیشہ حقائق کو پیش کرنے کی کوشش کی، وہ ملک ملت کے خیر خواہ تھے اسی لیے انھوں کبھی بھی سیاسی معاملات کو ہوا دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ مثبت فکر وخیال پیش کرتے رہے، تخریب کے دور میں بھی انھوں نے ہمیشہ تعمیر کی باتیں کیں، نفرت کے زمانے میں بھی انھوں نے محبت کے ترانے گائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے اداریوں کو عالمی سطح پر پسند کیا گیا اور قارئین کے ہر طبقے نے ان کی صحافتی صلاحیتوں کا لوہا مانا اور ان کو اکیسویں صدی کا "ممتاز صحافی" قرار دیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

▪▪▪

مولانا مبارک حسین مصباحی اور ماہ نامہ اشرفیہ کے خصوصی شمارے

ایک جائزہ

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی، علمی ترجمان ماہنامہ ”اشرفیہ“ صفر 1396ھ/فروری 1976ء میں حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ کی زیر قیادت جاری ہوا۔

مدیر اول مولانا بدر القادری مصباحی منتخب ہوئے، وہ جون 1978ء تک مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ابھی ماہنامہ اشرفیہ کے چار شمارے ہی منظر عام پر آئے تھے کہ حافظ ملت یکم جمادی الآخرہ 1396ھ/31 مئی 1976ء شب گیارہ بج کر پچپن منٹ پر علم وادب کا یہ شہرستان چھوڑ کر باغ فردوس کی نکہتوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مدیر اعلیٰ نے پانچویں شمارے جون 1976ء کا اداریہ ”صدمۂ جاں کاہ“ کے عنوان سے تحریر کیا اور اسی میں ”حافظ ملت نمبر“ کا اعلان بھی کیا۔ حافظ ملت نمبر کی ترتیب میں دو سال کا عرصہ لگ گیا، جون 1978ء میں مدیر اعلیٰ مولانا بدر القادری نے اس نمبر کی ترتیب مکمل کی اور اسے ذمہ داران اشرفیہ کے حوالے کر کے خود ہالینڈ کے لیے روانہ ہو گئے، لیکن نمبر کسی وجہ سے اشاعت کی منزل طے نہ کر سکا اور رسالے کی بھی اشاعت پر جمود طاری ہو گیا، اس کے بعد چار مہینے جولائی، اگست، ستمبر اور اکتوبر کا مشترکہ شمارہ منظر عام پر آیا تو مدیر کی حیثیت سے مولانا سید شمیم گوہر مصباحی نام زد تھے اور اداریہ ناظم تعلیمات مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا تھا، جس میں انھوں نے پوری داستان غم بیان کی، دو سال کے بعد کچھ ضروری ترمیم وتنسیخ کے بعد اپریل 1980ء میں ”حافظ ملت نمبر“ بھی منظر عام پر آ گیا۔

مولانا سید شمیم گوہر مصباحی نے اکتوبر 1978ء سے جون 1983ء تک ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت فرمائی، 6 جمادی الاولیٰ 1401ھ/13 مارچ 1983ء کو مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمن قادری اڑیسوی کا انتقال ہوا۔ تو 1982ء میں سید صاحب کی ادارت میں ”مجاہد ملت نمبر“ نکلا جو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

ان کے جانے کے بعد 3 ماہ تک کوئی شمارہ شائع نہیں ہوا، 3 ماہ کے طویل وقفہ کے بعد فروری 1984ء کا شمارہ منظر عام پر آیا، مدیر کی حیثیت سے مولانا قاری محمد یحییٰ اعظمی کا نام چھپا، اس کا اداریہ مولانا محمد شفیع اعظمی نے تحریر فرمایا۔ حضرت قاری صاحب کا زمانۂ ادارت جون 1986ء تک رہا اور جون 1986ء ہی سے مدیر اعزازی مولانا محمد عبد المبین نعمانی بنائے گئے، اس کا اداریہ انھوں نے ہی ”عرض حال“ کے نام سے لکھا۔ پھر رسالہ تسلسل کے ساتھ اشاعت کی منزلیں طے کرتا رہا۔

حضرت نعمانی صاحب کی ادارت میں کئی خصوصی شمارے نکلے مثلاً: 1987ء کا شمارہ ”بیاد گار حافظ ملت“ اور اکتوبر 1987ء کا شمارہ ”یادگار رضا“ کی شکل میں چھپا۔ ستمبر 1990ء تک نعمانی صاحب ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر رہے۔ ان کے دور ادارت میں کوئی شمارہ ناغہ نہیں ہوا۔

اکتوبر 1990ء سے مولانا مبارک حسین مصباحی ماہنامہ کے مدیر ہوئے اور اپنے سفر آخرت 4 جون 2026ء تک اس منصب پر فائز رہے، ان کے دور ادارت میں ماہنامہ شاہراہ ترقی پر گام زن رہا۔ اس دوران کئی خصوصی شمارے اور وقیع نمبر بھی شائع ہوئے، ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

1۔ پیغمبر اعظم نمبر (1991ء)
2۔ انوار حافظ ملت نمبر (1992ء)
3۔ صدر الشریعہ نمبر (1995ء)

4۔ تعلیمی کنونشن نمبر (1996ء)
5۔ غریب نواز نمبر (1998ء)
6۔ جشن شارحِ بخاری نمبر (2000ء)
7۔ فقیہِ اعظم ہند نمبر (2000ء)
8۔ سیدین نمبر (2002ء)
9۔ انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر (2008ء)۔

(مستفاد از علامہ محمد احمد مصباحی احوال و افکار۔ مرتب: مولانا توفیق احسن برکاتی مصباحی)

اس تحریر کا مقصد مولانا مبارک حسین مصباحی کے دورِ ادارت میں شائع ہونے والے نمبروں اور خصوصی شماروں کا تعارف ہے، راقم سطور نے اپنی بساط کے مطابق تعارف و تبصرہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، امید ہے کہ قابلِ استفادہ ہوگا۔ ”سیدین نمبر“ پر چوں کہ مولانا نفیس احمد مصباحی کے قلم سے عمدہ اور شگفتہ تبصرہ اسی نمبر میں شامل ہے، اس لیے اس پر الگ سے لکھنے کی ضرورت نہیں تھی وقت کی تنگی کی وجہ سے ”پیغمبر اعظم نمبر“ اور ”انقلاب 1857 نمبر“ کا تعارف نہ پیش کر سکا، اس کے لیے معذرت ہے۔ اب لیجیے تبصرہ حاضر ہے۔

انوار حافظ ملت:

حافظ ملت نمبر (مرتبہ: مولانا بدر القادری مصباحی۔ مجریہ: 1978ء) کے بعد حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی، بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے حالات اور کارناموں پر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے مختلف شماروں میں وقتاً فوقتاً مضامین چھپتے رہے اور عرس حافظ ملت کے موقع پر ہر سال خصوصی شمارے پیش کیے جاتے رہے، اس کام میں اس وقت تیزی آئی جب مولانا مبارک مصباحی جولائی 1990ء میں ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعزازی بنائے گئے اور ساتھ ہی ادارہ تحقیقات حافظ ملت قائم کیا، اس کے تحت انھوں نے سیمینار کرائے اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ و متعلقین سے مضامین لکھوائے جو حافظ ملت افکار اور کارنامے کے نام سے اہل ذوق کی خدمت میں پیش کیے گئے، مزید مضامین جو تشنۂ طباعت رہ گئے تھے وہ ماہ نامہ اشرفیہ کی خصوصی پیشکش کے طور پر ”انوار حافظ ملت نمبر“ کے نام سے زیور طباعت سے مزین ہوئے، یہ نمبر اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے مقالہ نگاروں میں بیش تر حضرات حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بلاواسطہ شاگرد ہیں جنھوں نے حضرت کے شب و روز اور نشست و برخواست بچشم خود دیکھے اور ان کے اقوال و گفتار بگوش خویش سنے؛ اس لیے ان کی تحریروں کا اعتبار ان قلم کاروں کی تحریروں کے مقابلے میں زیادہ بڑھ جاتا ہے جنھوں نے بالواسطہ سن کر یا کسی کی تحریر کو پڑھ کر کچھ لکھا ہو۔

تلمیذ حافظ ملت میں سے جن لعل و گوہر کے خامہ ہائے گوہر فشاں سے نکلی ہوئی زریں تحریریں اس نمبر میں شامل ہیں، ان کے اسمائے گرامی ان کے عنوان کی صراحت کے ساتھ یوں ہیں:

1- علامہ ارشد القادری (حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ)
2- علامہ محمد احمد مصباحی (○ حافظ ملت ایک جہان کمال و محاسن ○ حافظ ملت تعلیمی ماحول میں)
3- مولانا بدر القادری مصباحی (○ حافظ ملت میرے محسن میرے مہربان ○ حافظ ملت کے تلمیذ قاری مصلح الدین مصباحی)
4- مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی (حافظ ملت اور تعمیر انسانیت)
5- مولانا محمد صابر القادری نسیم بستوی (حافظ ملت تاریخ ساز شخصیت)

ان کے علاوہ جن قلم کاروں کے رشحات قلم اس میں شامل ہیں وہ یہ ہیں:

1- مولانا مبارک حسین مصباحی
(حافظ ملت، عظیم شخصیت کے چند خاطر نواز پہلو)
2- مولانا محمد حنیف رضوی بریلوی
(حافظ ملت ایک جامع کمال شخصیت)
3- مولانا ایاز احمد مصباحی
(حافظ ملت ایک تقوی شعار شخصیت)
4- مولانا خورشید الاسلام مصباحی (حافظ ملت، ملت

کے غم خوار)

5-الحاج عبدالحکیم عزیزی (حافظ ملت کا اخلاص)

6-حکیم محمد یوسف عزیزی (حافظ ملت کچھ یادیں کچھ باتیں)

7-شمشاد احمد اعظمی (حافظ ملت ایک انقلاب آفریں شخصیت)

8-یعقوب اختر فیضی (حافظ ملت ایک عظیم شخصیت)

9-غلام محمد بستوی (حافظ ملت اور خدمت دین)

10-ڈاکٹر دیوناتھ چترویدی (حافظ ملت ایک مثال راہ)

آخر میں سیتامڑھی کے فساد زدہ علاقے کے دورے سے واپسی کے بعد علامہ اشد القادری کا بیان، اس کے بعد مدیر کی ڈاک پھر خیر و خبر اس طرح 112 صفحات کی ضخامت کے ساتھ یہ نمبر تکمیل آشنا ہوتا ہے۔

یہ نمبر ماہنامہ کی سترہویں جلد کا گیارہواں، بارہواں مشترکہ شمارہ ہے جو جمادی الاولی، جمادی الآخرہ سنہ 1413ھ/ نومبر، دسمبر 1992ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

اس رسالے پر مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے مولانا محمد ادریس مصباحی بستوی، مدیر مسئول کی حیثیت سے مولانا مبارک حسین مصباحی اور معاون مدیر کے طور پر مولانا محمد محبوب عزیزی مصباحی کے نام مطبوع ہیں، اداریہ مولانا مبارک حسین مصباحی کے خوش نگار قلم کا شاہ کار ہے، انھوں نے اس میں ”عزیزیات ایک جائزہ“ کے تحت سنہ 1413ھ/سنہ 1992ء تک حضور حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا ہے کہ حافظ ملت کے وصال کے بعد کن کن رسالوں نے ان پر نمبر نکالے، کس کس عنوان پر کون کون سی کتابیں لکھی گئیں، کتنی طباعت کے مراحل طے کر چکی ہیں اور ابھی کتنی زیر تالیف و ترتیب ہیں، ان کا بڑی خوبصورتی سے جائزہ لیا ہے۔

زیر ترتیب کتابوں میں مولانا نے جن کتابوں کا نام ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

1-فتاوی حافظ ملت (ترتیب وتحقیق: مبارک حسین مصباحی)

2-حافظ ملت اور تصوف (از: مبارک حسین مصباحی)

3-ملفوظات حافظ ملت (از: مولانا اختر حسین فیضی)

4-مفصل سوانح حافظ ملت (مولانا بدر القادری مصباحی)

واضح رہے کہ ان میں سے ”حافظ ملت اور تصوف“ کے علاوہ تمام کتابیں کئی سال پہلے چھپ چکی ہیں۔

حافظ ملت کی عظیم شخصیت کو دیکھتے ہوئے یہ 112 صفحے کا نمبر کچھ حقیر سا نظر آتا ہے، لیکن اس میں شامل وہ مضامین جنھیں سند عالی کی حیثیت حاصل ہے وہ ان بھاری بھر کم نمبروں سے کہیں زیادہ باوزن ہیں جو اس طرح کی تحریروں سے خالی ہیں، اس نمبر کو حیات حافظ ملت کے بنیادی اور اولین ماخذ کا درجہ حاصل ہے۔

صدر الشریعہ نمبر:

صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک بلند پایہ محدث اور عظیم فقیہ تھے، عربی زبان میں شرح معانی الآثار کی شرح ”کشف الاستار“ اور اردو زبان میں ”بہارِ شریعت“ اور ”فتاویٰ امجدیہ“ کے نام سے فقہ حنفی کے دو قابلِ قدر دائرۃ المعارف قوم کو عطا کیے، یہ کتابیں علوم و معارف کے خزانے اور تحقیق و تدقیق کے بحرِ ناپیدا کنار ہیں، انھوں نے علامہ وصی احمد محدث سورتی کی درس گاہِ فیض سے حدیث میں مہارت حاصل کی، محدث سورتی اپنے دور کے امیر المؤمنین فی الحدیث تھے، وہ فرماتے ہیں کہ: ”مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی نے“ استاذ الاساتذہ علامہ ہدایت اللہ خاں رام پوری نے کہا کہ ”شاگرد ایک ہی ملا وہ بھی بڑھاپے میں“ (بروایت حافظ ملت و قاضی شمس الدین جعفری) اور فتویٰ نویسی کی مہارت مجددِ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کی بارگاہ سے حاصل کی، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔“ (الملفوظ)

تعلیم و تربیت اور تدریسی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے نواب مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے کہا تھا:

”میرا جو ذاتی تجربہ ہے وہ یہ کہ جس کو مدرس کہتے ہیں وہ

ہندوستان میں چار، پانچ سے زائد نہیں، ان چار پانچ میں ایک مولوی محمد امجد علی صاحب ہیں، ان کے ہاتھ سے طلبہ کا فاضل ہونا اور اسناد پانا، صاف بتلا رہا ہے کہ ان میں استعداد ہے، نام کے مولوی نہیں۔" (رودادِ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں ضلع علی گڑھ بابت: سنہ 58-1957ء ص:5)

ان مشاہیر کے کلماتِ طیبات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا علمی مقام بہت بلند تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت کی بارگاہ کے تربیت یافتگان افقِ علم وعرفان کے شمس وقمر بن کر چمکے جن کی روشنی سے ملک وبیرون ملک کی درس گاہیں جگمگا رہی ہیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں:

"آپ کے باکمال تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان کو ذہن میں رکھ کر ایک طائرانہ نگاہ پورے برصغیر پر ڈالیے اور پھر آپ خود ہی اپنے ضمیر سے جواب طلب کیجیے کہ اہل سنت وجماعت کی وہ کون سی عظیم درسگاہ یا دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کا کون سا عظیم شعبہ ہے جہاں ان اساطینِ علم وفن کے تلامذہ یا فیض یافتگان بالواسطہ یا بلاواسطہ گراں قدر خدمات انجام نہ دے رہے ہوں۔ تو کیا میرے اس مدعا پر اب بھی مزید کسی شہادت کی ضرورت ہے۔ آج پورے برصغیر کی سنی دنیا درسگاہِ صدر الشریعہ کے بارِ احسان سے بوجھل ہے۔ مزید، دینی درس گاہوں سے دانش کدوں تک، کانفرنسوں کے اسٹیجوں سے مساجد کے منبر ومحراب تک، خانقاہوں سے فکر وفن کے ایوانوں تک، تصنیف وتالیف کے مراکز سے دعوت وتبلیغ کے میدانوں تک، کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے۔ (صدر الشریعہ حیات وخدمات ص 273،274)

وہ عالم ربانی اور تعلیم وتعلم کا رمز شناس جس کی بے لوث قربانیوں کی بدولت آج ہماری درس گاہیں آباد ہیں اور اسلام کا بول بالا ہے، اس مردِ جلیل پر تو بہت کچھ لکھا جانا چاہیے تھا، لیکن ہوا یوں کہ ان کے وصال کے بعد دو چار مضمون لکھ کر ہم سو گئے اور غفلت کی نیند کے مزے لیتے رہے، بھلا ہو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا کہ جس نے 1416ھ/1995ء میں اپنے میگزین ماہنامہ اشرفیہ کا "صدر الشریعہ نمبر" نکال کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ مولانا مبارک حسین مصباحی اداریے میں رقم طراز ہیں:

"صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اس ہنگامۂ عالم سے گزرے ہوئے قریب 47 برس کا طویل عرصہ گزر گیا۔ اس دوران اس آفاقی اور فلک پیما شخصیت کے احوال اور کارناموں پر دو چار مضامین کے سوا کچھ نہیں چھپ سکا اور جو کچھ لکھا گیا، وہ پردۂ طبع پر نہ آسکا۔ آپ نے اپنے ہم نشین، رفقا اور تلامذہ کی جو لمبی تعداد چھوڑی سلک جواہر کے وہ موتی بھی معدودے چند کے سوا ایک ایک کر کے آسودہ خاک ہو گئے اور انھی کے ساتھ آپ کی کتاب زندگی کے خزینے دفینوں میں بدل گئے۔ خدا بھلا کرے حضرت مولانا مفتی عبد المنان کلیمی صاحب کا کہ انھوں نے حضرت صدر الشریعہ کے حال آشناؤں سے کچھ مضامین بھی لکھوائے تھے، لیکن وہ بھی اپنے پروگرام کو کسی منزل تک پہنچائے بغیر اپنے جمع کردہ مضامین کو قادری منزل کے حوالے کر کے کسی دوسری مہم پر نکل گئے۔

راقم کو یہ تمام مضامین حضرت مولانا علاء المصطفیٰ اعظمی صاحب کے ذریعے دستیاب ہو گئے۔ لیکن یہ مضامین کافی حد تک قابلِ اصلاح تھے۔ فقیہِ عصر شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ نے ان تمام مضامین پر نظرِ ثانی فرمائی۔ انھوں نے اپنے نشترِ قلم سے بہت کچھ چھانٹ دیا اور جو کچھ بچا، ہمارے حوالے کر دیا۔ اس دوران ہم مسلسل ہند وبیرونِ ہند کے قلم کاروں اور واقف کاروں سے رابطہ کرتے رہے۔ اس طرح بہت سے مضامین ادارہ کو موصول ہو گئے۔

مگر ایک دردناک سوال یہ تھا کہ اکثر مضامین اپنے عنوانات و مندرجات کے اعتبار سے یکساں تھے۔ جہاں تک ممکن ہوا ان کے مکررات کو حذف کر دیا گیا اور عنوانات بھی بدل دیے گئے۔ قریب دو سال کی مسلسل جدوجہد اور دماغ سوزی کے بعد یہ نمبر آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کر رہے ہیں۔"

(صدر الشریعہ نمبر- ماہ نامہ اشرفیہ اکتوبر، نومبر 1995ء ص:4-5)

یہ نمبر 288 صفحات پر مشتمل ہے، اسے پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا باب: احوال ومشاہدات
دوسرا باب: افکار اور کارنامے
تیسرا باب: تحقیقات وتصنیفات
چوتھا باب: امام احمد رضا اور صدر الشریعہ
پانچواں باب: فضائل ومناقب

ہر باب معیاری اور تحقیقی مضامین سے مالامال ہے، مضامین پڑھنے سے مضمون نگار کی محنت اور جاں کاہی کا اندازہ ہوتا ہے، ہر باب اپنے اندر جداگانہ خصوصیت رکھتا ہے، لیکن ان میں پہلا باب الگ شناخت کا حامل ہے، اس میں ان مضامین کو جگہ دی گئی جو تلامذۂ صدر الشریعہ کے زرنگار قلم سے تحریر میں آئے ہیں:

1. صدر الشریعہ کا تبحرِ علمی
(حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی)
2. صدر الشریعہ ایک پیکر اخلاص وعمل
(علامہ غلام جیلانی اعظمی)
3. صدر الشریعہ کی تعلیمی خصوصیات پر ایک نظر
(علامہ غلام جیلانی میرٹھی)
4. صدر الشریعہ کی تدریسی خدمات
(مفتی خلیل احمد خان برکاتی)
5. صدر الشریعہ ایک باکمال مشفق استاد
(مفتی محبوب رضا بریلوی)
6. صدر الشریعہ اور اولاد کی تعلیم وتربیت
(علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری ابن صدر الشریعہ)
7. صدر الشریعہ ایک جامع الکمالات شخصیت
(علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی)
8. صدر الشریعہ حیات و خدمات کا اجمالی جائزہ (علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی - مصنف سیرت المصطفیٰ)
9. صدر الشریعہ اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں
(علامہ سید ظہیر احمد زیدی)

باقی ابواب کے مندرجات بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، مناسب تھا کہ ان کی تفصیل یہاں پیش کی جائے لیکن صفحات کی قلت اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔

یہی نمبر کچھ مضامین کے اضافے اور جدید ترتیب کے ساتھ "سہ ماہی امجدیہ" جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی سے شائع کیا ہے، اس کی ضخامت ۶۵۶ صفحات کی ہے۔

تعلیمی کنونشن نمبر:

1996ء کی بات ہے کہ جنوبی ہند سے تعلق رکھنے والے ایچ، ڈی دیوی گوڑا ہندوستان کے وزیر اعظم منتخب کیے گئے، اسی علاقے کے رہنے والے سی، ایم ابراہیم۔ گوڑا حکومت میں اطلاعات ونشریات اور شہری ہوا بازی کے وزیر مقرر ہوئے، عہدۂ وزارت سنبھالتے ہی امن پسند طبقوں میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی، مولانا مبارک حسین مصباحی اداریہ میں لکھتے ہیں:

”دلوں کو فتح کر لینے والی خوش خبری یہ ہے کہ آپ ایک بلند پایہ سیاسی قائد ہونے کے ساتھ انتہائی نیک سیرت، خوش اخلاق اور خوش عقیدہ سنی مسلمان بھی ہیں۔ عشقِ رسول اور محبتِ اولیا کی روشنی سے پوری زندگی سرشار نظر آتی ہے۔ آپ کی شخصیت کا یہی وہ رخ ہے جس کی دل آویزیوں سے ذمہ دارانِ اشرفیہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور پھر حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کی سرپرستی میں بڑے چاؤ سے یہ طے ہوا کہ ہونے والے تعلیمی کنونشن میں موقر مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب حافظ سی، ایم ابراہیم وزیر اطلاعات ونشریات وشہری ہوابازی کو مدعو کیا جائے اور دعوت و رابطہ کی تمام ذمہ داریاں آل انڈیا بزمِ عزیزی کے ذمہ داروں کے حوالے کر دیں۔

(تعلیمی کنونشن نمبر- ماہ نامہ اشرفیہ اکتوبر، نومبر 1996ء ص:4)

بہر حال 25 اگست 1996ء کی تاریخ مقرر ہوئی، موصوف تشریف لائے، اشرفیہ کے گراؤنڈ میں ایک عظیم الشان تعلیمی اجلاس منعقد ہوا، دیوانوں کا تانتا بندھ گیا، دیکھتے دیکھتے اہلِ شوق ومحبت اشرفیہ کے وسیع وعریض میدان میں سمٹ آئے۔ وزیر موصوف اور علمائے کرام کے خطابات ہوئے، انھی خطابات، دانشوروں کے تاثرات، اور اہلِ قلم کے مقالات، اخباری رپورٹس اور شعرا کے کلام کو مولانا مبارک حسین مصباحی

(مدیر ماہ نامہ اشرفیہ) نے سلیقے سے ترتیب دے کر اس خوبصورت مجموعے کو ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے بنام "تعلیمی کنونشن نمبر" جمادی الآخرہ، رجب 1417ھ / اکتوبر، نومبر 1996ء میں شائع کیا، یہ نمبر ایک سو پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو تعلیمی اہمیت، اہلِ علم کا مقام، الجامعۃ الاشرفیہ کے تعلیمی، تدریسی، تبلیغی اور دعوتی سفر کا اختصار کے ساتھ تعارف پیش کرتا ہے۔

اس مجموعے کو مرتب نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ ہے خطابات کا اس کے تحت مہمانِ خصوصی مرکزی وزیر سی، ایم ابراہیم، علامہ قمر الزماں اعظمی اور مولانا عبید اللہ خان اعظمی کے خطابات پیش کیے گئے ہیں۔

حصہ مقالات کی تفصیل کچھ یوں ہے:

- الجامعۃ الاشرفیہ نظامِ تعلیم وامتحان — مولانا محمد احمد مصباحی
- حافظِ ملت کا نظریۂ تعلیم — مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی
- الجامعۃ الاشرفیہ کا تعلیمی آغاز وارتقا — مولانا اختر حسین مصباحی
- عالم اسلام پر تحریکِ اشرفیہ کے اثرات — مولانا فیضان المصطفیٰ مصباحی
- حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ — مولانا محمد جلال الدین رضوی
- بچوں کی تعلیم وتربیت میں والدین کا کردار — پروفیسر سید محمد سلیم
- انسانی زندگی میں علم کی اہمیت — قاضی طاہر مسعود ایڈوکیٹ
- تعلیمِ نسواں اور ملی کردار۔ ایک جائزہ — مبارک حسین مصباحی ایم۔ اے۔
- رپورٹ جلسۂ تقسیمِ انعامات الجامعۃ الاشرفیہ — مبارک حسین مصباحی ایم۔ اے۔

"تاثرات" کے باب میں جن دانشوروں کے تاثرات اور رائے کو جگہ دی گئی ہے وہ یہ ہیں:

ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی دہلی، ماسٹر قیصر جاوید ایم، اے جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ایچ غلام رسول نمائندہ روزنامہ راشٹریہ سہارا مبارک پور، حصہ منظومات میں اسلم وارثی، عبد العلی عزیزی اور عاصم گونڈوی کے نام شامل ہیں۔

اخیر میں تعلیمی کنونشن کی وہ رپورٹیں بھی درج ہیں جو اردو اور ہندی اخبارات نے شائع کیں، ص: 78 سے 83 تک اردو اخبارات کی رپورٹیں درج ہیں اس کے بعد ہندی اخبار سے دیوناگری رسم خط میں۔

سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر:

6رجب 1419ھ /27اکتوبر 1998ء کو اجمیر شریف میں سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین حسن سجزی کا 816 واں عرس مبارک بڑی شان و شوکت کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا، اکنافِ ہند میں جس کی دھوم مچی ہوئی تھی، ہر طرف سے عقیدت مند اجمیر کی طرف کشاں کشاں چلے جا رہے تھے، اور عقیدت و محبت کے نذرانے پیش کر رہے تھے، جو حضرات نہ جا سکے انھوں نے اپنے یہاں قرآن خوانی کی محفلیں سجائیں، جلسوں کا انعقاد کیا، قلم کاروں نے ان کی سیرت و تعلیمات پر مضامین اور کتابیں لکھیں، رسائل و جرائد نے خصوصی شمارے نکالے تاکہ اپنے قارئین کو خواجہ اجمیری کے حالات اور ان کے مشرب و مسلک سے آگاہ کر سکیں، انھی شیدائیوں میں ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی کا اسمِ گرامی نمایاں مقام کا حامل ہے، انھوں نے بھی جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور وابستگانِ جامعہ کی جانب سے خواجہ بزرگ کی خدمت میں عقیدتوں کا خراج پیش کرنے کے لیے خصوصی شمارہ "سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر" کے نام سے قارئینِ اشرفیہ کی خدمت میں پیش کیا۔

یہ نمبر رجب، شعبان 1419ھ/نومبر، دسمبر 1998ء کا مشترکہ شمارہ ہے اور 104 صفحات پر مشتمل ہے، اس شمارے میں جن مقالات کو جگہ دی گئی ہے ان سے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی باکمال ذات اور ان کی دعوت و تبلیغ کی جہدِ مسلسل پر بڑی واضح روشنی پڑتی ہے۔ کسی بھی رسالے کا اداریہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اس کے اداریے میں مدیر نے حضرت خواجہ غریب نواز کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، ان کی تحریر ص:4 سے ص:31 تک 28 صفحات کو محیط ہے، اس مضمون میں جن جن گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے ان کی

ایک جھلک یہ ہے:

سلطان الہند برصغیر کے محسنِ اعظم، مقامِ عرفانی اور شانِ غریب نوازی، سلسلہ چشتیہ کا آغاز وارتقا، برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کے بانی اور مبلغ اعظم، ولادتِ باسعادت، عہدِ طفولیت اور سلسلۂ نسب، فیضانِ نظر، سمرقند و بخارا کی درس گاہوں میں، رسم بیعت و خلافت، شجرۂ طریقت، یادگار اسفار اور عبرت انگیز ملاقاتیں، شیخ اوحدالدین کی ہم سفری، درویشوں سے ملاقات، چند اسفار کا اجمالی تذکرہ، اور کارواں جانب حجاز چلا، تصنیفات کا تعارف، سفرِ آخرت، دربارِ خواجہ میں سلاطینِ ہند کی حاضری، مزارِ خواجہ پر حاضری بدعت یا سعادت۔

فتاویٰ اشرفیہ کے تحت اس نمبر کی مناسبت جو فتوے شامل کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

کیا غریب نواز کی ملاقات غوثِ اعظم سے ہوئی، کیا بی بی نصیبہ غوثِ اعظم کی بہن تھیں۔

یہ فتوے حضرت شارح بخاری فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے ذمے دار قلم سے صادر ہوئے ہیں

اس کے علاوہ اس نمبر کے درجِ ذیل مضامیں خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں:

- سلسلہ چشتیہ ایک نظر میں — ادارہ
- اسلام اور تصوف — مفتی محمد نظام الدین رضوی
- معمولاتِ اہلِ سنت کا ثبوت — علامہ مشتاق احمد نظامی
- سلطان الہند اور سلسلہ چشتیہ — ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
- سلطان الہند مختصر حالات — مولانا نفیس احمد مصباحی
- ارشاداتِ حضرت غریب نواز — محمد ادریس عالم رضوی
- بارگاہِ سلطان الہند میں — علامہ مشتاق احمد نظامی

جن شعرا کی منقبتوں سے اس شمارے کو سجایا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سید شاہ عبدالحق گجراتی، اوج اعظمی، ڈاکٹر شمشاد ادیب، حضرت انور، فضل الرحمن کیفی، عنبر، حضرت عرشی، قمر انجم، داغ دہلوی، راز الہ آبادی، اجمل سلطان پوری۔

ص: 45 سے ص: 48 تک پچاسی مشائخ چشتیہ بہشتیہ کی تاریخ ہائے وصال و مدفن کی صراحت کے ساتھ ایک فہرست بھی دی گئی ہے، جس سے اس نمبر کا وقار مزید بڑھ جاتا ہے۔

مجموعی طور پر اشرفیہ کا یہ خصوصی شمارہ خواجہ کے دیوانوں کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔

جشن شارح نمبر:

29-30 جنوری 2000ء کو عروس البلاد ممبئی میں رضا اکیڈمی کی جانب سے ”جشنِ شارحِ بخاری“ کے نام سے ایک جلسۂ فرحت و مسرت کا انعقاد ہوا، سببِ انعقاد یہ ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی مسندِ افتا کے صدر نشین شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے جب اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی شرح مکمل فرمائی تو جناب الحاج سعید نوری اور وابستگان اشرفیہ نے اس جشن کا اہتمام کیا، اس کی پہلی تقریب 29 جنوری کو حج ہاؤس میں ہوئی، اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں گیارہ سو صفحات پر مشتمل معارفِ شارحِ بخاری کا اجرا ہوا اور دوسری تقریب 30 جنوری کو مستان تالاب میں ہوئی، یہاں شارحِ بخاری کو چاندی سے تولا گیا، ان تقاریب میں علمائے کرام نے بخاری شریف، امام بخاری، شرحِ بخاری (نزہۃ القاری) اور شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی پر خطابات فرمائے، یہی خطاباتِ تحریری شکل میں ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے ”جشنِ شارحِ بخاری نمبر“ کے نام سے پیش کیا، یہ نمبر مارچ، اپریل 2000ء کا مشترکہ شمارہ ہے، اس میں جن پیرانِ طریقت، علمائے کرام اور دانشورانِ ملت کے خطابات شامل ہیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت امینِ ملت مارہروی، حضرت نظمی میاں مارہروی حضرت عزیزِ ملت عزیزی، حضرت اشرفِ ملت مارہروی، حضرت مفتی اعظم راجستھان، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ لیٰسین اختر مصباحی، حضرت مولانا عبید اللہ خان اعظمی، حضرت مفتی مجیب اشرف ناگ پور، حضرت مولانا عبدالقادر علوی اور حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری کی ایک پر اثر تحریر۔

شروع میں ماہ نامے کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی

کے زر نگار قلم سے بارہ صفحات کو محیط ایک پر مغز اور معلوماتی اداریہ مرقوم ہے، جس میں انھوں نے اشرفیہ کی تعمیری اور تعلیمی تاریخ کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے شارحِ بخاری کے مرتبۂ علمی، شرحِ بخاری (نزہۃ القاری) کے تعارف اور جشن کے انتظام واہتمام پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی رقم طراز ہیں کہ:

"فقیہ اعظم ہند کی اس عظیم تصنیف سے الجامعۃ الاشرفیہ کے علمی اور قلمی شعبے کا وقار بڑھا ہے، چمنِ اشرفیہ کی بہاروں میں نکھار آیا ہے، مادرِ علمی اپنے قابلِ فخر فرزندِ ارجمند کے تاریخ ساز کارنامے پر نازاں ہے، اساتذۂ اشرفیہ کی پیشانیاں فرطِ مسرت سے چمک اٹھی ہیں، ہم بھی قابلِ رشک ہیں کہ ہمیں ان کا عہد ملا ہے کاروانِ اشرفیہ کے سرخیل و سربراہ شہزادۂ حافظِ ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں—

ہمارے لیے فخر کی بات ہے مفتی صاحب نے شرحِ بخاری لکھ کر جماعت کے سر کو بلند کیا اس سے جہاں جماعت کو سرخروئی حاصل ہوئی وہاں الجامعۃ الاشرفیہ کو بھی سرخروئی حاصل ہوئی ہے کیوں کہ یہ عظیم کارنامہ الجامعۃ الاشرفیہ میں انجام دیا گیا ہے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ مارچ، اپریل 2000ء ص:8)

حضرت مفتی صاحب کو تکمیلِ شرحِ بخاری کی بڑی فکر رہا کرتی تھی، بارگاہ رب عزت میں اس کے لیے دعائیں بھی کرتے، حضرت امینِ ملت مارہروی اپنے خطاب میں فرماتے ہیں:

وہ رات میری آنکھوں کے سامنے ہے جب میں مفتی صاحب کے ساتھ پروردگارِ عالم کے نائبِ مطلق کی بارگاہ میں حاضر ہوا، مفتی صاحب نے غلامی کا ثبوت پیش کیا وہ آج تک یادداشت میں محفوظ ہے اس سفر میں جس طرح سے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت اور خراجِ عقیدت پیش کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے مفتی صاحب نے رب تبارک و تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ اللہ مجھے اتنی زندگی تو دیدے کہ میں بخاری شریف کی شرح مکمل کرلوں۔ (حوالہ مذکور، ص:26)

بارگاہِ رسول میں کی گئی دعابابِ اجابت سے ٹکرائی، ادھر دسمبر 1998 میں شرحِ بخاری کی تکمیل ہوئی، تکمیل کی خوشی میں 29، 30 جنوری 2000ء کو جشن منایا گیا اور 11 مئی 2000ء کو اللہ نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ اللہ نے اتنے اہتمام سے آپ کی دعا قبول فرمائی کہ تکمیل کے بعد جشنِ مسرت کا پر کیف سماں دیکھنے کا بھی موقع عنایت فرمایا۔

شہ نشینِ جشنِ شارحِ بخاری حج ہاؤس کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے اپنی بات یوں شروع کرتے ہیں:

مجھے جو کچھ کہنا ہے میں ان شاء اللہ کل کہوں گا آج صرف رضا اکیڈمی والوں کی ایک فحش غلطی پر آپ کو متنبہ کررہا ہوں کہ بہر حال میں آپ سب حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ حضرات نے میرے اعزاز میں اتنا بڑا جلسہ کیا لیکن آپ لوگوں سے مسٹیک یہ ہوئی کہ حقیقت میں یہ اعزاز مجھے نہیں ملنا چاہیے؟ شرحِ بخاری کی تکمیل پر آپ حضرات کو یہ اعزاز دینا ہے تو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو دینا چاہیے— وہ جامعہ اشرفیہ کہ اگر میں جامعہ اشرفیہ میں نہ ہوتا تو شرحِ بخاری نہ لکھی گئی ہوتی۔ (حوالہ مذکور، ص:24)

فقیہ اعظم ہند نمبر:

فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے صدر شعبہ افتاء تھے، اشرفیہ کی ترقی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے، گویا حافظ ملت کی اس تعلیمی تحریک کو ارتقائی منزل تک پہنچانے کا عزم بالجزم کر رکھا تھا، اشرفیہ کے اس شیدائی کو بعض اداروں کے ذمہ داروں نے لمبی لمبی تنخواہ کا لالچ دے کر اپنے یہاں بلانا چاہا تو حضرت نے ارشاد فرمایا:

اب میں نے اپنے آپ کو تحریک حافظِ ملت کے لیے وقف کردیا ہے، اب اشرفیہ سے میں نہیں، میرا جنازہ اٹھے گا۔

اور زمانے نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس عارف باللہ فقیہ نے جو فرمایا تھا سچ کر دکھایا۔ 10 مئی 2000ء کو دن میں گیارہ بج کر 55 منٹ پر ہزاروں دیوانوں کے کاندھوں پر ان کا جنازہ اٹھا۔

اس سانحہ عظیم سے صرف فضائے اشرفیہ ہی سوگوار نہیں تھی، بلکہ پوری دنیائے اہل سنت ماتم کناں تھی، (باقی ص:187 پر)

مولانا مبارک حسین مصباحی کا ایک تاریخی کارنامہ

سیدین نمبر (۱)

مولانا نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

صوفیۂ کرام اور خانقاہوں کا رشتہ اصحابِ صُفّہ سے ہوتا ہوا رہبرِ اعظم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ملتا ہے، یہ خانقاہیں صدیوں سے اہلِ اسلام کے قلوب و اذہان کی تطہیر کر کے انھیں روحانی غذا فراہم کرتی آ رہی ہیں اور یہاں سے قلب و نفس کے تزکیہ کے ساتھ کردار و عمل کی اصلاح کا کام بھی ہوتا رہا ہے۔

یہاں کے پاکیزہ ماحول میں پروان چڑھنے والے صوفیہ و صلحا فقر و درویشی، زہد و تقویٰ، فکری صلابت و دینی استقامت، خدمتِ خلق، توکل و استغنا، جود و سخا، ایثار و قربانی، شب بیداری و نالۂ نیم شبی کا پیکر محسوس ہوتے تھے، جن سے گمراہوں کو راہِ راست، کج فکروں کو فکری استقامت، پریشان خاطروں کو قلبی تسکین اور بد عملوں کو حسنِ کردار و عمل کی دولتِ بے بہا ملتی تھی، فکر و نظر کو جلا بخشنے والے انھی روحانی مراکز کی فہرست میں خانقاہِ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ (ایٹہ) کا نام زریں حروف سے لکھا ہوا ملتا ہے جس کے اصلاحی و دعوتی، روحانی و معنوی کارناموں کی ایک طویل فہرست ہے اور جس کے مشائخ و سجادگان کی گوناگوں خدمات کا نیرِ تاباں سپہرِ تاریخ پر آفتابِ نیم روز کی طرح جگمگاتا رہا اور آفاقِ عالم کو اپنی روحانی ضیا پاشیوں سے منور کرتا نظر آتا ہے، اسی خانقاہِ سراپا قدس کی دورِ اخیر کی دو عظیم شخصیتیں اپنے علمی و روحانی وقار، دینی و ملی خدمات، اور اکابر و مشائخ کی روایتوں کی پاس داری و نگہ داشت کی بنا پر خواص و عوام کا مرجعِ عقیدت رہی ہیں، ان میں ایک کو قائدِ اعظم ہند سید العلما، علامہ سید شاہ آلِ مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی اور دوسرے کو مرشدِ اعظم احسن العلما حضرت علامہ سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی مارہروی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چودھویں صدی ہجری کے دورِ اخیر میں برصغیر میں اہل سنت و جماعت کی ان دونوں قد آور اور عظیم المرتبت شخصیتوں کے احوال و کوائف، خدمات اور کارناموں کو ضبطِ تحریر میں لانے اور لوگوں کو ان ساقیانِ فیض کے نورانی خط و خال سے آشنا کرانے کے لیے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے ”سیدین نمبر“ نکالنے کا اہتمام کیا، اور بحمدہ تعالیٰ 1332 صفحات پر پھیلا ہوا علمی و ادبی، تاریخی و روحانی معلومات کا یہ مرقع اردو زبان میں نکلنے والے رسائل و جرائد کی دنیا میں ایسے ہی ممتاز اور نمایاں ہے جیسے مدارسِ اہل سنت کے درمیان الجامعۃ الاشرفیہ اور آسمان پر جھلملاتے تاروں کے جھرمٹ میں مہِ کامل نمایاں نظر آتا ہے۔ اس نمبر کی اہمیت و افادیت کا کچھ اندازہ اس کے اجزا و عناصر سے لگایا جا سکتا ہے، یہ نمبر دس ابواب پر مشتمل ہے، اور اس کا آغاز مشائخ کے تبرکات اور اکابر اہل سنت کے پیغامات سے ہوتا ہے۔ جب کہ دس ابواب کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

پہلا باب : خانقاہِ برکاتیہ اور الجامعۃ الاشرفیہ۔
روابط و تعلقات، نوازشات و عنایات۔

دوسرا باب : خانقاہِ برکاتیہ۔
تواریخ و حقائق، امتیازات و تبرکات۔

تیسرا باب : خانقاہِ برکاتیہ کے اکابر و مشاہیر۔
حالات و معمولات، آثار و تصانیف۔

چوتھا باب : مشائخِ مارہرہ، قصائد و مناقب۔
اساتذۂ شعر و سخن کے گہر ہائے عقیدت۔

پانچواں باب : سیدین کریمین۔
احوال و معارف، ادبی محاسن و کمالات۔

چھٹا باب : سید العلما حضرت آلِ مصطفیٰ سید میاں برکاتی مارہروی۔ حیات و خدمات، افکار و کارنامے۔

(۱)- ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ جنوری 2003، ص: 38 تا 43

ساتواں باب : احسن العلما حضرت سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں برکاتی مارہروی۔ حیات وخدمات، افکار اور کارنامے۔

آٹھواں باب : سیدین کے علمی تبرکات۔

خطبات ومقالات، مکتوبات ومنظومات۔

نواں باب : مناقبِ سیدین۔

بارگاہِ سیدین میں سخن ورانِ عصر کا منظوم خراجِ عقیدت۔

دسواں باب : خانقاہِ برکاتیہ اور الجامعۃ الاشرفیہ۔

کچھ کہانی تصویروں کی زبانی۔

عوام و خواصِ اہل سنت اور دنیاے سنیت پر مشائخِ قادریہ برکاتیہ اور خانقاہِ مارہرہ کے مرشدانِ طریقت کے جو ناقابلِ فراموش احسانات ہیں حقیقت میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا یہ "سیدین نمبر" الجامعۃ الاشرفیہ کی طرف سے ہم تمام خواجہ تاشانِ آستانہ قادریہ برکاتیہ کا ہدیۂ تشکر اور خراجِ عقیدت ہے، یہ نمبر نکال کر ماہنامہ اشرفیہ کے سرپرست حضرت عزیزِ ملت، مجلسِ مشاورت کے ارکان و ذمہ داران اور خصوصًا ماہنامہ اشرفیہ کے مدیرِ اعلیٰ نقیبِ اہل سنت، ترجمانِ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ہم سبھی مسلمانانِ اہل سنت کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں۔

جب سے ماہنامہ اشرفیہ کی زمامِ ادارت مولانا موصوف کے ہاتھوں میں آئی ہے یہ ماہنامہ معنوی و صوری ہر اعتبار سے نکھرتا، سنورتا اور اپنی اشاعت و پذیرائی کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر کرتا چلا جا رہا ہے۔ مدیرِ موصوف کے دورِ ادارت میں اشرفیہ کے کئی خصوصی شمارے اور نمبر منظرِ عام پر آکر قارئین سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنے والا موصوف کے ادبی و صحافتی ذوق، تحریری و ادارتی صلاحیت، اور زبان وبیان پر بھرپور قدرت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"پیغامات" عنوان کے تحت حضرت امینِ ملت، حضرت تاج الشریعہ، حضرت عزیزِ ملت، حضرت محدث کبیر، حضرت صدر العلما، حضرت اشرفِ ملت اور ناظمِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کے پیغامات کے علاوہ بانیِ سلسلۂ برکاتیہ صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عربی سلام۔

یا شفیع الوریٰ سلام علیک یا نبی الہدیٰ سلام علیک

اور عکسِ تحریر حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدثِ مراد آبادی اور فقیہِ اعظم ہند شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کا فکر انگیز اور حقیقت افروز مضمون ہے جس میں حضرت علیہ الرحمہ نے خانقاہِ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا مختصر مگر جامع تعارف کرانے کے بعد "سیدین نمبر" کی اشاعت میں تاخیر کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مدیرِ موصوف مولانا مبارک حسین مصباحی کی انتھک کوششوں کو خوب خوب سراہا، اور انھیں مشفقانہ دعاؤں سے نوازا ہے، فرماتے ہیں:

"نقیبِ اہل سنت عزیز اسعد حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی انتھک کوششوں اور پیہم تگ و دو سے یہ وقیع اور بیش قیمت نمبر کتابت کے مراحل سے گزر رہا ہے، مولائے عز وجل مولانا کے علم و عمل اور عمر و اقبال میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے اور انھیں دارین میں وہ عطا فرمائے جو اس کی شانِ کریمی کے لائق ہے۔" (ص 22)

حضرت محدثِ کبیر دام ظلہ کے مضمون سے حضرت سید العلما، اور حضرت احسن العلما کی زندگی کے کچھ ایسے گوشے سامنے آتے ہیں جو اب تک مجھ جیسے کثیر افراد کے لیے راز سربستہ تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کا اداریہ بھی نہایت وقیع، پُر مغز اور پُرکشش ہے جس کے عنوان ہی سے موصوف کے ذوق کی بلندی ظاہر ہے، عنوان ہے: "چل مرے خامہ بسم اللہ" پورا اداریہ ہی زبان وبیان اور ادب وبلاغت کا حسین مرقع معلوم ہوتا ہے، خاص طور سے درج ذیل اقتباس کا خط کشیدہ جملہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

"اس نمبر کے منظومات کے ابواب میں شہزادۂ احسن العلما سید محمد اشرف برکاتی، ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی، اور ڈاکٹر شکیل احمد مصباحی کے گراں قدر مشورے ناقابلِ فراموش ہیں، مصباحی اسکول کے ان مؤخر الذکر دونوں نقادوں نے تمام منظومات کو ملاحظہ فرمایا اور مفید اصلاحات بھی فرمائیں، میں شکریہ

کے رسمی الفاظ سے ان کے اخلاص کے آبگینوں کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا"۔(ص20)

بابِ اول میں "ترانۂ اشرفیہ" از بیکل اتساہی، "فیضانِ مارہرہ شریف" از ڈاکٹر شکیل اعظمی مصباحی، "اشرفیہ نے نئے روپ کا جامہ پہنا" از نازاں فیضی گیاوی کے علاوہ مدیرِ موصوف کے ادیبانہ قلم سے "خانقاہِ برکاتیہ اور الجامعۃ الاشرفیہ" کے عنوان سے دونوں کے دیرینہ گہرے تعلقات کی رونمائی کی گئی ہے۔ اپنی نوعیت کا یہ بالکل منفرد، وقیع، سحر طراز اور فکر انگیز مضمون ص: 51 سے 99 تک پھیلا ہوا ہے۔ اور صدر العلما، محققِ عصر حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ سابق صدر المدرسین اور حال ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ کے قلمِ حقیقت رقم سے "مجلسِ برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور" اور اس کے زیرِ اہتمام علمائے اہل سنت وجماعت کے حواشی کے ساتھ شائع ہونے والی درجاتِ عربی و فارسی کی درسی کتابوں کا جامع تعارف کرایا گیا ہے۔

بابِ دوم میں سات مقالے ہیں جو علی الترتیب ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم برکاتی، مولانا کوثر امام قادری، مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی، مولانا عبد الحق رضوی مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، ڈاکٹر بیت اللہ قادری اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی کی جنبشِ قلم کا نتیجہ ہیں، ان میں ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم برکاتی کا مقالہ بعنوان "خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف، اہل سنت کا قدیم دینی و روحانی مرکز" نہایت عمدہ اور معلومات افزا ہے اور مولانا فروغ احمد اعظمی کا مقالہ "مارہرہ اور گھوسی کے علمی و روحانی رشتے" بھی تاریخی حقائق پر مبنی اور سوانحی تحقیقات کا حسین گلدستہ ہے۔

بابِ سوم میں ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، مولانا مبارک حسین مصباحی، ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، مولانا آلِ مصطفےٰ مصباحی، مولانا امیر الدین شمسی اور مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی کے مقالات شامل ہیں، جس میں حضرت امینِ ملت کا مقالہ بعنوان "صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ" معلومات کا خزانہ ہے، جس میں حضرت صاحبِ البرکات کے حالات، سلاسلِ طریقت، اولاد و خلفا، اور علمی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے، شاہ صاحب کے تبحرِ علمی کو بیان کرتے ہوئے موصوف رقم طراز ہیں:

"شاہ صاحب نے اپنے والد اور دیگر اساتذہ سے قرآن، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے علاوہ عربی، فارسی، سنسکرت کے کلاسیکی ادب کا بھی مطالعہ کیا، شاہ صاحب نے گیتا، وید، اپنشد اور ہندو فلسفے کو بہت اچھی طرح سمجھا، اور یہ ضروری بھی تھا، کیوں کہ تبلیغ کے لیے دوسرے مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔"(ص203)

اس موقع پر ہم قائدینِ ملت اور مدارسِ اسلامیہ کے اربابِ بست وکشاد سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ حالات میں تو اس بات کی ضرورت شدید سے شدید تر ہوتی جارہی ہے کہ تبلیغ دین کے لیے دیگر مذاہب و ادیان کے بنیادی افکار و معتقدات اور اساسی کتابوں کا گہرا علم رکھنے والے افراد تیار کیے جائیں، مذہبِ اسلام پر ہونے والے جارحانہ حملوں کا نہ صرف دفاع کیا جائے بلکہ آگے بڑھ کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی مذہب کے شیش محل پر حملہ کیا جائے اور علم و تحقیق کی زبان میں انھیں بتایا جائے کہ مذہبِ اسلام کے قصرِ جلیل کے مقابلے میں تمھارے مذہب کی حیثیت تارِ عنکبوت سے بھی کم تر ہے، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم معتزلہ کے افکارِ فاسدہ اور ارسطو و افلاطون کے فرسودہ فلسفیانہ نظریات کو پڑھنے پڑھانے کے بجائے جدید سائنسی نظریات، ہندو، عیسائی، یہودی، اور بدھ مذاہب کے افکار و عقائد کا گہرا مطالعہ کریں، اور اس کے لیے ہندی، انگلش اور سنسکرت زبانوں میں مہارت پیدا کریں، جیسا کہ حضرت صاحب البرکات نے اپنے زمانے اور ماحول کے تقاضے کے مطابق عربی فارسی کے علاوہ سنسکرت کے کلاسیکی ادب کا مطالعہ کیا اور اس سے برادرانِ وطن میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کا کام لیا، اور نثر کے علاوہ نظم کی زبان میں بھی

اسلامی نظریات اور عشقِ حقیقی کا فلسفہ اہل وطن کے سامنے رکھا، جس پر ان کا ہندی دیوان "پیم پرکاش" شاہد ہے جس میں دوہے (اشعار)، کبت (نظم) اور ریختہ جیسے اصنافِ سخن موجود ہیں، حضرت امینِ ملت نے اس مقالے میں "پیم پرکاش" کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، جو اہل ذوق کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

بابِ چہارم میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی، حضرت حسنین میاں نظمی، حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی، حسان الہند بیکل اتساہی، ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی، مفتی احمد میاں حافظ البرکاتی کی منقبتیں ہیں۔

بابِ پنجم میں حضرت صوفی نظام الدین برکاتی مصباحی، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، مولانا ابو العاص حسن مصباحی، سید دلشاد حسین قادری برکاتی، اور مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کے مقالات ہیں، جس میں ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اور مولانا ابو العاص حسن مصباحی کے مقالے بڑے محنت اور عرق ریزی سے معرضِ تحریر میں آئے ہیں خصوصاً مولانا مصباحی کا مقالہ بہت پسند آیا جو سیدین کریمین کی شاعری کے نظریاتی عناصر اور فنی محاسن کو اجاگر کرتا ہے، مولانا نے موزونیتِ الفاظ، نغمگی، پیکر تراشی، استعارہ و تشبیہ اور صنائع لفظی میں صنعتِ تجنیس، صنعتِ اشتقاق، صنعتِ شبہ اشتقاق، صنعتِ قلب، صنعتِ تضمین، صنعتِ نظم و نثر، صنعتِ جمع، صنعتِ ترصیع، صنعتِ تلمیح، صنعتِ قطع، صنعتِ فوق النقاط، صنعتِ تحت النقاط، اور بدائع معنوی میں صنعتِ تناسب، تشابہ اطراف، حسنِ تعلیل، صنعتِ تضاد، صنعتِ مقابلہ، صنعتِ لف و نشر، مبالغہ، صنعتِ جمع، صنعتِ تقسیم، صنعتِ جمع و تقسیم، صنعتِ تجرید، تاکید ذم بصورتِ مدح، تجاہلِ عارفانہ، صنعتِ مزاوجہ، صنعتِ تنسیق الصفات، صنعتِ مذہب کلامی، صنعتِ اقتباس، صنعتِ تلمیح کے ذیلی عنوانات قائم کرکے سیدین کریمین کی شاعری کی لفظی و معنوی خوبیوں پر بھرپور کلام فرمایا ہے، یہ مقالہ شعری و ادبی ذوق رکھنے والوں کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

بابِ ششم میں اربابِ قلم کی بائیس تحریریں شامل ہیں جن میں حضرت سید ملت سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی برکاتی کا مقالہ بعنوان "نقیبِ مسلکِ برکاتیت سید العلما علیہ الرحمہ" معلومات کا خزانہ ہے، اور اس عنوان پر حضرت سید ملت مد ظلہ سے بہتر کوئی لکھ بھی نہیں سکتا، کیوں کہ اس تعلق سے جو معلومات ان کے پاس تھیں اور ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں ہو سکتیں، عربی کا مقولہ ہے "صاحب البیت ادریٰ بما فیہ." (گھر والا گھر کے اندر کی چیزوں سے سب سے زیادہ واقف ہوتا ہے)۔

بابِ ہفتم میں حضرت احسن العلما کی حیات و خدمات اور افکار و کارناموں کے تعلق سے تینتیس 33 اصحابِ قلم کے چونتیس مقالے شامل ہیں، اس باب میں کئی مقالے نہایت وقیع، پُر مغز، تحقیقی اور معلومات افروز ہیں۔ شہزادۂ احسن العلما حضرت سید محمد اشرف برکاتی مد ظلہ کا مضمون بعنوان "رفتید و لے نہ از دل ما" حضرت احسن العلما کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتا ہے اور ان کے محاسن و کمالات، ارشادات و تعلیمات، فکری و معنوی اقدار، اور زریں اقوال و افکار پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے، اپنے مقالے کے اخیر میں موصوف لکھتے ہیں:

"بحیثیتِ مجموعی وہ (احسن العلما علیہ الرحمہ) برکت کا استعارہ تھے، خانقاہ میں قیام ہوتا تو خانقاہ میں برکت رہتی، کسی کے گھر قیام ہوتا تو اس کا گھر برکتوں سے بھر جاتا، وہ سراپا خیر و برکت تھے"۔ (ص816)

اور صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی مد ظلہ کا مقالہ بعنوان "حضرت احسن العلما، کچھ باتیں" مختصر ہونے کے باوجود بہت جامع، زبان و بیان کا شاہکار اور فصاحت و بلاغت کا مرقع ہے، مقالے کا آخری حصہ تو نہایت مؤثر اور دل آویز ہے میرے ساتھ آپ بھی اسے پڑھیں، اور تحریر میں چھپے صاحبِ تحریر کے دینی و ملی درد و کرب کو محسوس کریں، فرماتے ہیں:

"اس وقت دنیاے سنیت میں ان کی ذات تمام علماے اکابر و اصاغر کے لیے مرجع و مقتدا کی حیثیت رکھتی تھی، مفتیِ اعظم قدس سرہ کے زمانے میں جب کوئی سنگین اختلاف رونما ہوتا تو فیصلہ کے لیے نگاہیں مفتیِ اعظم کی طرف اٹھتیں، ان کے بعد یہ اعزاز صرف حضرت احسن المشائخ کے حصے میں آیا، اس وقت

ہماری صفوں میں جو انتشار و افتراق رونما ہوا ہے اس کے سلجھاو کے لیے متفق علیہ فیصل کی حیثیت سے اگر کوئی ذات شمار ہوتی تھی، تو وہ حضرت ہی کی ذات تھی، افسوس کہ ان کے دم کے ساتھ ہمارا یہ نقطۂ التقا اور مرکزِ اجتماع بھی جاتا رہا، اب کون ہے جو اس انتشار بکف ملت کی زلفِ برہم سنوارے؟ اب کون ہے جو اس کے بکھرے ہوئے گلے کو یکجا کرے؟ اب کون ہے جس کے اندر سب کو راہِ راست پر لانے کی سچی تڑپ، بچھڑے ہوؤں کو ملانے کا جذبہ، بدکنے والوں کو اپنانے کا فن، اور بہکنے والوں کو تھامنے کا یارا ہو؟ وہ کیا گئے یہ سب جاتا رہا۔

فما كان قيسٌ هلكُه هلك واحد
و لكنَّه بنيان قوم تهدَّما"

(ص:94)

ان دونوں مقالوں کے علاوہ رئیسُ القلم علامہ ارشد القادری مصباحی، علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی، علامہ مفتی نظام الدین رضوی مصباحی، علامہ یٰسین اختر مصباحی اور مولانا محمد شمشاد حسین رضوی کے مضامین بھی حقائق سے لبریز اور علمی و تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے مطالعہ سے گوناگوں علمی، ادبی اور تاریخی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

بابِ ہشتم میں سیدین کریمین کے علمی تبرکات، خطبات و مقالات، مکتوبات و منظومات شامل ہیں، ان میں تین نعتیں اور ایک منقبت حضرت سید العلما کا نتیجۂ فکر ہیں، اور ایک نعتِ پاک، اور چار منقبتیں حضرت احسن العلما کی کاوش فکر کا ثمرہ ہیں۔

بابِ نہم میں بارگاہ سیدین میں سخن ورانِ عصر کے منظوم خراجِ عقیدت بشکلِ منقبت شامل ہیں، جس میں اٹھائیس شعرا کے چوالیس منظوم نذرانے ہیں، ان میں سید ملت شہزادۂ سید العلماء حضرت نظمی برکاتی، شہزادۂ احسن العلما سید محمد اشرف قادری برکاتی، تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری، حسان الہند بیکل اتساہی، ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی اور ساحل مصباحی سہسرامی کی منقبتیں بہت پُراثر، معنی خیز، فصاحت وبلاغت اور ادبی چاشنی سے لبریز ہیں۔

بابِ دہم میں خانقاہِ برکاتیہ اور الجامعۃ الاشرفیہ کی کہانی تصویروں کی زبانی پیش کی گئی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ماہنامہ اشرفیہ کا یہ نمبر ظاہری و باطنی، صوری و معنوی ہر طرح کی خوبیوں سے مزین ہے، کاغذ نہایت عمدہ، سرورق دیدہ زیب، کتابت شاندار اور طباعت اعلیٰ درجے کی ہے، البتہ صحتِ الفاظ وکلمات کا بھرپور اہتمام کرنے اور بڑی عرق ریزی سے پروف ریڈنگ کرنے کے باوجود بعض مقامات پر کتابت کی خامیاں رہ گئی ہیں مگر اتنے عظیم وضخیم نمبر میں کتابت کی چند خامیاں رہ جانا کوئی خاص بات نہیں۔

اخیر میں پھر میں اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس نمبر کی ترتیب اور اس کی طباعت واشاعت میں مدیرِ اشرفیہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے بڑی لگن، خلوص اور اہتمام سے کام لیا ہے، جس کے لیے وہ پوری قومِ مسلم کی طرف سے بار بار شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے عزم و حوصلہ کو اوجِ ثریا تک پہنچائے اور انھیں بیش از بیش خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ نمبر بزرگ علمائے کرام و مشائخ عظام سے لے کر نوجوان علما وار بابِ قلم تک کی نمائندگی کرتا ہے، اور ببانگِ دہل اعلان کرتا ہے، کہ اب ہماری جماعت کا قلمی جمود ٹوٹ چکا ہے، اور لوح وقلم کا قافلہ پوری برق رفتاری کے ساتھ جانب منزل رواں دواں ہے، اب یہاں اربابِ فکر وقلم کی قلت کا شکوہ بیکار ہے، اور الحمدللہ ثم الحمدللہ اس کارِ اہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑہ چند سال پہلے علامہ محمد احمد مصباحی، رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی اور ان کے ہم مزاج کچھ مصباحی فضلا نے اٹھایا تھا، اور آج بھی فارغینِ اشرفیہ ہی اس مہم میں سب سے آگے ہیں، ہم اس پر احسان نہیں جتاتے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے یہ عظیم الشان خدمت ہم فرزندانِ اشرفیہ سے لی۔

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر
ز انعام و فضل او نہ معطل گذاشتت
منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

مولانا مبارک حسین مصباحی کی صحافت اردو اخبارات کے حوالے سے

مولانا رحمت اللہ مصباحی، سابق آفس انچارج تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کا شمار ان علمی، دینی اور فکری شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی تحریروں، خطابت اور صحافتی خدمات کے ذریعے اردو زبان و ادب اور اسلامی افکار کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کی صحافت کا میدان خاص طور پر اردو اخبارات اور رسائل کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے صحافت کو محض خبر رسانی کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے اصلاحِ معاشرہ، دینی بیداری اور فکری رہنمائی کا مؤثر وسیلہ بنایا۔

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی صحافتی زندگی کا بنیادی مقصد عوام تک صحیح دینی معلومات پہنچانا اور ان کے اندر اسلامی شعور پیدا کرنا تھا۔ آپ کی تحریروں میں سنجیدگی، تحقیق، اعتدال اور سادگی نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام قاری سے لے کر اہلِ علم تک سبھی آپ کے مضامین کو دلچسپی اور احترام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اردو اخبارات میں شائع ہونے والے آپ کے مضامین مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے تھے۔ آپ مذہبی مسائل، سماجی اصلاح، تعلیمی بیداری، قومی حالات اور ملتِ اسلامیہ کو درپیش چیلنجز پر نہایت بصیرت افروز انداز میں قلم اٹھاتے تھے۔ آپ کی تحریروں کا اسلوب نہایت شائستہ اور مدلل ہوتا تھا، جس سے قاری نہ صرف معلومات حاصل کرتا بلکہ فکری رہنمائی بھی پاتا تھا۔ مولانا کی صحافت کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے ہمیشہ حق گوئی اور دیانت داری کو مقدم رکھا۔ آپ نے صحافت کو ذاتی مفادات یا گروہی تعصبات کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ سچائی اور انصاف کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیالات پیش کیے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں کو علمی اور دینی حلقوں میں خاص اعتماد حاصل تھا۔ اردو صحافت میں مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا کردار اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ آپ نے دینی صحافت اور عصری تقاضوں کے درمیان ایک متوازن راستہ اختیار کیا۔ آپ جدید مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کرتے تھے اور نوجوان نسل کو دین سے جوڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ کی تحریریں معاشرے میں فکری بیداری اور مثبت سوچ پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں۔ آپ کے مضامین میں زبان کی سادگی اور بیان کی روانی نمایاں تھی۔ مشکل علمی موضوعات کو بھی آپ اس انداز میں پیش کرتے کہ عام قاری آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ یہی خوبی ایک کامیاب صحافی اور مؤثر قلم کار کی پہچان سمجھی جاتی ہے۔ آپ نے اردو زبان کی خدمت بھی کی اور صحافت کے ذریعے اس کے دائرۂ اثر کو وسیع کرنے میں اپنا حصہ بھی ادا کیا۔ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی صحافتی خدمات آج بھی اہلِ قلم اور صحافت کے طلبہ کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ان کی تحریریں ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ صحافت کا اصل مقصد معاشرے کی اصلاح، حقائق کی ترجمانی اور عوام کی رہنمائی ہے۔ انھوں نے اپنے قلم کو دین، ملت اور قوم کی خدمت کے لیے وقف رکھا اور اسی وجہ سے ان کا نام اردو صحافت کی تاریخ میں احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے اردو اخبارات کے ذریعے دینی، علمی اور سماجی شعور کو

فروغ دیا۔ ان کی صحافتی خدمات اردو صحافت کا ایک روشن باب ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک بہترین نمونہ بھی۔

12 اکتوبر 2011ء کو روزنامہ انقلاب میں شائع ایک رپورٹ میں مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے انتہائی بے باکانہ انداز میں کہا تھا کہ فرقہ وارانہ فسادات کے تعلق سے ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، گوپال گڑھ سے امراوتی اور ردرپور سے بہرائچ تک جس طرح فسطائیوں نے مسلمانوں کی جان و مال کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے یہ انتہائی شرم ناک ہے۔ اس سے نہ صرف ملک کی امن و سلامتی متاثر ہوتی ہے بلکہ دنیا بھر میں جمہوریت بھی داغ دار ہوتی ہے۔ فسادات کی رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ یکساں ذہنیت کارفرما ہے۔ پی اے سی کے متعصّبانہ رویے نے اب یہ واضح کردیا ہے کہ مسلمانوں کو ان پر اعتماد کرنا خود فریبی ہے، فسادات کے دوران پی اے سی کا گولی چلانا اور کسی ایک فرقہ کو نشانہ بنانا انتہائی گھناؤنی حرکت ہے، یہ ملک و سماج کے محافظ نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ موجودہ فسادات میں پی اے سی کے مشکوک کردار کے حوالے سے جانچ کرانا حکومت کی اولین ترجیح ہونا چاہیے، دن بدن مسلمانوں میں خوف وہراس کی نفسیات میں اضافہ ہورہا ہے۔ مقام افسوس ہے فسادات کے بعد اکثر مسلمانوں کو ہی گرفتار بھی کیا جارہا ہے اور انھی پر سنگین دفعات لگائی جارہی ہیں، جب کہ اصل فسادی کھلے عام بے خوف گھوم رہے ہیں۔ فسادات کے بعد حالات کا جائزہ لینا اور مظلوموں کی آہ و بکا سننا اہل سیاست کا ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ دہلی سے گوپال گڑھ کہیں کتنی دور ہے مگر کانگریس کے جنرل سکریٹری راہل گاندھی سب کچھ نارمل ہونے کے بعد اچانک گوپال گڑھ پہنچے اور مظلوموں کو دلاسا دے کر چلے آئے راجستھان میں کانگریس کی حکومت ہے اگر وہ چاہتے تو عین فساد کے وقت پہنچ کر سب کچھ نارمل کراسکتے تھے۔ جان و مال کا ضیاع بھی نہیں ہوتا اور پارٹی کا دامن بھی داغدار نہیں ہوتا اگر پارٹی کے جنرل سکریٹری راہل گاندھی واقعی ملک کے ایک سچے قائد اور قوم مسلم کے ہمدرد ہیں تو اب وقت آگیا ہے کہ وہ انسداد فسادات بل پارلیمنٹ میں منظور کرائیں 2004 میں انھی کی پارٹی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ فسادات مخالف بل لاکر فسادات کا سلسلہ ختم کرائیں گے مگر افسوس بل پاس ہونے کے باوجود بھی ترمیم و اصلاح کی میز پر ہے۔ گجرات فساد کے بعد بڑے زور و شور سے اس بل کو لانے کی بات کی گئی تھی، دراصل اس وقت حریف مخالف بی جے پی تھی ایک سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر کانگریس نے فسادات مخالف بل لانے کی کوشش کی تھی لیکن کانگریس کے برسراقتدار آنے کے بعد کون سے موانع ہیں کہ بل آج تک پارلیمنٹ میں پیش نہیں کیا جا سکا، اور اگر مسلمانوں کے تعلق سے کانگریس کی نیت بخیر ہے تو اب پارلیمنٹ میں بل پیش کرنے اور منظور کرانے کے تعلق سے حیرت انگیز سرد مہری کیوں ہے۔

روزنامہ انقلاب 5 اکتوبر 2011 کو شائع رپورٹ میں مولانا علیہ الرحمہ نے ردرپور فساد کے پس منظر اور پیش منظر کو پیش کرتے ہوئے کہا:

”بھرت پور سے لے کر ردرپور تک اس مسلم کش فساد میں یکساں ذہنیت کار فرما نظر آتی ہے۔ اب لگتا ہے ہندتو شر پسندوں نے دہشت گردی کا انداز بدل کر نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ مولانا نے کہا کہ قرآن عظیم مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے اس کتاب کے تقدس کی حفاظت صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ حکومت ہند کی بھی ذمہ داری ہے۔ مگر افسوس خنزیر کے گوشت میں قرآنی اوراق کی بے حرمتی کرنے والوں کے خلاف پولیس نے کوئی سنجیدہ نوٹس نہیں لیا اور مجبوراً مسلمانوں کو احتجاج کا سہارا لینا پڑا جب مسلمانوں کا احتجاج آگے بڑھا تو پولیس اور شرپسندوں نے ان پر گولیاں چلائیں اور مسلم محلوں میں بڑی بے دردی سے املاک نذر آتش کیا گیا۔ ہم اتراکھنڈ کے وزیر اعلیٰ اور مرکزی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ فرقہ پرستی کے خلاف سخت

نوٹس لے کر جمہوری قدروں کو بحال کریں۔"

5 دسمبر 2011ء روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ میں شائع رپورٹ میں مولانا مرحوم نے فرمایا:

"حب اہل بیت ایمان کا جز ہے، جس نے اہل بیت سے عشق کیا اس نے اپنی دنیا اور آخرت سنوار لی۔ اہل بیت سے عشق اور ان کے احترام پر زور دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے میرے اہل بیت سے محبت کی ہے اس نے مجھ سے محبت کی، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جو ان میں سے کسی ایک کی بھی پیروی کرے گا نجات پا جائے گا۔ اس لیے صحابہ کا احترام و پیروی بھی ہمارے لیے لازم ہے۔ انھوں نے کہا کہ میدان کربلا میں امام حسین نے قربانی پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ باطل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے بہتر سر دے دینا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج اسلام کی جو تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جا رہی ہے ہمیں اس سے ہوشیار رہنے اور اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اسلام جس کی نمائندگی صحابہ کرام نے کی، شہداے کربلا اور اولیاء اللہ نے کی، وہ اسلام جو پوری دنیا کو امن کا پیغام دیتا ہے۔"

10 جون 2012ء روزنامہ انقلاب مرادآباد ایڈیشن صفحہ قرب وجوار پر ان کا ایک بیان شائع ہوا، جس میں انھوں نے مسلمانوں کو دہشت گردی کے نام پر جھوٹے مقدموں میں پھنسانے کی مذمت کرتے ہوئے بے گناہ لوگوں کو فوری طور پر رہا کرنے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان وہ قوم ہے جو حکومت بنا بھی سکتی ہے اور حکومت بگاڑ بھی سکتی ہے۔ جس کی نظیر گزشتہ صوبائی حکومت کے خاتمے کی شکل میں ہے، انھوں نے کہا کہ مسلمان ہندوستان میں بھکاری بن کر نہیں آیا تھا، بلکہ خواجہ غریب نواز کی شکل میں داتا بن کر آیا تھا۔ آج اگر مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے تو کسی سے بھیک نہیں مانگ رہا ہے۔ بلکہ اپنے ووٹوں کی ذریعے جس حکومت کو تشکیل دیتا ہے اس سے اپنے احسان کا بدلہ مانگ رہا ہے، اور یہ بدلہ اس کا حق ہے۔ صوبائی حکومت کی پالیسیوں پر وار کرتے ہوئے مولانا مصباحی نے کہا کہ اکھلیش یادو کو نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کی حکومت مسلمانوں کی رہین منت ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ سماج وادی کو اپنا ہمدرد و معاون سمجھ کر مسلمانوں نے صوبے کی باگ ان کے ہاتھ میں دی تھی۔ مگر یہ حکومت بھی مسلمانوں کا تحفظ کرنے میں ناکام ثابت ہو رہی ہے۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں انھوں نے گزشتہ دنوں متھرا میں ہوئے مسلم کشت فساد کی نظیر پیش کی۔ ان کے علاوہ انھوں نے کہا کہ بی ایس پی کے دور میں تھانہ مینا ٹھیر حلقہ کے اصالت نگر بگہ میں پولیس اہلکاروں کے ذریعے کلام پاک کی توہین کر دی گئی، لیکن الٹا مسلمانوں کو جیلوں میں ڈالا گیا، اور اکھلیش حکومت نے یہ وعدہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے ووٹوں کا مطالبہ کیا تھا کہ تمام مسلمانوں کو جیل سے رہا کیا جائے گا، اور ان پر چل رہے مقدمات واپس لیے جائیں گے، لیکن گزشتہ دو روز پہلے اسی سماجوادی کی حکومت میں 55 مسلمانوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کی بات کہی گئی، جس سے مسلم قوم مزید خوفزدہ ہوگئی ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ نہ ان پولیس اہلکاروں کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی، جنھوں نے کلام پاک کی بے حرمتی کی تھی، اور نہ اس ڈی آئی جی کے خلاف کوئی قدم اٹھایا گیا کہ جس نے نہتے مسلمانوں پر گولیاں چلائیں جس میں ایک 14 سالہ طالب علم شہید بھی ہو گیا اس دوران بلاری میں جلوس محمدی میں مسلمانوں کے ساتھ کی گئی زیادتی کی بھی مذمت کی، اور بچے کے ماں باپ کو معاوضہ دینے کا مطالبہ بھی کیا، اور اس میں ملوث مجرمین کو سخت سے سخت سزا دینے کی بات کہی۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ اہانت قرآن کرنے والے پولیس اہلکاروں اور ڈی آئی جی کے خلاف قانونی کارروائی کرتے ہوئے مسلمانوں کو مقدموں سے رہا کیا جائے، اور تصادم

میں شہید ہوئے طالب علم کے ماں باپ کو معاوضہ دیا جائے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا (بنگلور) 17 دسمبر 2010ء میں شائع رپورٹ میں کہا کہ اس وقت پوری دنیا میں بدعنوانی کے معاملے میں ملک کی شبیہ بگڑتی جا رہی ہے۔ حکومتیں بنائی جاتی ہیں تاکہ ملک سے بدعنوانی کا خاتمہ ہو سکے، لیکن یہاں جو ارباب اقتدار ہیں، جو سیاسی نمائندے ہیں، وہی بدعنوانی میں اضافے کے لیے ذمہ دار ہیں، اور وہ بڑے بڑے گھپلے کرکے نہ صرف ملک کو بدنام کر رہے ہیں بلکہ ملک کی معیشت کو بھی کمزور کر رہے ہیں۔ ملک میں اقلیتوں کے نام پر جو فنڈ مختص ہوتا ہے وہ سیاسی لیڈروں کی ملی بھگت سے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے، اور ہندوستان کا غریب آدمی غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ علامہ مصباحی نے کہا کہ آج ملک میں 24 کروڑ لوگ انتہائی غربت و افلاس کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں انھوں نے کہا کہ جو لوگ بھی قصور وار ہیں خواہ وہ کسی بھی خطے یا سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں ان کے خلاف سخت کاروائی کی جانی چاہیے۔

مولانا نے کہا کہ دہشت گردی ایک اہم موضوع ہے نیشنل اور انٹرنیشنل میڈیا کسی بھی واقعہ کو مسلمانوں کے سر منڈھ دیتا ہے۔ کہیں بھی کوئی بھی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اسے مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن شہید ہیمنت کرکرے کی تحقیقات نے ملک کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے پر مجبور کر دیا، اور یہ باور کرا دیا کہ تمام واقعات کے پیچھے مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ یہ قطعا غلط ہے۔ علامہ مصباحی نے کہا کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ دہشت گردی انتہائی بدترین چیز ہے۔ اسے مذہب سے جوڑنا غلط ہے۔ مکہ مسجد، اجمیر شریف اور مالیگاؤں میں دھماکوں کے بعد آنا فانا مسلمانوں کے سر اس کا ٹھیکرا پھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن تحقیقات کے بعد صاف ہو گیا کہ ان دھماکوں میں ہندو تنظیموں کا ہاتھ تھا، اور مسلمانوں کو بلاوجہ بدنام کیا جاتا رہا۔ مولانا نے کہا کہ حالیہ بنارس بم دھماکہ کے بعد بھی رٹے رٹائے جملے دہرائے گئے، اور دھماکہ کو انڈین مجاہدین کی کارستانی قرار دے کر پوری قوم کو ایک بار پھر نشانہ بنانے کی سازش رچی گئی۔ ہمارا خیال ہے کہ انڈین مجاہدین نام کی کوئی تنظیم ہے ہی نہیں۔ آج تک اس سے وابستہ کسی بھی فرد کو جانچ ایجنسیاں ملک کے سامنے پیش نہیں کر سکیں دراصل مسلمانوں سے ملتے جلتے نام کی آڑ میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے اور دیر سویر یہ سچائی بھی ملک کے سامنے آ ہی جائے گی۔ عالمی تنظیم ابنائے اشرفیہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا کہ مسلمانوں کو ان حالات سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کی لاکھ کوششیں کی جاتی رہی، لیکن اگر مسلمان سماجی طور پر متحد ہو کر دینی و دنیاوی تعلیم کو اپنی زندگی کی ترجیحات میں شامل کر لیں تو یقینا اس کے مثبت اور دور رس نتائج سامنے آئیں گے۔ انھوں نے کہا کہ تعلیم انتہائی ضروری ہے تعلیم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ علامہ مبارک حسین مصباحی نے کہا کہ مرکزی حکومت نے مدارس کی بہتری کے لیے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی تجویز پیش کی تھی لیکن کچھ ناعاقبت اندیش اس کی مخالفت پر اتر آئے ہماری کوشش ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام عمل میں آئے اس سے مدارس کو نہ صرف استحکام عطا ہوگا بلکہ قوم کے بچوں کو تعلیمی انحطاط اور تعلیمی پسماندگی کے دلدل سے نکالنے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔

روزنامہ انقلاب وارانسی ایڈیشن 28 نومبر 2011ء کو شائع رپورٹ میں مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ نے امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات وفکر اور ان کی دعوت و خلافت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مورخین کے مطابق اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا دس سال مزید مل جاتا تو پوری دنیا میں اسلام پھیل جاتا۔ مولانا موصوف نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں عدل و انصاف کا جو نظام پیش کیا، اس کی مثال نہ اسلام میں ملتی ہے، اور نہ دنیا کی دوسری قوموں میں۔ عہد حاضر میں نظام فاروقی کا مطالعہ

کیا جائے تو دنیا سے بدعنوانی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب دیگر ممالک کے حکمرانوں سے ملاقاتیں کرتے تو ان کے لباس میں 17-17 پیوند لگے ہوتے مگر ان کے عدل و صداقت کا رعب یہ تھا کہ سلاطین زمانہ بھی آنکھ ملانے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی زندگی اور ان کی صحافتی تحریریں اس بات کی گواہ ہیں کہ انھوں نے صحافت کو کبھی مصلحت پسندی یا ذاتی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ انھوں نے اپنے قلم کو مظلوموں کی آواز، سچائی کا نقیب اور حق کی ترجمانی کا ایک بے باک پلیٹ فارم بنایا۔ ملک کے بدلتے ہوئے سیاسی و سماجی حالات پر ان کی گہری نظر تھی، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مختلف اخبارات کے ذریعے ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ ذہنیت، فسادات کی پشت پناہی کرنے والے عناصر اور پی اے سی جیسے اداروں کے متعصبانہ رویے کا پردہ چاک کیا۔ آپ کی حق گوئی نے ملت کو یہ سکھایا کہ کسی بھی خوف یا دباؤ کے تحت سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

سیاسی میدان میں مولانا مصباحی رحمہ اللہ کا موقف انتہائی واضح اور ناصحانہ تھا۔ انھوں نے مسلم قوم کو یہ باور کرایا کہ وہ اس ملک میں کسی کے رحم و کرم پر نہیں ہیں، بلکہ اپنے ووٹ کی طاقت سے حکومتیں بنانے اور بگاڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اکھلیش یادو کی سماجوادی حکومت ہو یا کانگریس کے راہل گاندھی، سبھی کی منافقت، جھوٹے وعدوں اور سرد مہری پر سخت تنقید کی۔ کانگریس کے انسدادِ فسادات بل لانے میں لیت و لعل اور سماجوادی حکومت کے دور میں بے گناہ مسلمانوں کی گرفتاریوں پر آپ کی بے باک گرفت یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ نے کبھی بھی سیاسی مصلحتوں کے تحت ملت کے حقوق پر سودے بازی نہیں کی۔

علاوہ ازیں، مولانا مصباحی نے دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کو بدنام کرنے کی عالمی اور ملکی سازشوں کا نہایت مدلل انداز میں مقابلہ کیا۔ مکہ مسجد، اجمیر شریف، مالیگاؤں اور بنارس جیسے دھماکوں کے بعد جب میڈیا نے مسلمانوں کو نشانہ بنایا، تو آپ نے ہیمنت کرکرے شہید کی تحقیقات کا حوالہ دے کر مسلم مخالف بیانیے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ انھوں نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور "انڈین مجاہدین" جیسی مبہم تنظیموں کی آڑ میں مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا بند کیا جانا چاہیے۔ ان کی یہ تحریریں مایوسی کے بادلوں کو چھانٹنے اور مسلم نوجوانوں میں دوبارہ خود اعتمادی پیدا کرنے کا باعث بنیں۔

مولانا کی فکری بصیرت کا ایک اور روشن پہلو یہ تھا کہ انھوں نے جہاں قوم کو سیاسی و سماجی شعور دیا، وہیں انھیں اپنی اصل یعنی دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے جڑے رہنے کی تلقین بھی کی۔ حبِ اہل بیت اور اتباعِ صحابہ کرام کو ایمان کا لازمی جز قرار دے کر انھوں نے عقائد و افکار کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ انھوں نے میدانِ کربلا کے فلسفے کو زندہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ باطل کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے سر کٹا دینا حسینی روایت ہے۔ اس کے ساتھ ہی، انھوں نے عہدِ فاروقی کے عدل و انصاف کے نظام کو دورِ حاضر کی تمام برائیوں اور بدعنوانیوں کا واحد علاج قرار دیا، تاکہ دنیا اسلام کے حقیقی امن پسند چہرے سے واقف ہو سکے۔

مختصر یہ کہ مولانا موصوف نے اردو صحافت کو عصری تقاضوں اور دینی اقدار کے مابین ایک متوازن اور مؤثر وسیلہ بنا دیا۔ انھوں نے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی حمایت کرکے بچوں کو تعلیمی پسماندگی کے دلدل سے نکالنے اور ملت کو جدید و دینی علوم سے آراستہ کرنے کی مخلصانہ کوشش کی۔ ان کی تحریروں میں موجود زبان کی سادگی، تحقیق، اعتدال اور بیان کی روانی آج بھی صحافت کے طلبہ اور اہلِ قلم کے لیے ایک روشن مشعلِ راہ ہے۔

■■■

مولانا مبارک حسین مصباحی
صحافت اور فکر اہل سنت کا درخشاں باب

حافظ افتخار احمد قادری، کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت یو. پی

بعض شخصیات زمانے کے ہجوم میں محض افراد نہیں ہوتیں بلکہ اپنے علم، فکر، کردار اور خدمات کے باعث ایک مستقل ادارے کی حیثیت اختیار کرلیتی ہیں۔ ان کی موجودگی اہلِ علم کے لیے اطمینان، اربابِ قلم کے لیے حوصلہ اور طالبانِ حق کے لیے سرمایہ افتخار ہوتی ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ اپنے حصے کا چراغ روشن رکھتے ہیں اور برسوں تک اپنے علم وعمل کی روشنی سے دلوں اور ذہنوں کو منور کرتے رہتے ہیں۔ جب ایسی کوئی عبقری اور ہمہ جہت شخصیت اس دار فانی سے رخصت ہوتی ہے تو صرف ایک فرد کا انتقال نہیں ہوتا بلکہ علم و دانش، تحقیق و تدقیق اور فکر و نظر کا ایک روشن باب اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ قدرت بعض انسانوں کو ایسی مقبولیت اور تاثیر عطا کرتی ہے کہ ان کی زندگی میں بھی لوگ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں اور ان کے بعد بھی ان کے علمی نقوش زمانے کی راہوں کو روشن رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اخلاص، متانت و سنجیدگی اور علمی وقار کے ذریعے دلوں میں وہ مقام پیدا کر لیتے ہیں جو محض عہدوں، شہرتوں یا ظاہری اعزازات سے حاصل نہیں ہوتا۔ ان کی خدمات وقت کے محدود دائرے سے نکل کر تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں اور ان کا تذکرہ آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی کا سامان بن جاتا ہے۔ اہلِ سنت کی علمی وفکری تاریخ ایسے رجالِ علم سے مزین رہی ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی دینِ اسلام کی خدمت، عقائدِ حقہ کی پاسبانی، علومِ نبوت کی اشاعت اور ملت کی فکری رہنمائی میں صرف کردی۔ ان اکابر کی صف میں بعض شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جو بیک وقت تدریس، تصنیف، تحقیق اور صحافت جیسے مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ خدمت دین سے عبارت اور ان کی ہر کاوش ملت کے علمی سرمایہ میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہوتے ہیں جن کی جدائی کا احساس مدتوں باقی رہتا ہے اور جن کا فقدان اہل علم کے لیے ایک ناقابلِ تلافی خسارہ شمار کیا جاتا ہے۔ جب کبھی کسی عظیم عالم، صاحبِ قلم اور مخلص داعیِ دین کے وصال کی خبر سننے کو ملتی ہے تو دل بے اختیار اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقت فنا ہے مگر بعض ہستیاں اپنی علمی یادگاروں، قلمی آثار اور دینی خدمات کے ذریعے فنا کے پردے میں بھی بقا کا پیغام چھوڑ جاتی ہیں۔ ان کے افکار زندہ رہتے ہیں، ان کی تحریریں بولتی رہتی ہیں اور ان کے فیوض وبرکات نسلوں تک منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وہ سعادت ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے اور یہی وہ سرمایہ ہے جو انسان کو دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی زندہ رکھتا ہے۔

آج جب ہم ایک ایسی ہی علمی، ادبی اور صحافتی شخصیت کے ذکرِ خیر کے لیے قلم اٹھا رہے ہیں تو دل غم سے بوجھل اور نگاہیں نم ہیں مگر ساتھ ہی اس بات کا احساس بھی ہے کہ ایسی شخصیات کا تذکرہ دراصل ان کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور آنے والی نسلوں کو ان کے علمی ورثے سے روشناس کرانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ان کی زندگی کے نقوش، ان کی علمی کاوشیں اور ان کی دینی خدمات ہمیشہ اہلِ علم کے لیے باعثِ افتخار رہیں گی اور انشاء اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک ان کا ذکرِ خیر جاری رہے گا۔

مؤرخہ 18 ذی الحجہ 1447ھ مطابق 5 جون 2026ء جب یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ اہلِ سنت کی ممتاز علمی، ادبی اور صحافتی شخصیت، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے جلیل القدر

استاذ اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیرِ اعلیٰ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے ہیں تو اہلِ علم و دانش کے حلقوں میں غم واندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ خبر صرف ایک فرد کے انتقال کی اطلاع نہ تھی بلکہ ایک ایسے علمی چراغ کے گل ہو جانے کی خبر تھی جس کی روشنی سے برسوں تک علمی مجالس، فکری نشستیں اور صحافتی میدان منور رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض شخصیات اپنے وجود میں ایک انجمن ہوتی ہیں ان کی حیات محض ذاتی زندگی نہیں ہوتی بلکہ ایک پورے عہد کی نمائندگی کرتی ہے۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی بھی انھی نابغہ روزگار شخصیات میں سے تھے جن کی وفات سے علمی وصحافتی دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جس کا پر ہونا آسان نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی ان اکابر اہلِ سنت میں شمار ہوتے تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی اشاعت، افکارِ اہلِ سنت کے فروغ اور صحافت کے ذریعے ملت کی فکری رہنمائی کے لیے وقف کر دی تھی۔ آپ کی شخصیت میں وقارِ علم، متانتِ فکر، شائستگیِ کردار اور لطافتِ ذوق کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ آپ بیک وقت ایک کامیاب مدرس، باصلاحیت مدیر، صاحبِ قلم مصنف اور دور رس نگاہ رکھنے والے مفکر تھے۔ ان کی ذات ان تمام اوصاف وکمالات کا مرقع تھی جن کی ایک دینی رہنما سے توقع کی جاتی ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اہلِ سنت کی ان عظیم درس گاہوں میں شمار ہوتی ہے جنھوں نے برصغیر کے علمی و دینی افق پر انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کو اس عظیم درس گاہ میں تدریس کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے اپنی تدریسی زندگی میں بے شمار طلبہ کو علم وفضل کی دولت سے مالا مال کیا۔ آپ کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف نصابی مباحث کی تشریح ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ علمی بصیرت، تحقیقی ذوق اور فکری پختگی بھی پیدا کی جاتی تھی۔ آپ کے شاگرد آج مختلف مقامات پر دینِ اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور اپنے استاذِ محترم کی علمی یادگار بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ تدریس آپ کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل تھی لیکن صحافت کے میدان میں آپ کی خدمات نے آپ کو ایک منفرد شناخت عطا کی۔ ماہنامہ اشرفیہ جو اہلِ سنت کے معروف اور معتبر علمی رسائل میں شمار ہوتا ہے آپ کی ادارت میں مزید وقار، وقعت اور مقبولیت حاصل کرتا رہا۔ ایک مدیر کے طور پر آپ نے جس اخلاص، بصیرت اور محنت کے ساتھ اس رسالے کو سنبھالا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی ادارت محض انتظامی ذمہ داری نہ تھی بلکہ ایک فکری مشن تھا جس کے ذریعے آپ قارئین تک صحیح دینی فکر اور تعمیری علمی مواد پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کی قلمی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ الفاظ کے جوڑنے والے ادیب نہیں تھے بلکہ ایک حساس اور بیدار مغز مفکر تھے۔ آپ کے مضامین میں فکری گہرائی، تاریخی شعور اور علمی دیانت کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ وہ مسائل کو سطحی انداز میں نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کے پس منظر، اسباب اور نتائج پر گہری نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریریں محض وقتی تاثر پیدا نہیں کرتیں بلکہ قاری کے ذہن میں فکر وتدبر کے نئے در وا کرتی ہیں۔

آپ کے دورِ ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ سے کئی ایسے خصوصی شمارے شائع ہوئے جو علمی وتحقیقی اعتبار سے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پیغمبرِ اعظم نمبر، انوار حافظِ ملت نمبر، تعلیمی کنونشن نمبر، سلطان الہند غریب نواز نمبر، جشنِ شارحِ بخاری نمبر اور فقیہِ اعظم ہند نمبر جیسے وقیع اور معیاری اشاعتیں آپ کی ادبی بصیرت اور علمی ذوق کی روشن دلیل ہیں۔ ان خصوصی نمبروں نے نہ صرف اہلِ علم کی توجہ حاصل کی بلکہ دینی صحافت میں ایک معیار بھی قائم کیا۔ ان شماروں میں تحقیق، ترتیب، مواد کے انتخاب اور پیشکش کا جو اعلیٰ معیار نظر آتا ہے وہ آپ کی شبانہ روز محنت اور فکری کاوشوں کا آئینہ دار ہے۔

خصوصی نمبروں کے علاوہ آپ نے بعض ایسے یادگار شمارے بھی شائع کیے جو اپنی ضخامت، مواد اور علمی افادیت کے

اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں ”سیدین نمبر“ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ سید العلما اور احسن العلما کی حیات وخدمات پر مشتمل یہ عظیم الشان نمبر تیرہ سو بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ضخامت ہی نہیں بلکہ اس کا علمی سرمایہ بھی اسے ایک یادگار دستاویز بناتا ہے۔ ایسے عظیم الشان شمارے کی اشاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی محض ایک مدیر نہیں تھے بلکہ علمی ورثے کے محافظ اور تاریخ کے امین بھی تھے۔ آپ کے اداریے ماہنامہ اشرفیہ کی جان سمجھے جاتے تھے۔ ان میں فکری سنجیدگی، تحقیقی انداز اور مدلل اسلوب پایا جاتا تھا۔ افتراق بین المسلمین کے اسباب، جادۂ حق وصداقت، برصغیر میں افتراق بین المسلمین کا آغاز وارتقا، بگڑتے حال بدلتے چہرے اور وحید الدین خان سے دو باتیں جیسے اداریے آپ کے فکری شعور اور علمی بصیرت کے بہترین مظہر ہیں۔ ان تحریروں میں محض تنقید نہیں بلکہ اصلاح، رہنمائی اور فکری استحکام کا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔ بعد ازاں ان اداریوں کو حذف واضافہ اور ضروری ترمیم کے بعد یکجا کرکے ”برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب“ کے عنوان سے کتابی شکل دی گئی۔ یہ کتاب اہلِ علم میں غیر معمولی مقبول ہوئی۔ اس کے متعدد ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان میں شائع ہوئے اور وسیع پیمانے پر تقسیم کیے گئے۔ اس تصنیف میں آپ نے افتراق بین المسلمین کے تاریخی اسباب کا نہایت منصفانہ اور تحقیقی جائزہ پیش کیا۔ آپ نے اختلافات کی جڑوں تک پہنچنے کی کوشش کی اور ان کے ارتقائی مراحل کو تاریخی تناظر میں واضح کیا۔ ساتھ ہی حق وباطل کے درمیان ایک واضح خطِ امتیاز قائم کرنے کی سعی فرمائی تاکہ قارئین حقیقتِ حال سے آگاہ ہو سکیں۔ مولانا وحید الدین خان کے نظریات پر آپ کی تنقیدی نگاہ بھی اسی علمی دیانت کی آئینہ دار تھی۔ آپ نے ان کے بعض افکار کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے پوشیدہ پہلوؤں کو واضح کیا اور قارئین کو ان نظریاتی مباحث کے اثرات ونتائج سے آگاہ کیا۔ یہ کام آپ نے جذباتیت یا شخصی مخالفت کے تحت نہیں بلکہ علمی استدلال اور تحقیقی معیار کے مطابق انجام دیا۔ یہی وصف آپ کو دیگر قلم کاروں سے ممتاز کرتا ہے۔

آپ کی تصنیفی خدمات میں ”شہرِ خموشاں کے چراغ“ بھی ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے۔ تقریباً چار سو اسی صفحات پر مشتمل یہ کتاب دراصل مختلف علمی، دینی اور سماجی شخصیات کے وصال پر لکھی گئی تعزیتی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں قریب پچاس شخصیات کے حوالے سے لکھی گئی نگارشات شامل ہیں۔ بعض تحریریں مختصر ہیں اور بعض نسبتاً مفصل لیکن ہر تحریر میں دردِ دل، اخلاصِ قلم اور حسنِ بیان کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو شخصیات کے علمی مقام اور ان کی خدمات کا کس قدر گہرا شعور حاصل تھا۔ آپ کی علمی اور صحافتی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ہمیشہ تعمیری فکر کے حامل رہے۔ آپ کے قلم میں شدت سے زیادہ سنجیدگی، جذباتیت سے زیادہ توازن اور مخالفت سے زیادہ اصلاح کا عنصر نمایاں نظر آتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ قلم ایک امانت ہے اور اس کی جواب دہی بارگاہِ الٰہی میں ہوگی اسی لیے آپ نے کبھی اپنے قلم کو ذاتی خواہشات، وقتی شہرت یا گروہی تعصب کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ان کی تحریریں ہمیشہ ملت کی فکری تعمیر، علمی رہنمائی اور دینی بیداری کا پیغام دیتی رہیں۔ آپ کے اداریوں اور مضامین کا مطالعہ کرنے والا بخوبی محسوس کر سکتا ہے کہ مصنف کے پیشِ نظر محض واقعات کا بیان نہیں بلکہ ان کے پس منظر کی توضیح، ان کے اثرات کی نشاندہی اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کی وضاحت بھی ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں وقتی اخباری مضامین کی طرح چند دنوں میں فراموش نہیں ہوئیں بلکہ اہلِ علم کے لیے مستقل حوالہ اور فکری رہنمائی کا سرمایہ بن گئیں۔ آپ نے صحافت کو کبھی محض خبر رسانی کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے ایک دینی اور ملی ذمہ داری تصور کیا۔ آپ کے نزدیک صحافت کا اصل مقصد معاشرے کی اصلاح، ملت کی رہنمائی اور حقائق کی وضاحت تھا۔ یہی تصور ان کی پوری ادارتی زندگی پر غالب رہا۔ ماہنامہ اشرفیہ کی اشاعت کے دوران آپ نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ رسالہ صرف مذہبی مضامین کا

مجموعہ نہ بنے بلکہ ایسا معیاری علمی جریدہ ہو جو قارئین کی فکری تربیت بھی کرے اور ان کے علمی ذوق کی آبیاری بھی۔ آپ کی ادارت میں رسالے کے ظاہری معیار میں بھی نمایاں بہتری آئی۔ طباعت، کمپوزنگ، ڈیزائننگ اور ترتیب و تزئین کے میدان میں جو نکھار پیدا ہوا وہ ان کی حسنِ انتظام کی روشن دلیل ہے۔ آپ نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ عصرِ حاضر میں معیاری مواد کے ساتھ معیاری پیشکش بھی ناگزیر ہے۔ چناں چہ آپ نے دونوں پہلوؤں کو یکجا کر کے ماہنامہ اشرفیہ کو ایک ممتاز اور منفرد مقام تک پہنچایا۔

مذہبی رسائل کی دنیا میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بہت کم جرائد ایسے ہوتے ہیں جو طویل عرصے تک اپنے علمی وقار اور تحقیقی معیار کو برقرار رکھ سکیں لیکن ماہنامہ اشرفیہ نے حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی قیادت میں یہ اعزاز حاصل کیا۔ اس کے صفحات پر شائع ہونے والے مضامین میں تحقیقی گہرائی، فکری پختگی اور علمی استناد نمایاں نظر آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں اہلِ علم اور طلبہ اس رسالے کا انتظار کرتے اور اس کے مضامین سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ کا ایک اور قابلِ ذکر وصف یہ تھا کہ آپ اکابرِ اہلِ سنت کی خدمات کو محفوظ کرنے اور نئی نسل تک منتقل کرنے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہے۔ آپ کے زیرِ ادارت شائع ہونے والے خصوصی نمبر در حقیقت علمی تاریخ کے ایسے محفوظ اور مستند ریکارڈ ہیں جن سے آنے والی نسلیں بھی استفادہ کرتی رہیں گی۔ ان خصوصی اشاعتوں نے نہ صرف شخصیات کے علمی و دینی کارناموں کو محفوظ کیا بلکہ اہلِ سنت کے علمی ورثے کو مرتب و مدون کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی شخصیت میں عاجزی اور انکساری بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ علمی مقام کی بلندی، ادبی شہرت اور صحافتی وقار کے باوجود ان کے مزاج میں تکلف، غرور یا خود نمائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ اپنے معاصرین اور شاگردوں کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت کا معاملہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے وابستہ رہنے والے افراد نہ صرف ان کے علم سے متاثر تھے بلکہ ان کے اخلاق و کردار کے بھی معترف تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی خدمت، اہلِ سنت کے عقائد و نظریات کی حفاظت اور ملت کی فکری رہنمائی میں صرف کر دی۔ آپ نے کسی صلے، ستائش یا دنیاوی منفعت کی پروا کیے بغیر اپنی ذمہ داری ادا کی اور خاموشی کے ساتھ اپنے حصے کا چراغ روشن رکھا۔ آج جب وہ ہم میں موجود نہیں ہیں تو ان کی یادیں، ان کی تحریریں، ان کے افکار اور ان کی علمی خدمات ہمارے سامنے ایک زندہ ورثے کی صورت میں موجود ہیں۔ ان کا وصال بلاشبہ اہلِ سنت کے علمی حلقوں کے لیے ایک بڑا نقصان ہے۔ جامعہ اشرفیہ نے ایک مخلص مدرس کھو دیا، ماہنامہ اشرفیہ نے ایک دور اندیش مدیر سے محرومی اختیار کر لی، صحافت نے ایک سنجیدہ قلم کار کو کھو دیا اور اہلِ علم نے ایک خیر خواہ رفیقِ کار سے جدائی کا صدمہ برداشت کیا۔ لیکن اہلِ حق کی یہی شان ہے کہ ان کے جسم اگرچہ مٹی کے سپرد ہو جاتے ہیں مگر ان کے علمی نقوش اور فکری آثار زمانے کے صفحات پر ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کے قلم سے نکلنے والے الفاظ آج بھی زندہ ہیں، ان کے مرتب کردہ علمی دستاویزات آج بھی موجود ہیں اور ان کی تربیت یافتہ نسل آج بھی ان کے مشن کو آگے بڑھا رہی ہے۔

ان کی وفات یقیناً ایک ناقابلِ تلافی خسارہ ہے لیکن ان کی خدمات اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہیں کہ ان کا تذکرہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جب بھی ماہنامہ اشرفیہ کی علمی تاریخ لکھی جائے گی، ان کا نام احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔ جب بھی افتراق بین المسلمین کے موضوع پر تحقیقی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے گا، ان کی علمی بصیرت اور تحقیقی محنت کو سراہا جائے گا۔ اللہ رب العزت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی بے حساب مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کی خدماتِ دینیہ و علمیہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اکابرینِ اہلِ سنت، صالحین، صدیقین اور علمائے ربانیین کی معیت نصیب فرمائے۔ نیز ان کے پس ماندگان، تلامذہ، متعلقین اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے کہ یہی اس عظیم سانحہ ارتحال پر ایک مومن کی سب سے بڑی دعا ہو سکتی ہے۔ آمین بجاہ سید المرسلین نبی کریم ﷺ ◘◘◘

مولانا مبارک حسین مصباحی کا ادبی نقطۂ نظر

مولانا طفیل احمد مصباحی، سابق نائب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ

کسی بھی زبان میں دینی افکار و نظریات اور اسلامی موقف کی ترجمانی کرنے والی خلوص و دیانت پر مبنی تحریر، جو اصلاحی غرض سے لکھی گئی ہو "اسلامی ادب" کہلاتی ہے۔ ایک اسلامی مبلغ جن مذہبی امور کی تبلیغ اپنی تقریر اور خطاب کے ذریعے کرتا ہے، اسلامی ادیب انھیں امور کی ترویج و اشاعت قرطاس و قلم کے سہارے انجام دیتا ہے۔ لیکن جس طرح ہر تحریر ادب نہیں ہوتی، اسی طرح ہر اسلامی تحریر، اسلامی ادب کا شہکار نمونہ نہیں بنتی۔ بلکہ اس کے لیے فصاحت و بلاغت، زبان و بیان کی چاشنی، اسلوب کی ندرت، خیال کی بلندی و پاکیزگی اور پیرایۂ بیان کی عمدگی امرِ ناگزیر ہے۔ صداقت و واقعیت، معروضیت و قطعیت، خلوص و دیانت اور ثقاہت و بصیرت اس کے لازمی اجزا ہیں۔ اسلامی ادب کا مقصد بھلائیوں کا فروغ اور برائیوں کا خاتمہ ہے۔ دیگر عالمی ادبیات کی طرح اسلامی افکار و تعلیمات پر مبنی "اسلامی ادب" کے بھی کچھ بنیادی اوصاف و خصوصیات ہیں، جن کی پاس داری اسلامی ادب کی نمائندگی کرنے والے ادیبوں کے لیے بہر حال ضروری ہے اور وہ یہ ہیں:

(1) مذہبِ اسلام اپنے ماننے والوں کو خلوص و دیانت کی تعلیم دیتا ہے۔ اہلِ ایمان کا ہر کام اخلاص پر مبنی ہونا چاہیے۔ نام و نمود، شہرت، عہدہ و منصب اور جاہ طلبی کے لیے نہیں۔ لہٰذا اسلامی ادب کو ہر حال میں خلوص کا آئینہ دار ہونا چاہیے اور ایک اسلامی ادیب کی ہر تحریر، مضمون اور کتاب اخلاص اور رضاے الٰہی پر مشتمل ہونی چاہیے۔ اس کی تحریری سرگرمیوں کا مقصد صرف رضاے مولیٰ، اسلام کی نصرت و حمایت اور دین کی ترویج و اشاعت ہو۔ نام و نمود، سستی شہرت اور واہ واہی لوٹنے کی غرض سے اسلامی ادب کی ترجمانی کرنے والوں کو دور و نفور رہنا چاہیے۔

(2) احقاقِ حق و ابطالِ باطل، اسلام اور قرآن کا طرّۂ امتیاز رہا ہے۔ اسلامی ادب کو حق کا پرچار ڈنکے کی چوٹ پر کرنے والا ہونا چاہیے اور اس راہ میں گندی سیاست، ذاتی مفاد اور مصلحت کوشی کو آڑے نہ آنے دینا چاہیے۔ ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہا جائے۔ حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی میں مسلم ادیبوں کو شمشیرِ برّاں کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

(3) کہتے ہیں کہ: "تاج محل کی تعمیر آسان ہے، لیکن شخصیت سازی کا عمل اس سے کئی گنا زیادہ دشوار ہے"۔ اسلامی ادب کو شخصیت سازی اور ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس کام کے لیے ذہانت و لیاقت کے ساتھ بڑی محنت اور سخت ریاضت درکار ہوتی ہے۔ مسلم ادیبوں کو اس سلسلے میں حسّاس رہنے کی ضرورت ہے۔ جو ادب اور لٹریچر انسانی قلوب و اذہان کو کسی خاص نصب العین کے لیے تیار نہ کر سکے، وہ ادب معنوی لحاظ سے کوئی اہمیت و وقعت نہیں رکھتا۔ لہٰذا مسلم ادیبوں کو چاہیے کہ وہ دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے محنت و مشقت سے ایسا لٹریچر یا آرٹیکل تیار کرے، جو ذہن و فکر کو اپیل کرنے والا اور دلوں کو مسخر کر کے انھیں حرکت پر آمادہ کرنے والا ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اسلامی ادب کو مؤثر اور دل پذیر ہونا چاہیے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ادب کو مؤثر اور شخصیت سازی کا آئینہ دار کیسے بنایا جائے؟ اس سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رکھی جائیں:

(الف) تحریر آسان، سادہ اور زود فہم ہو۔ زبان گنجلک نہ ہو۔ اسلوب میں سنجیدگی و دلکشی پائی جائے۔ اندازِ بیان میں ابتذال اور سوقیانہ پن نہ ہو۔

(ب) جو تحریر بھی قارئین کے سامنے پیش کی جائے، اس میں صداقت و حقانیت کا عنصر شامل ہو۔ ادیب کے مطالعہ میں وسعت اور فکر میں پختگی ہونی چاہیے۔ تاکہ قارئین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ (ج) قوتِ استدلال مضبوط اور انوکھی ہونی چاہیے۔ لیکن فلسفیانہ اسلوب اور منطقی انداز میں اپنی بات پیش کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ (د) ادیب کے قول و عمل اور گفتار و کردار میں مطابقت ہونی چاہیے۔

(4) حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت میں خلق و مروّت، مہر و شفقت اور اعتدال و توازن کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ ورنہ ادب کا بنیادی مقصد (اپنے نظریات کا ابلاغ و ترسیل) حاصل نہ ہوگا اور قارئین پر اس کا خاطر خواہ اثر مرتب نہیں گا۔ موقع کی نزاکت اور مخاطب کی افتادِ طبع کا خیال کرتے ہوئے بعض اوقات اعتدال اور میانہ روی کی صورت بھی اختیار کی جائے۔ مدِّ مقابل کی گفتگو کے جواب میں سخت گفتگو کرنے، اینٹ کا جواب پتھر سے دینے اور گالی کے جواب میں سخت گالی دینے کا انجام نہ کبھی اچھا ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے درست طریقہ یہی ہے کہ مقابل سے نرمی اور تہذیب و شائستگی کے لہجے میں گفتگو کی جائے اور اگر اس کے باوجود وہ جہالت اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرے تو قرآنی تعلیم: " وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا" پر عمل کرتے ہوئے اسے الوداعی سلام کیا جائے۔

(5) اسلامی ادب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہونے پائے۔ مسلم ادیبوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تحریروں سے کسی کی تحقیر و تذلیل نہ کریں۔ کسی کے تمسخر اور مذاق اڑانے سے ہر حال میں بچا جائے۔ اخلاقی طور پر اچھی اور معیاری تحریر وہی ہے جو دل شکنی و دل آزاری بننے والے مذکورہ عیوب سے پاک ہو۔ اس سلسلے میں قرآن مقدس کی یہ آیت پیشِ نظر رکھی جائے:

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○".

(قرآن الکریم، سورۃ الحجرات، آیت: 11)

ترجمہ: اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو۔ کسی کے ایمان کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے۔ اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

(6) فواحش و منکرات اور ہفوات و لغویات کی غلاظت سے اجتناب اور بیان کی طہارت کا اہتمام، دینِ اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ تحریر ہو یا تقریر، گفتگو کی طہارت اور بیان کی پاکیزگی ہر جگہ ہر حال میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ مسلم ادیبوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی ادب کو بیان کی پاکیزگی سے ہمیشہ آراستہ رکھیں اور کسی بھی حال میں اپنی تحریر کے دامن کو فواحش و لغویات، اباحیت پسندی اور کذب و افترا کے بدنما داغ سے آلودہ نہ ہونے دیں۔

(7) بلا تحقیق کوئی بات نہ قبول کی جائے اور نہ اس کی فی الفور تردید کی جائے، بلکہ جو بات بھی کسی کی طرف سے پیش کی جائے، پہلے غیر جانب دارانہ طریقے سے اس کی تحقیق کی جائے اور تحقیق کے بعد ہی اسے قبول کیا جائے یا پھر اس کی تردید کی جائے۔ اسلامی ادب کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(8) قلم چلانے اور کوئی بھی تحریر منصۂ شہود پر لانے کا ایک مقصد ہوا کرتا ہے اور وہ مقصد نیک بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ قلم کا استعمال معاشرے کی اصلاح کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے اور معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔ گویا قلم دو دھاری تلوار ہے، جس سے دونوں طرح کا کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ ہماری تحریر و قلم کا مقصد وہ ہونا چاہیے، جس کی خاطر ہماری تخلیق ہوئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ“ (قرآن مجید، سورہ آل عمران، آیت:110)

یعنی تم بہترین گروہ (جماعت) ہو جسے لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا، لیکن ان میں صرف چند مومنین ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔

اس آیت کریمہ میں بقدرِ وسعت و طاقت ہر مکلّف کو دعوت و تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے اور اہلِ ایمان پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ اسلامی ادب، اسلامی فکر کا نمائندہ اور ترجمان ہوا کرتا ہے۔ اسلامی ادب کا مقصد بھی یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے دعوت و تبلیغ کے کارواں کو آگے بڑھایا جائے اور حتی الوسع امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جائے۔ لہٰذا مسلم ادبا و محرّرین کو چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا اسلامی ادب کی شرائط و خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعوت و تبلیغ، تعلیم و تلقین اور رشد و ہدایت کا کام بطریقِ احسن انجام دیں اور حق و صداقت کا پرچم بلند کرنے کے لیے اپنی ذہنی، فکری اور قلمی توانائیاں صرف کریں۔

آبروئے قلم، فخرِ صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ جماعت اہل سنت کے ممتاز صاحبِ قلم، رواں دواں اسلوب کے حامل نثر نگار، کامیاب مصنف اور اسلامی ادب کے نمائندہ صحافی و محرّر تھے۔ آپ کی تحریر میں سلاست و روانی، ادبی چاشنی، معنوی تہ داری، فکری بالیدگی اور بلا کی دلکشی و رعنائی پائی جاتی ہے۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی قرطاس و قلم سے اپنا رشتہ استوار کر لیا تھا۔ وہ زندگی بھر لکھتے رہے۔ ہر موضوع پر لکھا اور خوب لکھا۔ وہ کسی بھی موضوع پر خامہ فرسائی سے قبل متعلقہ موضوع کے تمام ممکنہ گوشوں کا پوری یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے اور بڑی محنت سے مضامین اور اداریے تحریر کرتے تھے۔ تحریر کو مؤثر، خوب صورت اور دل پذیر بنانے کے لیے اس کو بار بار کاٹتے تھے۔ جس طرح ایک مالی پودوں کو کاٹ چھانٹ کر گلشن کو خوش نما بناتا ہے، اسی طرح وہ اپنی تحریروں کو کاٹ چھانٹ کر مؤثر، وقیع اور خوش نما بناتے تھے۔ راقم الحروف ان کی آٹھ سالہ کامیاب ادارت کا عینی شاہد ہے۔ غالباً وہ پچیس سے تیس سال تک ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور کے مدیرِ اعلیٰ رہے اور اس کے وقار و معیار میں اضافہ کرتے رہے۔ وہ کسی بھی فکر و خیال کو عمدہ اسلوب اور دلکش پیرایے میں بیان کرنے کو ترجیح دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں اپنے اندر بلا کی کشش اور جاذبیت رکھتی ہیں۔ ان کی علمی و ادبی نگارشات میں سادہ و سنجیدہ اسلوب اور پُر تکلف اسلوب دونوں کی عکس ریزیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان کے خیابانِ فکر و قلم میں نوع بنوع پھولوں کی عطر بیزیاں ذہن و دماغ کو معطر کرتی ہیں۔ انھوں نے مختلف دینی موضوعات، حالاتِ حاضرہ، سیاستِ ملکی، اصلاحِ معاشرہ، تذکرہ و سوانح اور وفیات و شخصیات پہ جم کر لکھا۔ منظر کشی اور مرقع نگاری میں موصوف کو کمال حاصل تھا۔ ان کی بیش قیمت تحریریں مقصدیت و افادیت سے ہم آہنگ ہیں۔ وہ زندگی بھر اسلامی ادب کی نمائندگی کرتے رہے۔ وہ ادب برائے ادب کے بجائے ادب برائے زندگی، بلکہ ادب برائے بندگی کے قائل

تھے۔ اصلاحِ افکار و اعمال سے متعلق ان کی وقیع اور فکر انگیز نگارشات ہمارے دعویٰ کو ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اسلامی ادب کی مذکورہ بالا شرائط و خصوصیات ان کی تحریروں میں کافی حد تک پائی جاتی ہیں۔ ان کے ادبی نقطۂ نظر کا پہلا تعارف یہی ہے کہ وہ اسلامی ادیب اور مذہبی صحافی تھے اور اپنی تحریروں میں اسلامی ادب کے مقتضیات پر عمل پیرا تھے۔ وہ مذہبی بالادستی، ملی مفاد، دین اسلام کے فروغ و استحکام اور اہل سنت کے افکار و نظریات کی ترویج و توسیع کے لیے پوری زندگی کوشاں رہے۔ انھوں نے اگر باطل عقائد و نظریات کے خلاف قلم اٹھایا اور گمراہ فرقوں کا قلمی محاسبہ کیا تو اس کے پس پردہ اسلامی ادب کا فروغ مقصود تھا۔ موصوف کی جملہ نگارشات، فکر انگیز تحریریں اور ماہنامہ اشرفیہ کے بے لاگ اداریے اور تبصرے اسی محور (اسلامی ادب) پر گردش کرتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ان کے ادبی نقطۂ نظر کے حوالے سے کچھ ضروری باتیں قلم بند کی جاتی ہیں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی تحریروں میں اسلامی ادب کی نمائندگی و دل آویزی از اول تا آخر موجود ہے۔ وہ ادب کی جس صنف و جہت پر گفتگو کرتے ہیں، اس میں اسلامی رنگ و روغن ضرور شامل کرتے ہیں اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ آخر وہ ادب کس کام کا جس میں اسلامی اصول و اقدار کی آمیزش نہ ہو؟ حمد گوئی، مذہبی شاعری اور اسلامی ادب کی مقبول ترین شعری صنف ہے، جو ادب کی قدیم ترین قسم ہے اور دنیا کی ہر متمدن زبان میں رائج و مقبول ہے۔ مولانا موصوف اس صنفِ سخن پر گفتگو کرتے ہوئے اللہ جل مجدہ کی صفتِ خلاقی و رزاقی کو اپنے مخصوص ادبی اسلوب میں اس طرح اجاگر کرتے ہیں:

حمد نگاری ہو یا نعت گوئی، مذہبی شاعری میں دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ علم عروض ایک مستقل فن ہے۔ ایک فنکار مختلف ذرائع سے اس میں کمال حاصل کر لیتا ہے۔ اس فن کے بڑے بڑے کج کلاہان پیدا ہوئے اور آج بھی ہیں۔ مگر حمد و نعت ہر ایک کے مقدر میں نہیں، فکر و فن اور شعر و ادب کے تمام تر امتیازات اپنی جگہ، مگر یہ دونوں صنفیں توفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" مشہور تو بہت ہے، مگر ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ دونوں ہی مقامات پر عشق و اطاعت کے انتہائی نازک ترین مراحل ہیں۔ پوری دنیا کا منظم نظام، وقت کی پابندی اور خوش گواری سے چل رہا ہے۔ یہ سارے امور خالق کے بے عیب اور بلند ترین ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ زمین کا فرش، یہ پہاڑوں کی میخیں، یہ دریاؤں کی روانیاں، یہ سمندروں کی موجیں، یہ خوشگوار ہوائیں، یہ دلکش فضائیں، یہ اشجار کا دل آویز لہلہانا، یہ پھولوں کی خوشبوئیں، یہ آسمان کی بلندیاں، یہ چاند اور سورج کا وقت پر نکلنا اور ڈوبنا، یہ ستاروں کی قندیلیں، یہ لیل و نہار کی گردشیں، یہ حیات اور موت کے رواں قافلے، یہ بحر و بر کے حیرت انگیز نظام، سب کچھ ایک اہتمام کے تحت چل رہا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خلاقیت اور رزاقیت کا اعلان ہے، یہ اس کے بے عیب اور سبوح و قدوس ہونے کی واضح گواہی ہے۔ اسی لیے پوری کائنات کسی نہ کسی شکل میں اپنے رب کریم کی مدح و ثنا کرتی ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، نومبر 2021ء)

ادب پر گفتگو کرتے ہوئے اس میں اسلامی ادب کا رنگ کیسے پیدا کیا جاتا ہے، اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگائیں:

"الا اللہ" سب سے بڑی حمد ہے اور "محمد رسول اللہ" سب سے بڑی نعت ہے۔ حمد در اصل خدا کے اوصاف حمیدہ اور اسماے حسنہ کے تذکار کو کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ معاندین خدا کی مذمت کرنا بھی حمدیہ شاعری میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلمۂ طیبہ میں الا اللہ سے پہلے لا الہ یعنی تمام معبودان باطل کی سخت نفی کے بعد ایک خالق و قہار اور ارحم الراحمین کا ذکر خیر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حمدیہ اور تمجیدیہ شاعری میں منکرین خدا کی مذمت کرنا بھی داخل ہے"۔

تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری کے دوران راقم الحروف تکلف آمیز شاعرانہ نثر کا قائل نہیں، کیوں کہ اس نوع کی طرزِ تحریر بسا اوقات مقصدیت و افادیت کی راہ میں مخل ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ادبی چاشنی سے لبریز سادہ و سنجیدہ اور شگفتہ تحریر سب کے لیے باعثِ کشش ہوتی ہیں۔ جماعت اہل سنت میں رئیس المحققین حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری، حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی، علامہ کامل سہسرامی، علامہ پیر کرم شاہ ازہری اور پروفیسر مسعود احمد مجددی وغیرہم کی وقیع اور فکر انگیز تحریریں اپنے منفرد اسلوب، دلکش اندازِ بیان اور سنجیدہ وشستہ ہونے کے سبب آج بھی اپنی عظمت کا احساس دلاتی ہیں۔ وہی تحریر اور نثر اثر انگیز اور دیرپا ثابت ہوتی ہے جس میں دلائل کی مضبوطی، معنوی تہ داری، لفظوں کا حسین انتخاب، اسلوب کی چاشنی، غلو سے اجتناب اور موضوع کے تئیں صداقت بیانی اپنی پوری رعنائی کے ساتھ موجود ہو۔ نثر کی یہ وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو ہر نثر نگار کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتیں، لیکن بعض اصحابِ فکر و قلم ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے نثر پارے قارئین کو مسحور و متاثر کرتے ہیں۔ ایسے ہی کامیاب نثر نگاروں میں ایک نمایاں نام آبروئے قلم و صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا ہے۔ ان کی شائستہ و شگفتہ نثر اور فکر انگیز تحریر کو ہم "ادبی شہ پارے" کہہ سکتے ہیں کہ اس میں زبان و بیان کا حسن، عبارت کی رنگینی، بیان کی چاشنی، اسلوب کی ندرت، معنویت اور مقصدیت پائی جاتی ہے۔ ان کی بعض نثریں، شعری نگارشات کی طرح فکر انگیز، معنی خیز، پرکشش، دیدہ زیب، دلچسپ اور اثر انگیز ہیں۔ ان کا قلم سیال، فکر پختہ، لہجہ کھنکتا ہوا اور اسلوبِ تحریر منفرد، دلکش اور پُرکشش ہے جو قاری کو بہت جلد اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ان کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والا راقم کے دعوے کی صداقت کی ضرور گواہی دے گا۔ ماضی قریب کے مشہور محقق و ناقد اور نعت گو ڈاکٹر شکیل اعظمی کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے صنفِ نعت کے ادبی و فکری اور شرعی پہلوؤں کو وہ اس طرح خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں، جسے پڑھنے کے بعد طبیعت مچل اٹھتی ہے:

نعت نگاری صرف ایک فن نہیں، سعادت مندی اور فیروز بختی کی علامت ہے اور اگر لفظوں میں جذبوں کی سچائی حلول کر جائے تو یہ عشق و ایمان کی معراج ہو جاتی ہے۔ شاعری، فن سے مشروط وصف کا نام ہے جو حسنِ نہاں کی سحر طرازی، عشقِ وارفتہ کی شوریدہ سری اور فکر و نظر کی آوارگی کی کسی بھی منزل تک جا سکتی ہے اور بہ آں رنگ و آہنگ چہرے پر ردائے فن ہو تو شاہ کار ادب بھی ہو سکتی ہے۔ مگر حقیقی نعت نگاری صرف شریفوں کا شیوۂ سخن ہے۔ یہاں فکر و معنی کی کج روی تو دور کی بات ہے، لفظوں کی پلکوں پر بھی شریعت کی سخت پہرے داری ہوتی ہے۔ کوچۂ عشق نبی میں اسی حد تک سرشاری کی اجازت ہے کہ دل و دماغ مکمل بیدار، خبردار اور سراپا ادب ہوں۔ نعت نگاری میں فن شاعری کے تمام تر لحاظات کے باوجود بھی ہل من مزید کی صدا گونجتی رہتی ہے۔ دبستانِ نعت میں لفظوں کے انتخاب، جملوں کی ساخت اور لہجے کے نشیب و فراز ہر ایک کے لیے قیود و شرائط ہیں۔ نعت نگاری کو قرآن و حدیث کے طے شدہ خطوط کے اندر ہی رہنا ہے، نعت گو اگر آگے بڑھتا ہے تو شرک کی کھائی ہے، پیچھے ہٹتا ہے تو خارجیت اور وہابیت کی دلدل ہے۔ گلزار نعت میں اذنِ حاضری کے لیے صرف ناعت کا طاہر ہونا ہی ضروری نہیں، بلکہ اس کی فکروں کا با وضو ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ جذبوں کی سچائی بھی لازمی ہے۔ نعت نگاری جب اپنے تمام محاسن سے مرصع ہو کر پیکرِ حسن میں ڈھلتی ہے تو وہ صرف ادب کی خدمت نہیں بلکہ مقدس عبادت بن جاتی ہے اور اگر اپنے ممدوح کی بارگاہ میں سندِ قبول پالے تو اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ قدسیانِ عرش بھی سر اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں اور عش عش کرتے ہیں۔

(ڈاکٹر شکیل اعظمی: شخصیت اور فن، ص:488)

شاعری، فنونِ لطیفہ کی مقبول اور مشکل ترین قسم ہے جسے مرصع سازی کا نام دیا گیا ہے۔ شاعری کی دیگر اصناف کے مقابل نعت گوئی اور بھی زیادہ مشکل صنف ہے، جہاں فنی رموز سے آگاہی، زبان و بیان کے مسلمہ اصول و مبادی سے گہری واقفیت کے ساتھ حد درجہ جزم واحتیاط، مقامِ رسالت اور آداب شریعت کی پاس داری نہایت ضروری ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کا بھی یہی ادبی نقطۂ نظر ہے کہ نعت گوئی میں مذکورہ بالا اصول کی بہر گام رعایت کی جائے، جیسا کہ ڈاکٹر شکیل اعظمی کے نعتیہ مجموعۂ کلام 'گلِ قدس' پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ علماے مدارس شاعری کے فنی رموز سے بہت کم واقف ہوتے ہیں اور اربابِ شعر وسخن حریمِ شریعت کے آداب سے کم آشنا، جب کہ نعت نگاری کے لیے دونوں کا علم و عرفان ضروری ہے۔ ڈاکٹر شکیل اعظمی ان ممتاز اربابِ علم وادب میں سے ہیں جن کے ایک ہاتھ میں علم شریعت اور دوسرے ہاتھ میں علم شعروادب ہے اور دونوں کے آمیزے سے نعتیہ شاعری کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ ڈاکٹر شکیل اعظمی کے قدِ زیبا سے کہیں زیادہ شکیل و وجیہ اور بلند قامت ہے .... جسے مصنف نے تمام تر شرعی احتیاطوں اور ادبی فن کاریوں کے ساتھ اپنے گل دانِ ادب میں سجا کر 'گل قدس' کے نام سے پیش کیا ہے۔ گل قدس کے رنگ و آہنگ میں لہجے کی انفرادیت بھی ہے اور سخن طرازی کا بانکپن بھی۔ عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا سوز دروں بھی ہے اور وارفتگی کا جذبِ جنوں خیز بھی۔

(ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی: شخصیت اور فن، ص:485)

مولانا مبارک حسین مصباحی کے ادبی نقطہ ہاے نظر کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی فنکار اور اس کے فن پارے کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے بطون میں پوشیدہ ادبی محاسن اور فنی خصوصیات کو دو ٹوک انداز میں اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے بعض ادبی تبصرے تنقیدی نوعیت کے ہیں اور اس میں "تاثراتی تنقید" کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مفکرِ اسلام علامہ قمر الزماں قمر اعظمی اور شاعرِ جدت طراز جناب نور الحسن نور نوابی عزیزی کی نعتیہ شاعری پر ان کے تبصرے بطورِ مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ سید نور کی نعتیہ شاعری پر ان کی نپی تلی تنقیدی رائے دیکھیں:

"آپ کی شاعری میں فن شاعری کا بانکپن، فصیح لفظوں کا انتخاب، شیریں جملوں کا برتاؤ، منفرد لہجوں کی جاذبیت اور محاورات کا برمحل استعمال وغیرہ بہت کچھ ہے۔ سوز دروں، ارتعاشِ دل اور روحانیت کی تنویر ہے۔ آپ کے اشعار دلوں پر دستک دیتے ہیں۔ زہد و پارسائی شعروں کی تاثیر میں حیرت انگیز اثر پیدا فرما دیتی ہے۔ آپ کے کلام بلاغت نظام کی معنویت ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے۔ ان کی شہرت و مقبولیت ہند و پاک ہی نہیں بلکہ اردو دنیا کے تمام طبقات میں خوشبو کی طرح پھیل چکی ہے۔ جو پڑھتا ہے شیدائی اور فدائی ہو جاتا ہے۔ عمر ابھی لگ بھگ چالیس برس ہے، مگر فکروں کی بلندی اور آفاقی سوچ نے آپ کو ہمہ گیر مقبولیت سے سرفراز کر دیا ہے۔ ان کے یہاں نت نئے قوافی، انوکھی ردیفیں ہیں۔ چھوٹی اور بڑی بحروں میں حیرت انگیز تاثیر ہے۔ اس میں صرف فکری بلندی اور الفاظ و معانی کی کشش ہی نہیں بلکہ آپ کی بلند اخلاقی، سیرت و صورت کے سوز و ساز کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ آپ میں اخلاصِ نیت کا چمن آباد ہے۔ یہ کشش دنیا کی ہر کشش سے زیادہ اثر انگیزی رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید روحانی سرفرازیاں عطا فرمائے۔

دل مرا پڑھتا ہے سرکارِ دوعالم پہ درود
اور یہ دیدۂ تر حمدِ خدا کرتے ہیں

یہ شعر حمد اور نعت کے جذبات کا تراشا ہوا خوب صورت پیکر ہے۔ اس شعر کا وجودِ ناز نعت اور حمد کے خمیر سے اٹھایا گیا ہے۔ شاعرانہ پیکر تراشی کو عشق و عقیدت کی خوشبوؤں میں بسایا

گیا ہے۔ اس میں اطاعت شعاری کی نورانی کرنیں نظاروں کی دعوت دے رہی ہیں۔ حمد کے جلو میں نعت کہنا اور مناجات میں اسی کے محبوب کو مانگ لینا، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حمد و مناجات کا بہت بڑا امتیاز ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، نومبر 2021ء)

مولانا مبارک حسین مصباحی کے ادبی تبصروں میں تنقیدی شعور کے کثیر نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کسی بھی ادب پارے میں موجود حسن وقبح کی دریافت اور اس کے اظہار کو تنقید کہتے ہیں اور یہ تنقیدی وصف مولانا موصوف کے تبصروں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ سید نور الحسن نور نوابی کی حمد گوئی پر گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

ہوا کی قینچیاں جب طائروں کے پر کتریں
پکارتے ہیں وہ بے اختیار نام ترا
خزاں کے طائرِ سفاک کے کتر کر پر
بکھیر دیتا ہے رنگِ بہار نام ترا

دونوں شعروں میں بڑے اچھوتے انداز میں حمد باری کی گئی ہے۔ ایک طرف "ہوا کی قینچیاں" اس صنعت لفظی میں حیرت انگیز جدت ہے۔ "طائروں کے پر کتریں" اس ترکیب میں حسنِ تعبیر کی دل کشی ہے۔ "خزاں کے طائرِ سفاک" کی بندش نے بھی عقلوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور پھر اس مصرع میں "کتر کر پر" بکھیر دیتا ہے رنگِ بہار نام ترا" خزاں اور بہار کی آمد و رفت پر کتنی خوب صورت تلمیح ہے، بس پڑھتے رہیے۔

علامہ قمر الحسن بستوی کی نعت گوئی میں پائے جانے والے ادبی محاسن کو کچھ اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

آپ حضرات نے کتاب (یا سید السادات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے سینے میں پنہاں عشق و وارفتگی کے گوناگوں جلوے ملاحظہ فرمائے۔ دلوں کو بے چین کر دینے والا پر کشش لہجہ، بر محل اور دل کش لفظوں کا انتخاب، مواقع کی نزاکتوں کا شدید احساس، الفاظ و معانی کا خوب صورت تلازم، دلوں کی دھڑکنوں کی تسکین کے خاموش ملاحظات، شعری فن کاریوں کی مکمل رعایت، لفظوں کے خوب صورت پیرہن میں شیریں لہجہ، اکثر شعروں میں اپنے مذہب کی مثبت تعبیر اور فیصلہ کن ترسیلِ فکر وغیرہ، یہ آپ کے شعر و سخن کے کچھ امتیازات ہیں۔

ادب کیا ہے اور اعلیٰ درجے کی نثر نگاری کیسے وجود میں آتی ہے؟ اس حوالے سے ایم. نصر اللہ نصر اپنی کتاب "افہامِ ادب" کے آغاز میں لکھتے ہیں:

ادب وہ صنفِ نگارش ہے جو ہر قلم کار کے حصارِ تحریر و تخلیق میں بہ آسانی نہیں آتی۔ یہ ایک بحرِ بیکراں ہے جس کی شناوری ہر ایک کی بساط کی بات نہیں۔ یہ وہ وسعتِ بے پایاں ہے جس میں خود کی بازیافت مشکل ہے۔ یہ وہ رہ گزارِ بے شجر ہے جس میں دور دور تک سائے کا پتہ نہیں۔ یہ وہ خار زار وادی ہے جس میں دامن کے الجھنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اس کی نشو و نما میں عرق ریزی ہی نہیں بلکہ لہو پاشی کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے راستے میں سنگ ریزوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ اس سفر میں منزل تک رسائی قسمت والوں کی ہی ہوتی ہے۔ کامیاب نثر نگاری کے لیے وسیع مطالعہ، بسیط مشاہدہ، زبان و بیان پر قدرت اور فکر و خیال کی بلندی لازمی ہے۔ موضوع کا انتخاب، اس کا ناقدانہ احتساب اور دو ٹوک اندازِ بیان اس کا نصب العین ہے۔ دورانِ تخلیق، تحقیق و تنقید کا مسئلہ بھی درپیش آتا ہے۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کوئی اچھی تخلیق اور اعلیٰ نثر صفحۂ قرطاس کی زینت بنتی ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم علامہ مبارک حسین مصباحی کی ادبی چاشنی سے لبریز تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو اس حقیقت کے اعتراف پر خود کو مجبور پاتے ہیں کہ موصوف کی تحریریں کامیاب اور اعلیٰ نثر نگاری کا خوب صورت مرقع ہیں۔ ان کی تحریروں میں اختصار کے ساتھ جامعیت، زورِ استدلال، ادیبانہ کرّ و فر، مفکرانہ انداز، عالمانہ

شان، اسلوب کی رنگینی و دل آویزی اور اندازِ بیان کی سحر انگیزی و دلکشی باذوق قارئین کو فرحت و مسرت کے ساتھ فکر و بصیرت کا سامان فراہم کرتی ہے اور یہی اعلیٰ نثر اور کامیاب ادب کی پہچان ہے۔ "شہر خموشاں کے چراغ" سے ماخوذ موصوف کی خوب صورت تحریر اور ان کی شگفتہ و رنگین نثر کے چند دل آویز اور ادبی چاشنی سے بھرپور اقتباسات ملاحظہ کریں:

(الف) ہم ہچکیوں کے ساز پر اپنی داستانِ غم بار بار زمانے کو سنا چکے، مگر نہ دل کا بوجھ ہلکا ہوا اور نہ آنسوؤں کا سیلاب تھما۔ جس آقائے نعمت کو ہم عہد شعور سے " دامت برکاتہم العالیہ " لکھتے آئے ہیں، آج اچانک انھیں "علیہ الرحمۃ والرضوان" لکھتے ہوئے ہمارا قلم کانپ رہا ہے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔ دل بیٹھا جا رہا ہے، مگر اس قضا و قدر کے فیصلے سے انکار کب تک؟ اس آسمان علم و فضل کو تو ہم نے اپنے ہاتھوں سے زیرِ زمیں دفن کیا ہے۔ اب اس آنکھوں دیکھی حقیقت کی دہلیز پر دل ناشکیب بھی پیکرِ تسلیم بن کر سر خمیدہ ہے اور قلبِ حزیں کی گھٹی گھٹی آہوں سے یہ صدائے غم صاف سنائی دے رہی ہے کہ جس عہد ساز عبقری شخصیت کے عہد میں ہمارا کاروانِ حیات بلندیوں کی جانب بڑھ رہا تھا، وہ قیادت و سرپرستی کا گھنیرا سایہ ہمارے سروں سے اٹھا لیا گیا۔ ہم ملت کے ہزاروں مسائل لے کر نامساعد حالات کی چلچلاتی دھوپ میں کھڑے ہیں اور دور دور تک کوئی ملت کا مخلص، غم گسار، تحریک اشرفیہ کا بلند قامت ترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا عبقری پاسبان نظر نہیں آتا۔ اب یقین ہو گیا کہ ہم سچ مچ یتیم ہو گئے۔ ہم ہی کیا پوری جماعت اہل سنت یتیم ہو گئی، سنیت کی بہاروں پر خزائیں چھا گئیں اور گلستان حافظ ملت نے مشکباری کھو دی۔ جہانِ سنیت میں نفس نفس مرثیہ خواں ہے اور چمن اشرفیہ کا ذرہ ذرہ ماتم کناں ہے۔

یہ کون اٹھ گیا ہے کہ دوشیزۂ بہار
فرط الم میں پھینک کے زیور اداس ہے

(شہر خموشاں کے چراغ، ص:120)

(ب) اب فرزندان اشرفیہ کی اولین صفیں آہستہ آہستہ ٹوٹ رہی ہیں۔ حضور حافظ ملت کے تراشے ہوئے ہیرے اپنی درخشانیوں سے اپنے فکر و عمل کی جولاں گاہوں کو منور کر کے یکے بعد دیگرے روپوش ہوتے جا رہے ہیں۔ آہ!........ جنھیں اب تک ' دامت برکاتہم العالیہ 'لکھا جاتا تھا اب اچانک انھیں 'رحمۃ اللہ علیہ' لکھنا پڑ رہا ہے۔ اب تک درازی عمر کی دعائیں کی جاتی تھیں، اب دعائے مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھائے جا رہے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں پہنچ کر نوکِ قلم سرنگوں ہو جاتی ہے۔ زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ دل و دماغ مجبور ہو جاتے ہیں۔ آرزوئیں بکھر جاتی ہیں اور خواہشات نظام قدرت کی دہلیز پر سربسجود ہو جاتی ہیں۔ (مرجع سابق، ص:96)

(ج) فیصلۂ قدرت میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہر فرد کو خواہی نہ خواہی سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ملک الموت کی گرفت سے نہ کوئی جابر و سرکش بچ سکا اور نہ کوئی فرشتہ صفت مطیع و فرماں بردار۔ موت خدائی فیصلہ بھی ہے اور بنی نوع انسانیت کے لیے ایک مکمل درس عبرت بھی۔ دنیاوی زندگی عارضی اور مختصر ہے اور اخروی زندگی ہمیشہ کی زندگی۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ (علامہ پیر کرم شاہ ازہری) کی شخصیت میں دنیائے دین و دانش کو نور بخشتا ہوا ماہتاب دیکھتی آنکھوں روپوش ہو گیا۔ ہر طرف غم و اندوہ کے تاریک بادل چھا گئے، لوح و قلم کی سرگرم محفلوں پر سکتہ طاری ہو گیا، وعظ و خطابت کی بزموں میں خاموشیاں چھا گئیں، علم و ادب کی انجمنیں سوگوار ہو گئیں، میخانۂ عشق و عرفان کی بہاریں روٹھ گئیں۔ وہ کیا گئے ان کے قلم سے وابستہ ہزاروں آرزوؤں کا جنازہ نکل گیا۔ دیکھنے میں وہ ایک فرد تھے، مگر سچائی یہ ہے کہ فرد کی شکل میں ایک فعال انجمن تھے۔ وہ ایک شگفتہ پھول نہیں پُر بہار چمن تھے۔ وہ علم کی ایک کتاب نہیں، مکمل دبستاں تھے۔ اب شخصیت شناسی کے پرانے معیار ٹوٹ رہے ہیں، پہلے شخصیتوں کا اندازہ

موروثیت اور " پدرم سلطان بود " کی بنیاد پر لگایا جاتا تھا۔ اب شخصیات کا قد خدمات کے حوالے سے ناپا جارہا ہے، مگر حضرت پیر کرم شاہ ازہری کی شخصیت ہر دو منظر ناموں اور معیاروں پر قد آور دیکھی جا سکتی ہے ۔ وہ عالی نسبت اور خاندانی وجاہت کے حامل بھی تھے اور ذاتی اوصاف و کمالات میں اپنے ہم عصروں کی بزم میں صدر نشیں بھی۔ (شہر خموشاں کے چراغ، ص:87)

یہ سچ ہے کہ موصوف رواں دواں اسلوب کے مالک ایک اعلیٰ پایہ کے نثر نگار اور ادیبانہ کرّ وفر کے حامل محرّر تھے، وہ تحریر و تقریر کی باریکیوں سے بخوبی آگاہ تھے، بایں ہمہ ان کی تحریروں میں بعض اوقات تحریری اختصار کے بجائے تقریری انداز اور خطیبانہ گھن گرج بھی سنائی دیتی ہے۔ ان کی تحریر کے یہ دو اقتباس دیکھیں:

آہ! اب ہماری سرپرستی کون کرے گا؟ آہ! اب مشکلات میں داد رسی کون کرے گا؟ آہ! اب ہماری غلطیوں پر تنبیہ کون کرے گا؟ آہ! اب ناموس رسالت کی پاسبانی کون کرے گا؟ آہ! اب اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف اٹھنے والی سازشوں کا دندان شکن جواب کون دے گا؟ آہ! اب بد مذہبوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کون کرے گا؟ آہ! اب عرب و عجم سے آنے والے فقہی سوالات کے تسلی بخش جوابات کون دے گا؟ آہ! اب ملت کی شیرازہ بندی کون کرے گا؟ آہ! اب نوکِ قلم سے صالح انقلاب برپا کون کرے گا؟ آہ! اب خانقاہ برکاتیہ کے آداب کون بتائے گا؟ آہ! اب مسلک اعلیٰ حضرت کی بے باک ترجمانی کون کرے گا؟ آہ! اب تحریک اشرفیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے کاروان اشرفیہ کی رہنمائی کون کرے گا؟ آہ! اب مجلس شرعی کی مخلصانہ سرپرستی کون کرے گا؟ (شہر خموشاں کے چراغ، ص:121)

(ب) ارباب قلب و نظر کا کہنا ہے کہ علم و عمل کا حسین سنگم، فکر و نظر کا تجلیٰ، زہد و تقویٰ کی جلوہ گاہ، عشق و عرفان کا دلکش مرقع، خلوص و للّٰہیت کا پر نور مجسمہ اور فکر و فن کا بحرِ زخار جیسے بھاری بھرکم الفاظ و القاب کو اگر کوئی بزم خیال سے اتار کر بزم ہستی میں دیکھنا چاہتا ہے تو وہ حضرت محدث امروہوی قدس سرہ کی پاکیزہ کتاب زندگی کا مطالعہ کرے۔ اللہ اللہ کتنی پاکیزہ اور باوقار زندگی تھی، دنیاداری کی ہنگامہ آرائیوں سے بہت دور مگر پھر بھی ہمہ دم مصروف و سرگرداں، گوشۂ خمولی و محفل تنہائی، مگر مسلسل متحرک و فعال۔ کم گوئی اور خاموشی عادت و خصلت، مگر پھر بھی ہر لمحہ رطب اللسان، کبھی اذکار و وظائف میں تسبیح کے دانوں کو گردش دیتے ہوئے، کبھی علم و فن کی الجھی ہوئی بحثوں کو سلجھاتے ہوئے، کبھی بزرگوں کے ادب و احترام کا درس دیتے ہوئے، کبھی چھوٹوں پر شفقت و محبت کی تعلیم دیتے ہوئے ۔ شب و روز کے بیشتر اوقات بارگاہ نبوی میں درود و سلام کے نذرانے بھیجتے گزرتے ۔
(دو عظیم شخصیتیں، ص:8،9)

خلاصۂ کلام یہ کہ مولانا مبارک حسین مصباحی ہماری جماعت کے نامور صاحبِ قلم، عظیم انشا پرداز اور بیباک صحافی تھے اور ان کی جملہ تحریرات و نگارشات اسلامی ادب کی آئینہ دار ہیں۔ موقع و محل کی مناسبت سے وہ مختلف اسالیبِ بیان سے کام لیتے تھے۔ ان کی تحریروں میں دین و مذہب کے فروغ و استحکام، ملی درد، جماعتی کرب اور اسلامیانِ ہند کے تعلق سے خیر خواہانہ جذبات پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا، اصلاحِ افکار و نظریات اور امت مسلمہ میں در آئے مفاسد و معائب کی اصلاح کی غرض سے لکھا۔ ان کا ادبی نقطۂ نظر ہمیشہ یہی رہا کہ قرطاس و قلم کی دولت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی راہ میں صرف کیا جائے اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوے حرم لے چلنے کی فکری و عملی کوشش کی جائے۔ اسلامی ادب کے جو اغراض و مقاصد اور آداب و شرائط ہیں اور اوائلِ مضمون میں، جن کی طرف نشان دہی گئی ہے، وہ ان پر عمل پیرا رہے اور تادمِ حیات دین و سنیت کی گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی، علمی، تدریسی، قلمی اور تصنیفی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین! ***

مولانا مبارک حسین مصباحی
فکری و اسلوبیاتی جہات

مولانا انس اشرفی صدیقی جامعی سعدی، صوبائی نائب صدر: بہار اسٹیٹ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن

اردو کی اسلامی، مذہبی اور علمی صحافت کے افق پر چند شخصیات ایسی ابھرتی ہیں جو نہ صرف اپنے عہد کی فکری و مذہبی تحریکات کی سچی ترجمان ہوتی ہیں، بلکہ زبان و ادب کے جمالیاتی اقدار کی محافظ بھی کہلاتی ہیں۔ انھی معدودے چند اولوالعزم اور نامور اہلِ قلم میں حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کا نامِ نامی اسمِ گرامی سرفہرست ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے علمی و روحانی ماحول اور بالخصوص ماہنامہ 'اشرفیہ' کے مدیرِ اعلیٰ (رئیس التحریر) کی حیثیت سے آپ نے ایک طویل عرصے تک اردو نثر کو شائستگی، باوقار اسلوب اور فکری بلندی سے روشناس کرایا ہے۔

مولانا مصباحی کا ادبی نقطۂ نظر محض لفظی بازی گری یا تخیلاتی اڑان کا نام نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک ادب ایک عظیم مقصد کا ترجمان اور انسانی شعور کا پاسبان ہے۔ انھوں نے اپنے قلم کو ہمیشہ سچائی، اعتدال اور اسلامی و اخلاقی اقدار کے فروغ کے لیے وقف رکھا۔ ان کی نگارشات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ زبان کو صرف خیالات کے تبادلے کا ذریعہ نہیں مانتے، بلکہ اسے تہذیب کی بقا اور عقیدے کے تحفظ کا ایک مضبوط قلعہ تصور کرتے ہیں۔

ادب اور مقصدیت کا باہمی ربط:

مولانا مبارک حسین مصباحی کے ادبی نظریات کا بنیادی اور محوری عنصر "مقصدیت" ہے۔ آپ کے نزدیک 'ادب برائے ادب' کا نظریہ ایک لایعنی اور بے معنی تصور ہے جو انسان کو حقیقی دنیا سے دور کر کے خوابوں کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ تخلیقِ ادب کا مقصد محض تفریحِ طبع، وقت گزاری یا وقتی جذبات کی تسکین نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ادب کو معاشرے کی فکری، اخلاقی اور روحانی تعمیر کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔

ان کی نگارشات میں ادب برائے زندگی اور ادب برائے اصلاحِ معاشرہ کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ انھوں نے جس صنف پر بھی قلم اٹھایا خواہ وہ اداریہ نویسی ہو، سیرت نگاری ہو، تنقید ہو یا سوانحی خاکے، ہر جگہ ان کا بنیادی مقصد قاری کے فکر و عمل کی اصلاح اور دین و ملت کی صحیح رہنمائی رہا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ جو قلم سماج کی گرتی ہوئی اخلاقی قدروں کو سہارا نہ دے سکے، وہ ادیب کی ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا۔

فکری اعتدال اور توازن:

مولانا مصباحی کا ادبی نقطۂ نظر فکری سطح پر انتہائی مربوط اور متوازن ہے۔ مذہبی اور مسلکی صحافت کے میدان میں عام طور پر قلم کاروں کا لہجہ جارحانہ، تند و تیز یا حد سے زیادہ ثقیل ہو جاتا ہے، لیکن مولانا نے یہاں ایک منفرد اور اچھوتا معیار قائم کیا۔ ان کی نثر میں جہاں اپنے نظریات پر پختگی اور دوٹوک موقف ملتا ہے، وہیں معاصرین اور علمی اختلاف رکھنے والوں کے لیے شائستگی، متانت اور دلیل کا رنگ غالب رہتا ہے۔

وہ ادب میں زبان کی حرمت اور لفظوں کے احترام کے سخت قائل ہیں، اسی لیے ان کی تحریروں میں علمی اختلافات اور تنقید کے باوجود اخلاقی حدیں کبھی پامال نہیں ہوتیں۔ یہ فکری

اعتدال ان کے اس ادبی نظریے کا عکاس ہے کہ حق بات کو پیش کرنے کے لیے خوبصورت، نرم اور دلنشیں اسلوبِ بیان ناگزیر ہے، کیوں کہ سخت الفاظ حق کی تاثیر کو کم کر دیتے ہیں۔

سلیس اور عام فہم اسلوبِ نگارش:

ان کی سب سے بڑی اور نمایاں خوبی ان کی سلاست اور عام فہمی ہے۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ علمی، فقہی، کلامی اور فکری مباحث کو اتنے سادہ اور رواں انداز میں پیش کرنے پر قادر ہیں کہ ایک عام قاری بھی اسے آسانی سے سمجھ جاتا ہے۔ ان کی نثر میں تصنع، بناوٹ یا غیر ضروری ثقیل عربی و فارسی تراکیب کا بوجھ نہیں ہوتا۔ وہ جملوں کی ساخت کو مختصر، چست اور رواں رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر کا ہر لفظ اپنے اندر ایک فطری بہاؤ، نغمگی اور جاذبیت رکھتا ہے، جو قاری کو بوریت یا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتی۔ ان کا یہ سلیس اندازِ تحریر اردو ادب کے اس جدید اور پسندیدہ رجحان کی پیروی کرتا ہے جہاں ابلاغ (اپنی بات دوسروں تک پہنچانا) کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

ادبی چاشنی اور شعری جمالیات:

سلاست اور سادگی کے باوجود مولانا مصباحی کی تحریریں ادبی چاشنی اور جمالیاتی رچاؤ سے خالی نہیں ہوتیں۔ وہ نثر کو دلکش اور بااثر بنانے کے لیے مناسب مقامات پر خوبصورت استعارات، تشبیہات اور برجستہ اشعار کا استعمال کرتے ہیں جو تحریر کے اثر کو دوچند کر دیتا ہے۔ ان کے اداریوں اور مضامین میں فصاحت و بلاغت کا ایسا عمدہ امتزاج ملتا ہے جو صرف ایک روایتی مصنف کا نہیں، بلکہ ایک پختہ کار اور کہنہ مشق ادیب کا خاصہ ہوتا ہے۔ الفاظ کا عمدہ انتخاب، جملوں کی سحر انگیز ترتیب اور بیان کا فطری بہاؤ ان کے گہرے ادبی شعور اور اعلیٰ شعری ذوق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

صحافتی خدمات اور اداریہ نویسی کا معیار:

مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی شخصیت کو نکھارنے میں ان کی صحافتی خدمات، بالخصوص ماہنامہ 'اشرفیہ' مبارک پور کی اداریہ نویسی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ کسی بھی جریدے کا اداریہ اس کے مدیر کی فکری بصیرت، وسعتِ نظری اور علمی گہرائی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مولانا نے اپنے اداریوں کے ذریعے مسلم معاشرے کو درپیش معاصر چیلنجز، تعلیمی مسائل، سیاسی اتار چڑھاؤ اور علمی مباحث پر بے لاگ تبصرے کیے۔

ان کی اداریہ نویسی کی خاص بات یہ تھی کہ وہ وقتی ہنگاموں یا جذباتی نعروں سے بلند ہو کر پائیدار، سنجیدہ اور دور رس علمی گفتگو کرتے تھے۔ ان کے اداریے زبان و بیان کے لحاظ سے ادبی نثر کے بہترین اور مثالی نمونے ہیں، جن میں تاریخ، مذہب، سیاست اور معاصر حالات کا خوبصورت توازن پایا جاتا ہے۔

تصانیف سے فکری و ادبی اقتباسات کا جائزہ:

مولانا مصباحی کے ادبی نقطۂ نظر کو گہرائی سے سمجھنے کے لیے ان کی تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے۔ ان کی کتابیں علمی گہرائی کے ساتھ ساتھ نثر کا بہترین ماڈل ہیں۔

پہلا اقتباس (کتاب: فتنۂ ارتداد اور ہماری ذمہ داریاں):

ملک کے نازک حالات اور مسلمانوں کی فکری رہنمائی کرتے ہوئے وہ اپنے مخصوص سلیس اور پرکشش اسلوب میں لکھتے ہیں:

"ایمان کی حفاظت صرف تقریروں اور جذباتی نعروں سے ممکن نہیں، اس کے لیے خانقاہوں، مدارس اور گھروں کے ماحول کو علم اور عمل کے نور سے آراستہ کرنا ہوگا۔ جب تک ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کی تاریخ اور دین کی بنیادی معلومات سے واقف نہیں ہوگی، وہ فکری بھٹکاؤ کا شکار ہوتی رہے گی۔"

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ ان کا قلم کس طرح سادگی کے ساتھ قاری کے دل میں اتر جانے والی تاثیر رکھتا ہے۔

دوسرا اقتباس (کتاب: 'دو عظیم شخصیتیں'):

جب وہ اپنے بزرگوں اور معاصرین کا ذکر کرتے ہیں، تو ان کی نثر میں عقیدت اور سوانحی ادب کا ایک حسین امتزاج نظر

آتا ہے:

”عظمتِ کردار کا معیار یہ نہیں کہ انسان کے پاس کتنا جاہ و جلال ہے، بلکہ معیار یہ ہے کہ اس نے مٹی کے ذروں کو ستارہ بنانے میں اپنی زندگی کا کتنا حصہ صرف کیا۔ تاریخ انھی کو زندہ رکھتی ہے جو دوسروں کی زندگیوں میں علم کا چراغ جلاتے ہیں۔“

سوانح نگاری اور خاکہ نگاری کا اسلوب:

مولانا مصباحی کی تصنیفی خدمات میں سوانح نگاری اور خاکہ نگاری کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ جب وہ کسی شخصیت پر قلم اٹھاتے ہیں تو محض ان کے حالاتِ زندگی کا کوئی خشک یا روایتی تذکرہ نہیں کرتے، بلکہ اس شخصیت کے فکری ارتقا، ان کی خدمات اور ان کے پورے عہد کی سماجی صورتِ حال کا ایک جیتا جاگتا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔

ان کی خاکہ نگاری میں مبالغہ آرائی یا غیر ضروری مبالغے کے بجائے حقیقت پسندی اور سچائی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے ممدوح کی خوبیوں کو اتنے اچھوتے، اثر انگیز اور دلکش انداز میں سجاتے ہیں کہ قاری اس شخصیت کے سحر میں گم ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی ان کا ادبی نقطہ نظر یہی رہتا ہے کہ ماضی کے اکابرین کی زندگیوں کو موجودہ اور آنے والی نسل کے لیے ایک زندہ مشعلِ راہ بنا کر پیش کیا جائے تاکہ ادب سے عمل کا راستہ نکلے۔

معاصرین اور مشاہیرِ علم کی آرا:

مولانا مبارک حسین مصباحی کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف ان کے دور کے جید علما، ناقدین اور معاصرین نے کھلے دل سے کیا ہے۔ ان کی تحریری پختگی اور اسلوبیاتی انفرادیت پر معاصرین کے تاثرات درج ذیل ہیں:

مفتی اسلم رضوی صاحب کی رائے:

وہ مولانا مصباحی کی اداریہ نویسی اور زبان پر گرفت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثر میں جادوئی اثر ہے۔ وہ جب ماہنامہ اشرفیہ کا اداریہ لکھتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ الفاظ ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی تحریر میں پایا جانے والا اعتدال اور علمی متانت آج کے دور کے لکھاریوں کے لیے ایک نمونہ ہے۔“

عصری شعور اور وسیع النظری:

ایک جید مذہبی اسکالر اور دارالعلوم کے پروردہ ہونے کے باوجود مولانا مبارک حسین مصباحی غیر معمولی عصری شعور اور وسیع النظری کے مالک ہیں۔ ان کا ادبی افق صرف روایتی یا پرانے حلقوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ دنیا بھر میں ہونے والی فکری، سماجی اور ادبی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

وہ ادب میں جمود، یکسانیت اور پرانی لکیر پیٹنے کے سخت خلاف ہیں اور بدلتے ہوئے دور کے تقاضوں کے مطابق زبان کے تعمیری استعمال کے قائل ہیں۔ ان کے اس روشن اور تعمیری نقطہ نظر کی وجہ سے نئی نسل کے علما اور طلبہ میں اعلیٰ ادبی ذوق پیدا ہوا اور انھوں نے سیکھا کہ کس طرح ادب کو دین کی ترویج و اشاعت اور باطل نظریات کے رد میں ایک مؤثر اور جدید ہتھیار بنایا جا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کا ادبی نقطہ نظر دینی حمیت، فکری اعتدال، اسلوبیاتی سلاست اور مقصدیت کا ایک انتہائی حسین اور متوازن سنگم ہے۔ انھوں نے اردو ادب کو مذہبی و علمی وقار عطا کرنے اور اسے عام فہم بنانے کے لیے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا اور قیمتی حصہ صرف کیا۔

ان کی نثر سلیس، سادہ اور آسان ہونے کے باوجود اپنے اندر وہ ادبی جلال، مٹھاس اور گہرائی رکھتی ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ دھندلی نہیں پڑتی۔ ان کی تحریریں اور اداریے جدید دور کی دینی و ادبی صحافت کے لیے ایک روشن مینار ہیں، جس سے سادگی، سچائی، فکری پختگی اور ادبی حسن کو بیک وقت اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ***

مولانا مبارک حسین مصباحی کی تصانیف

مفتی توفیق احسن برکاتی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

"قلم" اللہ عزوجل کی ایک عظیم نعمت ہے، اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانی تاریخ، بلکہ فرمانِ رسول "اول ماخلق اللہ القلم" سے اس کی اولیت کا پتا چلتا ہے۔ قلم نے سب سے پہلے بحکم خدا دنیا کی تقدیر کا نوشتہ لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی جن بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ان میں قلم بہت نمایاں اور اہم ہے۔ حدیث نبوی میں علم کو اللہ کا نور کہا گیا ہے تو قلم اس نور کے فروغ کا آلہ ہوا۔ قرآن مجید میں "القلم" نام کی ایک مستقل سورت ہی ہے۔ ایک مقام پر ہے: "الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ"، یعنی اس خدا نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ ایک دوسری جگہ قلم کی قسم یاد فرمائی، قرآن میں آیا: " نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ "، یعنی قلم اور اس کے نوشتے کی قسم۔ ان آیتوں سے تحریر و قلم کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قلم نے دنیا کی تقدیر بھی لکھی اور دنیا کی تاریخ بھی۔ دنیا کی تاریخ میں تلوار کی طاقت تسلیم کی گئی ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے، تلواروں اور نیزوں کا زخم ہفتوں مہینوں میں بھر جاتا ہے لیکن قلم کا لگایا ہوا زخم مندمل نہیں ہوتا۔ قلم انسانی زندگی کا ایسا سہارا ہے جو اس کی تنہائی میں اس کا سب سے بڑا مونس و غم خوار ہے۔ قلم انسانی ذہنوں اور دماغوں کا مواد صفحہ قرطاس پر نقش کر دیتا ہے۔ صاحبانِ تحریر و قلم نے اپنی مساعی جمیلہ سے علوم و فنون کی ہر شاخ کو اپنا لہو پلایا ہے، افکار انسانی کا ہر شجر اسی کی بدولت سایہ دار ہوا ہے۔

آج اگر دنیا بھر میں علوم و فنون کا اجالا موجود ہے تو اس میں مملکت تحریر و قلم کے بادشاہوں کی قربانیوں اور جاں فشانیوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ایک قلم کار دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن اس کی قلمی یادگاریں اس کو زندۂ جاوید بنا دیتی ہیں۔ کیوں کہ اس نے علم و فن کی روشنی کی حفاظت کا سامان کیا ہے۔ زمانہ قدیم سے تا حال دنیا بھر میں موجود لائبریز اور ان میں مخزون کتابیں اور دانش گاہوں اور تعلیم گاہوں کی نصابی کتب تحریر و قلم کی بادشاہت کا اعلان کرتی ہیں۔ اگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس کا نقطۂ آغاز ہی علم اور قلم کی اہمیت کا اظہار کرتا ہے۔ وحی الٰہی کی کتابت ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بادشاہوں کو بھیجے گئے خطوط یا مختلف معاہدوں کی تحریری دفعات یا احادیثِ رسول کی تدوین، قلم ایک آلۂ کتابت کے طور پر اپنی عظمتوں کا اعلان کرتا رہا اور ہر جگہ اپنی ضرورت کا احساس دلاتا رہا۔ آج ہماری دسترس میں قدیم و جدید علوم و فنون، ادبی و فکری تحریروں، فقہی و کلامی اصول وآئین اور شعری دواوین کا کثیر سرمایہ موجود ہے تو وہ قلم کی مرہون منت ہے۔ نصابی و غیر نصابی کتب و رسائل، ادبی، نیم ادبی، مذہبی، طبی و سیاسی جرائد کا بیش بہا ذخیرہ فکر و نظر کا سامان بنا ہوا ہے تو یہ قلم ہی کی دین ہے۔

تاریخی تذکروں میں انبیا و مرسلین کے ساتھ ساتھ سلاطین زمانہ، ادبا، شعرا، فقہا و محدثین، سالکین، مجددین، متکلمین، اربابِ سیاست اور سماجی نمائندوں کے احوال و کوائف اور ان کا پورا زندگی نامہ ہے، فاتحین تحریر و قلم نہ ہوتے تو گردش دوراں سب کچھ نگل چکی ہوتی اور ساری یادگاریں قصۂ پارینہ بن چکی ہوتیں۔ آج بھی قلم زندہ ہے اور صاحبان قلم کی قلمی یادگاریں باقی ہیں۔

ملک کی عظیم دینی دانش گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" [مبارک پور، اعظم گڑھ] نے اپنے روزِ اول سے تعلیم و تدریس کے ساتھ افراد سازی پر خاص توجہ دی ہے۔ یہاں ہر زمانے میں ایسے باکمال

اور ہنر منداساتذہ رہے جنھوں نے نصابی کتب کی تعلیم کے ساتھ اپنے طلبہ کو غیر درسی کتب ورسائل کے مطالعہ ومذاکرہ کا شوق دلایا اور ان کے بیچ علمی وادبی ماحول سازگار رکھا، درس گاہوں اور قیام گاہوں میں تحریر وقلم کا شور سنائی دیتا رہا۔ شعبۂ نشر واشاعت اور سنی دارالاشاعت کا قیام ہوا یاماہ نامہ اشرفیہ کا اجرا یانصابی کتب کی تصنیف وتحقیق ہر جگہ ابوالفیض حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی افراد سازی اور اشرفیہ کے دیگر اساتذہ کی ہنرمندیوں کا آوازہ سنائی دیتا ہے۔ ہفتہ واری مشقی بزمیں بھی منعقد ہوتی رہیں اور تحریر کی سرگرمی بھی سنائی دیتی رہی۔ انجمن اشرفی دارالمطالعہ کا قیام ہو، سالانہ یوم رضا اور یوم مفتی اعظم ہند کا تاریخی سلسلہ ہو یا مختلف ادبی تحریکیں جامعہ اشرفیہ کی فضاؤں میں تحریر وتقریر اور بحث ومذاکرہ کی بکھری خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی رہی۔ بعد میں مجلس شرعی قائم ہوئی، مجلس برکات کا قیام عمل میں آیا، مجلس فقہی کی بنیاد پڑی، مختلف جدید شعبوں کا اضافہ ہوا۔ ان تمام تاریخی حقائق کو راقم سطور نے ”علامہ محمد احمد مصباحی: احوال وافکار“ کے باب اول ”جامعہ اشرفیہ کا علمی اور ادبی ماحول“ میں مفصل بیان کردیا ہے۔ آج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے فارغین اشرفیہ کا تعلیمی وتدریسی وقار اور تحریری وتقریری جلوہ دنیا کو یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ نے بیتی نو دہائیوں میں کیسے کیسے لعل وگہر پیدا کیے ہیں۔ یہ سب کچھ اس مردِ قلندر کی آفاقی سوچ اور مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے جو حقیقی معنوں میں ”حافظ ملت“ تھا۔ ماہ نامہ اشرفیہ کے سابق مدیر اعلیٰ، حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی نے جنوری 1990ء کے اداریے میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا یہ قول زریں نقل فرمایا تھا:

”تقریر سب سے آسان ہے، اس سے مشکل تدریس اور سب سے مشکل تصنیف۔“ (بلفظہ) مجھے تو اس کام کے لیے زیادہ فرصت نہ مل سکی، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں بھی ہمارے یہاں کام ہو اور ان شاءاللہ ہوگا۔“

آخری سطروں میں چھپا ان کا ذاتی کرب اور تقدس مآب امید اُن خوابوں کا حصہ ہے جسے شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے انھوں نے اپنے جسم کا آخری لہو تک نچوڑ دیا اور آج الجامعۃ الاشرفیہ دنیا بھر میں علم ودانش اور تحقیق وتصنیف کے ایک مرکز کی حیثیت سے پہنچانا جاتا ہے۔

ممدوح گرامی ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ان باکمال فارغین اشرفیہ میں شامل ہیں جنھوں نے اس گلستان علم وآگہی سے صرف مروجہ علوم وفنون ہی نہیں حاصل کیے بلکہ یہاں کے علمی وادبی ماحول کا گہرا اثر قبول کیا اور بعد فراغت مادر علمی میں تعلیم وتدریس کے ساتھ صحافت، تصنیف وتحقیق اور وعظ وتقریر کے میدانوں میں کامیابی کا پرچم بلند کرتے رہے۔ لیکن ان کی کتابِ زندگی کا انتہائی جلی عنوان مذہبی صحافت اور تحقیق وتصنیف ٹھہرا۔ راقم سطور نے ایک جگہ لکھا ہے:

”ادیب شہیر مولانا مبارک حسین مصباحی ایک پختہ فکر اور مشاق صاحب قلم ہیں۔ ان کی تحریروں کے باطن سے ایک ایسا اچھوتا اور منفرد اسلوب منعکس ہوتا ہے جو مذہب وادب کا حسین امتزاج ہے۔ ان کے ادبی کمال اور فکری دلکشی کا حسن ماہ نامہ اشرفیہ کے اداریوں، تبصروں، ادبی جائزوں، خطوط اور مضامین میں بکھرا ہوا ہے۔ اپنی تحریر کردہ کتابوں، تقاریظ، مقدمے، تعزیتی وتاثراتی مضامین اور صحافتی تحریروں میں ایک باشعور قلم کار اپنی ذہانت، طباعی، ندرتِ بیان، کثرتِ مطالعہ، جنونِ شوق، ادبی شان، فکری اٹھان، دردو سوز اور کچھ ادبی ہنگاموں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ تصانیف میں کہیں ان کی مؤرخانہ شان دکھائی دیتی ہے، کہیں ان کی جراحی متوجہ کرتی ہے، کہیں ان کا تیکھا اسلوب ذہن وفکر کے اجالے کرتا ہے اور کہیں وہ ایک ماہر تجزیہ نگار کی حیثیت سے دنیا بھر کی سیاسی اتھل پتھل کا خاکہ پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔“

مولانا مبارک حسین مصباحی نے اعلیٰ تعلیم کے لیے الجامعۃ الاشرفیہ میں 1984ء میں داخلہ لیا۔ شعبان 1409ھ مطابق مارچ 1989ء میں جامعہ اشرفیہ سے سند فراغت پائی۔ 1990ء میں مادر علمی میں درس نظامی کے استاذ مقرر ہوئے۔

جولائی 1990ء میں ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعزازی منتخب ہوئے اور ان کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔ ”فکر و نظر“ کے عنوان پر ان کا تحریر کردہ دو صفحاتی پہلا اداریہ پڑھ کر ان کے مذاقِ طبع اور اعلیٰ شعور کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ کا پہلا شمارہ فروری 1976ء میں منظر عام پر آیا، 2003ء میں جب اس کی عمر کے چھبیس برس مکمل ہو گئے اور ستائیسویں سال میں قدم رکھا تو جنوری 2003ء کے اداریے میں مولانا مبارک حسین مصباحی اپنا صحافتی نقطۂ نظر یوں واضح کرتے ہیں:

”پیش نظر شمارہ ستائیسویں بہار کی پہلی صبح دل آرا ہے۔ جو لوگ اشرفیہ کے مستقل قارئین ہیں انھیں اندازہ ہوگا کہ ہم اشرفیہ کی قدامت اور طویل صحافتی خدمات کی دھاگ جما کر اپنے قارئین کو مطمئن نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہر وقت نت نئی راہوں میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، اسلامی صحافت اور دعوت و تبلیغ کے جدید تقاضے ہمارے پیش نظر رہتے ہیں۔ ہم نے ہر دور میں صحافت برائے تبلیغ وہدایت اور اسلامی ادب برائے تعمیر اور تحقیقات برائے فروغ دین و دانش کو اولین ترجیحات میں رکھا ہے۔ ہمارے یہاں اعلیٰ تحریر کی گنجائش کے لیے قلم کار کا صحیح العقیدہ ہونا بنیادی شرط ہے، کیوں کہ کبھی کبھی پیرایۂ بیان کی دلکشی قاری کو قلم کار کی اندھی عقیدت میں مبتلا کردیتی ہے اور پھر وہ قاری اپنے پسندیدہ قلم کار کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتا چلا جاتا ہے۔“

ماہ نامہ اشرفیہ ان کے بیان کردہ انھی خطوط پر کام کرتا رہا اور اس کا مدیر اعلیٰ اپنی فکروں کا جادو جگاتا رہا۔ اس کے افق پر علمی، ادبی، تاریخی، تحقیقی، شعری، تجزیاتی، سیاسی، سماجی تحریروں کے ماہ و نجوم جگمگاتے رہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ بدر منیر کی طرح چمکتا رہا اور عروج پذیر رہا۔

ممدوح گرامی کے اندر تحریر و قلم کا شوق دورانِ طالب علمی پروان چڑھا اور اساتذۂ اشرفیہ بالخصوص صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی نگاہِ فیض نے ان کے جوہر فن کو خوب نکھارا۔ یوم رضا اور یوم مفتی اعظم ہند جیسے تحریری مسابقوں میں انھوں نے امتیازی پوزیشن حاصل کی، جامعہ اشرفیہ کے علمی وادبی ماحول میں ان کی قلمی تربیت ہوئی۔ بعد فراغت تحریر و قلم کے میدان میں ان کی فتوحات کا دورانیہ تقریباً ساڑھے تین دہائیوں کو محیط ہے۔ اس دوران ان کا اسلوب پختہ سے پختہ تر ہوا، تحریر کی روانی اور مواد کی پیش کش میں نکھار آیا، تجربوں میں اضافہ ہوا اور ذہن وفکر میں پختگی اور وسعت بھی آتی گئی۔ درسی، غیر درسی کتابوں کا مطالعہ، دنیا بھر کے اصحاب فضل وکمال، اربابِ تصنیف و تحقیق، رسائل و جرائد کے مدیران، مختلف الطبع قارئین اور ملی و سماجی قائدین سے ان کے روابط میں بھی وسعت آئی، مذہبی و سماجی سیمناروں اور ادبی مذاکروں میں شرکت نے ان کی زندگی اور افکار کو نیا زاویہ عطا کیا۔ ان سب نے ان کی سوچ، ذہنی وسعت، مذاقِ طبع اور ادبی رجحان کو جلا بخشا اور صحافت، تصنیف اور خطابت جیسے میدانوں میں ان کی شہرت و ناموری میں اضافہ ہوتا رہا۔

گزشتہ پینتیس سالوں میں انھوں نے بہت لکھا، اپنا کچھ قلمی مواد مدون کیا اور کتابی شکل میں انھیں طبع کرایا، لیکن بہت کچھ جمع و تدوین کا مزہ نہ چکھ سکا، نہ اداریوں کا کوئی مجموعہ چھپا، نہ مضامین اور تبصروں کو اکٹھا کر پائے۔ انھوں نے اپنے قارئین اور ہندو بیرون کے مختلف ارباب دانش کو ہزاروں خطوط لکھے ہوں گے اور ان کے پاس بھی ہزاروں کی تعداد میں مکتوبات پہنچے ہوں گے ، سیکڑوں کتابوں پر ان کے پیش لفظ، تقاریظ اور مقدمے ہوں گے لیکن ان کا کوئی مجموعہ نہیں آیا۔ ان کاموں کا انھوں نے ذہن ہی نہیں بنایا یا کوئی اور بات تھی، ہمیں نہیں معلوم۔ سر دست ہمیں ان کی تصانیف پر گفتگو کرنی ہے۔ 21/ربیع الآخر 1410ھ مطابق 21/نومبر 1989ء کو ادارہ تحقیقات حافظ ملت کا قیام عمل میں آیا تو اساتذۂ اشرفیہ میں علامہ نصیر الدین عزیزی اور علامہ محمد احمد مصباحی اس کے نگراں مقرر ہوئے اور انچارج مولانا مبارک حسین مصباحی کو بنایا گیا۔ 28 دسمبر 1989ء کو اس کے زیر اہتمام حافظ ملت سیمینار منعقد ہوا۔ ایک سال بعد سیمینار کے تمام

مقالات کو کتابی شکل دی گئی اور ”حافظ ملت: افکار اور کارنامے“ کے نام سے 136 صفحات میں ان کی طباعت ہوئی، مرتب تھے ممدوح گرامی مولانا مبارک حسین مصباحی۔ یہ کتابی شکل میں ان کا پہلا کام تھا جو اہل علم کی نگاہوں کا مرکز بنا اور ان کی ادبی شناخت کا تشکیلی دور شروع ہوا۔ اس موضوع پر دوسرا سیمینار 7 دسمبر 1991ء کو ہوا اور مجموعہ مقالات ”انوار حافظ ملت نمبر“ کی شکل میں 1994ء میں منظر عام پر آیا، جس میں اقبالیات، غالبیات اور رضویات کی طرز پر ”عزیزیات: ایک جائزہ“ کے منفرد عنوان پر ان کا چشم کشا اداریہ قارئین میں کافی پسند کیا گیا۔

انھوں نے فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے افکار اور خانوادۂ رضا کے احوال پر بھی خوب لکھا۔ اس کا آغاز اس مضمون سے ہوتا ہے جو 6 اکتوبر 1988ء کو منعقدہ ”جشن یوم رضا“ کے سالانہ تحریری مسابقے میں شامل کیا گیا، عنوان تھا: ”کنزالایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ“۔ اس مضمون کو اول انعام ملا اور ڈھیر ساری دعائیں۔ فضیلت کے سال استاذ گرامی علامہ محمد احمد مصباحی کی کتاب ”امام احمد رضا اور تصوف“ پر تبصرہ لکھا جو ماہ نامہ اشرفیہ مئی جون 1989ء میں شائع ہوا۔ ”قصیدتان رائعتان“ پر ان کا تبصرہ جولائی 1989ء میں چھپا۔ مفتی سید شاہد علی رضوی کی کتاب ”مولانا ارشاد حسین رام پوری“ پر ان کا مفصل تبصرہ مارچ 1990ء میں اشرفیہ کی زینت بنا۔ اس کے بعد تو گویا دبستاں کھل گیا اور وہ افکارِ امام احمد رضا کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوتے گئے اور قرطاس ابیض پر درجنوں مضامین اور تبصروں کی کہکشاں سجنے لگی۔ خانوادۂ رضا کے ممتاز عالم ربانی، جانشین مفتی اعظم ہند، مرجع علما، تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا ازہری علیہ الرحمہ سے تمغۂ خلافت بھی حاصل ہوا۔ آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ [اتر پردیش] کے صدر منتخب ہوئے۔

1995ء میں مولانا مبارک حسین مصباحی نے باضابطہ تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا اور پھر ان کا شمار صحافیوں کے ساتھ مصنفوں میں بھی ہونے لگا۔ ان کی پہلی کتاب ”عشق رضا کی سرفرازیاں“ ستمبر 1995ء میں منظر عام پر آئی اور پندرہویں اور آخری تصنیف ”شہر خموشاں کے چراغ“ 2009ء میں چھپی۔ مزید چھ سات کتابیں ان کے علاوہ ہیں جن کی ترتیب و تحقیق کا کام انھوں نے انجام دیا ہے۔ مستقل تصانیف یہ ہیں:

(1) عشق رضا کی سرفرازیاں [ستمبر 1995ء]
(2) پیام سیرت [نومبر 1995ء]
(3) کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے؟ [جنوری 1999ء]
(4) الجامعۃ الاشرفیہ: ایک مختصر تعارف [فروری 2001ء]
(5) برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب [دسمبر 2001ء]
(6) مدارس اسلامیہ تاریخی حقائق کے اجالے میں [ستمبر 2002]
(7) اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت [اکتوبر 2002ء]
(8) جہانِ رئیس القلم [اکتوبر 2002ء]
(9) موسم بہاراں [2005ء]
(10) دو عظیم شخصیتیں [2005ء]
(11) شہر خموشاں کے چراغ [2009ء]
(12) امام احمد رضا اور مسلک جمہور
(13) ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور حل
(14) آفتاب قدس نکلا نور برساتا ہوا
(15) محافظانِ حرم

ان کی دستیاب مرتبہ کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

(1) حافظ ملت: افکار اور کارنامے [1990ء]
(2) خلیج کا بحران [دسمبر 1990ء]
(3) تبرکات کے آداب و فضائل [1993ء]
(4) فلسفۂ قربانی اور عہد جدید کے شبہات [دسمبر 2000ء]
(5) حافظ ملت اور جمشید پور [مارچ 2011ء]
(6) فتاویٰ جامعہ اشرفیہ جلد اول [اکتوبر 2018ء]

یہ اداریوں، تبصروں، تقاریظ اور مذہبی وادبی مضامین ومقالات کے علاوہ ان کا تحریری سرمایہ ہے اور میدانِ تصنیف وتحقیق میں ان کی فتوحات کی زندہ یادگار، جس کی سطر سطر ان کے ادبی کمال، انشا پردازی میں مہارت، فنی واسلوبیاتی جمال اور لسانی وقار کی شہادت دیتی ہے۔ معروف عالم ومحقق مفتی آل مصطفیٰ مصباحی علیہ الرحمہ [سابق استاذ ومفتی جامعہ امجدیہ، گھوسی] اپنے ایک تبصرے میں رقم طراز ہیں:

”مولانا موصوف عالم اسلام کی مشہور درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں شعبۂ دینیات کے استاذ اور اسی ادارہ کے دینی، علمی، روحانی اور اخلاقی ترجمان ”ماہ نامہ اشرفیہ“ کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ ان کا علمی، دینی اور تجزیاتی ذوق زمانۂ طالب علمی ہی سے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ اپنی جواں سالی کے باوجود ایک وسیع المطالعہ بہترین انشا پرداز وسخن طراز کی حیثیت سے اہل علم میں معروف ومقبول ہیں۔ ان کی تحریر میں اسلوب کی شگفتگی اور بیان کی سلاست ان کے نکھرے ہوئے ادبی ذوق کا بین ثبوت ہے۔ ایک کثیر الاشاعت ماہ نامہ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے صحافت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ مختلف علمی ودینی موضوعات پر ان کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد ایک درجن ہے اور دیگر مقالات اور غیر مطبوعہ کتب ان پر مستزاد ہیں۔“

(ماہ نامہ اشرفیہ، اپریل 2003ء، ص:43)

مولانا مبارک حسین مصباحی پختہ قلم کے مالک تھے، مزاج تحقیقی وتنقیدی پایا تھا، ان کی زبان شگفتہ، سلیس اور لہجہ دل پذیر ہوتا تھا، پیرایہ بیان میں ادبی چاشنی اور جملوں، ترکیبوں میں ندرت ہوتی تھی، لیکن یہ اس وقت ہوتا تھا جب وہ دل لگا کر لکھا کرتے تھے، ادھر ماضی قریب کی تحریروں میں کچھ عوارض کی بنا پر یہ رنگ کافی پھیکا نظر آتا ہے، یہ وہ تحریریں ہیں جو انھوں نے سڑک حادثے اور دماغ کے آپریشن کے بعد لکھیں۔ لیکن انھوں نے جو کچھ لکھا وہ مضبوط بنیادوں پر تھا اور کیف وکم ہر دو لحاظ سے قابل ستائش ہے، دنیا نے ان کی تحریروں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو ستائشی خطوط لکھے۔ ہند وبیرون ہند سے ان کی تصانیف کی طباعت واشاعت ان کی مقبولیت کا استعارہ ہے۔ آیئے کچھ کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے اور ان کا موضوعاتی خاکہ مرتب کیا جائے۔

(1) عشق رضا کی سرفرازیاں:

ممدوح گرامی نے مذہبی اجلاس کے ساتھ مختلف سیمیناروں میں بھی شرکت فرمائی اور اپنا مقالہ پڑھا ہے۔ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے وہ رکن تھے اس لیے اکثر فقہی سیمیناروں میں موجود رہے، اس کے علاوہ ملک کے متعدد بلاد میں منعقدہ مذہبی، ادبی اور سماجی مذاکروں میں شرکت فرمائی، تقریر کی اور مقالہ پیش کیا۔ 10 شوال 1412ھ مطابق 14 اپریل 1992ء کو راجستھان گیسٹ ہاؤس لکھنؤ میں امام احمد رضا سیمینار منعقد ہوا تو مولانا مبارک حسین مصباحی نے اس میں اپنا یہی مقالہ پڑھا، جو حاضرین میں کافی پسند کیا گیا۔ 1993ء میں یہ مقالہ قسط وار ماہ نامہ اشرفیہ کی زینت بنا اور ستمبر 1995ء میں المجمع المصباحی، مبارک پور سے کتابی شکل میں 32 صفحات میں شائع ہوا۔ اس تحریر میں فقیہ اسلام، امام نعت گویاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی واردات عشق وعرفان کو عشق کی زبان میں بیان کیا گیا، اندازِ بیان بڑا شوخ اور اسلوب نکھرا ستھرا ہے۔ عشق وعرفان کے ہر باب پر حوالوں کی کہکشاں آویزاں ہے اور جادۂ عشق پر رواں دواں امامِ عشق کی زندگی کا ایسا شفاف خاکہ کھینچا گیا جس میں چشم ودل فرشِ راہ نظر آتے ہیں۔ یہ مقالہ اختصار اور جامعیت کا حسین مرقع ہے۔

(2) پیامِ سیرت:

سیرت طیبہ کے موضوع پر بیانیہ اسلوب میں لکھی گئی یہ کتاب 60 صفحے پر مشتمل ہے۔ جو نومبر 1995ء میں المجمع المصباحی مبارک پور سے طبع ہوئی، اس کتاب کی زبان بڑی دل نشین، سلیس، شگفتہ اور پُرکشش ہے۔ اندرونی سرورق پر یہ عبارت درج ہے: ”پیام سیرت اور عشق رسول کے تقاضوں پر فکر انگیز

تحریروں کا دل آویز گلدستہ "۔ یہ تحریریں بظاہر بڑی مختصر ہیں لیکن ہر تحریر بغور مطالعے پر آمادہ کرتی ہے۔ عناوین دیکھیں:

(1) محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری

(2) عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فلسفہ

(3) عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے

(4) سیرتِ رسول کا مطالعہ اخلاقی نقطۂ نظر سے

(5) محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین امت مسلمہ کے لیے ایک کامل دستور العمل

(6) سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک نظر میں

یہ تحریریں ایک صاحب اسلوب قلم کار کا شناخت نامہ ہیں، ان میں ادب کا حسن اور بیان کی دلکشی عروج پر ہے، ایک ایسا جمالیاتی ادب کدہ جہاں دل و نگاہ سجدہ ریز نظر آئیں اور احساس کی باچھیں کھلی ہوئی ہوں۔ پہلی تحریر کے یہ تمہیدی جملے دیکھیں:

"نظام کائنات رواں دواں ہے۔ جب شب تاریک کے سناٹے ہر طرف چھا جاتے ہیں تو آفاق عالم پر صبح تابندہ نمود ہونے لگتی ہے، جب فرش گیتی پانی کے قطروں کے لیے ترسنے لگتا ہے تو آسمان پر بدلیاں پھیلنے لگتی ہیں، جب خشک سالی کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں تو رحمت کی گھنگھور گھٹائیں چھانے لگتی ہیں، جب روحوں کی تشنگی اور دلوں کی بھوک بڑھنے لگتی ہے تو حیات آفریں غذائیں آنے لگتی ہیں، جب کاروان آدم بھٹکنے لگتے ہیں تو نقوشِ منزل ابھرنے لگتے ہیں، جب مسافرانِ حیات مقصد حیات بھولنے لگتے ہیں تو یاد دہندہ قافلے اترنے لگتے ہیں۔" (ص:6)

مصنف کا قلم جب عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فلسفہ بیان کرتا ہے تو تحریر کی سطر سطر میں ان کا تاریخی شعور اور ادبی کمال سیرت و تاریخ کا وہ منظر کشید کرتا ہے جو انسانی اذہان و افکار کو تقدس کے آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ یہ مسلم ہے کہ فلسفۂ عشق کا بیان تذکارِ صحابہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، یہاں عشق و وارفتگی کے وہ کردار ملیں گے جو اپنے ہر عمل سے دنیا کو جاں نثاری کا پیغام سناتے ہیں۔ عہد صحابہ کا یہ رنگین بیان ملاحظہ فرمائیں:

"بلاشبہہ عہد صحابہ عشق واطاعت، حق وصداقت، اخلاص و وفا اور حسن عمل کا اتنا عظیم اور مثالی دور گزرا ہے جس نے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا اور پورا معاشرہ قول و عمل اور فکر و کردار کی ہم آہنگی کا اتنا سچا آئینہ دار تھا کہ ہزار تلاش و جستجو کے بعد بھی فکر و عمل میں تفریق اور پستی کردار کا کوئی داغ نظر نہیں آتا۔ وہ جس پیغمبر اعظم سے عشق کرتے تھے کردار و عمل کا نظام بھی اسی کے اشارۂ ابرو پر چلتا تھا، وہ جس رسول کے عشق کے خطبے پڑھتے تھے اسی کی اطاعت کشت زار حیات اور رزم گاہ عمل میں کرتے تھے۔ وہ جو تعلیمات بارگاہ رسالت سے حاصل کرتے تھے عدالت وقضا کے مسائل بھی انھی سے حل کرتے تھے۔ جن افکار ونظریات کا نفاذ گھر کی چہار دیواری میں ہوتا تھا وہی بین الاقوامی سطح پر کارفرما ہوتے تھے۔ حق وصداقت کے جو اصول منبروں سے نشر ہوتے تھے انھی مقدس خطوط پر حکومت وریاست کا نظم ونسق چلتا تھا، جو عقائد وافکار انفرادی دنیا میں جاری تھے وہی اجتماعی طبقات میں دائر تھے۔ جو درسِ عشق واطاعت درس گاہوں سے پاتے تھے اسی کے مطابق پوری معاشرتی تہذیب تشکیل پا رہی تھی۔ عشق ومحبت کے جن تقاضوں کی تکمیل نماز وروزہ میں مقصود ہوتی تھی وہی مقصود میدان کارزار میں پیش نظر رہتا تھا۔

اسی عشق واطاعت کی سرمستی اور قول وعمل کی ہم آہنگی سے ان کے معاشرہ میں اتنی عظیم اور حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی تھی کہ پوری انسانی تاریخ اس کی مثال سے قاصر ہے۔" (ص: 24، 25)

آخری تحریر میں سیرت طیبہ کا اجمالی خاکہ اس قدر جامعیت اور وسعت مضامین کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر تحریر میں ایک الگ ادبی شان ہے۔ اسلوب کی پختگی اور بیان کی سادگی نے اس میں جو رنگ آمیزی کی ہے وہ مولانا مبارک حسین مصباحی کو دیگر مصنفوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔

(3) کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے؟

یہ دراصل ایک تحقیقی مقالہ تھا جو سال نامہ یادگار رضا ممبئی 1995ء میں شامل کیا گیا۔ جولائی 1996ء میں ماہ نامہ اشرفیہ کی زینت بنا۔ جنوری 1999ء میں اسے کتابی شکل میں المجمع المصباحی نے اپنے اہتمام سے 32 صفحات میں شائع کیا۔ حقیقت میں یہ تحریر امتناع کذب باری تعالیٰ پر جمہور ائمہ اسلام بشمول امام احمد رضا قادری کے اسلامی موقف کی توضیح اور ان کے مخالفین کے امکانی نظریے کا تنقیدی مطالعہ ہے جس کا انداز بیان معروضی تحقیق کا اشارہ دیتا ہے اور عنوان کی ہر جہت روشن ہوجاتی ہے۔ اس مسئلے میں اساطین وہابیہ، دیوبندیہ امکانِ کذب کا قول کرتے ہیں جو سراسر اسلام مخالف نظریہ ہے۔ ان کے بالمقابل جمہور ائمہ اسلام اور متکلمین کا موقف امتناعِ کذب کا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے ہر نظریہ بڑی عمدگی اور شفافیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور تردید وتنقید کا پیرایہ بھی بڑا ستھرا اختیار کیا ہے۔ حاصل کلام کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

”امتناعِ کذب باری تعالیٰ پر تمام اشعریہ اور ماتریدیہ کا اجماع ہے۔ اور یہ کہنا کہ زیر بحث مسئلہ پہلے ہی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے بالکل غلط اور اسلاف پر بے بنیاد الزام ہے۔ بلکہ سچائی یہ ہے کہ امکان کذب باری تعالیٰ کے بطلان پر اہل حق کا اجماع ہے بلکہ اس مسئلے میں تو معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقے بھی علماے حق کے ہم نوا اور ہم فکر نظر آتے ہیں۔“ (ص:17)

(4) الجامعۃ الاشرفیہ: ایک مختصر تعارف

80 صفحات کو محیط یہ کتاب جامعہ اشرفیہ کا تعارف نامہ ہے جسے ملٹی کلر میں باتصویر شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور نے فروری 2001ء میں پہلی بار شائع کیا ہے۔ اس موضوع پر اس سے قبل رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی دو مختصر کتابیں ”ایک تاریخی مرقع“ اور ”الجامعۃ الاشرفیہ“، رئیس التحریر علامہ یس اختر مصباحی کی عربی کتاب ”الجامعۃ الاشرفیہ“، ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی ”تعارف الجامعۃ الاشرفیہ“ (سہ لسانی)، مولانا بدر القادری مصباحی کی ”اشرفیہ کا ماضی اور حال“ شائع ہو چکی ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی نے اس میں 2000ء تک کی تاریخ اور احوالِ اشرفیہ درج کیے ہیں اور تمام شعبوں اور آراضی کا تعارف لکھا ہے۔ آغاز واختتام پر کچھ رنگین تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

(5) برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب

یہ مصنف کی سب سے مشہور ومقبول تصنیف ہے۔ جو اول بار المجمع المصباحی مبارک پور سے رمضان 1422ھ مطابق دسمبر 2001ء میں 240 صفحات میں طبع ہوئی۔ پھر مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور نے فروری 2008ء میں ایک ہزار کی تعداد میں چھپوا کر اعزازی طور پر تقسیم کیا۔ کتاب پر مختصر مگر جامع تقریظ صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی نے اور تقدیم رئیس التحریر علامہ یس اختر مصباحی نے تحریر کی ہے۔ اس کتاب کی اکثر تحریریں مختلف اوقات میں ماہ نامہ اشرفیہ کی زینت بنتی رہی ہیں، البتہ اس کا کچھ حصہ ترتیب کے موقع پر لکھا گیا، بقول مصنف:

”ان تمام تحریروں میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ ہے حق وباطل کے درمیان خط امتیاز، برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب کی تلاش، امت مسلمہ میں امن واتحاد کی آرزومندی اور اصلاحِ فکر واعتقاد کی مضطربانہ خواہش۔“ (ص:8،7)

یہ کتاب دراصل ایک صریح جھوٹ، دشنام والزام کا تاریخی حقائق کی روشنی میں مسکت جواب فراہم کرتی ہے جو مختلف ذرائع سے بار بار اٹھایا گیا اور سادہ لوح دنیا کو فریب دیا گیا جس کا نہ کوئی ثبوت دیا گیا نہ تحقیق کی زحمت گوارا کی گئی۔ بقول تقریظ نگار:

”اس میں ناقابل تردید دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں شیعہ وسنی کا اختلاف تو پرانا ہے اور سنیوں میں جو تفریق ہوئی ہے وہ بریلی سے نہیں بلکہ دہلی سے ہوئی ہے۔ یہاں کے اور دیگر ممالک کے اہل سنت ایک تھے، نجد میں کتاب التوحید اور ہند میں تقویۃ الایمان کے ذریعہ وہابی پھر اس کی شاخ دیوبندی کے نام سے ایک فرقہ جنم دیا گیا جو اپنے یوم پیدائش سے لے کر آج تک قدیم مسلک اہل سنت کے حامیوں سے بر سرپیکار ہے۔ جھوٹ اور فریب کا ایسا دل دادہ اور عادی ہے

کہ خدا کو بھی بالامکان جھوٹا اور عیب دار مانتا ہے۔"(ص:12)

مولانا مبارک حسین مصباحی نے جہاد بالقلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر فریب کا پردہ چاک کیا ہے کہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہو گئی ہے۔ یہ کتاب تاریخ کے آئینے کو الزام دینے والوں کے لیے ایک تازیانہ ہے۔ مصنف نے بڑی دیانت داری اور خوش اسلوبی کے ساتھ افتراق بین المسلمین کا تاریخی تجزیہ کیا ہے اور برصغیر میں مسلمانوں کے مابین افتراق کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالی ہے۔ تاریخی حوالوں سے سنجیدہ اسلوب میں لکھی گئی یہ ایسی کتاب ہے جو ہر انصاف پسند کو دعوتِ مطالعہ پیش کرتی ہے اور سادہ لوح اہل علم کو بے خبری کی دنیا سے باہر لاتی ہے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی [سابق مدیر ماہ نامہ جہان رضا، لاہور] لکھتے ہیں:

"انھوں نے برصغیر میں دینی فتنوں کی تاریخ اور ان فتنوں کے زہریلے اثرات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور "افتراق بین المسلمین کے اسباب" جیسی کتاب کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ موضوع کی تلخیاں ان کے اعتدالی قلم کی شیرینی سے اس انداز میں صحیفۂ قرطاس پر سمٹ گئی ہیں کہ کتاب پڑھنے والا تسلسل کے ساتھ مطالعہ کرتا جاتا ہے۔"(ابتدائیہ، لاہور ایڈیشن، فروری 2008ء)

جب یہ کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آئی تو ممتاز اہل علم وتحقیق نے اس پر گراں تنقیدی وتجزیاتی وتعارفی تبصرے لکھے اور مصنف کا علمی قد انصاف پسند حلقوں میں کافی بڑھا۔ زبان، بیان، اسلوب، موضوع، مواد، تحقیق اور پیش کش ہر لحاظ سے یہ ایک علمی وتاریخی تحقیق ہے۔

(6) اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصورِ روحانیت

یہ 48/ صفحات کو محیط ایک تحقیقی وفکری رسالہ ہے جو پہلی بار صوفی سنت سمیلن، لکھنؤ (منعقدہ: 17 ستمبر 2002ء) کے سووینیر میں شامل اشاعت ہوا، پھر کتابی شکل میں المجمع المصباحی نے اکتوبر 2002ء میں اپنے اہتمام سے شائع کیا۔ یہ کتاب تصور روحانیت کے موضوع پر ایک تقابلی تحقیق ہے جس کے آغاز میں فاضل مصنف نے روح کی تعریف، اس کی حقیقت وماہیت پر سنجیدہ بحث کی ہے، پھر روحانیت کے اصل مقام کی توضیح وتشریح فرمائی ہے، پھر ان کا قلم تقابلی تحقیق کی جانب مائل ہوا اور موضوع کے ضروری گوشوں کی نقاب کشائی کرنے لگا ہے۔ جس میں انتہائی فکر انگیز اور چشم کشا جملوں اور اقتباسات کی کہکشاں موجود ہے۔ تقریب نگار استاذ گرامی مفتی محمد نظام الدین رضوی تحریر فرماتے ہیں:

"پیش نظر مقالہ "اسلام اور ہندستانی مذاہب میں تصورِ روحانیت" حقیقت میں ایک قلم برداشتہ عجالہ ہے، جس میں اسلام میں تصورِ روحانیت کی سچی عکاسی کی گئی ہے اور تقریباً اس کے تمام ضروری گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس میں دوسرے مذاہب کے تصورِ روحانیت کا تقابلی جائزہ لے کر اسلام اور دوسرے مذاہب کے تصورات میں نمایاں فرق کی خوب صورت منظر کشی بھی کی گئی ہے۔ سچ یہ ہے کہ راقم الحروف مقالہ نگار کی سرعت تحریر، خوبی تعبیر، وسعت مطالعہ، حسن انتخاب اور کشف صواب سے بہت متاثر ہوا۔"(ص:7)

کتاب کی زبان انتہائی سہل، شگفتہ اور قابل فہم ہے اور مصنف کا ادبی آہنگ کہیں متاثر ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ تسلسل مضامین کی ایسی دلکشی یہاں ملتی ہے کہ قاری ایک ہی نشست میں پڑھ لینا چاہے گا۔ اس کے تمہیدی جملوں کا تو جواب نہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"ہمارا ہندوستان قدرت کے دل کش مناظر کی جلوہ گاہ ہے، اس میں ٹھنڈے اور شیریں ابلتے ہوئے چشمے ہیں اور پر شوکت پہاڑوں کی قطاریں بھی۔ اس کے دامن میں سونا اگلتی ہوئی زمینیں بھی ہیں اور بہتی ہوئی ندیاں بھی۔ اس کے سواحل پر سر پٹکتی موجیں بھی ہیں اور فضاؤں میں خوش گوار ہوائیں بھی۔ اس میں جنت نشاں کشمیر بھی ہے اور جمالیات وموسیقی کی دل فریبی بھی۔ اس میں عہد ماضی کی ثقافتی یادگاریں بھی ہیں اور مذہب ورواداری کی روایات بھی۔ اس میں سجودِ نیاز گزارنے کے لیے عبادت گاہیں بھی ہیں اور خراج عقیدت لٹانے کے لیے روحانی بزرگوں کے مزارات بھی۔

اس میں تعلیم وتربیت کے لیے درس گاہیں بھی ہیں اور تزکیۂ روح کے لیے خانقاہیں بھی۔ قدیم مذاہب کی تعلیمات بھی ہیں اور اسلام کی اخلاقی اور روحانی قدریں بھی۔" (ص:8)

(7) جہانِ رئیس القلم:

تلمیذ حافظ ملت، رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی کا وصال 29/ اپریل 2002ء میں ہوا تو ماہ نامہ اشرفیہ کا جون جولائی 2002ء کا مشترکہ خصوصی شمارہ منظر عام پر آیا جس میں متعدد اہل قلم نے حضرت رئیس القلم کے علمی، فکری، دینی، دعوتی، صحافتی اور تنظیمی کارناموں پر قیمتی مضامین لکھے اور ان کے ادبی طرزِ نگارش کی داد دی، ان کی کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا اور احوال وافکار کا خاکہ مرتب ہوا۔ حضرت رئیس القلم علیہ الرحمہ جامعہ اشرفیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن، تحریک اشرفیہ کے آغاز وارتقا کے چشم دید گواہ اور تاریخ اشرفیہ کے بنیاد گزار تھے، اشرفیہ ان کے دل ودماغ میں دھڑکتا تھا، یہ دانش گاہ ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی، وہ اپنے استاذ ومربی کے عاشق تھے اور اشرفیہ کی تعمیر وترقی ان کی زندگی کا خواب تھا۔ ان کا انتقال علمی دنیا کا بہت بڑا خسارہ تھا، اشرفیہ کے در ودیوار اشک افشاں تھے، وہ تمام تنظیمیں جن کی بنیادوں میں علامہ ارشد القادری کی فکر وتدبیر، اعلیٰ شعور، پیش بینی اور روشن خیالی کی اینٹیں چنی گئی تھیں آج انھیں شدت سے یاد کر رہی تھیں۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا زندگی نامہ ممتاز نقاد وسخن ور ڈاکٹر شکیل اعظمی کے جامع الفاظ میں ملاحظہ کریں: "ستاروں پر کمند ڈالنا، نئے زمان ومکان کا سراغ لگانا، سنگلاخ زمینوں کو لالہ زار بنانا، صحراؤں میں گل بوٹے کھلانا، عصری رجحانات ومیلانات کو اسلامی رنگ روپ دینا علامہ کا طبعی ذوق اور فطری مزاج تھا۔"

ایسے میں لازم تھا کہ ماہ نامہ اشرفیہ ان پر خصوصی شمارہ شائع کرے اور ان کے احوال وآثار کا سنجیدہ اسلوب میں محاکمہ کیا جائے، ساتھ ہی ان کی بارگاہ میں نیاز مندانہ خراج بھی پیش کیا جائے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی نے بروقت اس پر توجہ دی اور یادگاری شمارہ منظر عام پر آیا جس کا مبسوط اداریہ کافی مشہور ومقبول ہوا۔ یہ اداریہ انسٹھ صفحات میں پھیلا ہوا تھا جس میں علامہ کی زندگی کے اکثر گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی تھی۔ خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے الفاظ میں:

"حضرت علامہ ارشد القادری کی حیات وخدمات کے تعلق سے آپ کا قلمی شاہکار نظر نواز ہوا۔ ہم پڑھتے رہے اور رات ڈھلتی رہی، کانوں میں جل ترنگ کے ساز بجتے رہے اور ذہن وفکر میں ملہار راگ کی تانیں پورے سرودھن کے ساتھ لہراتی رہیں۔ یقین کیجیے بے خودی میں مجھے یہ محسوس ہوتا رہا کہ میں آپ کو نہیں بلکہ علامہ ارشد القادری کو پڑھ رہا ہوں۔ وہ تو کہیے کہ نسیم سحری کا ایک مست جھونکا مجھے ہوش میں لے آیا اور اب میں جمشید پور کے تصوراتی ماحول میں نہیں بلکہ حقیقی بزم مبارک پور میں تھا۔" (ص:14)

اداریے کی اہمیت کے پیش نظر رجب 1423ھ/ اکتوبر 2002ء میں المجمع المصباحی مبارک پور نے اسے کتابی شکل میں "جہانِ رئیس القلم" کے نام سے شائع کیا جس کے کل صفحات 166/ ہیں۔ پیش لفظ کے بعد حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کے دعائیہ کلمات، ڈاکٹر شکیل اعظمی کا احساس نامہ اور خواجہ مظفر حسین رضوی، مفتی عبد الحلیم نوری اور مفتی محمد عابد حسین قادری (استاذ ومفتی مدرسہ فیض العلوم جمشید پور) کا وقیع تاثر شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا مبارک حسین مصباحی نے واقعی قلم توڑ دیا ہے، جس میں ان کا حسین اسلوب نگارش اور ادبی پیرایۂ بیان دامن دل کھینچتا ہے اور جملوں اور ترکیبوں کی دلکشی بار بار مطالعے پر آمادہ کرتی ہے۔ تقریباً اڑتالیس عناوین کی دیدہ زیب اور چمکتی موتیوں سے سجا ہوا یہ قیمتی ہار دراصل مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی کرشمہ سازی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یقین نہ آئے تو اس ادبی نگارستان کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔ مفتی محمد عابد حسین قادری مصباحی لکھتے ہیں: "پہلے تو حضرت علامہ کی تحریر کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اب آپ کی بے ساختہ تحریر نے اس نتیجے پر پہنچا دیا ہے کہ اب مستقبل کے تاجدارِ کشورِ صحافت اور رئیس التحریر آپ ہیں۔ ہاں ہاں! صحافت کی خسروی آپ کو سونپ گئی اور

شہر یارِ اردو بے معلیٰ آپ بنائے گئے۔ “(ص:16)

(8) مدارس اسلامیہ تاریخی حقائق کے اجالے میں

دینی دانش گاہوں نے ہر دور میں رجالِ کار پیدا کیے اور امت مسلمہ کے روشن مستقبل کا خواب بُنا۔ مدارس نے دنیا کو علما، فقہا، ادبا، انشا پرداز، تنقید نگار، صحافی، مذہبی رہنما، سیاسی قائدین اور سماجی خدمت گار دیے اور ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس لیے ان کی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا نہ ان کی قربانیاں فراموش کی جاسکتی ہیں۔ مدارس اسلامیہ کی تعلیم وتربیت کا انسانی زندگی میں گہرا اثر پڑتا ہے۔ علم ودانش، شعور وآگہی اور فکر وخیال کا ایسا سرچشمہ جس نے ہمیشہ تشنہ انسانیت کو آسودگی بخشی اور دنیا میں ثقافتی وسماجی اقدار کو عام کیا۔ ملک کی سالمیت اور امن وامان کی بحالی میں ان کا کردار آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ زبانوں کی حفاظت کا بہت بڑا آرگن ہیں مدارس۔ ان تمام حقائق کے باوجود الزام واتہام کا سلسلہ ہے کہ بند ہی نہیں ہوتا۔ کوئی سرپھرا انھیں دہشت گردی کا اڈہ بتاتا ہے تو کوئی امن وامان کو تباہ کرنے والا باور کراتا ہے۔ جب کہ یہ تاریخی حقائق کو دانستہ چھپانا اور حقیقت سے آنکھیں موندلینا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنی اس کتاب میں ایسا شفاف آئینہ آویزاں کیا ہے جس میں مدارس اسلامیہ کی حقیقی تاریخ بھی دکھائی دیتی ہے اور ان کی خدمات کا حقیقی چہرہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ مدارس امن وسکون کے ذرائع ہیں اور ان کے فضلا خادمان ملک وقوم۔ اس کتاب میں مصنف نے تیرہ عناوین پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور ہر بحث کو تاریخی حوالوں سے مزین کیا ہے۔ عناوین کا اجمالی خاکہ یوں ہے:

(1) تعلیم وتاریخ کا کیسریا کرن (2) ملک کی ترقی میں تعلیم کی اہمیت (3) اسلام کا نظریۂ تعلیم (4) اسلام سے پہلے علم کی حالت زار (5) اور نورِ علم سے عالم جگمگا اٹھا (6) ابتدائی مدارس اسلامیہ (7) ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا آغاز وارتقا (8) عہد مغلیہ میں سلسلہ مدارس اور فروغ دین ودانش (9) اورنگ زیب عالمگیر پر ایک الزام (10) انگریزی دور میں دینی علوم کی کس مپرسی (11) مدارس اسلامیہ آزادی کے بعد (12) عہد زوال میں مرکز اہل سنت کا کردار (13) ملک کی ترقی میں مدارس کا کردار۔

دنیا میں باضابطہ مدرسہ کہاں قائم ہوا؟ دنیا کی مشہور دانش گاہیں کون کون سی ہیں؟ ہندوستان میں مدارس کا آغاز وارتقا کس طرح ہوا؟ عہد مغلیہ، انگریزی دور میں اور آزادی کے بعد درس گاہوں کا کیا حال تھا؟ عہد زوال کے تاریخی حقائق کیا ہیں؟ ملک کی تعمیر وترقی میں فارغین مدارس کا کیا کردار رہا ہے؟ فاضل مصنف نے تحقیقی انداز میں ہر سوال کا جواب تلاش کیا ہے اور اپنے منفرد اسلوب اور معروضی اندازِ تحریر کا سہارا لے کر وسیع تناظر میں بحثیں کی ہیں۔ 56/ صفحات پر مشتمل اس تحقیقی کتاب کو المجمع المصباحی نے ستمبر 2002ء میں شائع کیا ہے۔

(9) موسم بہاراں:

یہ کتاب ماہِ صیام سے متعلق مختلف اوقات میں لکھے گئے چند منتخب اور فکر انگیز مضامین کا حسین مجموعہ ہے۔ جس میں موضوع کے مختلف گوشوں کو سنجیدہ اور استدلالی اسلوب میں اجاگر کیا گیا ہے۔ پوری کتاب چار ابواب میں منقسم ہے اور ہر باب علم وآگہی کا گنجینہ ہے۔ سرخیاں یوں ہیں:

پہلا باب: فلسفۂ رمضان مطالعۂ قرآن کی روشنی میں۔

دوسرا باب: ماہ رمضان کے فضائل احادیث نبویہ کی روشنی میں۔

تیسرا باب: مدنی تاجدار کے معمولاتِ رمضان۔ چوتھا باب: روزے کے روحانی اسرار وآداب۔

آغاز میں مصنف کا ایک فکری واصلاحی مقدمہ ہے اس کے بعد مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمہ کا مختصر تاثر شامل ہے جس میں ان کا کہنا ہے: ”کتاب اپنے مالہ وماعلیہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ قرآن واحادیث اور اقوال ائمہ دین سے مملو اور مزین ومرصع ہے اور اپنی تمام تر صوری ومعنوی اشاقت واناقت کے پیش نظر علم دوست حضرات اور صالح فکر افراد کو دعوتِ نظارہ دے رہی ہے۔“

اس کتاب میں مصنف کا طرز نگارش اور اسلوب بیان جمالیات کا نیا افق روشن کرتا ہے اور اس کا ادبی آہنگ دل و دماغ میں اثر پذیری کا نور منتقل کرتا ہے۔ 104 صفحے کی اس کتاب کو المجمع المصباحی نے 2005ء میں شائع کیا ہے۔ انتہائی قابل مطالعہ ہے۔

(10) دو عظیم شخصیتیں

یہ ایک سوانحی تذکرہ ہے جس میں اہل سنت کی دو نمائندہ شخصیتوں کے احوال و آثار زیر بحث آئے ہیں۔ پہلا تذکرہ رئیس الاتقیاء علامہ مبین الدین محدث امروہوی (سابق شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ، مرادآباد) کا ہے اور دوسرا ان کے نامور خلیفہ خطیب البراہین علامہ صوفی محمد نظام الدین رضوی علیہ الرحمہ کا۔ ملک وبیرون ملک مشہور و مقبول ان دونوں بزرگوں کی علمی، تدریسی، دعوتی اور زاہدانہ زندگی کا خاکہ بڑی نفاست اور عمدگی سے تراشا گیا ہے۔ 56/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ نظامیہ حبیبیہ، لہرولی سنت کبیر نگر نے 2005ء میں طبع کرائی ہے۔

(11) شہر خموشاں کے چراغ:

یہ مصنف کی سب سے ضخیم کتاب ہے جو تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیر اہتمام 2009ء میں 480 صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ان اداریوں اور مضامین کا مجموعہ ہے جس کے ذریعہ وصال یافتہ شخصیتوں کو خراج پیش کیا گیا ہے۔ تقریباً پچاس افرادِ زمانہ کے احوال و کوائف پر مشتمل ان تعزیتی مضامین کا دورانیہ انیس برسوں کو محیط ہے۔ ان میں اہل سنت کی علمی، ادبی، قلمی، روحانی، دینی اور دعوتی تاریخ بھی سانس لیتی ہے۔

ممتاز فکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی لکھتے ہیں:

”تیس سے زیادہ افراد کے اذکار کی دولت سے مالامال یہ کتاب بے حد متنوع شخصیات کا ایک خوب صورت نگار خانہ بن گئی ہے۔ اس میں سلاطین طریقت و معرفت، رازدارانِ شریعت، مردانِ قلم، مسند نشینانِ درس و تدریس سے لے کر تاریخ دانوں، ادارہ سازوں، فکر و فن کے ماہرین اور ادبا و شعرا کے ساتھ ساتھ ان کا بھی ذکر ہے جنھوں نے اپنی دردمندی اور خلوص پیہم سے اپنے معاصرین کو گرویدہ کر رکھا تھا۔“ (فلیپ)

یہ تعزیتی تحریریں محض ایک رسم کی ادائیگی ہرگز نہیں، بلکہ ان میں سوانحی مواد کے ساتھ ساتھ دل کا حال، رنجیدگی، آہ و فغاں، درد و کرب اور ربط باہمی کی جلوہ نمائیوں اور اسلوبیاتی جمال کا ہر رنگ منعکس ہے۔ کتاب کی پہلی تحریر دسمبر 1990ء کی ہے جو خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کے انتقال پر سپرد قلم ہوئی تھی اور آخری تحریر مارچ 2009ء کی ہے جو جواں سال صحافی مولانا شکیل احمد مصباحی نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ کی اچانک رحلت پر لکھی گئی ہے۔ اکثر تحریریں ان وصال یافتہ افراد کا مکمل خاکہ پیش کرتی ہیں۔ انداز بیان انتہائی غم آگیں اور درد میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ مولانا مبارک حسین مصباحی کا ایسا بڑا کارنامہ ہے جسے زمانے تک یاد رکھا جائے گا۔ لیکن کتاب کا کچھ مواد اضافی محسوس ہوتا ہے۔ جیسے تذکرۂ شارح بخاری علیہ الرحمہ میں شامل اربابِ علم و دانش کے تعزیتی مکتوبات نے 34 صفحات کو گھیر لیا ہے۔ یوں ہی رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے احوال و آثار پر مبنی تحریر ص: 223 سے ص: 380 تک پھیلی ہوئی ہے جس کے کل صفحات 158 بنتے ہیں۔ اس میں ایک مستقل مطبوعہ کتاب ”جہان رئیس القلم“ دوبارہ شامل کر دی گئی ہے جو قطعی مناسب نہیں لگتا۔ بہر حال منفرد اسلوب میں لکھی گئی یہ ایک منفرد کتاب ہے، جس کی ستائش ہونی چاہیے۔

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی لکھتے ہیں:

”مولانا مبارک حسین مصباحی نے ماضی قریب میں وصال فرمانے والے علمائے کرام اور اعیانِ ملت رحمہم اللہ کی تاریخ وفات اور ان کی زندگیوں کے اہم واقعات و خصائص کو قلم بند فرما کر ملت اسلامیہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔“ (فلیپ)

(12) حافظ ملت: افکار اور کارنامے

28 دسمبر 1989ء کو جامعہ اشرفیہ میں حافظ ملت سیمینار منعقد ہوا۔ جس کی ایک مختصر روداد ماہ نامہ اشرفیہ، فروری 1990ء میں راقم کی نظر سے گزری ہے۔ سیمینار میں ملک کے نامور

ارباب کمال نے شرکت فرمائی اور اپنے قیمتی مضامین پیش کیے۔ ان گراں قدر تحریروں اور خطوط نے فاضل گرامی کو یہ حوصلہ اور ذہن بخشا کہ انھیں کتابی شکل میں مدون کر دیا جائے۔ "حافظ ملت: افکار اور کارنامے" اسی ذہن سازی کی یادگار ہے۔ اس میں شامل تحریروں کے اندر جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی حیات وافکار وآثار کی سچی داستان بیان کی گئی ہے۔ کل صفحات 136 اور سنہ اشاعت 1990ء ہے۔ سخن ہائے گفتنی اور پیغامات کے بعد کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ افکار وخدمات کا احاطہ کرتا ہے جس میں تیرہ تحریریں شامل ہیں۔ دوسرا حصہ اخلاق وصفات کی نذر ہے جس میں کل سات مضامین درج ہیں۔ تیسرا حصہ خیالات وتاثرات کے نام ہے جس میں مولانا مبارک حسین مصباحی کا ایک مضمون "حافظ ملت اور جہان اہل خرد" شامل ہے اور خراج عقیدت کے طور پر متعدد شعرا کے منتخب اشعار درج ہیں۔ آخری حصے میں "تعلیماتِ حافظ ملت" پر مفتی سید شاہد علی رضوی کا مضمون دیا گیا ہے، اور اخیر میں حیات حافظ ملت کا ایک مختصر خاکہ مولانا محمد نعیم الدین عزیزی کا تیار کردہ شامل ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی مرتبہ یہ کتاب بارگاہِ حافظ ملت میں ایک نیاز مندانہ خراج اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک عمدہ ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ پر جب 7 دسمبر 1991ء کو دوسرا سیمینار ہوا تو اس کے مقالات ماہ نامہ اشرفیہ (نومبر، دسمبر 1992ء) کے "انوار حافظ ملت نمبر" میں شائع ہوئے۔

(13) خلیج کا بحران [ایک تفصیلی جائزہ]

112 صفحات پر محیط یہ کتاب دراصل ایک خاص موضوع پر تین اہم مضامین کا مجموعہ ہے۔ پہلا مضمون استاذ گرامی علامہ محمد احمد مصباحی کا "موجودہ صورت حال" کے عنوان پر ہے۔ دوسرا "خادمِ حرمین کون؟ شاہ فہد یا جارج بش؟" کے فکر انگیز عنوان پر علامہ یٰس اختر مصباحی کے زر نگار قلم سے زینت کتاب ہے اور تیسرا مضمون "سعودی حکومت کی مذہبی پالیسی" کا عنوان رکھتا ہے اور مضمون نگار ہیں مولانا مبارک حسین مصباحی۔ اس کتاب میں خلیج کی موجودہ صورت حال اور اس سے متعلق خیالات ونظریات کا جائزہ لیا گیا ہے، ساتھ ہی سعودیہ وامریکہ اور عراق کی سیاسی ومذہبی پالیسیوں کا منظر وپس منظر ذرا تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ خلیجی ممالک آج بھی سخت بحران کا شکار ہیں اور ان کا سیاسی ومذہبی منظر نامہ آج بھی جوں کا توں ہے۔ سعودی حکمراں ہوں یا اماراتی وکویتی سربراہانِ مملکت یہ سب امریکہ واسرائیل کی غلامی میں جی رہے ہیں اور خلیج میں آج بھی امریکہ پوری طرح دخیل ہے۔ عراق اور لیبیا کو لوٹا جا چکا ہے اور مشرق وسطیٰ میں غزہ کھنڈر بن چکا ہے۔ دسمبر 1990ء میں شائع شدہ یہ کتاب آج بھی انتہائی قابل مطالعہ ہے۔ یہ کتاب مولانا یٰس اختر مصباحی اور مولانا مبارک حسین مصباحی نے مشترکہ طور پر مرتب کی ہے اور المجمع الاسلامی، فیض العلوم محمد آباد گوہنہ نے اپنے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مدارس کے اساتذہ وفارغین نہ کل دنیا کے سیاسی ومذہبی، تہذیبی وسماجی اور اقتصادی وتمدنی احوال سے بے خبر تھے نہ آج ہیں، بلکہ ہر بدلتے موسم پر ان کی کڑی نگاہ رہتی ہے اور ہر طرح کے خطروں سے ملک وقوم کو آگاہ کرنا وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ لیکن الزام تراشی کرنے والوں کو نیند کہاں آنے والی ہے؟

(14) تبرکات کے آداب وفضائل:

فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے "بدر الانوار فی آداب الآثار" نامی رسالہ 1326ھ میں تحریر فرمایا۔ جو ان کے بافیض قلم کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ جس میں انھوں نے انبیا واولیا اور بزرگان دین کے آثار وتبرکات کے آداب وفضائل کو انتہائی موثر اور دل نشیں انداز میں بیان فرمایا ہے، ساتھ ہی ان کی شرعی اور استنادی حیثیت پر کلام کیا ہے۔ اس میں دلائل وشواہد کی ایک کہکشاں ہے جو متعلقہ موضوع کو اچھی طرح روشن کر دیتی ہے۔ یہ ایک علمی تحقیق ہے جو امام احمد رضا قادری

کے دیگر علمی و تحقیقی فتاویٰ و رسائل کی طرح ایک مستند ماخذ مانی گئی ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی نے افادۂ عام کی غرض سے اس میں کچھ قلمی تصرفات کیے، عنوان بندی کی، عربی و فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا اور کچھ مباحث کی تلخیص فرمائی، پھر ماہ نامہ اشرفیہ جنوری 1993ء تا مئی 1993ء میں قسط وار ان مضامین کو شائع کیا۔ بعد میں تبرکات کے آداب و فضائل کے نام سے کتابی شکل میں المجمع المصباحی مبارک پور کے زیر اہتمام طبع کیا۔ یہ علمی کام حد درجہ قابل مطالعہ ہے۔ صفحات کی تعداد 52 ہے۔

(15) فلسفۂ قربانی اور عہد جدید کے شبہات:

56 صفحات کو محیط اس کتاب میں دو مبسوط، علمی اور فکر انگیز مضامین ہیں۔ پہلا "اسلام کا فلسفہ قربانی" کے نام سے مولانا بدر القادری مصباحی کا اڑتیس صفحات میں پھیلا ہوا ایک مبسوط، علمی، تحقیقی مقالہ ہے اور دوسرا ذرا مختصر "قربانی اور عہد جدید کے شبہات" کے عنوان پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا تحریر کردہ گیارہ صفحے کا مضمون ہے۔ مولانا بدر القادری کا مضمون کئی عناوین میں منقسم ہے؛ ابتدا میں ذبح عظیم کی تاریخی داستان بیانیہ اسلوب میں پیش کی گئی ہے۔ اس کے بعد اسلام کا فلسفہ قربانی، نظام مصطفیٰ میں قربانی کی حکمتیں، قربانی اور اس کے شرعی احکام کو دلائل و شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کا مضمون ماہ نامہ اشرفیہ مارچ 1998ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جو اسلامی قربانی سے متعلق اسلام دشمن طاقتوں اور نام نہاد تنظیموں کے شبہات کا شافی اور مسکت جواب فراہم کرتا ہے۔ قربانی ایک اسلامی شعار ہے، لیکن جب عید الاضحیٰ کا موقع آتا ہے تو دنیا کو جانوروں کی جان اور جان کی حفاظت و احترام کا خیال ستانے لگتا ہے اور وہ مختلف ذرائع سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیتے ہیں اور قربانی کو غیر انسانی رویے، سفاکی اور ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا موصوف نے اپنے دل چسپ انداز تحریر سے ان تمام شبہات کا ازالہ کیا ہے اور مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے ایک فتویٰ کی روشنی میں سخت محاکمہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"انسانی دل و دماغ اور جسم و توانائی کی نشو و نما کے لیے لحمی غذا آج بھی پوری دنیا کی مسلمہ حقیقت بن گئی ہے۔ دنیا بھر کے ڈاکٹرس اور اطبا ہر دور میں لحمی غذاؤں کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے رہے ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ آج بھی کچھ لوگ قربانی اور ذبیحہ کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں، انھیں غور کرنا چاہیے کہ اگر قربانی ظلم ہے تو ہرے بھرے درختوں کے پھل توڑنا اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو کاٹنا بھی ظلم ہی ہوگا، ہری سبزیوں کی افادیت کا مشورہ بھی بکواس ہی قرار پائے گا۔ یہ دل کش سبزہ زار بھی کائنات حسن کی تصویریں ہیں اور ان میں بھی ایک نوعیت کی زندگی پائی جاتی ہے۔ اور اگر انسانی دنیا اس نقطۂ نظر پر عمل پیرا ہو جائے تو اس کے لیے صحراؤں کی خاک چھاننے اور ریگستانوں کی ریت پھانکنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔"

یہ ایک عمدہ، فکر انگیز اور معلوماتی کتاب ہے جو الزام تراشیوں کا پردہ چاک کرتی ہے اور انصاف پسند دنیا کو سوچنے کا موقع دیتی ہے۔ اس کی اشاعت بار بار ہونی چاہیے۔ المجمع المصباحی مبارک پور نے اسے دسمبر 2000ء میں شائع کیا ہے۔

(16) حافظ ملت اور جمشید پور

حافظ ملت کا جمشید پور سے بڑا گہرا ربط رہا ہے۔ جہاں آج بھی ان کے چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد بستی ہے۔ جہاں 1961ء سے ہر سال بزم عزیزیہ امجدیہ کے زیر اہتمام جشن غوث الوریٰ کا اہتمام ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس پیمان وفا کے تحت جاری ہے جو عزیزی برادران نے اپنے مرشد گرامی حافظ ملت سے کیا تھا۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنی عمر کی آخری گیارہویں تک اس جشن میں شرکت فرمائی، ان کے وصال کے بعد جانشین حافظ ملت علامہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی پابندی سے تشریف لے جاتے ہیں۔ 2011ء میں اس عہد و وفا کو پچاس سال مکمل ہوئے تو اس ربط و تعلق کو تاریخی یادگار بنانے کی غرض سے "حافظ ملت اور جمشید پور" کا خاکہ تیار کیا گیا اور

تقریباً دس مضامین پر مشتمل 56 صفحات میں یہ کتاب شائع کی گئی جو محترم محمد قاسم عزیزی جمشید پوری اور مولانا مبارک حسین مصباحی کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ ہے۔

(17) فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، جلد اول:

یہ ایک ضخیم علمی وفقہی سرمایہ اور مجلس فقہی جامعہ اشرفیہ کی اہم پیش کش ہے جس کی ترتیب کا کام مولانا مبارک حسین مصباحی نے انجام دیا ہے اور تخریج وتحقیق مولانا جنید احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے کی ہے۔ بہت پہلے مولانا مبارک حسین مصباحی نے ماہ نامہ اشرفیہ کے مخصوص کالم میں فتاویٰ حافظ ملت کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ بعد میں مزید کچھ مفتیان اشرفیہ کے فتاویٰ اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے چند رسائل اس میں شامل کیے گئے اور "فتاویٰ جامعہ اشرفیہ" جلد اول کی شکل میں یہ ضخیم علمی سرمایہ منظر عام پر آیا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کو فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں ایک اعتبار حاصل ہے۔ یہاں ہر دور میں ماہر ومشاق مفتیان کرام کی ایک جماعت رہی ہے جن کے فتاویٰ ہندوستان بھر میں مقبول رہے ہیں۔ فتاویٰ جامعہ اشرفیہ سیریز کی مطبوعہ بارہ جلدوں میں اس دعویٰ کا ثبوت تلاش کیا جاسکتا ہے۔ جلد اول میں حضرت حافظ ملت اور دیگر اساتذۂ اشرفیہ کے فتاویٰ شامل ہیں جن کا استنادی مقام مسلم الثبوت ہے۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے تدریسی وانتظامی کاموں میں حد درجہ مشغول ومصروف تھے کہ انھیں تحریر کا زیادہ موقع نہ مل سکا لیکن انھوں نے جتنا لکھا وہ کیف وکم ہر دو اعتبار سے قابل قدر اور معتبر ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کے ذریعہ فتاویٰ حافظ ملت کی ترتیب وتدوین پر مولانا مقبول احمد سالک مصباحی (سابق استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ماہ نامہ اشرفیہ کے تیس سال پورا ہونے پر ایک مہمان اداریے میں لکھتے ہیں:

"(مولانا مبارک حسین مصباحی کے) انھی گوناگوں علمی وقلمی کارناموں میں ایک حیات بخش کارنامہ فتاوائے حضور حافظ ملت کی ترتیب وتدوین بھی ہے جو ہر ماہ ہماری آنکھوں کا سرمۂ بصیرت بنتا ہے۔ یہ میری روح کی آواز ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں سچ مچ اپنے اس عظیم محسن ومربی کی فقیہانہ تحریروں کو آب زر سے لکھوا کر باب کعبہ پر آویزاں کر دیتا اور ہمیشہ تاریخ کے زریں اوراق میں محفوظ کر دیتا۔ کیوں کہ ان کے نوک قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ ہماری جماعتی وقومی تقدیر سے وابستہ ہے۔ لوگ چلے جاتے ہیں اور ان کے علمی کارنامے تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اگر مدیر محترم نے ہم تک یہ سرمایہ نہ پہنچایا ہوتا تو شاید حضور حافظ ملت کی زندگی کا یہ درخشاں باب ہمیشہ کے لیے ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ مجھے حافظ ملت کی ہر تحریر سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ ممکن ہے ان کے فتاویٰ کی تعداد اس قدر نہ ہو جس قدر آج ایک نوجوان کثیر المشق مفتی کی ہوا کرتی ہے لیکن جو کچھ ہے وہ ان کی فقاہت اور تبحر علمی کا آئینہ دار ہے۔" (مہمان اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مئی 2006ء، ص: 8،9)

ان فتاویٰ کی تحقیق وتخریج سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی کی نگرانی میں مکمل ہوئی ہے جس کے لیے مولانا جنید احمد مصباحی بھی انتہائی قابل ستائش ہیں کہ انھوں نے یہ گراں بہا قلمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ 720 صفحات کو محیط یہ مجلد کتاب مجلس فقہی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اکتوبر 2018ء میں اپنے اہتمام سے شائع کی ہے۔

یہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی سترہ کتابوں کا مختصر تعارفی مطالعہ ہے۔ چار کتابیں (امام احمد رضا اور مسلک جمہور، ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل، آفتاب قدس نکلا نور برساتا ہوا، محافظان حرم) تاحال ہماری دسترس میں نہیں، لہٰذا ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال جو کتابیں موجود ہیں ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی ایک باذوق اور حساس صحافی، صاحب اسلوب مصنف اور سنجیدہ تجزیہ نگار ہیں۔ تقریباً اڑتیس برس کا ان کا تحریری سرمایہ ہماری نگاہوں میں ہے جو قلم کاروں کی بھیڑ میں انھیں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

***

مولانا مبارک حسین مصباحی

علمی، فکری اور نثری خدمات

مولانا محمد فداء المصطفیٰ قادری، پی جی ریسرچ اسکالر: دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی کیرلا

مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری خدمات کا مطالعہ دراصل اردو ادب، اسلامی صحافت اور معاصر علمی و فکری تحریکات کے ایک اہم باب کا مطالعہ ہے۔ برصغیر کی علمی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنی تدریسی، تحقیقی، تصنیفی اور قلمی صلاحیتوں کے ذریعے اپنے عہد کی فکری ترجمانی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی انھی ممتاز اہلِ قلم میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی علمی بصیرت، تحقیقی ذوق اور دل نشیں اسلوبِ نگارش کے ذریعے دینی و ملی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ آپ کا تعلق الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی اس عظیم علمی روایت سے ہے جس نے برصغیر میں علمِ دین، دعوت و تبلیغ اور فکری رہنمائی کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی شخصیت ہمہ جہت علمی، فکری اور ادبی خدمات کی آئینہ دار ہے۔ اگرچہ آپ نے تدریس، افتا، تحقیق، صحافت اور تصنیف کے مختلف میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا، تاہم علمی صحافت اور فکری رہنمائی کے شعبے میں آپ کی خدمات کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ آپ نے طویل عرصے تک ماہنامہ ”اشرفیہ“ کی ادارت کے فرائض انجام دیے اور اسے محض ایک رسالے کی حیثیت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اہلِ سنت کی علمی ترجمانی، فکری رہنمائی اور ملی شعور کی بیداری کا ایک مؤثر پلیٹ فارم بنا دیا۔ آپ کے اداریے اپنے دور کے اہم دینی، تعلیمی، سماجی اور قومی مسائل کا نہایت بصیرت افروز تجزیہ پیش کرتے تھے اور قارئین کو مسائل کی درست تفہیم کے ساتھ ان کے مناسب حل کی طرف بھی متوجہ کرتے تھے۔

آپ نے قلم کو صرف اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے اصلاحِ امت، دفاعِ عقائدِ اہلِ سنت، فروغِ تعلیم اور بیداریِ شعور کا ایک مؤثر وسیلہ بنایا۔ آپ کی تحریروں میں علمی گہرائی، تحقیقی پختگی، فکری اعتدال اور ادبی شائستگی کا حسین امتزاج نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ مختلف رسائل و جرائد، بالخصوص ماہنامہ ”اشرفیہ“ کے ذریعے آپ نے دینی، تعلیمی، سماجی، تاریخی اور ملی موضوعات پر گراں قدر مضامین اور اداریے تحریر کیے، جنھوں نے قارئین کی فکری تربیت اور علمی رہنمائی میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی نثر میں ایک صاحبِ علم محقق کی سنجیدگی، ایک مصلحِ امت کا درد اور ایک ذمہ دار صحافی کا شعور بیک وقت جلوہ گر نظر آتا ہے۔

اسی وجہ سے مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری خدمات چند کتابوں یا مضامین تک محدود نہیں بلکہ ایک وسیع علمی و فکری سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کی تحریروں نے اردو دینی ادب کو نئی توانائی بخشی، علمی صحافت کے معیار کو بلند کیا اور نئی نسل کو اپنے دینی و فکری ورثے سے وابستہ رکھنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ چناں چہ آپ کی نثری خدمات کا مطالعہ نہ صرف آپ کی علمی و فکری شخصیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے بلکہ عصرِ حاضر میں دینی صحافت اور اردو نثر کے ارتقا کا جائزہ لینے کے لیے بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

اسی علمی و فکری خدمت کا ایک اہم پہلو عقائدِ اہلِ سنت کا مدلل دفاع اور امت کی فکری رہنمائی ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنے مضامین اور مقالات کے ذریعے عقائدِ اہلِ سنت کی وضاحت کی، فکری انتشار کا جائزہ لیا اور امت کو

رابطہ نمبر: 9037099731 fidaulmusthafa938@gmail.com

اعتدال و استقامت کی راہ دکھائی۔ ان کی تحریروں میں مسلکی تعصب کے بجاے علمی استدلال، اعتدالِ فکر اور تحقیقی انداز نمایاں نظر آتا ہے، جس کی بنا پر ان کی نگارشات علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

تعلیم و تربیت کے میدان میں بھی ان کی خدمات نہایت نمایاں ہیں۔ انھوں نے مدارسِ اسلامیہ کی افادیت، دینی تعلیم کی اہمیت، اساتذہ کی ذمہ داریوں اور طلبہ کی علمی و اخلاقی تربیت جیسے موضوعات پر مسلسل قلم اٹھایا۔ ان کی تحریروں نے اہلِ علم اور طلبہ میں علمی ذوق اور تحقیقی شعور کو فروغ دیا اور دینی تعلیم کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔

اسی طرح اکابر علما اور اسلافِ اہلِ سنت کی خدمات کو محفوظ کرنا بھی ان کے نمایاں کارناموں میں شامل ہے۔ انھوں نے مختلف علمی و دینی شخصیات کی حیات و خدمات پر تحقیقی مضامین تحریر کرکے نہ صرف ان کے علمی ورثے کو محفوظ کیا بلکہ نئی نسل کو اپنے اکابر سے روشناس کرانے کا اہم فریضہ بھی انجام دیا۔ اس اعتبار سے ان کی تحریریں اردو تذکرہ نگاری اور سوانح نگاری کے قیمتی سرمایے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ملی اور سماجی مسائل کے سلسلے میں بھی ان کی نظر نہایت گہری اور حقیقت پسندانہ تھی۔ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش تعلیمی، سماجی اور تہذیبی چیلنجز پر مدلل انداز میں اظہارِ خیال کیا اور ملت کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ ان کے مضامین میں ملت کا درد، قوم کی فکر اور مستقبل کی تعمیر کا جذبہ نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری اور تصنیفی خدمات ان کی علمی شخصیت کا روشن ترین پہلو ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ قلمی خدمت، فکری رہنمائی اور دینی صحافت کے فروغ کے لیے وقف کر دیا۔ اگرچہ وہ ایک کامیاب مدرس، محقق اور مفکر کی حیثیت سے بھی معروف ہیں، لیکن ان کی شناخت ایک صاحبِ طرز ادیب، سنجیدہ صحافی اور بالغ نظر قلم کار کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے۔ ان کی تحریروں میں علمی وقار، تحقیقی گہرائی، زبان کی شستگی اور فکر کی پختگی کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

ان کی تصنیفی خدمات کا دائرہ کتابوں، مقالات، اداریوں، تبصروں اور تحقیقی مضامین تک وسیع ہے۔ ان کی مستقل تصانیف میں "دو عظیم شخصیتیں" اور "خلیج کا بحران: ایک تفصیلی جائزہ" جیسی اہم کتابیں شامل ہیں، جن سے ان کی تحقیقی بصیرت اور تجزیاتی صلاحیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اگرچہ کتابی صورت میں ان کی تصانیف کی تعداد زیادہ نہیں، لیکن ان کا اصل علمی سرمایہ مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین، مقالات اور اداریوں پر مشتمل ہے، جو مقدار و معیار دونوں اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

ان کی قلمی زندگی کا سب سے اہم مرکز ماہنامہ "اشرفیہ" رہا ہے۔ اس رسالے سے ان کی وابستگی محض ایک مدیر کی حیثیت سے نہیں تھی بلکہ وہ اس کے فکری معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے طویل عرصے تک اس کے اداریے تحریر کیے اور ہر دور کے اہم مسائل پر اہلِ علم اور عوام دونوں کی رہنمائی کی۔ ان کے اداریوں میں دینی تعلیم، مدارس اسلامیہ، اصلاحِ معاشرہ، نوجوانوں کی تربیت، قومی یکجہتی، مسلم مسائل، عالمِ اسلام کی صورتِ حال، بین الاقوامی سیاست اور امتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز جیسے موضوعات کو خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ یہی اداریے ان کی فکری بصیرت، وسیع مطالعے اور ملت کے مسائل سے گہری وابستگی کے آئینہ دار ہیں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری خدمات کا ایک اہم پہلو اکابر علما، مشائخ اور اولیاے کرام کی حیات و خدمات سے ان کی گہری وابستگی بھی ہے۔ انھوں نے متعدد علمی و دینی شخصیات پر تحقیقی مضامین تحریر کرکے نہ صرف ان کے علمی، فکری اور اصلاحی کارناموں کو اجاگر کیا بلکہ نئی نسل کو اپنے علمی و روحانی ورثے سے روشناس کرانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اس اعتبار سے ان کی تحریریں سوانح نگاری، تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی کے میدان

میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہیں۔ وہ تاریخ کو محض واقعات کے مجموعے کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اس سے فکری اور عملی رہنمائی اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے باعث ان کی نگارشات علمی افادیت کے ساتھ تربیتی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔

ان کی نثر کا نمایاں وصف اس کی سادگی، شائستگی اور علمی استناد ہے۔ وہ پیچیدہ علمی مسائل کو بھی نہایت سہل، واضح اور مؤثر انداز میں بیان کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی تحریریں عام قارئین کے لیے قابلِ فہم اور اہلِ علم کے لیے قابلِ اعتماد بن جاتی ہیں۔ ان کے اسلوب میں خطیبانہ جذباتیت کے بجائے تحقیقی متانت، اعتدالِ فکر اور مدلل اندازِ بیان نمایاں ہے، جس کے باعث ان کی تحریریں وقتی اثرات سے بالاتر ہو کر دیرپا علمی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

موضوعات کے اعتبار سے بھی مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری خدمات غیر معمولی وسعت اور ہمہ گیری کی حامل ہیں۔ انھوں نے اپنے قلم کو کسی ایک شعبے تک محدود نہیں رکھا بلکہ عقائد و نظریات، تعلیم و تربیت، فقہ و شریعت، تصوف و اخلاق، تاریخ و سیرت، ملی و سماجی مسائل، عالمِ اسلام کے حالات اور معاصر فکری چیلنجز جیسے متنوع موضوعات پر اظہارِ خیال کیا۔ ان کی تحریروں کا مقصد محض معلومات کی فراہمی نہیں بلکہ قارئین کی فکری تربیت، دینی رہنمائی اور اصلاحِ معاشرہ تھا۔

عقائد و نظریات کے میدان میں انھوں نے اہلِ سنت و جماعت کے افکار و تعلیمات کی توضیح اور ان کے علمی دفاع پر خصوصی توجہ دی۔ جدید فکری شبہات اور فتنوں کے تناظر میں انھوں نے ایسے مضامین تحریر کیے جن سے عقیدے کی پختگی اور دینی شعور کے استحکام میں مدد ملی۔ اسی طرح تعلیم و تربیت کے موضوع پر انھوں نے مدارسِ اسلامیہ، دینی تعلیم کی اہمیت، اساتذہ کی ذمہ داریوں اور طلبہ کی علمی و اخلاقی تربیت جیسے مسائل پر مدلل گفتگو کی، جس سے علمی شعور اور تحقیقی ذوق کے فروغ میں مدد ملی۔

اصلاحِ معاشرہ بھی ان کی تحریروں کا ایک مستقل موضوع رہا ہے۔ انھوں نے اخلاقی زوال، خاندانی انتشار، نوجوان نسل کے مسائل اور معاشرتی چیلنجز پر قلم اٹھاتے ہوئے محض مسائل کی نشاندہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے مناسب حل اور اصلاحی پہلوؤں کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اسی طرح ملی اور قومی مسائل کے سلسلے میں انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی، سماجی اور تہذیبی صورتِ حال کا تجزیہ کیا اور ملت میں خود احتسابی، اجتماعی شعور اور احساسِ ذمہ داری کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ قومی یکجہتی اور سماجی ہم آہنگی کے موضوعات پر بھی ان کی آرا اعتدال اور بصیرت کی آئینہ دار ہیں۔

فقہ و شریعت اور تصوف و اخلاق کے موضوعات بھی ان کی نگارشات میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے جدید مسائل کے شرعی پہلوؤں کی وضاحت، اسلامی احکام کی حکمت اور روحانی و اخلاقی تربیت جیسے مباحث پر نہایت متوازن انداز میں اظہارِ خیال کیا۔ تزکیۂ نفس، اخلاص، تقویٰ اور اصلاحِ باطن جیسے موضوعات پر ان کی تحریریں قاری کو ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

اسی طرح عالمِ اسلام کے حالات، مسلم دنیا کو درپیش مسائل اور بین الاقوامی سیاسی تبدیلیوں پر بھی ان کی گہری نظر رہی۔ انھوں نے امتِ مسلمہ کے اجتماعی مسائل پر سنجیدہ اور مدلل انداز میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے قارئین میں عالمی شعور اور فکری حساسیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری و تصنیفی خدمات اردو دینی ادب، اسلامی صحافت اور علمی تحقیق کا ایک گراں قدر سرمایہ ہیں۔ ان کی تحریروں نے علمی ذوق، فکری پختگی، دینی شعور، اخلاقی بیداری اور ملی احساسِ ذمہ داری کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہی ہمہ گیری، اعتدال اور افادیت ان کی نثری خدمات کو اردو دینی ادب میں ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہے اور انھیں آنے والے محققین کے لیے ایک معتبر علمی ماخذ کی حیثیت بخشتی ہے۔

کسی بھی ادیب، محقق یا صحافی کی عظمت کا صحیح اندازہ اس کی

تحریروں کے اثرات اور ان کے علمی و فکری ثمرات سے لگایا جاتا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری خدمات کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی تحریریں محض کاغذ کے صفحات تک محدود نہیں رہیں بلکہ انھوں نے علمی حلقوں، دینی اداروں اور معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی نگارشات نے مطالعہ، تحقیق اور تنقیدی شعور کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور علمی مسائل کو سمجھنے کے لیے ایک متوازن اور سنجیدہ طرزِ فکر فراہم کیا۔

جامعہ اشرفیہ اور اس سے وابستہ علمی حلقوں میں ان کی تحریروں نے تحقیقی مزاج اور فکری سنجیدگی کو فروغ دیا۔ ان کے مضامین اور اداریے محض معلومات کی فراہمی تک محدود نہیں تھے بلکہ قارئین کو غور و فکر اور مسائل کے گہرے تجزیے کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ اسی طرح ان کی صحافتی خدمات نے دینی صحافت کو سنجیدہ علمی بنیادوں پر استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے اداریوں میں وقتی جذباتیت کے بجائے حالات و واقعات کا معتدل اور بصیرت افروز تجزیہ ملتا ہے، جس کے نتیجے میں دینی جرائد کو فکری رہنمائی اور اصلاحِ معاشرہ کا مؤثر ذریعہ بنانے میں مدد ملی۔

ان کی تحریروں کا ایک اہم اثر نئی نسل کو اپنے علمی، دینی اور تہذیبی ورثے سے وابستہ کرنا بھی ہے۔ انھوں نے اکابر علما اور دینی شخصیات کی خدمات کو اس انداز میں پیش کیا کہ علمی تسلسل اور فکری وراثت کے تحفظ کا شعور مضبوط ہوا۔ اسی طرح ان کی نگارشات نے معاشرے میں اعتدال، سنجیدگی، ذمہ داری اور مثبت فکر کو فروغ دیا۔ وہ محض تنقید پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اصلاح، تعمیر اور عملی رہنمائی کے پہلوؤں کو بھی نمایاں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی تحریریں علمی افادیت کے ساتھ عملی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔

ان تمام جہات کے پیشِ نظر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی صرف ایک مصنف یا صحافی نہیں بلکہ ایک صاحبِ فکر عالم، بالغ نظر محقق اور مخلص مصلح تھے، جنھوں نے اپنے قلم کو دین، علم اور ملت کی خدمت کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ ان کی تحریروں میں علمی استناد، تحقیقی گہرائی، فکری اعتدال اور اصلاحِ امت کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے فکری، تعلیمی، سماجی اور ملی مسائل کو گہرائی سے سمجھا اور انھیں علمی انداز میں پیش کیا۔ ان کی قلمی زندگی اس حقیقت کی روشن مثال ہے کہ قلم محض اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں بلکہ علمی بیداری، فکری تعمیر اور اصلاحِ معاشرہ کا ایک طاقتور وسیلہ بھی ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی علمی دیانت، تحقیقی سنجیدگی، اعتدالِ فکر اور مسلسل مطالعہ و تصنیف کا ذوق آج کے طلبہ، محققین اور اہلِ قلم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کی پوری زندگی اس حقیقت کی عملی تفسیر ہے کہ علم کی حقیقی برکت اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب اسے دین کی خدمت، معاشرے کی اصلاح اور انسانیت کی رہنمائی کے لیے بروئے کار لایا جائے۔ اس اعتبار سے ان کی نثری خدمات اردو دینی ادب، اسلامی صحافت اور علمی تحقیق کا ایک گراں قدر سرمایہ ہیں، جن کی افادیت آنے والے زمانوں میں بھی برقرار رہے گی۔

ان کے مجموعی علمی و قلمی کارناموں کے مطالعے سے چند اہم نتائج سامنے آتے ہیں:

اول: مولانا مبارک حسین مصباحی نے اردو دینی نثر کو علمی وقار، تحقیقی گہرائی اور فکری اعتدال سے آراستہ کیا۔

دوم: ماہنامہ "اشرفیہ" کے ذریعے انھوں نے دینی صحافت کو محض خبر رسانی کے دائرے سے نکال کر فکری اور اصلاحی رہنمائی کا مؤثر ذریعہ بنایا۔

سوم: ان کی تحریروں نے اہلِ سنت کے علمی و فکری تشخص کے استحکام، دینی تعلیم کے فروغ اور ملی شعور کی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔

چہارم: انھوں نے تحقیق، مطالعہ، اخلاقی تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کے رجحانات کو فروغ دے کر نئی نسل کو اپنے علمی و تہذیبی ورثے سے مربوط کرنے میں اہم خدمت انجام دی۔

پنجم: ان کی نثری خدمات مستقل تصانیف تک محدود نہیں بلکہ مضامین، اداریوں، تبصروں اور تحقیقی مقالات پر مشتمل ایک وسیع

علمی سرمایہ ہیں، جو اہلِ علم اور محققین کے لیے قابلِ استفادہ ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الغرض مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثری خدمات اردو دینی ادب، اسلامی صحافت اور علمی تحقیق میں ایک مستقل اور قابلِ قدر باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے منتشر علمی ذخیرے کی مزید تحقیق، تدوین اور اشاعت وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، تاکہ ان کے علمی و فکری ورثے کو زیادہ منظم انداز میں محفوظ کیا جا سکے اور آنے والی نسلیں بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

حوالہ جات و مصادر و مراجع:

- مبارک حسین مصباحی، دو عظیم شخصیتیں، مکتبہ نظامیہ حبیبیہ، سنت کبیر نگر، 2005۔

https://www.rekhta.org/ebooks/detail/do-azeem-shakhsiyaten-mubark-husain-misbahi-ebooks?lang=ur

- ماہنامہ "اشرفیہ"، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، اتر پردیش، مختلف شمارے۔

https://www.aljamiatulashrafia.in/monthly_ashrafia.php

- الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، "تعارف الجامعۃ الاشرفیہ"۔

https://www.aljamiatulashrafia.in/aljamiatul-ashrafia.php?lang=EN

- مشرقی آواز جدید، "الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مؤقر استاذ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی"، 5 جون 2026ء۔

https://mashreqiawazjadeed.in06/2026/
/25261/05/

- سنی فتویٰ، فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، مجلس برکات، جلد اول۔

https://sunnifatwa.in/book/27

- ریختہ، "مبارک حسین مصباحی: تمام تحریریں، مضامین اور کتب"۔

https://www.rekhta.org/authors/mubarak-husain-misbahi/all

- ریختہ، "ماہنامہ اشرفیہ کے شمارے (مرتب: مبارک حسین مصباحی)"۔

https://www.rekhta.org/editors/mubarak-husain-misbahi/ebooks

❋❋❋

(ص142 کا بقیہ) جگہ جگہ ایصالِ ثواب کی محفلیں اور تعزیتی اجلاس منعقد ہونے لگے، جن کی رپورٹیں اشرفیہ کو ملتی رہیں انھی تعزیتی کلمات، بیانات اور خطابات کو یکجا کر کے ماہ نامہ اشرفیہ نے ایک خصوصی شمارہ "فقیہ اعظم نمبر" کے نام سے شائع کیا، یہ نمبر چھپن صفحات پر مشتمل ہے اور جولائی 2000ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

جن علماے کرام اور اہل تعلق حضرات کے درد ہاے دل اور اشک ہاے قلم کو اس نمبر میں محفوظ کیا گیا ہے، ان کے نامہاے مبارک یہ ہیں:

حضرت امین ملت، امیر دعوتِ اسلامی مولانا الیاس قادری، عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی، حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، خیر الاذ کیا علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا حافظ حمید الحق برکاتی، مولانا افتخار احمد قادری، علامہ قمر الزماں اعظمی، مولانا عبد الرب امریکہ، علامہ عبد الحکیم شرف قادری، مولانا نوشاد عالم افریقہ، مولانا زاہد سلامی، مولانا بدر عالم مصباحی، کمال الدین اور بہت سے وابستگان جن کے تعزیتی خطوط اس نمبر کی زینت ہیں۔ مزید اکابر اہل سنت کے کچھ وہ خطوط بھی شامل ہیں جو فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے نام بھیجے گئے۔

سیدین نمبر:

مارہرہ شریف کے دو عظیم بزرگ سید العلماء علامہ سید شاہ آلِ مصطفیٰ سید میاں برکاتی اور احسن العلماء علامہ سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں برکاتی قدس سرہما کی حیات و خدمات اور احوال و افکار پر مبنی ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے اکتوبر 2002ء میں "سیدین نمبر" کے نام سے 1332 صفحات پر مشتمل ایک خصوصی مجلہ شائع کیا، یہ مجلہ کسی تاریخی دستاویز سے کم نہیں۔

اس وقیع و ضخیم نمبر پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے باوقار استاذ برادرِ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی زید مجدہ نے ایک تفصیلی تبصرہ رقم فرمایا ہے جو اسی نمبر میں شامل ہے، اس لیے یہاں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

❋❋❋

مولانا مبارک حسین مصباحی کی تحریری خدمات

مفتی عمران رضا عطاری مدنی، المدینۃ العلمیہ، دعوت اسلامی ہند

رب کریم نے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کو قلم کی غیر معمولی صلاحیت، فکری گہرائی اور تحریری مہارت سے خوب نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم آپ کو "فخرِ صحافت"، "ماہرِ قلم" اور "آبروئے قلم" جیسے معزز القابات سے یاد کرتے ہیں۔

آپ کی تحریروں میں شائستگی، سلاست، علمی وقار اور فکری پختگی کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ الفاظ کا برمحل انتخاب، دل نشین تعبیرات، جملوں کا باہمی ربط اور مضامین کی مضبوط ترتیب قاری کو ابتدا سے انتہا تک اپنے ساتھ باندھے رکھتی ہے۔ آپ کا اندازِ نگارش ایسا دلکش اور مؤثر ہوتا ہے کہ پڑھنے والا بے اختیار داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے علمی و تحقیقی مضامین نے علمی حلقوں میں غیر معمولی پذیرائی حاصل کی اور اہلِ علم و دانش کے درمیان آپ کی تحریروں کا چرچا دور دور تک پھیلا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کا نام زبان پر آتا ہے تو ذہن میں قلم، تحریر، مضمون نگاری، صحافت اور علمی خدمات کا ایک پورا جہاں آباد ہو جاتا ہے۔ گویا آپ کی شخصیت علم و قلم کی ان تمام نسبتوں کا حسین عنوان تھی۔

مضمون نگاری کن سے سیکھی...؟

کوئی بھی کام سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مسلسل مشق اور رہنمائی ضروری ہوتی ہے۔ یہی حقیقت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کے تعلیمی دور میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ جب آپ ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں زیرِ تعلیم تھے، تو آپ نے اپنے قیمتی اوقات کو ضائع کرنے کے بجائے تحریری صلاحیتوں کی تربیت کو خصوصی اہمیت دی۔ اس مقصد کے لیے آپ باقاعدگی سے عمدۃ المحققین، خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی (ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ) کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کی علمی و فکری رہنمائی سے استفادہ کرتے۔ آپ اپنے مضامین تحریر کر کے قبلہ مصباحی صاحب کی بارگاہ میں پیش کرتے، جہاں ان کی اصلاح و تصحیح فرمائی جاتی۔ یوں مسلسل محنت، رہنمائی اور اصلاح کے نتیجے میں آپ ایک ماہر اور صاحبِ طرز مضمون نگار کے طور پر سامنے آئے۔

آپ کی کتابیں:

آئیے! اب آپ کی چند علمی و قلمی یادگاروں اور کتب و رسائل کا تذکرہ کرتے ہیں:

خلیج کا بحران * عشقِ رضا کی سرفرازیاں * پیامِ سیرت * اسلام اور ہندوستانی مذاہب کا تصور روحانیت * بر صغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب * جہانِ رئیس القلم * مدارسِ اسلامیہ تاریخ و حقائق کے اجالے میں * الجامعۃ الاشرفیہ ایک مختصر تعارف * امام احمد رضا اور مسلکِ جمہور * کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے...؟ * دو عظیم شخصیتیں * آفتابِ قدس نکلا نور برساتا ہوا * حافظِ ملت اور جمشید پور * شہرِ خموشاں کے چراغ وغیرہ ذٰلک

(فروغِ رضویات میں فرزندانِ اشرفیہ کی خدمات، 405)

منصبِ ادارت پر:

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی علمی، قلمی اور صحافتی خدمات کو دیکھتے ہوئے جامعہ اشرفیہ کے ذمہ داران نے آپ کو ماہنامہ **اشرفیہ، مبارک پور** کا مدیر مقرر فرمایا۔ یہ ذمہ داری آپ نے نہایت اخلاص، دیانت اور للّٰہیت کے ساتھ نبھائی اور رسالے کو علمی و فکری اعتبار سے ایک ممتاز مقام دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

آپ خود بھی مسلسل معیاری مضامین تحریر فرماتے تھے اور ملک بھر کے نامور علما، محققین اور مصنفین سے رابطے میں رہ کر مختلف موضوعات پر ان کی تحریریں حاصل کرکے انھیں ماہ نامہ کا حصہ بناتے تھے۔ اس طرح ماہ نامہ اشرفیہ اہلِ علم کے لیے ایک مضبوط علمی وفکری پلیٹ فارم بن گیا۔

آپ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نئے لکھنے والوں اور نو آموز قلم کاروں کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کی رہنمائی کرتے اور ان کی تحریروں کی اصلاح کرکے انھیں بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ چناں چہ آپ کی تربیت اور سرپرستی میں بہت سے نئے مصنفین نے قلمی میدان میں قدم رکھا اور ان کی معیاری تحریریں ماہنامہ اشرفیہ کی زینت بنیں۔ یوں مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ صرف ایک کامیاب مصنف اور مدیر ہی نہیں تھے بلکہ ایک بہترین مربی، مشفق استاد اور باصلاحیت قلم کاروں کے معمار بھی تھے۔

آپ کے دورِ ادارت میں شائع ہونے والے نمبرات کا اجمالی ذکر ملاحظہ فرمائیں! * پیغمبرِ اعظم نمبر * انوارِ حافظ ملت نمبر * صدر الشریعہ نمبر * سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر * جشن شارح بخاری نمبر * فقیہ اعظم ہند نمبر * سیدین نمبر * وغیرہ۔

حضور امین ملت سید امین میاں برکاتی کے تاثرات:

ماہ نامہ کی شان دار ادارت کے متعلق حضور امین ملت سید امین میاں برکاتی اور سید نجیب میاں حیدر نوری (سجادہ نشین خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ) کے متفقہ تحریر میں ہے:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا معروف جریدہ ماہنامہ اشرفیہ ہمیشہ ان (مولانا مبارک حسین مصباحی) کی پرخلوص علمی اور صحافتی خدمات کا مرہونِ منت رہے گا۔ انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ کو ایک مخصوص مذہبی صحافت کی نہج سے متعارف کرایا اور بے حد معلوماتی، سنجیدہ اور عوام الناس کے کام آنے والے مضامین کی اشاعت کرکے ماہنامہ اشرفیہ کو عوام و خواص کے مابین نہ صرف مقبول کرایا بلکہ استناد اور اعتماد کے ساتھ اس رسالے کے اقبال کو بلند کرنے میں اپنی کامیاب سعی فرمائی۔

سراج الفقہا کے جذبات:

سراج الفقہا مفتی نظام الدین رضوی حفظہ اللہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں: مذہبی صحافت میں ایک مدیر کی ذمہ داریاں بھی کافی ہوتی ہیں۔ مضامین کا انتخاب، احوال و زمان پر نظر اور اس کے متعلق قارئین کے لیے فکری مضامین، تحریر میں شرعی اور مذہبی امور کی رعایت، ادارہ کی ترجمانی کا پاس و لحاظ۔ ان سب کے ساتھ ادارتی صفحات کو ناظرین کے لیے دل چسپ اور معلومات افزا بنانا مولانا کے قلمی اوصاف سے ہے۔ ہم نے ان کے جو اداریے پڑھے ان سے یہ احساس اجاگر ہوا۔ مولانا جب تک صحت مند رہے ان امور کی اپنی نظر و فکر کے لحاظ سے خوب رعایت کی اور ماہنامہ اشرفیہ کو خوب سے خوب تر کی طرف لے جانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نام آتے ہی فوراً لوگوں کا ذہن ماہ نامہ کی جانب چلا جاتا، گویا مرحوم اور ماہنامہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گئے ہوں۔

تحریری ترغیب و حوصلہ افزائی:

مولانا مبارک حسین مصباحی کی ایک خوب صورت عادت تھی کہ مصنفین و محررین کی بڑی قدر کرتے بالخصوص نو آموز قلم کاروں کی حوصلہ افزائی اور دعائیں دینا، شفقت بھرا سلوک آپ کا معمول تھا۔

ایک محرر لکھتے ہیں: ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے چیف ایڈیٹر ہونے کے ناطے انھوں نے جنگ 1857ء کے ڈیڑھ سو سال پورے ہونے پر ایک ضخیم شمارہ ”1857ء نمبر“ نکالنے کا اعلان جاری کیا، مجھے خبر لگی تو میں نے اس جنگ کے ایک نادر پہلو ”انقلاب 1857ء کا جہادی پہلو: صحیح یا غلط؟“ کے عنوان کے تحت ایک طویل تاریخی وفقہی مقالہ قلم بند کیا اور عرس حافظ ملت کے موقع پر جس میں میں نے بھی شرکت کی تھی، اپنے ہاتھ سے حضرت کے حوالے کیا، حضرت بہت خوش ہوئے اور کہا کہ

آپ کا یہ مقالہ ضرور اشاعت پذیر ہوگا، کیوں کہ آپ نے ایک ایسے گوشے پر لکھا ہے جو میرے ذہن میں بھی نہیں تھا اور جب یہ نمبر منظر عام پر آیا تو حضرت نے میرے مقالے کو نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔

میدان تحریر و تصنیف میں شہادتِ علما:

علماے کرام نے اپنے تاثرات میں آپ کی تحریری مہارت، ماہنامہ اشرفیہ کی شان دار ادارت، فنِ صحافت اور دینی خدمات کو نہایت خوب صورت اور عمدہ انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ذیل میں چند تاثرات بطورِ نمونہ پیش خدمت ہیں:

1 سراج الفقہا محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین رضوی برکاتی حفظہ اللہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے کثیر فارغین مختلف شعبوں میں اپنی نمایاں خدمات اور کارناموں کی وجہ سے افق ہند پر روشن و منور ہوئے مگر جس ذات گرامی نے مذہبی اور دینی صحافت کی دنیا میں نقوش ثبت کیے اور اس میدان میں اپنی خوبیوں اور کمالات کی بدولت شہرت و بلندی کے نصف النہار پر پہنچے اسے اہل علم و خرد "مبارک حسین مصباحی" کے نام سے جانتے ہیں۔

تین دہائیوں سے زائد جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ترجمان "ماہنامہ اشرفیہ" کی تسلسل کے ساتھ ادارت کر کے ماہنامہ اشرفیہ کے سب سے طویل عرصے تک مدیر رہنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ مولانا مرحوم، صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ "بر صغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب" ان کی تحریری خدمات کی فہرست میں ایک ایسا نام ہے کہ اگر ان کی کوئی اور تحریر نہ ہوتی تو یہی کتاب ان کے تعارف اور انھیں زندہ رکھنے کے لیے کافی تھی۔ اس کے علاوہ خلیج کا بحران ایک تفصیلی جائزہ، پیام سیرت، عشق رضا کی سرفرازیاں، اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت، جہان رئیس القلم، شہر خموشاں کے چراغ نامی کتابیں شائع ہو کر داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔

2 ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

مذہبی صحافت میں مولانا مبارک حسین مصباحی کا نام معتبر ناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ویسے تو وہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مخصوص کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے لیکن ان کی اصل شہرت ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ کے طور پر ہوئی۔ ان کے نوک قلم سے سیکڑوں مضامین اور درجن بھر سے زائد کتابیں منظر عام پر آئیں۔ زبان و بیان کا بھی خوب ملکہ پایا تھا۔ خطاب کرتے تو خالص خطیب نظر آتے۔ جیسے ہی ماہنامہ اشرفیہ کے صفحات دیکھتے تو ایک ادیب نظر آتے۔ اس طرح ان کی ذات کئی خوبیوں کی حامل تھی۔

تحریر کی ایک مختصر مثال:

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کے قلم کا حسن، عبارت کی روانی، الفاظ کی چاشنی اور تعبیرات کی دل آویزی کس قدر دل موہ لینے والی تھی، اس کا اندازہ ان کی ایک مختصر سی عبارت سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

"بزرگان دین اور مشائخ طریقت کے اعراس حق ہیں، ان کے فیوض و برکات کا چشمۂ نور حیات ظاہری میں بھی ابلتا رہتا ہے اور وصال حق کے بعد بھی ایک پر جوش سیلاب کی طرح ہر طرف امنڈتا رہتا ہے، نہیں بلکہ جسمانی علائق ختم ہوتے ہیں تو روحانی تصرفات میں مزید برق رفتاری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سب قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے، ان کی بے شمار عملی مثالیں تاریخ اسلام میں بھی موجود ہیں۔ اس وقت ہم بات کریں گے خاک ہند کی اس بافیض شخصیت کی جن کے دربار گوہربار میں دنیا کے تمام گوشوں کے لوگ اپنی حاجتوں کو لے کر آتے رہے ہیں، آج بھی آرہے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک آتے رہیں گے۔ ہماری مراد ہیں، مخدوم العالم حضور سید اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ العزیز، جن کی بافیض ذات کو اللہ تعالیٰ نے قدوۃ الکبریٰ، قطب الاقطاب اور غوث العالم کا عظیم ترین منصب عطا فرمایا۔" (ماہ نامہ اشرفیہ، نومبر 2017، ص:3)

رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ حضرت کی جملہ علمی و تصنیفی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کی نجات و بخشش کا ذریعہ بنائے آمین۔ ○○○

مولانا مبارک حسین مصباحی کے ادبی کارنامے

مولانا محمد صدام حسین فیضانی، ڈائریکٹر:-کلیۃ البنات القادریہ اسیانی ضلع کٹیہار

اردو ادب اور اسلامی صحافت کی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنے علم، قلم اور فکر کے ذریعے دیرپا اثرات چھوڑ جاتی ہیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی بھی انھی ممتاز شخصیات میں سے ایک تھے۔ وہ ایک جید عالمِ دین، باصلاحیت ادیب، کہنہ مشق صحافی، کامیاب خطیب اور صاحبِ طرز مصنف تھے۔ ان کی پوری زندگی دینِ اسلام کی خدمت، علم کی اشاعت اور اردو زبان و ادب کے فروغ میں گزری۔ ان کی تحریریں آج بھی اہلِ علم و ادب کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

مولانا کی ادبی خدمات کا ایک اہم میدان صحافت ہے۔ انھوں نے مختلف دینی و ادبی رسائل و جرائد میں مضامین لکھے اور ادارت کے فرائض انجام دیے۔ ان کے اداریے اپنے منفرد اسلوب، مدلل انداز اور فکری گہرائی کے سبب خاص شہرت رکھتے تھے۔ وہ اپنے قلم کے ذریعے معاشرتی، دینی اور تعلیمی مسائل کی نشان دہی کرتے اور ان کے حل کے لیے مثبت تجاویز پیش کرتے تھے۔ ان کی صحافت کا مقصد محض معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ قارئین کی فکری اور اخلاقی تربیت بھی تھا۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی مولانا مبارک حسین مصباحی نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں اور تحقیقی مضامین تحریر کیے۔ ان کی تصانیف میں دینی علوم، سیرت، تاریخ، سوانح اور اصلاحِ معاشرہ جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ قاری کے علم میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی فکری بصیرت کو بھی جلا بخشتا ہے۔

شخصیت نگاری مولانا کی ادبی مہارت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ انھوں نے اکابر علما، مشائخ اور دینی شخصیات کے حالات و خدمات کو نہایت مؤثر انداز میں قلم بند کیا۔ ان کی شخصیت نگاری محض واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ کردار کی خوبیوں، علمی خدمات اور عملی نمونوں کا جامع تعارف ہوتی ہے۔ اس طرح ان کی تحریریں نئی نسل کو اپنے اسلاف سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ایک بہترین مقرر بھی تھے۔ ان کی خطابت میں علم، ادب اور حکمت کا حسین امتزاج نظر آتا تھا۔ یہی خصوصیت ان کی تحریروں میں بھی جھلکتی ہے۔ ان کے مضامین اور مقالات میں دلائل کی مضبوطی، زبان کی شائستگی اور فکر کی گہرائی قاری کو متاثر کرتی ہے۔ وہ اختلافی مسائل میں اعتدال اور توازن کو ملحوظ رکھتے تھے اور ہمیشہ اتحاد، اخوت اور اصلاحِ معاشرہ کی دعوت دیتے تھے۔

اردو زبان کی خدمت کے حوالے سے مولانا کا کردار نہایت اہم ہے۔ انھوں نے اردو کو دینی اور علمی اظہار کا مؤثر ذریعہ بنایا اور اپنے اعلیٰ اسلوبِ نگارش سے اردو ادب کو نئی وسعتیں عطا کیں۔ ان کی تحریریں اس بات کا ثبوت ہیں کہ دینی علوم اور ادبی جمالیات ایک دوسرے کی تکمیل کر سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ مولانا مبارک حسین مصباحی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی علمی، ادبی، صحافتی اور تحقیقی خدمات اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انھوں نے اپنی تصانیف، مضامین، اداریوں اور خطابات کے ذریعے علم و ادب کی جو شمع روشن کی، اس کی روشنی آج بھی اہلِ علم کے دلوں کو منور کر رہی ہے۔ ان کا نام اردو ادب اور اسلامی صحافت کی تاریخ میں ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ ***

saddamfaizani75@gmail.com

مولانا مبارک حسین مصباحی کی تصانیف
ارباب علم و دانش کی نظر میں

پیش کش: مولانا محمد ندیم مصباحی و مولانا محمد زبیر سلامی مصباحی، اساتذہ الجامعۃ الاشرفیہ

زیر نظر مضمون دنیائے اسلام اور بالخصوص بر صغیر پاک و ہند کے نامور محقق، مستند قلم کار اور ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق مدیرِ اعلیٰ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی مایہ ناز اور انقلاب آفریں تصانیف پر لکھے گئے وقیع تبصروں اور علمی آرا کا ایک جامع گلدستہ ہے۔ یہ صرف چند کتابوں کا تعارف نہیں، بلکہ دورِ حاضر میں مدارسِ اسلامیہ کے خلاف ہونے والے منفی پروپیگنڈوں کا ٹھوس تاریخی حقائق کی روشنی میں محاکمہ، مسلمانوں کے داخلی انتشار و افتراق کے اسباب کا مخلصانہ علاج اور اسلاف کی حیات و خدمات کا ایک والہانہ تذکرہ ہے۔ اس مضمون کے مطالعے سے جہاں تصنیف و تالیف کے میدان میں مولانا مصباحی صاحب کی عرق ریزی، عمیق مطالعے اور غیر جانب دارانہ طرزِ تحریر کی عظمت کھل کر سامنے آتی ہے، وہاں ان کے فکر و نظر کی وسعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

پہلا اور دوسرا تبصرہ مولانا کی شاہکار کتاب "مدارسِ اسلامیہ: تاریخ و حقائق کے اجالے میں" کے درخشاں پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے، جس میں حکیم الامت علامہ اقبال کے بصیرت افروز تاثرات کی روشنی میں مدارس کے وجود کو ملتِ اسلامیہ کی بقا کا ضامن ثابت کیا گیا ہے۔ تیسرا تبصرہ "برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب" پر ہے اور آخر میں "شہرِ خموشاں کے چراغ" کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان تبصروں کی یکجائی کا کام کیا ہے مولانا محمد ندیم مصباحی اور مولانا محمد زبیر سلامی مصباحی صاحبان نے۔ (مہتاب پیامی)

مدارس اسلامیہ تاریخ و حقائق کے اجالے میں

صفحات: 56۔ قیمت: 20/ روپے

تبصرہ نگار: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی

ناشر: المجمع المصباحی مبارکپور، اعظم گڑھ

فاضل نوجوان مدیر اشرفیہ مولانا مبارک حسین مصباحی معتبر صحافی اور مستند قلم کار ہیں، جو بھی لکھتے ہیں محققانہ و مورخانہ انداز میں لکھتے ہیں، آج مدارس اسلامیہ پر فرقہ پرست جماعتوں اور بھگوا کیسریا پارٹی کی جو بری نظر ہے اس سے ہر ذی شعور مسلمان واقف ہے لیکن افسوس کہ خود مسلمان کو مدارس سے زیادہ کالج و اسکول اچھے لگتے ہیں اور دینی تعلیم و علما سے انھیں الرجی سی ہوگئی ہے حالاں کہ عقائد ضروریہ دینیہ کی تعلیم ہر مسلم مرد و عورت پر فرض ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب نے حالات کے تناظر میں یہ کتاب لکھی ہے اور اسلامی مدارس و علم دین کی اہمیت و افادیت کو تاریخ و حقائق کے اجالے میں دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ٹائٹل کور، کمپوزنگ، پرنٹنگ مصباحی صاحب ہی کے نفیس مزاج اور خوب صورت اخلاق کی طرح خوب صورت ہے۔

56/ صفحات کی اس کتاب میں مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں۔

(1)- تعلیم و تاریخ کا کیسریا کرن (2)- ملک کی ترقی میں تعلیم کی اہمیت (3)- اسلام کا نظریۂ تعلیم (4)- اسلام سے پہلے علم کی حالت زار (5) ابتدائی مدارس اسلامیہ (6)

ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا آغاز وارتقا (7) عہد مغلیہ میں سلسلہ مدارس اور فروغ دین و دانش (8) اورنگ زیب عالمگیر پر ایک الزام (9) انگریزی دور میں دینی علوم کی کسمپرسی (10)- مدارس اسلامیہ آزادی کے بعد (11)- عہد زوال میں مرکز اہل سنت کا کردار (12)- ملک کی ترقی میں مدارس کا کردار۔

تعلیم و تاریخ کا جس طرح کیسریا کرن بھاجپا اور اس کی معاون فرقہ پرست تنظیمیں اور پارٹیاں کرنا چاہتی ہیں ہر ہندوستانی اس سے بھی واقف ہے اور ملک کی ترقی میں تعلیم کی اہمیت کیا ہے یہ بھی ہر ذی شعور پر روشن ہے۔ ہاں! یہ جاننا سب کے لیے ضروری ہے کہ ”اسلام کا نظریۂ تعلیم کیا ہے“؟ اس کے لیے محترم مصباحی صاحب نے قرآن واحادیث سے حوالے دے کر ظاہر کیا ہے کہ علم والے ہی بلند رتبہ ہوتے ہیں اور یہی انسان کو باقی مخلوقات سے ممتاز ومحترم کرکے انسان کہلائے جانے کا مستحق بناتا ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ عقائد ضروریہ دینیہ کے بعد فقہ وحدیث وغیرہ کا علم فرض کفایہ ہے۔ اسلام ہی نے ساری دنیا کو علم سے آشنا کیا ہے۔ ورنہ اس سے قبل جہالت کی ایسی حکمرانی تھی کہ انسانیت ماتم کناں تھی۔

مصباحی صاحب لکھتے ہیں کہ سب سے پہلا باضابط مدرسہ بنام ”بیہقیہ“ نیشا پور میں قائم ہوا۔ آپ نے ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کے آغاز وارتقا کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی بیان کی ہے۔ انگریزی دور میں ہندوستان میں علوم دینیہ کے بعد مسلمانوں کی علوم دینیہ سے بیزاری پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ امام احمد رضا کے نظریۂ تعلیم اور منظر اسلام کے قیام کا بھی تذکرہ ہے۔ آخر میں دکھایا ہے کہ ملک وقوم کی ترقی میں مدارس اسلامیہ کا رول کیا رہا ہے مگر فرقہ پرور جماعتیں اور موجودہ حکومت انھیں ملک کے لیے خطرہ کا نشان اور دہشت گردی کا اڈا بتا کر اپنی فاترالعقلی اور اسلام دشمنی اجاگر کر رہے ہیں۔ مصباحی صاحب ملک کے لیے مدارس اسلامیہ کے افادی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”اگر یہ مدارس بند ہو جائیں تو لاکھوں نونہالان ملت کی تعلیم وتربیت کی ساری ذمہ داری حکومت کے سر آپڑے گی اور حکومت اربوں روپیہ خرچ کرکے بھی اتنے مہذب اور مفید ادارے نہیں چلا سکتی۔ اس طرح گویا یہ مدارس ملک میں تعلیمی شرح کے اضافے کے ساتھ ہر سال اربوں روپے کا مالی فائدہ بھی کر رہے ہیں۔ کارپردازان سیاست کو شاید اس کا احساس بھی نہیں۔“ (ص:54)

یہ کتاب بہت ہی معلوماتی ہے اور مسلمانوں کے خالص دینی حلقے کے علاوہ جدید تعلیمی حلقوں میں بھی اسے پڑھا جانا چاہیے تاکہ نئی نسل علم دین کی اہمیت وعظمت کو سمجھے اور اس طرف اس کا رجحان بڑھے۔

مدارس اسلامیہ تاریخ وحقائق کے اجالے میں

صفحات:56 قیمت:20/روپئے
ناشر: المجمع المصباحی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو۔پی۔
مبصر: مولانا غلام مصطفیٰ قادری رضوی مصباحی، ناگور،

مدارس اسلامیہ یقیناً دنیا وآخرت کی سرخروئی اور کامیابی کے ذرائع ہیں، ”یہاں کی خاک سے انسان بنائے جاتے ہیں“، ان میں رہ کر انسان اخلاق وکردار کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ یہ تو تعصب وعناد کی حد کہیے کہ انھیں آج دہشت گردی کے اڈے کہا جا رہا ہے اور دنیا بھر میں یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ یہ مدارس اور ان میں پڑھنے والے امن وامان کی فضا کو مکدر کر رہے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں سے امن وسکون کے ذرائع بتائے جاتے ہیں اور چین وسکون کی زندگی یہاں پڑھنے والے بھی محسوس کرتے ہیں۔

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کے وہ احساسات وتاثرات جو مدارس سے متعلق ہیں، میں بہ طور دلیل پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر اقبال کے ایک نیاز مند احمد شجاع اپنی کتاب ”خوں بہا“ میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر اقبال کی ایک محفل میں مذہبی مدارس و مکاتب کا ذکر آیا تو انھوں نے میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے نہایت درد و کرب کے ساتھ فرمایا کہ تمھاری طرح جب میں جوان تھا تو میرے دل کی بھی وہی کیفیت تھی جسے تم اپنے اندر محسوس کرتے ہو۔ میں بھی چاہتا تھا کہ ایک ایسا انقلاب برپا ہو جو مسلمانانِ ہند کو یورپ کی ترقی یافتہ اور متمدن اقوام کی صف میں کھڑا کر دے۔ لیکن جب میں نے یورپ کو قریب سے دیکھا تو میری رائے تبدیل ہوگئی اور اس کے بعد میری پختہ رائے یہی ہے کہ ان مدارس کو اسی حالت میں باقی رہنے دیا جائے، ان کی روایات و اقدار کا تحفظ کیا جائے، مسلمان بچوں کو ان مدارس میں ضرور پڑھایا جائے۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدارس و مکاتب سے غافل اور ان کے اثرات سے محروم ہوگئے تو جس طرح آج غرناطہ، قرطبہ اور الحمرا جیسی چند نشانیوں کے سوا اسپین میں اسلام اور مسلمانوں کے نقوش اور ان کی تہذیب و تمدن کے آثار بے نشان ہو گئے، اسی طرح ہندوستان میں آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور ان کی تہذیب و تمدن کا کوئی نشان بھی یہاں نہیں ملے گا۔ تم لوگ ان مکاتب و مدارس کا تحفظ کرو اور انھیں پھلنے پھولنے دو، یہی تمھاری مذہبی زندگی کے سرچشمے اور ملی و اجتماعی حیات کے مراکز ہیں۔" (خوں بہا بحوالہ نقوشِ فکر از مولانا لیسین اختر مصباحی، ص:316-317)

زیرِ تبصرہ کتاب "مدارس اسلامیہ تاریخ و حقائق کے اجالے میں" مولانا مبارک حسین مصباحی مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی علمی و تحقیقی کاوش کا خوب صورت نمونہ ہے۔ علم اور مدارس سے متعلق موصوف کی نگارشات نے ہمیشہ اہل علم و دانش سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ اشرفیہ کے اداریے بھی میرے جملوں کی تائید کریں گے جو ایک طرف تو قوم و ملت کو بیدار کرنے کے لیے جھنجھوڑ رہے ہیں تو دوسری طرف مسلکِ اہل سنت کی ترویج و اشاعت کے لیے نئے زاویوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اپنی اس تحقیقی کتاب کو مصنف نے تیرہ موضوعات اور عناوین پر تقسیم کیا ہے۔ ابتدائی صفحات میں "علم اور تاریخ کا ایک سرسری جائزہ" کے عنوان سے بتایا گیا ہے کہ معاندینِ و مخالفینِ اسلام نے جہاں اور طریقے سے قومِ مسلم کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیلا ہے، وہیں ان کو علم دین سے بھی متنفر کرنے اور اسلامی تہذیب و تمدن سے بے بہرہ کرنے کی سعی ناکام کی ہے۔ اس سلسلے میں کچھ حقائق بھی پیش کیے گئے ہیں۔

بلا شبہہ ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں علم و تعلیم کا نمایاں حصہ رہا ہے اس لیے آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ملک کے سربراہ اپنے ملک کے اندر علم کی شمع کو تیز تر کرنے کی انتھک کوششوں میں لگے ہیں اپنے ہر علاقے میں علم کے حصول کے مراکز قائم کر کے شہریوں کو تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر دیکھنا چاہتے ہیں، کیوں کہ جس ملک کے افراد تعلیم سے کوسوں دور رہیں گے وہ ملک عروج و ارتقا میں ہمیشہ پیچھے رہے گا۔ مولانا مصباحی صاحب رقم طراز ہیں:

"آج آپ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کا جائزہ لیجیے، جن قائدین کی نظر ملک و قوم کی ترقی پر ہوتی ہے، وہ اپنے ملک کے ہر باشندے کو ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں، ہر فرد کو تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں، ہر فرد کو خوش حال دیکھنا چاہتے ہیں، ہر آنگن میں تہذیب و رواداری کی چاندنی دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب کہ ناکام اور خود غرض قیادت صرف ذاتی خوش حالی اور بقاے قیادت کے گرد گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور اس قسم کے قائد اپنے ملک میں معاشی زبوں حالی اور جہالت و بے راہ روی کو ایک تماشائی کی طرح دیکھتے ہیں تا کہ ان کی معیشت اور قیادت و سربراہی مستحکم رہے اور کوئی دوسرا ان کے مقابل کھڑے ہونے کی جرات نہ کرے۔"

(مدارس اسلامیہ تاریخ و حقائق کے اجالے میں، ص:12-13)

اسلام سے پہلے علم و تعلیم سے اہلِ دنیا ناآشنا تھے، مگر جب اسلام آگیا تو نورِ اسلام اور پھر نورِ علم سے عالم جگمگا اٹھا، اہلِ

دنیا نے اپنا مقام پہچانا اور علم کو صحیح معنوں میں حاصل کر کے بلند مقام حاصل کیا۔ فاضل مؤلف نے اس طرح کی کئی مثالیں پیش کر کے ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ اسلام کی آمد سے پہلے علم کی حالتِ زار کے متعلق لکھتے ہیں:

”جن ممالک میں کسی قدر علوم و فنون کی روشنی دکھائی پڑتی تھی ان میں چین، ہندوستان، بابل، اشوریا، یونان اور روما کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ یونان کے علاوہ دیگر ممالک کے نام نہاد علوم کو ”علم“ جیسے مقدس نام سے موسوم کرنا علم کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اشوریا اور مصر کے علوم توہمات، سحر اور جادو کے مجموعے تھے۔ چین اور ہندوستان صدیوں طلسمات میں گرفتار رہے۔ چین نے اخلاقیات اور ہندوستان نے الہیات میں ناکام ترقی کی اور روما صرف فتوحات میں الجھا رہا۔ یونان ایک ایسا ملک تھا جس نے علم کے میدان میں بڑے بڑے فلاسفر اور مفکرین پیدا کیے اور کئی صدیوں تک عقلی علوم کا سرچشمہ رہا لیکن اخلاقی اور روحانی قدروں سے محروم تھا۔“(ص:22-23)

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:

”اسلامی علوم کا آغاز امی لقب مدنی تاج دار کا مرہونِ منت ہے۔ جن پر غارِ حرا میں پہلی وحی لفظ ”اِقْرَا“ سے نازل ہوئی۔ اولین صحابہ میں صرف دو صحابی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انسانی دنیا کا وہ پہلا فاتح معلم تھا جس نے جنگِ بدر کے قیدیوں کو فدیہ کی ادائیگی مسلمانوں کو تعلیم کتابت قرار دیا۔ چند صحابہ صفّہ پر بیٹھ کر علم و کتاب کی طرف بڑھے اور سلاطینِ علم و حکمت بن کر اٹھے۔ یہ مکتب کی کرامت اور نگاہِ رسول کا فیضان تھا کہ درس گاہِ صفّہ ساری دنیا کے لیے ایک یونیورسٹی بن گئی اور اس کی علمی اور اخلاقی شعاعوں سے عالمِ انسانیت کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا۔“(ایضاً ص:24)

فاضل مصنف نے اس سلسلے میں غیر مسلم دانش وروں کے اعترافات بھی نقل کیے ہیں جو کتاب کے مطالعہ کے درمیان قارئین ملاحظہ کریں گے۔

دنیا میں باضابطہ مدرسہ کہاں قائم ہوا، اس سلسلے میں مؤرخین نے اپنی اپنی تحقیقی کاوشیں کی ہیں، تاہم مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنی وسیع النظری اور تحقیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دلائل سے وضاحت کی ہے کہ سب سے پہلے باضابطہ مدرسہ کا قیام نیشاپور میں بہ نام ”المدرسۃ البیہقیہ“ ہوا اور اپنی بات کو مستند بنانے کے لیے علامہ تقی الدین المقریزی (م 845)کی عبارت بھی نقل کی ہے۔ علامہ موصوف رقم طراز ہیں:

”اسلام میں باضابطہ مدارس کا آغاز تو دورِ صحابہ میں ہوا نہ دورِ تابعین میں۔ یہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا اور سب سے پہلا مدرسہ ”المدرسۃ البیہقیہ“ نیشاپور میں قائم ہوا۔“(مقریزی 363/2، مدارس اسلامیہ، ص:27)

اس کے بعد دنیا بھر میں چھوٹے بڑے مدرسوں کی تفصیلات بھی مولف نے درج کی ہیں، نیز ہندوستان میں بھی مدارس کے آغاز و ارتقا پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور عہدِ مغلیہ میں مدارس کے تعلیم و فروغ، آزادیٔ وطن کے لیے ان میں پرورش پانے والوں کی بے پناہ خدماتِ جلیلہ اور ملک کی آزادی میں مدارس کے ذریعہ خصوصی خدمات انجام دینے کے متعلق بھی کافی مواد جمع کر دیا ہے۔ جو مدارس کو شکوک و شبہات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں انھیں سوچنا چاہیے کہ ہندوستان کی غیر معمولی عزت و شوکت میں انھیں دینی قلعوں کا نمایاں رول رہا ہے۔

فاضل مؤلف رقم طراز ہیں:

”مدارس اسلامیہ سے فارغ ہونے والے علما ملک و معاشرے کی اصلاح کو اپنی دینی اور ملی ذمہ داری سمجھتے ہیں، امن و امان کو بحال رکھنا، ان کی تربیت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تہذیب و ثقافت اور دینی فکر و بصیرت سے شعوری اور عملی طور پر ملک کے گوشے گوشے میں صلاح و فلاح کا ماحول پیدا کرنا چاہتے

ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ دہشت گردی کے اڈے نہیں بلکہ فروغِ علم کے اہم مراکز اور ملک کی تعمیر و ترقی کی تحریک ہیں۔“(ص:53)

المختصر کتاب بڑی عرق ریزی سے ترتیب دی گئی ہے، مصنف نے اپنی علمی اور قلمی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے جو خوب صورت سرورق اور عمدہ کتابت کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے، علما و طلبہ کے ساتھ ساتھ عوام کے لیے بھی معلومات افزا ہے۔ تصنیف و اشاعت کی دنیا میں معروف ادارہ المجمع المصباحی مبارک پور نے اسے شائع کر کے اہم کام انجام دیا ہے۔ مذکورہ ادارہ کی مطبوعات صوری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ ہوتی ہیں۔ رب قدیر مولف اور ناشرین کو جزائے خیر سے نوازے اور ان کی مخلصانہ خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ■■■

برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب

ایک فیصلہ کن تصنیف

تبصرہ نگار: مولانا افروز القادری

بہت سادہ سا ہے اپنا اصول دوستی کوثر
جو ان سے بے تعلق ہے ہمارا ہو نہیں سکتا

یہ کوئی عصر رواں کی بات نہیں، آقائے گیتی پناہ علیہ التحیۃ والثنا کے عہد مبارک ہی میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو چکے تھے۔ ایک عامۃ المسلمین یعنی صحابۂ کرام کا، جن کا منہاج فکر یہ تھا کہ مسلمان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر اپنے عزیز سے عزیز اثاثہ ہائے حیات کی قربانی باعث افتخار و عظمت تصور کرتے اور جذبۂ محبت و نظریۂ عشق رسول میں اتنے مضبوط و متصلب تھے کہ سرور کائنات کے خلاف کوئی ادنی سی گستاخی و بے ادبی بھی برداشت نہ کرتے۔ ساتھ ہی وہ لوگ جو اپنی خباثت باطنی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ذات اقدس کے خلاف محاذ آرائی کرتے، انھیں تہ تیغ کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرماتے تھے۔

دوسرا وہ گروہ جو بظاہر مسلمان تھا اور صدق دل سے ایمان لانے اور حضور کے رسول ہونے کی قسمیں کھاتا، مگر حال یہ تھا کہ دنیائے دل رسول دشمنی اور دین بیزاری کے خس و خاشاک سے اٹی پڑی تھی۔ وہ برابر اس ٹوہ میں لگا رہتا کہ شمع اسلام کی لو کسی طرح مدھم پڑ جائے، رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تقدس کسی ناشائستہ بات سے آلودہ ہو جائے اور مسلمانوں کے دامن کرم سے لپٹی روز افزوں ترقیاں یک قلم ٹھپ پڑ جائیں، مگر ان کا سوچا تو پورا نہ ہوا۔ ہاں! اسلام کا سحابِ رحمت چہار دانگ عالم پر ضرور چھا گیا۔

یہ دونوں گروہ بحیثیت کلمہ گو دین کے اصول میں متفق نظر آتے ہیں۔ اللہ و رسول، قبلہ و قرآن اور روزہ و نماز سب ایک، سب میں اتفاق۔ مگر گروہِ دوم کو صلح جوئی اور عنادِ قلبی کے پیشِ نظر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زبانِ طعن دراز کرنے، یا صحابۂ کرام کو (سرکار سے والہانہ عقیدت کے باعث) بہ نگاہِ حقارت دیکھنے کی وجہ سے (اصولِ دین و عبادات میں اتفاق کے باوجود) ملتِ اسلامیہ سے خارج کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

ان تمہیدی کلمات سے واضح ہو گیا کہ مسلمانوں میں گروہ بندی کی روایت از حد قدیم ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ نظریاتی کشمکش اور مسلکی تعصب کی آہنی دیوار گرا کر خالص رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو معیار بنا کر باہم بغل گیر ہونا ممکن نہ ہو، ورنہ پھر ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ کا مطلب صریح کیا ہوگا۔ اور ”رت زمانہ کی بدلی ہوئی ہے“ کے پیشِ نظر مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق بے حد ضروری ہے۔ کیوں کہ ملتِ اسلامیہ اغیار کے چرکوں سے لہولہان ہے، اگر ایسے نازک وقت میں شیرازہ بند طریقہ پر کوئی لائحہ عمل تیار نہ کیا گیا تو ہمارا تابناک مستقبل کسی حد تک خطرات کی زد میں آسکتا ہے، مگر اتنا تو طے ہے کہ جب تک ہم اپنا سینہ محبتِ رسول کا مدینہ نہیں بنا لیتے، ناممکن ہے کہ گروہوں میں بٹی یہ امت نقطۂ اتحاد پر

جمع ہو سکے گی۔

اسی تناظر میں فخرِ صحافت علامہ مبارک حسین مصباحی نے افتراق و انتشار کے دہانے پر اتحاد کا کوہِ گراں رکھتے ہوئے ”برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب“ کی شکل میں ملتِ اسلامیہ کے خوں چکاں زخموں پر مرہم رکھنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ خدا کرے ان کی یہ سعی، مشکور ہو، اور ہفوات و مزخرفات کی شبِ دیجور میں بھٹکتے راہیوں کے لیے یہ کتاب ہدایت و نور کی صبح کی نوید ثابت ہو۔ خصوصًا اس کے ذریعہ ملت کے رستے ہوئے ناسور مندمل ہو جائیں اور ضائع شدہ توانائیاں عود کر آئیں۔

طوالت کے خیال سے ہم اس کتابِ مستطاب کی انفرادیت وافادیت پر گفتگو کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، سردست یہاں بات صرف ایک خوش کن واقعہ تک محدود رکھیں گے۔

سالِ رواں ماہِ جنوری کے وسط میں ایک ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات ہوئی، جو صلح کلیت کی بنیاد پر فکری و اعتقادی طور سے دیوبندیت کے دامِ تزویر میں آچکے تھے۔ ان کی زندگی کے ابتدائی ایام معمولاتِ اہل سنت کی بجاآوری میں گزرے، مگر جب سے اعتقاد و عمل کے کچھ اپاہجوں اور مصنوعی جنت کے ٹھیکے داروں کی انھیں ہوا لگی، لوازماتِ زندگی سے بیزار ہو کر حور و غلماں کے سحر طراز حسن میں گم سے ہو کر رہ گئے۔ ہر چند انھیں سوادِ اعظم مسلکِ اہل سنت و جماعت کی راہِ نجات پر لانے کی سعی کی گئی مگر نا مشکور و لا حاصل رہی۔ موصوف طبیبِ حاذق کے ساتھ ساتھ دین و شریعت اور مطالعہ کتب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ناساز گار حالات کے باعث تحصیلِ علم کا سلسلہ درس نظامیہ کی ابتدائی جماعتوں تک ہی محدود رہا، تاہم وقت کے کئی مستند علماے اہل سنت سے تلمذ کی سندِ افتخار رکھتے ہیں۔

جادۂ حق و ہدایت سے کج روی کے بعد ذاتی طور پر وہ سکون و سکینت کی انمول نعمت سے محروم ہو چکے تھے، جس کی بازیابی کے لیے انھوں نے ہند و پاک کے بیشتر اربابِ قلم کے شہ پارے ورقًا ورقًا پڑھ ڈالے، مگر صحنِ دل میں اطمینان و قرار کا سپیدۂ سحر کیا نمودار ہوتا شبِ زندگی مزید پُر ظلمت ہو گئی۔

تقویٰ و طہارت کی بے غبار شخصیت حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ کی بارگاہ میں ایک معتقد کی نگاہ جب علامہ مبارک حسین مصباحی کی انقلاب آفریں تصنیف ”افتراق بین المسلمین“ کے پرکشش دیدہ وافروز سرورق پر پڑی تو اس کے اظہارِ شوق پر کتاب اس کے مطالعے کی نذر کر دی گئی۔ خوبیِ اتفاق کہ اس کی دکان سے لگا ڈاکٹر موصوف کا مطب بھی تھا، ڈاکٹر صاحب کسی ضرورت سے باہر نکلے ہی تھے کہ معًا ان کی نظر کتاب پر جا کر ٹک گئی۔ پیہم اصرار کے باعث مجبورًا ان صاحب کو کتاب ڈاکٹر صاحب کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین کے لیے دینا پڑی۔ کتاب کے مطالعے کے بعد ڈاکٹر موصوف کی زندگی نے جو پلٹا کھایا ہے، اس کے بارے میں ان کا تاثر دیدنی ہے کہ جب میں نے کتاب پڑھنا شروع کیا تو کشکولِ مژگاں اشکِ مسرت سے امڈ آیا، اور حریمِ دل کے لات و ہبل ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگے، یہاں تک کہ کتاب کے اختتامیہ کے ساتھ ساتھ دنیاے دل باطل افکار و نظریات کی فرسودگی اور کج فہمی کے نو پیدا اعتقادات کی غلاظت سے پاک ہو گئی۔

ڈاکٹر موصوف اپنے اس انقلاب آفریں سفر کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

”افتراق بین المسلمین“ مصنفہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی میرے مطالعے میں آئی۔ میں نے شروع سے اخیر تک بڑی ہی دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ قلب و روح پر ایک رقت سی طاری ہوتی گئی، اور حضور انور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق سے پورا وجود سرشار و منور ہوتا گیا۔ مولانا موصوف کی منصفانہ اور مخلصانہ طرزِ تحریر سے دل کا میل چھٹتا چلا گیا، اور گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت و کلفت دو آتشہ ہوتی گئی، اور ان کی ہدایت کے لیے دل سے دعا بھی نکلتی رہی کہ اللہ

تعالیٰ دنیا کے تمام مسلمانوں کو دیوانۂ رسول اور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا دے کہ ہر طرف اخوت و محبت کا چراغ جل اٹھے۔ کیوں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر دین و دنیا برباد ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اس طرح سنیت کا ایک اجڑا ہوا چمن پھر سے بہار آشنا ہوا، اور موصوف کا غارت شدہ سکونِ دیدہ و دل دوبارہ میسر آیا۔

فالحمد للہ تعالیٰ یہدی من یشاء الی سواء السبیل**

شہرِ خموشاں کے چراغ

صفحات: 480۔ اشاعت: 2009ء/1430ھ
قیمت مجلد: 200/روپے
ناشر: تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
تقسیم کار: المجمع المصباحی، مبارک پور، اعظم گڑھ
مبصر: محمد ساجد رضا مصباحی

"شہرِ خموشاں کے چراغ" ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی کے ان مضامینی اداریوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے 19 سالہ عہدِ ادارت میں داغِ مفارقت دینے والی شخصیتوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے سپردِ قلم فرمایا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ایک ذمہ دار استاذ، بلند پایہ خطیب اور صاحبِ طرز ادیب ہونے کے ساتھ کہنہ مشق صحافی بھی ہیں۔ بقول سید محمد اشرف مارہروی:

"مبارک حسین مصباحی ہمارے ان قلم کاروں میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں جنھوں نے قلم کی حرمت کو ہمیشہ اولیت دی ہے۔ ان کی کتابیں اور موقر جرائد میں ان کے مضامین دل چسپی اور سنجیدگی سے پڑھے جاتے ہیں، سیمیناروں میں ان کے مقالے توجہ اور رغبت سے سنے جاتے ہیں۔ ان کی کتابوں، مضامین اور مقالات کا بنیادی موضوع ہمیشہ وہ ہوتا ہے جس سے مصنف کا گہرا شعوری تعلق ہوتا ہے معتبر جریدہ "ماہنامہ اشرفیہ" میں ان کے اداریے اپنے موضوع کی اہمیت اور تفہیمی انداز کے باوصف بہت مقبول ہیں۔"

"شہرِ خموشاں کے چراغ" صرف چند رسمی تعزیتی تحریروں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک عہد زریں کی تاریخ اور قوم و ملت کے ان شاہین صفت ہستیوں کے آفاقی کارناموں کی حسین داستان بھی ہے جنھوں نے اپنے خلوصِ پیہم، علم و عمل، عزم و حوصلہ اور افکار و نظریات سے پوری امتِ مسلمہ کو فیض یاب کیا۔ شہرِ خموشاں کے ان چراغوں میں معرفت و طریقت کے سلاطین بھی ہیں اور رازدانِ شریعت بھی، مسند نشینانِ درس و تدریس بھی ہیں اور اربابِ فکر و قلم بھی۔ "شہرِ خموشاں کے چراغ" علوم و فنون کے مختلف شعبوں سے متعلق متنوع شخصیتوں کے تذکارِ جمیل کا حسین مرقع ہے۔ کتاب کی فہرست جدید طرز کی ہے۔ فہرست میں ہر شخصیت سے متعلق تحریر کا ایک جامع اقتباس بھی پیش کر دیا گیا ہے جس سے متعلقہ شخصیت کا اجمالی خدوخال نمایاں ہو جاتا ہے اور دل میں ان کی عظمت کے دیے روشن ہو جاتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں 15 صفحات پر مشتمل مصنف کا ایک دل چسپ اور طنز و لطف سے بھرپور مقدمہ بھی ہے جس میں انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت، نیشنل و انٹر نیشنل میڈیا کی اہمیت و افادیت، تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی میڈیا سیمینار کے اثرات اور کتاب کے مشمولات پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا موصوف نے مقدمے میں نیشنل و انٹر نیشنل میڈیا سے متعلق جن مسائل پر اظہارِ تشویش کیا ہے وہ یقیناً قابلِ توجہ ہیں۔ آج عالمی میڈیا کے تمام شعبوں پر اسلام دشمن طاقتوں کا غاصبانہ قبضہ ہے اور آئے دن نت نئے انداز میں اسلام کے خلاف زہر افشانی کی جا رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ برصغیر میں اسلامی

چہروں کے نام پر غیر اسلامی افکار ونظریات کی اشاعت عام ہے جس سے نئی نسل کا ذہن و دماغ بڑی تیزی کے ساتھ متاثر ہو رہا ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ قوم وملت کے قائدین غفلت کی چادر اتار پھینکیں اور اس تشویش ناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے موثر لائحہ عمل تیار کریں۔ اس تناظر میں ''تنظیم ابنائے اشرفیہ'' کا میڈیا سیمینار ایک خوش آئند اقدام ہے جسے بہ نظرِ استحسان دیکھا جانا چاہیے۔

480 صفحات پر مشتمل ''شہرِ خموشاں کے چراغ'' میں تقریباً 50 جلیل القدر شخصیتوں کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی رحلت پر دل کھول کر آنسو بہائے گئے ہیں۔ تعزیتی تحریروں کا لب ولہجہ غم واندوہ میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ قارئین کی آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں اور ہر قاری اپنے آپ کو بزمِ تعزیت میں آہ وفغاں کرتا محسوس کرتا ہے۔ فقیہ عصر شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر لکھے گئے ان تعزیتی جملوں میں مفارقت کا زخم واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے:

''آہ! اب ہماری سرپرستی کون کرے گا؟ آہ! اب مشکلات میں دادرسی کون کرے گا؟ آہ! اب ہماری غلطیوں پر تنبیہ کون کرے گا؟ آہ! اب بد مذہبوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کون کرے گا؟ آقائے نعمت! تمھاری جدائی کا پہاڑ سے بڑا غم لے کر ہم کس دہلیز پر جائیں؟ تمھاری طرح آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں، تمھاری طرح تسلی کے میٹھے بول بولنے والا کوئی نہیں، کیا آپ اب دار الافتا کبھی نہیں آئیں گے؟ کیا آپ کے دروازے پر عصر کی نشست کی انجمن اب کبھی نہیں سجے گی؟''

کتاب کی پہلی تحریر دسمبر 1990ء کی ہے جو خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کی رحلت پر سپردِ قلم کی گئی ہے، جب کہ آخری تحریر مارچ 2009ء کی ہے جو جواں سال صحافی مولانا شکیل احمد مصباحی نائب مدیر ماہنامہ اشرفیہ کی اچانک رحلت پر نہایت غم آگیں اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ اکثر تحریریں مختصر مگر جامع ہیں۔ شخصیتوں کے اوصاف وکمالات کو نہایت سلیقے سے بیان کیا گیا ہے اور ان کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا گیا ہے۔

خود غرضی، تعصب پرستی اور نفسا نفسی کے اس دور میں جب کہ ہر کس وناکس اپنے ہی کو جماعتِ اہل سنت کا مقتدیٰ اور اسلاف کے علوم وفنون کا تنہا وارث سمجھنے لگا ہے، علما کی باہمی رقابت اور خانقاہوں کی آپسی چپقلش نے ایک ہنگامۂ محشر برپا کر رکھا ہے۔ ایسے میں اعتدال کی راہ پر چلنا ایک مشکل امر ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ امتیازی وصف ہے کہ انھوں نے مشربی تنازعات، گروہی تفریقات اور خانقاہی تعصبات سے بالاتر ہو کر شہرِ خموشاں کے ان تمام چراغوں کی روشنی قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، جو کسی بھی جہت سے جماعتِ اہل سنت کے محسن ومربی ہیں، خواہ ان کی وابستگی کسی بھی خانقاہ یا سلسلے سے ہو، بلا شبہ محسنوں کے احسانات کا اعتراف زندگی کی علامت ہے۔ شاید اسی لیے جہانِ سنیت کے ہر گوشے میں کتاب کی یکساں پذیرائی ہو رہی ہے۔

پاکستان کے مشہور عالمِ دین اور مفسر ومحقق ضیاء الامت پیر کرم شاہ ازہری نے ''ضیاء النبی'' کے نام سے سات جلدوں پر مشتمل سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہے، اس موضوع پر اردو زبان میں اہل سنت وجماعت کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں سیرت کے ضروری گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ زبان وبیان کی چاشنی کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول کا سوز وگداز سطر سطر سے عیاں ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی ''شہرِ خموشاں کے چراغ'' میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''عشقِ رسول کے حقیقی سوز وگداز اور منصبِ رسالت کے کمالِ ادب واحتیاط کے بغیر نہ نعتِ رسول کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی سیرت نگاری سے عہدہ برآ ہوا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

شبلی و سلیمان کی سیرت النبی اور ابوالکلام آزاد اور سلیمان منصور پوری وغیرہ کی سیرت کے موضوع پر کتابیں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے خالی ہیں، ان میں اکثر مقامات پر مستشرقین سے معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ”ضیاء النبی“ لکھ کر جماعتِ اہل سنت کا قرض ادا کر دیا ہے۔“

درج بالا اقتباس مولانا موصوف کی کشادہ قلبی اور حق گوئی و بے باکی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی سیرت النبی سے متعلق ان کے ان الفاظ پر کسی بھی صاحبِ فہم وبصیرت کو چیں بہ جبیں نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ شبلی وسلیمان نے سیرت نگاری کے نام پر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنے پرکھوں کی رَوش پر چلتے ہوئے تنقیصِ شانِ رسالت کے لیے جو ہتھکنڈے اپنائے ہیں وہ ان کے متعصبانہ ذہن وفکر اور علمی افلاس کے واضح ثبوت ہیں۔ ان نام نہاد محققین کی زہر افشانیوں کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں، جن کو پڑھ کر ان کی سیرت نگاری کی حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

(1)- سیرۃ النبی جلد: 3، ص: 774، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ، میں لکھتے ہیں:

”وہ معجزہ جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے، بروایتِ صحیحہ ثابت نہیں۔“

(2)- سیرۃ النبی، جلد: 3، ص: 766 میں ہے:

”ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جاتے تو اجالا ہو جاتا، چناں چہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کی نہیں ملی، دفعتاً آپ تشریف لائے تو چہرۂ مبارک کی روشنی سے سوئی چمک اٹھی اور مل گئی، یہ بالکل جھوٹ ہے۔“

(3)- ص: 775، ج: 3 میں ہے:

”عوام میں مشہور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔“

(4)- سفرِ شام میں ”بحیرہ راہب“ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور بحیرہ راہب کی شہادت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت نا قابلِ اعتبار ہے۔“

(5)- ص: 477، جلد: 3 میں لکھتے ہیں:

”وہ تمام روایتیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے حضرت آمنہ وحلیمہ اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے، وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں۔“

گویا ان نام نہاد محققین کی نظر میں وہ تمام روایتیں بلا دلیل جھوٹی اور نا قابلِ اعتبار ہیں جن سے کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و فضیلت ثابت ہوتی ہے، استاد اور شاگرد (شبلی وسلیمان) کی ان گل افشانیوں کے پیچھے تنقیصِ شانِ رسالت کا وہی جذبۂ فراواں کار فرما ہے جو انھیں اپنے اسلاف سے وراثت میں ملا ہے۔ ورنہ مذکورہ واقعات میں بعض اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں اور بعض ضعیف روایتوں سے لیکن شبلی وسلیمان جیسے مصنفین کو اتنا تو معلوم ہونا ہی چاہیے کہ بابِ فضائل میں بالاتفاق جمہور ضعیف حدیثیں بھی معتبر ہیں۔

شبلی و سلیمان کی ان یاوہ گوئیوں پر چنداں حیرت کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ دونوں تقویۃ الایمانی مکتبِ فکر کے سرگرم نمائندے ہیں جن کی خشتِ اول میں اہانتِ رسول کا گارا شامل ہے۔ لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اہل سنت و جماعت کے معتقدات کا حامل اور ایک معتمد دینی ادارے کا فارغ التحصیل بھی شبلی وسلیمان کی ان مزخرفات پر اپنا قلبی تاثر ان الفاظ میں پیش کرے:

”شبلی کی سیرت کے مطالعہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے اور ان سے لگاؤ کا جذبہ

پروان چڑھتا ہے اور اللہ کی راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کا اندازہ ہوتا ہے جس سے آتشِ حبِ نبی بھڑک اٹھتی ہے۔" (تبصرہ شہرِ خموشاں کے چراغ، از: مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی، مطبوعہ ماہنامہ جامِ نور دہلی، اکتوبر 2009ء)

مجھے لگتا ہے کہ موصوف کو شبلی وسلیمان کی سیرت النبی کی زیارت کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا ہے اور سیرتِ النبی کی غائبانہ عقیدت میں مغلوب ہو کر یہ تاثراتِ قلم بند کر دیے ہیں۔ مولانا علیمی سے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ شبلی وسلیمان کی سیرتِ النبی اور صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی کی معرکہ آرا تصنیف "تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ" کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کریں تو حقیقت آپ پر بھی عیاں ہو جائے گی اور آپ کی عقیدت کا شیش محل خود بخود چکنا چور ہو جائے گا۔

مولانا علیمی کی محدود ذہنیت کا اندازہ ان کے اس اقتباس سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

"(شہرِ خموشاں کے چراغ) میں جس طرح کی فہرست سازی کی گئی ہے اس کے مطابق گوشۂ شارحِ بخاری کا مستقل عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور مستقل نمبرنگ کی..... لیکن پتہ نہیں کن مقاصد کے تحت مصنف نے خلجان میں ڈالنے والا منہج اختیار کیا ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ علامہ ارشد القادری کے تذکرے میں بھی اصل تحریر کے علاوہ دوسرے تعزیتی مکاتب شامل ہیں لیکن وہاں پر منہج فطری اختیار کیا گیا ہے، یہاں گوشۂ علامہ ارشد القادری جیسا نہ کوئی عنوان ہے نہ مستقل نمبرنگ۔"

مولانا علیمی صاحب! آپ پوری طرح اطمینان رکھیں اور کسی طرح کے کنفیوزن کا شکار نہ ہوں۔ یہ دیارِ حافظِ ملت ہے، یہاں ہر کام مبنی بر خلوص ہوتا ہے، یوں بھی فرزندانِ اشرفیہ کا منہجِ نظر کام اور صرف کام ہے، شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی اور رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمہا اللہ دونوں ہی الجامعۃ الاشرفیہ کے قابلِ فخر فرزند ہیں اور جماعتِ اہلِ سنت کے محسن ومربی بھی۔

احباب کی محفلوں میں اکثر کہا جا رہا ہے کہ طلبۂ مدارس اور نئی نسل کے قارئین میں اب خاطر خواہ بیداری آ رہی ہے، تحریر و قلم کے میدان میں بھی ہماری نمائندگی ہونے لگی ہے، جماعتی سطح پر کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ احباب کے ان خیالات سے ایک حد تک مجھے بھی اتفاق ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادھر چند برسوں میں ان نئی بیداریوں کے بطن سے کئی ایسے قلم کار معرضِ وجود میں آئے ہیں جن کے اندر تحقیق ومطالعہ کا رجحان کم اور لکھنے کا خبط زیادہ ہے۔ اسی غلط رجحان کے نتیجے میں وقفے وقفے سے ایسی تحریریں منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں جن سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ تجارتی نقطۂ نظر سے ان تحریروں کی خواہ کتنی ہی اشاعت کیوں نہ ہو، دینی و مذہبی نقطۂ نظر سے ان تحریروں کی اہمیت اخباری تبصروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوتی۔

شہرِ خموشاں کے چراغوں میں برصغیر ہند و پاک کی مقتدر شخصیتوں کے علاوہ عالمِ عرب کے بلند پایہ عالمِ دین، منارۂ حق وصداقت، علامہ سید محمد بن علوی مالکی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں جو دیارِ حرم میں مسلکِ حق اہل سنت و جماعت کے بے باک نقیب تھے۔ انھوں نے حرمِ پاک کے وہابیت زدہ ماحول میں بھی حق وصداقت کا علم بلند کیا۔ آپ کی درجنوں تصانیف آج بھی اہل علم وادب سے داد وتحسین وصول کر رہی ہیں۔

"شہرِ خموشاں کے چراغ" میں اہل علم و ادب کی تین عظیم ہستیوں (معروف فکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی، مفکرِ اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی، معروف نقاد وصحافی مولانا خوشتر نورانی) کے تاثرات بھی شامل ہیں جن سے کتاب اور مصنف کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کا سرورق ذوقِ جمیل کا اعلیٰ نمونہ ہے، امیدِ قوی ہے کہ علمی و ادبی حلقوں میں کتاب کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا اور شہرِ خموشاں کے چراغوں کی روشنی قارئین کے راستے کو دیر تک اور دور تک روشن رکھے گی۔ ❊❊❊

مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی تبصرہ نگاری
تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

مہتاب پیامی، خادم ماہ نامہ اشرفیہ

ادبی تبصرہ نگاری کیا ہے؟

ادبی تبصرہ نگاری کسی ادبی فن پارے کو پڑھ کر اس کا تعارف کروانا، اس کے محاسن و معائب کا غیر جانب دارانہ جائزہ لینا، اور قارئین کو اس کی ادبی قدر و قیمت سے روشناس کرانے کا فن ہے۔ ادبی تبصرہ نگاری سے مراد کسی تصنیف یا تالیف کا ایسا مطالعہ ہے جس میں تبصرہ نگار مصنف کے اسلوب، موضوع، زبان و بیان اور فکری گہرائی کا سنجیدہ جائزہ لیتا ہے۔ مغربی اصطلاح میں اسے Review کہا جاتا ہے، جو تنقید (Criticism) کی ہی ایک ابتدائی، صحافتی اور عوامی شکل ہے۔ تبصرہ نگار قاری اور مصنف کے درمیان ایک پل کا کام کرتا ہے۔

اکثر لوگ تبصرے اور تنقید کو ایک ہی سمجھ لیتے ہیں، جب کہ ان میں واضح فرق ہے: تبصرہ کا دائرہ کار فوری اور وقتی ہوتا ہے۔ اس کا انداز تاثراتی اور بیانیہ ہو سکتا ہے۔ جب کہ تنقید تبصرہ کے مقابلے میں گہرا، وسیع اور نظریاتی عمل ہے۔

ادبی تبصرہ نگاری اور تنقید کو بین الاقوامی تناظر میں سمجھنے کے لیے انگریزی اور عربی کے معتبر ناقدین کی آرا کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ مغربی دنیا نے جہاں تبصرہ نگاری کو جدید اور سائنسی اصولوں سے روشناس کرایا، وہاں عربی ناقدین نے اس میں فصاحت، بلاغت اور اخلاقی و جمالیاتی اقدار کو اولیت دی۔

انگریزی ادب میں تبصرہ نگاری اور تنقید کو تخلیقی عمل کے برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔ وہاں تبصرے کو ایک آئینہ مانا گیا ہے جو ادب کے حقیقی خد و خال واضح کرتا ہے۔

◘ میتھیو آرنلڈ تبصرہ نگار اور ناقد کو معاشرے کا رہنما مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

Criticism is a disinterested endeavour to learn and propagate the best that is known and thought in the world.

یعنی تنقید (اور تبصرہ نگاری) دنیا میں جو کچھ بھی بہترین جانا اور سوچا گیا ہے اسے سیکھنے اور آگے پھیلانے کی ایک بے غرض اور غیر جانب دارانہ کوشش کا نام ہے۔

◘ جدید انگریزی تنقید کے بانی ایلیٹ کے نزدیک تبصرہ نگار کا کام ذاتی پسند ناپسند سے بالاتر ہونا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

The critic must see literature not as a consecrated platitude but as a living whole. Criticism must be the commentation and exposition of art itself.

"ناقد یا تبصرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ ادب کو کسی جمود کا شکار یا فرسودہ شے کے طور پر نہ دیکھے، بلکہ اسے ایک زندہ اکائی کے طور پر تسلیم کرے۔ تبصرہ نگاری کا اصل کام بذاتِ خود فن کی تشریح اور اس کی وضاحت ہونا چاہیے۔"

الیگزینڈر پوپ نے اپنی مشہور نظمیہ تصنیف An Essay on Criticism میں ناقص تبصرہ نگاروں کو خبر دار کرتے ہوئے کہا:

A perfect judge will read each work

of wit / With the same spirit that its author writ.

ایک کامل اور سچا منصف (تبصرہ نگار) ہر تخلیقی شاہکار کو بالکل اسی روح اور جذبے کے ساتھ پڑھے گا جس روح کے ساتھ خود مصنف نے اسے تخلیق کیا ہو۔

عرب ناقدین نے کلاسیکی دور سے ہی شاعری اور نثر پر تبصرے کے گہرے اصول وضع کیے۔ ان کے ہاں اسلوب، زبان کی فصاحت اور معنی آفرینی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چناں چہ کلاسیکی عربی تنقید کی مستند کتاب "الشعر والشعراء" میں ابنِ قتیبہ غیر جانب دارانہ تبصرے کی وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے شاعروں (اور ادیبوں) کے انتخاب میں اپنے سے پہلے لوگوں کی اندھی تقلید نہیں کی... اور نہ ہی میں نے کسی نئے لکھنے والے کے مرتبے کو محض اس کے نئے ہونے کی وجہ سے گھٹایا ہے، اور نہ کسی قدیم لکھاری کو محض اس کے پرانے ہونے کی وجہ سے فضیلت دی ہے (بلکہ معیار پر پرکھا ہے)۔"

قدامہ بن جعفر اپنی معرکہ آرا تصنیف "نقد الشعر" میں تبصرے کی حدود اور محاسن و معایب کے امتیاز پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

"تبصرہ و تنقید کا اصل مقصد اچھے اور عمدہ کلام کو ردی اور ناقص کلام سے الگ الگ کرنا ہے، اور (محض فیصلہ سنانا نہیں بلکہ) اس کی بنیادی وجہ اور علت کو بھی ظاہر کرنا ہے۔"

جدید عربی ادب کے سرخیل ڈاکٹر طٰہٰ حسین تبصرہ نگار کے لیے مکمل آزادی کو شرطِ اول قرار دیتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ایک آزاد تبصرہ نگار اور ناقد کسی بھی طاقت یا دباؤ کے آگے سر نہیں جھکاتا، سوائے اپنے ادبی ضمیر کی آواز اور فنی سچائی کے۔

ان آرا کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انگریز اور عرب ناقدین دونوں ایک ہی نقطے پر متفق ہیں: دیانت داری، تعصب سے پاک مطالعہ، اور فنکار کی روح میں اتر کر بات کرنا۔

مغربی ناقدین جہاں تبصرہ نگاری کو علمی اور فکری وسعت (Intellectual Scope) دینے پر اصرار کرتے ہیں، وہیں عرب ناقدین فنی حسن (Technical Merit) اور تخلیق کار کے ساتھ مکمل انصاف کو تبصرے کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

ادبی دنیا میں تبصرہ نگاری کی اہمیت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے:

- یہ اچھے ادب کی ترویج اور ناقص ادب کی حوصلہ شکنی کرتی ہے۔
- مصنف کو اپنی تخلیق کا عوامی اور فنی ردِعمل معلوم ہوتا ہے، جس سے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔
- عام قارئین کے لیے کتابوں کے انتخاب میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور ان کا ادبی ذوق بیدار ہوتا ہے۔

ادبی تبصرے کے اقسام:

ادبی تبصرے کو اس کے اندازِ بیان، مقصد اور اشاعت کے میڈیم کے لحاظ سے درج ذیل اہم اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

تعارفی یا بیانیہ تبصرہ: اس قسم کے تبصرے کا بنیادی مقصد قاری کو کتاب کے مواد سے واقف کرانا ہوتا ہے۔ اس میں کتاب کا نام، مصنف، ناشر، صفحات، قیمت اور ابواب کی تفصیل دی جاتی ہے۔ تبصرہ نگار اپنی ذاتی رائے دینے کے بجائے کتاب کے مرکزی خیال اور ابواب کے خلاصے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

تاثراتی تبصرہ: اس میں تبصرہ نگار کتاب کے علمی یا فنی محاسن کا علمی تجزیہ کرنے کے بجائے اپنے انفرادی تاثرات کا اظہار کرتا ہے۔ کتاب پڑھتے وقت اس کے دل و دماغ پر جو کیفیت طاری ہوئی، وہ اسے اپنے مخصوص اسلوب میں ڈھال دیتا ہے۔ اس میں معروضیت (Objectivity) کے بجائے موضوعیت (Subjectivity) غالب ہوتی ہے۔

تجزیاتی یا تنقیدی تبصرہ: یہ تبصرے کی سب سے اعلیٰ اور معتبر قسم ہے۔ اس میں کتاب کے صرف ظاہری حسن یا

خلاصے پر اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے فکری و فنی پہلوؤں کا گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مصنف کے نظریات کا تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ کتاب اپنی صنف کے معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔

صحافتی تبصرہ: یہ اخبارات اور ادبی رسائل کے مخصوص کالموں کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اس کی زبان سادہ، عام فہم اور اسلوب مختصر ہوتا ہے۔ اس کا مقصد عام قاری کو فوری طور پر کتاب کی طرف راغب کرنا یا اس کی بنیادی معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔

ادبی تبصرے کی خصوصیات:

معیاری ادبی تبصرے میں کچھ خصوصیات کا ہونا لازمی ہے۔

- دیانت داری اور غیر جانب داری۔
- ذاتی تعصب یا مصلحت سے گریز۔
- تخلیق کار کی شخصیت کے بجائے صرف تخلیق کو مد نظر رکھنا چاہیے۔
- نہ تو مبالغہ آمیز تعریف ہونی چاہیے اور نہ ہی بے جا عیب جوئی۔
- تنقید کا لہجہ شائستہ اور تعمیری ہونا چاہیے۔
- تبصرہ طویل مقالے کی شکل اختیار نہ کرے، بلکہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا مصداق ہو۔
- کتاب کے تمام اہم پہلو کسی نہ کسی حد تک تبصرے کی زد میں آنے چاہئیں۔

ہر شخص اچھا تبصرہ نگار نہیں بن سکتا۔ ایک اچھے تبصرہ نگار کے لیے وسیع المطالعہ ہونا لازمی ہے، نیز کتاب کے موضوع اور صنف پر پہلے سے موجود قلمی رشحات کا اسے علم بھی ہونا ضروری ہے تاکہ تقابلی جائزہ کے وقت انصاف سے کام لے سکے۔ اس کے علاوہ تبصرہ نگار کا اپنا اسلوب دلکش، شائستہ اور لغوت و اصول کی غلطیوں سے پاک ہونا چاہیے اور وہ مصنف کے بین السطور پوشیدہ خیالات اور جذبات کو پکڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ادبی تبصرہ نگاری ایک زندہ ادبی صنف ہے۔ یہ نئے لکھاریوں کی رہنمائی کرنے کے ساتھ زبان و ادب کے ارتقائی سفر کو دستاویزی شکل بھی دیتی ہے۔ ایک دیانت دار اور صاحبِ علم تبصرہ نگار اپنی تحریر سے مردہ کتابوں میں جان ڈال سکتا ہے اور سطحی ادب کے سیلاب کو روکنے میں بند کا کام کر سکتا ہے۔ لوازماتِ تبصرہ کی سختی سے پابندی ہی کسی تبصرے کو وقتی صحافت سے نکال کر دائمی ادب کا حصہ بناتی ہے۔

جب ہم معاصر اردو ادب اور بالخصوص مروجہ مذہبی و علمی مآخذ پر تبصرہ نگاری کا ذکر کرتے ہیں تو مولانا مبارک حسین مصباحی کا نام ایک معتبر اور منفرد استعداد کے حامل تبصرہ نگار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ مولانا مصباحی نے تبصرہ نگاری کو محض ایک صحافتی ضرورت یا رسمی تعارف نہیں بنایا، بلکہ اسے تنقید کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرایا۔ ان کے تبصروں میں جہاں الیگزینڈر پوپ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ”مصنف کی روح اور تخلیقی جذبے“ کو سمجھنے کی کوشش نظر آتی ہے، وہی وہ ابنِ قتیبہ کی طرح ماضی کی اندھی تقلید یا معاصرانہ چشمک سے بالاتر ہو کر غیر جانبدارانہ جائزہ لیتے ہیں۔ ان کا قلم کسی بھی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت مصلحت پسندی کا شکار نہیں ہوتا، بلکہ وہ دیانت داری کے ساتھ کتاب کے فکری و فنی محاسن اور معایب کو قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مولانا موصوف کی ادبی تبصرہ نگاری:

مولانا مبارک حسین مصباحی کے تبصروں کا اسلوب اکثر بیانیہ اور تاثراتی ہوتا ہے حالاں کہ۔ وہ جب کسی تصنیف پر قلم اٹھاتے ہیں، تو سب سے پہلے اس کے موضوع کی اہمیت اور عصرِ حاضر میں اس کی ضرورت کا احاطہ کرتے ہیں لیکن اس کے معًا بعد وہ غیر ضروری تذکار میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ فصاحت اور

استدلال کی قوت کا گہرا علمی محاکمہ تو نہیں کرتے ہیں۔ اگر کتاب میں کہیں فکری لغزش، تاریخی سقم یا لغت و اصول کی غلطی موجود ہو، تو وہ قدامہ بن جعفر کے اس اصول کے تحت کہ "عمدہ کلام کو ناقص سے الگ کیا جائے اور اس کی علت بھی ظاہر کی جائے"، نہایت شائستہ اور تعمیری لہجے میں اس کی نشان دہی ضرور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا تبصرہ صرف قاری کے لیے کتاب کا تعارف نہیں رہتا، بلکہ خود مصنف کے لیے ایک رہنما اور مصلح کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔

ہمارا ماننا ہے کہ کسی بھی صاحبِ قلم کی تحریروں کا تنقیدی جائزہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے فنی محاسن کے ساتھ ساتھ ان گوشوں پر بھی روشنی نہ ڈالی جائے جہاں مزید نکھار کی گنجائش موجود ہو۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کی تبصرہ نگاری جہاں اپنے عالمانہ اسلوب اور علمی دیانت کی وجہ سے جلیل القدر عرب و عجم کے ناقدین کے اصولوں پر پوری اترتی ہے، وہاں فنی اور اسلوبیاتی سطح پر ان کے تبصروں میں کچھ ایسی خامیاں اور حدود بھی نظر آتی ہیں جن کا تذکرہ علمی غیر جانبدارانہ جائزے کے لیے ضروری ہے۔

علاوہ ازیں، مولانا مصباحی کے تبصروں میں عصری تنقیدی رجحانات مثلاً ساختیات، پسِ ساختیات یا جمالیاتی مابعد جدیدیت کا اطلاق نظر نہیں آتا جو معاصر بین الاقوامی ادب کا حصہ بن چکے ہیں۔ بعض اوقات وہ کتاب کے موضوعاتی مواد کو تو گہرائی سے پرکھتے ہیں، مگر اس کے جدید اسلوبیاتی تجربات اور عصری تناظر کو وہ اہمیت نہیں دیتے جس کے میتھیو آرنلڈ یا ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ خواہاں تھے۔ اس موضوعاتی حد اور روایتی معیارِ نقد کی وجہ سے ان کے تبصرے بعض اوقات ایک خاص علمی حلقے تک ہی محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور عام عصری قارئین کے وسیع تر ادبی ذوق کی تسکین کا سامان پوری طرح فراہم نہیں کر پاتے۔

ذیل میں ہم مولانا موصوف کی تبصرہ نگاری کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ مختلف کتابوں پر ان کے تبصروں کی روشنی میں کرنے کی کوشش کریں گے۔

"رندانہ" پر تفصیلی تبصرہ:

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کا زیرِ نظر تبصرہ ہمارے شعری مجموعے "رندانہ" پر ایک تفصیلی، تاثراتی اور صوفیانہ تبصرہ ہے۔ مولانا موصوف کی تحریر صرف روایتی تنقید نہیں ہے، بلکہ اس میں عقیدت، تصوف، اور ادبی ذوق کا حسین امتزاج بھی نظر آتا ہے۔ ذیل میں اس مضمون کی روشنی میں مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی تبصرہ نگاری کے محاسن و معایب کا عمیق جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

مولانا کی تبصرہ نگاری کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مروجہ ظاہری عروضی پیمانوں کے بجائے کلام کو تصوف اور معرفت کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ وہ غزل کی روایتی علامات (شراب، ساقی، مے خانہ) کو مجازی معنوں سے نکال کر حقیقی اور صوفیانہ معنویت عطا کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

"ان شعری نغموں میں مے خانہ ہے، ساقی ہے، شراب ہے، جام و مینا ہے، رندِ سالکانہ ہے اور واعظِ محض ہیں، ہم نے شاعر سے دریافت کیا کہ ساقی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ فرمایا، عام طور پر ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور کہیں کہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی من موہنی شخصیت ہے۔"

یہاں حضرت کا تبصرہ صرف شاعر کے اشعار تک محدود نہیں، بلکہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے تاریخ، احادیث، اولیا کے ملفوظات اور حکایات سے دلائل پیش کیے ہیں۔ حضرت غوثِ اعظم، حضرت اشرف جہانگیر سمنانی، اور بابا فرید الدین گنج شکر کے واقعات کا بیان تبصرے کو دستاویزی اور علمی حیثیت عطا کرتا ہے۔ مٹی کو سونا بنانے والی حکایت یا مرغ کو زندہ کرنے کا واقعہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

مولانا مصباحی نے ہماری غزل گوئی، دیگر اصنافِ سخن پر

گرفت اور ہماری نثر نگاری کو بھی سراہا ہے۔ وہ ہماری زود گوئی اور متنوع اصناف پر قدرت کا اعتراف کھلے دل سے کرتے ہیں۔ انھوں نے ہمارے اس وصف کو بھی نمایاں کیا ہے کہ ہم ماحول کے تقاضوں اور کیفیات کو فوراً گرفت میں لے کر شعر میں ڈھال دیتے ہیں، جو کہ وہبی (فطری) شاعری کی علامت ہے۔ لکھتے ہیں:

”مواقع اور احوال کے تقاضوں کو بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں، یہ آپ کی فطری شاعری کا کمال ہے، یہ خصائص مطالعہ کی کثرت سے نہیں بلکہ ذوق سلیم کی عطا ہوتی ہے...“

زیر نظر تبصرے میں کئی علمی اور ادبی محاسن موجود ہیں، باوجود اس کے، خالص تنقیدی اور ادبی اصولوں کے اعتبار سے اس میں کچھ خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔

ادبی تبصرے کا اصل مقصد کتاب اور شاعر کے فن پر گفتگو ہونا چاہیے۔ تاہم، مولانا یہاں صوفیانہ حکایات، فقر کی تعریف، اور اولیا کے واقعات کے بیان میں اتنے محو ہو گئے ہیں کہ اصل کتاب ”رندانہ“ اور ہمارا فن دونوں پس منظر میں چلے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر بابا فرید کی مٹی کو سونا بنانے والی طویل حکایت کا تعلق ہمارے ایک مصرع ”خاک سے عنبر یا مشک ہو“ سے جوڑنے کے لیے بہت لمبی تمہید باندھی ہے جو قطعی نامناسب ہے۔

تبصرے کی ابتدا میں ہی مولانا نے اعتراف کر لیا کہ وہ عروض اور فن پر گفتگو نہیں کریں گے جب کہ ایک جامع ادبی تبصرے میں فنی محاسن و معایب، بحور کا استعمال، اور زبان و بیان کی خامیوں پر گفتگو ضروری ہوتی ہے۔

ادبی تنقید میں معروضی (Objective) ہونا بھی ضروری ہے۔ مولانا نے ہماری تعریف میں بعض مقامات پر کافی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، علاوہ ازیں صوفی اور واعظ کی بحث، اور واعظ پر شاعر کے طنز کا ذکر بار بار مختلف پیرایوں میں آیا ہے۔ ایک ہی نوعیت کے اشعار کو الگ الگ جگہوں پر نقل کر کے بحث کو طول دیا ہے، جس سے تبصرے کا تاثراتی تسلسل برقرار نہیں رہا۔

مجموعی طور پر یہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی تبصرہ نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کا طرز تحریر روانی، فصاحت اور ادبی چاشنی سے بھرپور ہے۔ اگرچہ علمی گہرائی، حکایات کی کثرت اور حد سے زیادہ مداحی نے اسے خالص ”فنی تنقید“ کے دائرے سے دور کر دیا ہے، لیکن کتاب کے باطنی مزاج اور ”رندانہ“ کے عارفانہ آہنگ کو سمجھنے کے لیے ان کا یہ اندازِ تبصرہ بے حد مؤثر، دل نشیں اور قاری کو مائل کرنے والا ہے۔

نقوشِ فکر اور فکرِ مبارک

ماہنامہ اشرفیہ کے شمارہ مئی 2023 کے صفحہ 39 تا 44 پر ممتاز اور مایہ ناز قلم کار، مفکر، اور صحافی حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کے اداریوں کے مجموعے ”نقوش فکر“ پر علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ موصوف کی یہ تحریر صرف ایک کتاب کا تعارف نہیں ہے، بلکہ بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل کے ہندوستانی مسلم منظر نامے، صحافتی تاریخ اور فکری نشیب و فراز کا ایک جامع، دردمندانہ اور تجزیاتی مطالعہ ہے۔

اس مضمون کی روشنی میں مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی تبصرہ نگاری، اسلوب، فکری گہرائی، بعض اہم نکات کا ایک تفصیلی تجزیاتی مطالعہ پیش کر رہے ہیں:

حضرت موصوف نے اس کتاب پر گفتگو کا آغاز براہِ راست کتاب کے متن سے کرنے کے بجائے ایک وسیع تاریخی کینوس تیار کیا ہے اور 1947ء کی آزادی، علمائے ہند کی قربانیوں، اور انگریز کی چھوڑی ہوئی فرقہ واریت کی سیاست کا ایسا نقشہ کھینچا ہے جس میں ”نقوشِ فکر“ کی اہمیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں:

” جنت نشان بساط ہند پر 15 اگست 1947ء میں آزادی کی پہلی کرن پھوٹی اور ایثار پیشہ مجاہدین کی سرفروشانہ جد وجہد کے نتیجہ میں باشندگان ہند نے ایک پر امن اور خوبصورت

مستقبل کے تصور سے اطمینان کی سانس لی اور اس کے بعد تاریخ ہند کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جنگ آزادی کے دوران مجاہدین ہند نے حب الوطنی کے وفور شوق میں فرقہ وارانہ جذبات سے بالا تر ہو کر جس حیرت انگیز سیاسی یک جہتی اور ملکی رواداری کا مظاہرہ کیا تھا اس کی عطر بیز خوشبوؤں سے تاریخ ہند صدیوں تک مشک بار رہے گی۔ اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ آزادی ہند کے اولین نعرۂ انقلاب سے لے کر غلامی کی زنجیریں توڑنے تک جاں باز علماے ہند نے بالکل وہی کردار ادا کیا ہے جو قافلۂ جسم و جان کو رواں دواں رکھنے میں دل کا ہوتا ہے۔ مجاہدین ہند کو جن الفاظ نے ہمہ دم تازہ دم رکھا اور قدم قدم پر عزم و حوصلہ عطا کیا وہ ہیں انقلاب، زندہ باد، جہاد، مجاہد ہند، شہادت، شہید آزادی اور غلامی سے آزادی! یہ سارے الفاظ علماے کرام اور اردو شعرا کی اصطلاحات وعطیات ہیں۔ اور آج بھی آزادی ہند کی تاریخ نویسی اور تاریخ بیانی کے لیے ان الفاظ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان الفاظ کو نظر انداز کر کے بات کا بتنگڑ تو بنایا جا سکتا ہے لیکن ایثار و قربانی کی دل گداز داستان رقم نہیں کی جا سکتی۔“

اس مضمون میں مولانا مبارک حسین مصباحی تاریخ کی مختلف فکری لہروں کا موازنہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ایک طرف سرسید، ابوالکلام آزاد اور مودودی جیسے حضرات کے لٹریچر پر مسلکِ اسلاف سے انحراف کے سبب تنقید کرتے ہیں، تو دوسری طرف امام احمد رضا قادری سے لے کر علامہ یٰسٓ اختر مصباحی تک کے تصلب فی الدین اور تعمیری فکر کا اعتراف جرأت مندانہ انداز میں کرتے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

”سرسید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی ، مولانا عنایت اللہ مشرقی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا وحید الدین خاں جیسے حضرات کا لٹریچر پڑھ کر کچھ عجیب سا انقباض و تکدر پیدا ہوتا ہے کیوں کہ ان کے اخذ کردہ نتائج کار شتہ عموماً مسلک اسلاف سے منقطع نظر آتا ہے۔“

مولانا مصباحی نے صاحبِ کتاب کے اسلوب کی انفرادیت کو ظاہر کرنے کے لیے جن اقتباسات کا انتخاب کیا ہے، وہ تبصرے کی ادبی جمالیات کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ خاص طور پر کشمیر کے حالات پر علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کے اداریے کا اقتباس اور مجاز کا شعر، مبصر کے اعلیٰ ادبی ذوق کا پتا دیتا ہے۔

انھوں نے صرف کتاب کی تعریف نہیں کی، بلکہ ”حجاز جدید“ اور ”کنز الایمان“ کے اداریوں کے اہم ترین عناوین کی فہرست (جیسے یونیفارم سول کوڈ، گجرات کے حالات، طالبان وغیرہ) شامل کر کے اس تبصرے کو ایک تاریخی اور دستاویزی شکل دے دی ہے، جس سے قاری کو کتاب کی ہمہ جہت افادیت کا علم ایک نظر میں ہو جاتا ہے۔

علمی و ادبی بلندی کے باوجود، خالص تنقیدی اصولوں کی کسوٹی پر اس مضمون میں کچھ کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں:

مضمون کا ایک بڑا حصہ دار القلم دہلی کے منصوبوں، علامہ ارشد القادری کے خطوط کے اقتباسات، اور دہلی میں مساجد و مدارس کے قیام کی تفصیلات کی نذر ہو گیا ہے۔ اگرچہ یہ خدمات علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کی ہی تھیں، لیکن ایک کتاب (نقوشِ فکر) کے تبصرے میں سوانحی اور تنظیمی تفصیلات کا اس حد تک آ جانا اصل موضوع یعنی ”کتاب کے متن اور اسلوب“ کو کچھ دیر کے لیے پسِ منظر میں دھکیل دیتا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تبصرہ ثابت کرتا ہے کہ وہ صرف اشعار کی صوفیانہ شرح ہی نہیں جانتے، بلکہ جب وہ سیاسی اور سماجی مسائل پر لکھتے ہیں تو ان کا قلم ملکی سیاست کے رگ و ریشے سے واقف نظر آتا ہے۔ طوالت، سوانحی تفصیلات کی کثرت اور تنقیدی گرفت نہ ہونے کے باوجود، یہ تحریر علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کی صحافتی عظمت اور ان کے تاریخی اداریوں کی معنویت کو اجاگر کرنے میں مکمل طور پر کامیاب ہے۔ یہ ایک

ایسی تحریر ہے جو آنے والی نسلوں کو "نقوش فکر" کے مطالعے کی نہ صرف دعوت دیتی ہے بلکہ اس کا شعور بھی عطا کرتی ہے۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین" پر اظہار خیال

"نور کے ساغر میں حمد و مناجات کی تابشیں" کے عنوان سے مولانا مبارک حسین مصباحی کا زیر نظر مضمون "دبستانِ نوابیہ عزیزیہ" (قاضی پور شریف) کے بانی اور ممتاز مذہبی شاعر حضرت سید محمد نور الحسن نورؔ نوابی عزیزی کے حمدیہ و مناجاتیہ مجموعے "ایاک نعبد و ایاک نستعین" پر ایک گہرا، تاثراتی، صوفیانہ اور علمی تبصرہ ہے جو ماہ نامہ اشرفیہ کے نومبر، دسمبر 2021 میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ یہ تحریر مولانا کی روایتی عقیدت مندانہ اور فصیح تبصرہ نگاری کا ایک اور خوبصورت نمونہ ہے۔

مضمون کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ تقدیسی شاعری کے تقدس اور اس کے نازک حدود کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ وہ تقدیسی شاعری کو "فن" نہیں بلکہ "توفیقِ الٰہی" اور "عشق و اطاعت" کا مظہر قرار دے کر تبصرے کا رخ متعین کرتے ہیں۔

شاعر کے کلام کی معنویت کو اجاگر کرنے کے لیے مولانا مبارک حسین نے کائنات کے مادی نظام کو قرآنی آیات سے جوڑا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنے حال و قال سے خدا کی تسبیح کر رہی ہے، جس کی ترجمانی شاعر نے اپنے اشعار میں کی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ آلِ عمران اور سورۂ اعراف کی آیات کا استشہاد تحریر کو وقارِ تحقیق عطا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

آگے چل کر مولانا مصباحی شاعر کے اسلوب کی بندشوں، تراکیب اور الفاظ کے انتخاب کی کھل کر داد دیتے ہیں، فصیح و بلیغ تراکیب پر ان کی فنی گرفت نہایت گہری اور دلکش ہے، تحریر کرتے ہیں:

اس کا ہی خرام نکہتِ گل
امواج کی نغمگی اسی کی

"خرامِ نکہتِ گل" کی بندش کو شعر میں پرونے کا انداز ملاحظہ فرمائیے۔ کس کمالِ فن کے ساتھ ادبی و فکری جملے کا استعمال کیا گیا ہے۔ جی میں آتا ہے کہ نوکِ قلم چوم لوں۔"

مبصر موصوف نے کتاب کے ساتھ ساتھ "خانقاہ عالیہ نوابیہ عزیزیہ" کی اشاعتی خدمات اور شاعر کے خاندانی و علمی ماحول کا تعارف پیش کیا ہے، جس سے قاری کو شاعر کے فکری سرچشمے (بیک گراؤنڈ) کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

مذہبی شاعری میں سب سے کٹھن مرحلہ توحید اور رسالت کے درمیانی فرق اور ان کے آداب کو برقرار رکھنا ہے۔ فاضل مبصر نے مضمون کی دوسری قسط میں حضرت نورؔ کے اشعار کی روشنی میں عقیدۂ توحید کی ترجمانی نہایت خوبصورت انداز میں کی ہے۔ انھوں نے مروجہ مقولے "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" پر تنقیدی اور قلبی ارتعاش کی بحث کو نہایت فصاحت سے ابھارا ہے۔

انھوں نے صرف اشعار کے نظریاتی پہلو پر بات نہیں کی، بلکہ شاعر کی تخلیق کردہ نئی بندشوں اور اچھوتے استعارات کی فنی داد بھی دی ہے۔ "ہوا کی قینچیاں" اور "خزاں کے طائرِ سفاک" جیسی جدید تراکیب کو انھوں نے عقلوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی بندشیں قرار دیا ہے۔

مولانا نے تبصرے کو دستاویزی بنانے کے لیے معاصر نقادوں اور بزرگوں کی گواہیاں بھی پیش کی ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کا رباعی کے اوزان پر اطمینان کا اظہار کرنا، تبصرے میں معروضی تصدیق (Objective Verification) کا کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ میر و غالب کی زمینوں پر نعت کہنے کا ذکر فنی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

تصوف کے مشکل ترین مباحث (جیسے نفس کشی، ظاہر و باطن کی یکسانی، اور خودی و بے خودی کا ربط) کو بھی مولانا نے بہت ہی سہل مکتوباتی انداز میں سمجھایا ہے۔

ادبی تنقید کا اصول ہے کہ وہ محاسن کے ساتھ ساتھ فن کے تشنہ پہلوؤں پر بھی نظر رکھے۔ تاہم یہاں مولانا نے "نوکِ

قلم چوم لوں" یا "حق ادا کر دیا" جیسے جملوں کے ذریعہ جذباتی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر شعر کی تشریح کرتے کرتے مروجہ مذہبی یا تدریسی مباحث میں دور نکل گئے ہیں۔ مثال کے طور پر "الفاظ میں تاثیر" کے مسئلے پر خطیب ہند مولانا عبید اللہ خان اعظمی اور حضور حافظِ ملت کا طویل مکالمہ نقل کرنا، اگرچہ بذاتِ خود ایک مخلصانہ واقعہ ہے، لیکن کتاب کے تبصرے کے لحاظ سے غیر متعلقہ طوالت کا سبب بنتا ہے۔ بعض مقامات پر انھوں نے ادبی مبالغہ آرائی سے بھی کام لیا ہے۔ ایک جگہ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ "سید نور ایک عظیم شاعر ہیں" اور یہ بھی مانتے ہیں کہ حمد و نعت بے حد نازک صنف ہے، مگر وہ کلامِ نور میں کسی ایک بھی جگہ اوزان، قوافی، یا بیان کی کسی ایسی لغزش کی نشان دہی نہیں کرتے جو تنقید کا بنیادی وظیفہ ہے۔ تبصرہ نگار نے ایک عام فہم شعر "جس کو چاہے اسے عطا کر دے" کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ "اس شعر میں آپ نے لاکھوں صفحات کو نچوڑ کر رکھ دیا ہے"۔ یہ اندازِ بیان ادبی تنقید کے بجائے مذہبی خطابت کا عکاس ہے، جہاں عقیدت کی بنا پر مبالغہ آرائی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ مضمون عقیدت مندانہ اور جمالیاتی تنقید کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس تحریر کا اصل وصف یہ ہے کہ مولانا نے حمد و مناجات کے قرآنی و حدیثی مآخذ کو اس خوبصورتی سے یکجا کیا ہے کہ یہ محض کتاب کا تبصرہ نہیں رہتا بلکہ تقدیسی شاعری کا ایک رہنما مینول بن جاتا ہے۔

اگرچہ اسلوب میں ذاتی قصوں کی شمولیت، مبالغہ آمیز بیانات اور تنقیدی گرفت کی کمی جیسے معائب موجود ہیں، لیکن زبان کی فصاحت، اساتذہ (جیسے میر، غالب اور اعلیٰ حضرت) کے حوالے سے موازنہ، اور فکری جوش و جذبہ اس مضمون کو ادبی و خانقاہی حلقوں میں ایک مخلصانہ، پائیدار اور یادگار تحریر بنا دیتا ہے۔

"یا سید السادات" پر عقیدت مندانہ تبصرہ

حضرت علامہ مفتی محمد قمر الحسن قادری (قمر بستوی) کے نعتیہ مجموعہ "یا سید السادات" (ﷺ) پر مولانا مبارک حسین مصباحی نے 6 مارچ 2023ء کو تبصرہ رقم کیا۔ مولانا مصباحی نے اس تبصرے میں روایتی مبصرین کے برعکس صاحبِ کتاب کے کلام کا مطالعہ کرنے کے لیے باقاعدہ فکری و فنی اصولوں کی درجہ بندی کی ہے۔ انھوں نے پانچ بنیادی نکات کے تحت شاعر کے فکری دھارے کو سمیٹا ہے، جس سے تبصرے میں علمی وزن پیدا ہوا ہے، ملاحظہ کریں:

"ہم جب پیش نظر کتاب میں اشعار پر غور کرتے ہیں تو چند بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں۔

(1)- فکر و فن کی گہرائی، مجمل لفظوں کے انتخاب پر قدرت

(2)- کب کون سے بات کس ڈھنگ سے پیش کی جائے کہ مدعا پیش بھی ہو جائے اور زبان و ادب کی معراج بھی ہو جائے۔

(3)- مقامات کی تقدیس باقی رکھتے ہوئے عشق و وارفتگی اور جوش جنوں کا اظہار۔

(4)- اپنے عہد کی مذہبی اور سماجی قدروں کے تحفظ کے ساتھ قاری اور سامع کے دل میں اپنے دل کی بات اتار دینا۔

(5)- باطل پرستوں کے غلط عقیدوں کی تردید اور اظہار حق کی خوبصورت تعبیر۔"

اس تبصرے میں مبصر نے نعت گوئی کے نازک مرحلے کو عقائدِ اہل سنت اور قرآنی نصوص کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ جب شاعر نے "ٹھکانہ قریبِ جاں تیرا" کہا، تو مولانا نے فوراً سورۂ قٓ کی آیت "وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ" سے اس کی تائید پیش کی، جو نعت کی شرعی حدود کو مبرہن کرتی ہے۔

مولانا مصباحی نے قمر بستوی کی شاعری کا رشتہ "باغِ رضا" (امام احمد رضا محدث بریلوی کے مکتبِ فکر) سے جوڑ کر ان کی شعری و فکری اساس کو واضح کیا ہے۔ انھوں نے مفتی قمر الحسن قادری کی پندرہ سالہ تفسیری خدمت "نور البیان"، ان کی فتویٰ نویسی، رویت ہلال کمیٹی نارتھ امریکہ کی چیئرمین شپ اور امریکہ

میں ان کی دعوتی خدمات کا ذکر کر کے اس ادبی تبصرے کو ایک تاریخی اور سوانحی دستاویز بنا دیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ما قبل میں دیکھا مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ تبصرہ نگاری پر عقیدت کا عنصر ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ وہ اکثر مبالغہ آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے تسلیم کیا کہ حمد، نعت اور منقبت وغیرہ تقدیسی شاعری کے مخصوص اوزان نہیں، لیکن انھوں نے مجموعے میں استعمال ہونے والی بحور، قوافی، یا اسلوب کی کسی فنی خامی پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ مضمون کے آخر میں ان کا یہ اعتراف کہ "احقر کو نہ شعر کہنے کا سلیقہ اور نہ سمجھنے کی لیاقت" اگرچہ ان کی عاجزی ہے، مگر ایک ناقد کے منصب کے لحاظ سے نامناسب ہے۔

مضمون کے آغاز میں وہ کتاب کا ذکر چھوڑ کر دار العلوم محبوب سبحانی ممبئی میں اپنی پہلی ملاقات کے ذاتی احوال، ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت، اور پھر امریکہ میں فقہی و دعوتی اسفار کی تفصیلات میں دور نکل جاتے ہیں، جس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں۔

البتہ مضمون کا سب سے شان دار پہلو یہ ہے کہ مولانا نے نعت کے ادبی محاسن (جیسے پسینے کی خوشبو، صوم وصال کی برہان) کو شریعت و تاریخ اسلام کے شواہد کے ساتھ نہایت فصیح زبان میں پیش کیا ہے۔ طوالت، ذاتی قصوں کی شمولیت اور فنی نقد و جرح سے گریز کے باوجود، یہ تحریر قاری کو "یا سید السادات" کے مطالعے اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصار میں لینے کے لیے ایک نہایت کامیاب اور پرکشش ادبی دستاویز ہے۔

"باشیبان" کا جائزہ

سابقہ تبصروں کی طرح مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تبصرہ بھی عقیدت مندانہ اسلوب اور تاثراتی رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے ہے اس بار ان کے پیشِ نظر خانوادۂ کچھوچھہ مقدسہ کے چشم و چراغ، مفسرِ قرآن اور خطیبِ اعظم حضور شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کی شخصیت اور ان پر بلگام (کرناٹک) سے شائع ہونے والے مجلہ "باشیبان" کا خاص نمبر "شخص اور عکس" ہے۔ یہ تبصرہ ماہ نامہ اشرفیہ فروری 2017ء میں شائع ہوا۔

ذیل میں اس طویل مضمون کی روشنی میں مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی تبصرہ نگاری کی خصوصیات کا تفصیلی تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے:

ہم نے دیکھا کہ مولانا مصباحی کی تبصرہ نگاری محض کتاب کے صفحات تک محدود نہیں رہتی، بلکہ وہ صاحبِ کتاب یا مکتوب الیہ کی شخصیت کا ایک زندہ خاکہ کھینچتے ہیں۔ حضور شیخ الاسلام کی نوادہ (مبارک پور) آمد کا منظر، حضرت عزیز ملت کے ساتھ جامعہ اشرفیہ کی سیر، اور عرس محدثِ اعظم ہند کے موقع پر ملاقاتوں کا احوال تبصرے کو ایک دلکش سوانحی رنگ عطا کرتا ہے۔

مبصر نے مجلے میں شامل مقالات کے حوالے سے حضور شیخ الاسلام کی علمی خدمات، بالخصوص ان کی "تفسیر اشرفی" کی خصوصیات کو نہایت عمدگی سے نمایاں کیا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت کی روشنی میں اسلام کے خاندانی نظام اور تربیتی پہلو پر شیخ الاسلام کے اعتدال پسندانہ نکتۂ نظر کو نقل کرنا تبصرے کے علمی معیار کو بلند کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

"بیبیوں کو مارنے کے تعلق سے غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہ اسلام کا تدریجی تربیتی نظام ہے۔ اس کا مقصد بنیادی طور پر کسی کو اذیت پہنچانا نہیں ہے، بلکہ اس سرکشی کی اصلاحِ حال کے لیے اور اس کے ادب و تہذیب کے دائرے میں لانے کے لیے اپنی حاکمانہ اور مربیانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔" (تفسیر اشرفی دوم ص:176)

مولانا مصباحی نے شیخ الاسلام کی شاعرانہ عظمت کو ثابت کرنے کے لیے مرزا غالب اور ڈاکٹر اقبال کے کلام سے ان کا تقابل کیا ہے۔ غالب کی زمین میں کہی گئی غزل کا مطلع اور اقبال کے "عرقِ انفعال" والے مشہور شعر کے جواب میں اختر کچھوچھوی کا عارفانہ

رنگ پیش کرنا مبصر کے گہرے شعری ذوق کی دلیل ہے۔ دیکھیے:

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اب حضرت اختر کی عارفانہ فکر کا رنگ دیکھیے، اقبال کی فکر سے کتنی مناسبت ہے۔

ضیا جو پھوٹتی ہے قطرۂ اشکِ ندامت سے
اسے مہر درخشاں کی کرن کہنا ہی پڑتا ہے

مضمون نگار نے عجلت کے باوجود حضور شیخ الاسلام کی تقریباً 30 نثری اور شعری تصانیف کی فہرست یکجا کر دی ہے، جس سے قاری کو مکتوب الیہ کی ہمہ جہت علمی قلمرو کا ایک ہی نظر میں اندازہ ہو جاتا ہے۔ تاہم تصانیف کے صرف نام درج کر دینے سے ان کا فکری تعارف تشنہ رہ جاتا ہے، جو کہ ایک جامع تبصرے کی خامی ہے۔

اس تبصرے میں بھی مولانا مصباحی نے اپنے روایتی اسلوب کے مطابق اکثر مقامات پر اصل کتاب کی گفتگو چھوڑ کر ذیلی ملاقاتوں کی تفصیل چھیڑ دی ہے۔ مجلے کے اعزازی مدیر پروفیسر محمد عبد الحمید اکبر کا ذکر آتے ہی وہ گلبرگہ شریف میں ان سے پہلی ملاقات، ان کی قیام گاہ پر جانے اور چائے وغیرہ سے ضیافت کا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں، جو ایک 608 صفحات کی ضخیم کتاب کے ادبی تبصرے میں غیر متعلقہ طوالت کا سبب بنتا ہے۔

مبصر نے خود مضمون کے آخر میں اعتراف کر لیا ہے کہ وہ تنقید نہیں کر رہے بلکہ عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایک ادبی مبصر جب خود کو تنقیدی منصب سے الگ کر لے تو تحریر کا وزن علمی کے بجاے محض تاثراتی رہ جاتا ہے۔ انھوں نے شیخ الاسلام کی غزل گوئی یا نثری اسلوب کی کسی بھی فنی حد بندی پر بات نہیں کی۔ رقم طراز ہیں:

”جو کچھ ہم نے تحریر کیا اسے تبصرہ کہنا مناسب نہیں، یہ تو عقیدت کے چند پھول ہیں۔“

مجلہ ”باشیبان“ کے ”شخص اور عکس“ نمبر پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ اجمالی جائزہ ”عقیدت مندانہ، سوانحی اور تاثراتی تنقید“ کا ایک دلآویز مرقع ہے۔ مضمون کا اختتامیہ نہایت شان دار ہے۔

طوالت، شخصی اسفار کی تفصیلات اور فنی جرح کے فقدان کے باوجود، یہ تحریر اپنی فصاحتِ زبان، اسلوب کی مٹھاس اور تقابلی شعری مثالوں کے باعث حضور شیخ الاسلام کی علمی و صوفیانہ کائنات کی تفہیم کے لیے ایک قیمتی اور یادگار دستاویز ہے۔

”عرض داشت“ پر تجزیاتی تبصرہ

ماہ نامہ اشرفیہ نومبر 2019 میں شائع مولانا مبارک حسین مصباحی کا زیرِ نظر تبصرہ روز نامہ انقلاب پٹنہ (بہار) کے سب ایڈیٹر اور نوجوان مصنف مولانا محمد صابر رضا رہبر مصباحی کی مرتب کردہ کتاب ”عرض داشت“ پر ایک نہایت وقیع، فصیح اور تجزیاتی تبصرہ ہے۔ یہ کتاب دراصل اردو کے بلند پایہ ادیب اور منصف مزاج نقاد پروفیسر صفدر امام قادری کے معرکہ آرا کالموں کا انتخاب ہے۔ مولانا مصباحی نے اس مضمون میں روایتی عقیدت کے ساتھ ساتھ علمی نقد و جرح اور تاریخی تصحیح کا نہایت شاندار مظاہرہ کیا ہے۔

اس تبصرے کا سب سے اہم اور نمایاں حسن یہ ہے کہ اس میں مولانا مصباحی نے صرف روایتی مدح سرائی نہیں کی، بلکہ پروفیسر صفدر امام قادری جیسے بڑے نقاد کی تاریخی و نظریاتی چوک پر کھل کر جرأت مندانہ علمی گرفت کی ہے۔ کالا پانی (انڈمان) کے کالم میں جب پروفیسر صاحب نے مجاہدینِ آزادی بالخصوص علامہ فضلِ حق خیر آبادی کو وہابی تحریک سے جوڑنے کی کوشش کی، تو مولانا نے مضبوط تاریخی حقائق سے اس کی تردید کی۔ صفدر امام قادری کی تحریر سے اقتباس نقل کرتے ہیں پھر لکھتے ہیں:

”پروفیسر صفدر امام قادری فرماتے ہیں:

”غدر کے دوران پہلی بار دو سو قیدیوں کی ٹولی انڈمان کے

لیے روانہ کی گئی۔ ان میں وہابی تحریک کے صف اول کے افراد بشمول احمد اللہ شاہ اور مشہور عالم دین، غالب کے ہم عصر اور دوست علامہ فضل حق خیر آبادی بھی تھے۔ جو تھم جزیرہ اور وایپر جیل ان کے مقدر کا حصہ بنے۔ غیر آباد جزیرے کے جنگلات کی صفائی کی مشقت ان علماے کرام اور مجاہدین آزادی کو کرنی ہوتی تھی۔ رات میں ان غیر آباد علاقوں میں بھی زنجیروں میں قید کر کے انھیں رکھا جاتا تھا۔ سزا کے نظام میں مزید باضابطگی لانے اور مجاہدین آزادی کو نئے نئے امتحانات سے گزارنے کے لیے باضابط ایک بڑی جیل بنانے کا تصور قائم ہوا جس کی تعمیر 1906ء میں مکمل ہوئی۔ ساڑھے تیرہ فٹ لمبے اور سات فٹ چوڑے کمرے تیار کیے گئے اور ایک ساتھ سات سو سے زیادہ قیدیوں کے رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ پھانسی گھر بھی متصل بنایا گیا تاکہ انگریز جسے چاہیں اسے ٹھکانے لگا سکیں۔ جیل کی عمارت اور انداز تعمیر سے آسانی سے ہی نہیں سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ عالیشان سہ منزلہ عمارت اور سات رخوں میں جس کے کمروں کی روشیں مکمل ہو رہی ہوں، وہ ہندستانیوں کو سزا دینے کے لیے تیار کی جا رہی ہیں۔ یہ سمندر کے بالکل قلب میں واقع ہے اور کہنا چاہیے کہ پر فضا مقام پر جیل تعمیر ہوئی تھی۔[ص:184-185]

ان تمام مقامات کو ہم نے دیکھا تھا، محترم مصنف نے ان تمام ..... کو بڑی خوب صورتی سے بیان فرمایا ہے، مگر ایک سوال ہے کہ علامہ فضلِ حق خیر آبادی وہابی تحریک کے فرد نہیں بلکہ آپ نے دہلی کی جامع مسجد میں وہابیوں سے مناظرہ فرمایا تھا۔ شاہ اسماعیل دہلوی کی تردید میں مستقل ایک کتاب "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" تحریر فرمائی تھی۔ حضرت شاہ احمد اللہ مدراسی بھی جاں باز اہلِ سنت و جماعت تھے، صوفی اور حنفی تھے، انگریز گورنر جنرل نے انھیں گرفتار کرنے کے لیے پچاس ہزار روپے کا انعام رکھا تھا، وہ وہابی تحریک کے شدید مخالف تھے۔"

مولانا مصباحی نے کتاب کے مرتب مولانا صابر رضا رہبر مصباحی کے 40 صفحات پر مشتمل مقدمے کی بہترین تعریف کی ہے۔ خاص طور پر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک ضعیف و باطل واقعے (قبر پر کوڑے مارنے کی سزا) کو جس طرح مرتب نے محدثانہ دلائل (مثلاً مصنف عبد الرزاق کے حوالے) سے غلط ثابت کیا، مولانا نے اس کا طویل اقتباس نقل کر کے تبصرے کو دستاویزی ثبوت فراہم کیا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی نے پروفیسر صفدر امام قادری کے کالموں کے تنوع کو خوبصورتی سے نمایاں کیا ہے۔ وہ جہاں ایک طرف پورٹ بلیئر کے دردناک حالات کا نقشہ کھینچتے ہیں، وہیں دوسری طرف پیرس کے ادبی کلچر، وہاں کی تہذیب، ٹریفک نظام اور فرانسیسیوں کی اپنی زبان سے محبت کا دلکش احاطہ کالم کے اقتباسات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ مولانا مصباحی اخبارات کے کالموں کی نفسیات اور ان کی فنی حدود (مثلاً 1300 سے 1500 الفاظ کی قید اور وقت کی تنگی) سے بخوبی واقف ہیں اور وہ اس کا اعتراف کرتے ہوئے مصنف کے اسلوبِ نگارش کی تعریف کرتے ہیں۔

ہم نے محسوس کیا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کا قلم اس تبصرے میں بھی اپنی پرانی ڈگر پر چلتا ہے۔ پورٹ بلیئر اور کالا پانی کا ذکر آتے ہی وہ کتاب کا رخ چھوڑ کر اپنے ذاتی سفر، وہاں کے ایئرپورٹ پر مولانا عبدالرحیم ثمر مصباحی سے ملاقات، مزارات پر حاضری اور عرس کے کامیاب مجمع کی تفصیلات بیان کرنے لگتے ہیں، جس سے کتاب کے اصل متن پر گفتگو کچھ دیر کے لیے معطل ہو جاتی ہے۔ انھوں نے ایک مقام پر اعتراف کیا ہے کہ کتاب میں بعض مقامات پر ان کا نظریاتی اور مذہبی اختلاف ہے، لیکن "وقت اور گنجائش کی کمی" کا ذکر کر کے ان اختلافات پر خاموشی اختیار کر لی، یہ بہر حال مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ایک نقاد کا منصب تفصیلی جرح کا تقاضا کرتا ہے، جسے انھوں نے ٹال دیا۔

کتاب "عرض داشت" پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تبصرہ ان کے دیگر تبصروں کے مقابلے میں زیادہ "علمی،

تحقیقی اور معروضی تنقید" کا حامل ہے۔ اس تحریر کا سب سے جان دار پہلو یہ ہے کہ مولانا نے یہاں عقیدت کے حصار سے باہر نکل کر پروفیسر صفدر امام قادری جیسے نامور نقاد کی تاریخی لغزشوں کو شریعت و تاریخ کے اصولوں پر پرکھا ہے۔

ذاتی اسفار کی تفصیلات اور کچھ مقامات پر مصلحت آمیز خاموشی کے باوجود یہ تحریر اپنے شستہ لب و لہجے، تاریخی اقتباسات کے برمحل انتخاب اور فکری گہرائی کے باعث "عرض داشت" کے صحافتی اور ادبی قد کاٹھ کو سمجھنے کے لیے ایک نہایت اہم، کامیاب اور دلکش ادبی مینو اسکرپٹ ہے۔

"آفتاب بر آمد":

مولانا مبارک حسین مصباحی کا زیرِ نظر تبصرہ الٰہ آباد کی تاریخی خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ کے سجادہ نشین اور ممتاز عالم و شاعر ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہرؔ قادری کے فارسی شعری مجموعے "آفتاب بر آمد" پر ایک نہایت وقیع، تاثراتی اور علمی جائزہ ہے۔ چونکہ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، اس لیے مبصر نے اس کے فکری دھارے، خاندانی پس منظر اور تصوف کے علامتی نظام کو ابھارنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔ یہ تبصرہ ماہ نامہ اشرفیہ ستمبر 2016ء میں شائع ہوا۔

مولانا مصباحی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ صاحبِ کتاب کی علمی و اصولی جڑیں تلاش کرتے ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر شمیم گوہرؔ کے مورثِ اعلیٰ، ان کے والد عزیز العلما، اور ماموں جان کے سوانحی احوال کے ساتھ ساتھ ان کا رشتہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے مکتبِ فکر سے جوڑ کر اس تبصرے کو ایک تاریخی دستاویز بنا دیا ہے۔

اس تبصرے میں مولانا موصوف صرف خانقاہی حدود میں قید ہو کر اشعار کی شرح نہیں کرتے، بلکہ وہ صوفیانہ کلام کو آج کے دور کی دہشت گردی اور بد امنی کے خلاف ایک امن نامے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حمدیہ اشعار کی تشریح میں ان کا یہ سیاسی و سماجی شعور نہایت واضح ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے فکری باریکی کا ثبوت دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت بریلوی کے انداز میں کہی گئی "صنعتِ مجوب" (جس میں فارسی، عربی اور مقامی ہندی/برج بھاشا کے الفاظ کا امتزاج ہوتا ہے) کو کلامِ گوہرؔ سے چن کر پیش کیا ہے، جو ان کے گہرے شعری و لسانی مطالعے کی دلیل ہے۔

گذشتہ تبصروں کے برعکس، یہاں مولانا مصباحی نے دو مقامات پر تنقیدی اور اصلاحی پہلو نمایاں کیے ہیں۔ ایک تو انھوں نے منقبتوں میں پہلے تین خلفاے راشدین کے ذکر کی کمی کو محسوس کیا (اگرچہ اسے شاعر کا مزاج کہہ کر نرمی برتی)، اور دوسرے انھوں نے کتاب کی قیمت پر بے باک تنقید کی۔

مولانا کا قلم یہاں بھی اپنی پرانی عادت کے مطابق صاحبِ کتاب کی علمی خدمات کا ذکر کرتے کرتے اپنی یادوں کی طرف نکل جاتا ہے اور جامعہ اشرفیہ میں داخلے (1985ء) کا ذکر اور لکھنؤ کے ایک سیمینار میں غائبانہ زیارت کا تذکرہ اصل فکری تنقید کے تسلسل کو کچھ دیر کے لیے توڑ دیتا ہے۔

چونکہ زیرِ نظر کتاب "فارسی" زبان میں ہے، اس لیے ناقد کا منصب تقاضا کرتا تھا کہ وہ فارسی بحور، اوزان، تراکیب اور روزمرہ کے برتاؤ پر فنی گفتگو کرتے۔ مولانا نے کلام کا تجزیہ اردو تراجم اور تصورات کی مدد سے تو کیا، مگر خالص فارسی عروض کے اعتبار سے اس پر نقد و جرح کرنے سے دامن بچا لیا، اس کے علاوہ کتاب کے ایک بڑے حصے یعنی "مناقب" پر تفصیلی گفتگو کرنے اور اشعار کی فنی خوبیاں نکالنے کے بجائے، صرف ممدوحین کے اسما کی ایک طویل فہرست دینے پر اکتفا کیا، جس سے لب تنقید تشنہ رہ گیا۔

ڈاکٹر سید شاہ شمیم گوہرؔ کے فارسی مجموعے پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تبصرہ "سوانحی، دستاویزی اور تاثراتی تنقید" کا ایک شان دار امتزاج ہے۔ اس مضمون کی طوالت، ذاتی یادداشتوں اور فارسی فنِ عروض پر تفصیلی بحث نہ ہونے کے باوجود، یہ تحریر فارسی زبان میں لکھے گئے اس جدید تقدیسی سرمایے سے اردو دنیا کو روشناس کرانے میں مکمل طور پر کامیاب ہے۔

"محامد رب" ایک فصیح فکری اور علمی تعارف

مولانا مبارک حسین مصباحی کا زیرِ نظر تبصرہ اردو کے مایہ ناز ادیب، نقاد اور عروض کے ماہر ڈاکٹر صابر سنبھلی کے حمدیہ دیوان "محامدِ رب" پر تحریر کیا گیا ایک نہایت فصیح، فکری اور علمی تعارف ہے۔ اس مضمون میں بھی مولانا مصباحی کا مخصوص اسلوبِ نگارش، شرعی نصوص کا استحضار اور تاثراتی تنقید کا رنگ نمایاں ہے۔ یہ تبصرہ ماہ نامہ اشرفیہ نومبر 2016ء میں شائع ہوا۔

مولانا مصباحی کے سابقہ تبصروں کے مقابلے میں اس تحریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انھوں نے یہاں صاحبِ کتاب کی بات سے مصلحت پسندی کے بغیر علمی اختلاف کیا ہے۔ جب ڈاکٹر صابر سنبھلی نے دعویٰ کیا کہ "حمدیہ شاعری پر تحقیقی یا تنقیدی کام نہیں ہوا ہے"، تو مبصر نے اس پر گرفت کرتے ہوئے پاکستان میں ہونے والے تحقیقی کام کی طرف اشارہ کیا۔ یہ رویہ ایک سچے ناقد کی پہچان ہے۔ لکھتے ہیں:

"شاعر محترم کا یہ فرمانا کہ حمدیہ شاعری پر کام نہیں ہوا ہے، ہمارے لیے سرِ دست محلِ نظر ہے، ہمیں یاد پڑتا ہے کہ پاکستان میں اس موضوع پر کسی حد تک کام ہوا ہے..."

مولانا موصوف نے "حمد" کی لغوی و اصطلاحی تعریف کے ساتھ سورۂ کہف، سورۂ لقمان اور سورۂ ہود کی آیات کے ذریعے خالقِ کائنات کی عظمت کو مبرہن کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی، انھوں نے اشعار میں موجود عقائد (جیسے نظریۂ نور، حادث و قدیم کا فرق) کو شریعت کے آئینے میں نہایت فصاحت کے ساتھ واضح کیا ہے۔

مولانا مصباحی نے ڈاکٹر صابر سنبھلی کی عروضی مہارت کو ظاہر کرنے کے لیے غیاث اللغات کے حوالے سے ایک نایاب فارسی شعری صنعت "گوشوارہ" کا تذکرہ اور اس کا شعری استعمال پیش کیا ہے۔ اس سے مبصر کی ادبی بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے ڈاکٹر صابر سنبھلی کی تعلیمی اسناد (ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی)، مراد آباد کالج میں تدریسی خدمات، اور ان کی 38 سے زائد مطبوعہ کتب کا ذکر کر کے تبصرے کو دستاویزی افادیت بخشی ہے، جب کہ آخر میں قطعۂ تاریخِ طباعت کی شمولیت اس کی مروجہ ادبی روایت کو مکمل کرتی ہے۔

مولانا مصباحی کی دیرینہ اسلوبیاتی کمزوری یہاں بھی موجود ہے۔ صابر سنبھلی کے دیوان پر گفتگو کرتے کرتے وہ وسطِ مضمون میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی نعت گوئی، ان کے وسیلے کے نظریات، اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی کتاب کے اقتباسات کی طرف نکل جاتے ہیں، جس سے کچھ دیر کے لیے "محامدِ رب" کا فکری تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح آخری پیراگراف میں ان کے گھر جانے اور "بین الاقوامی میڈیا سیمینار" کا ذاتی قصہ چھیڑنا بھی موضوع سے انحراف ہے۔

انھوں نے اعتراف کیا کہ دیوان میں 16 حمدیں غزل کی ہیئت میں اور 5 مثنوی کی ہیئت میں ہیں، مگر انھوں نے کلام کے اوزان، بحور کے تنوع اور لسانی ساخت پر کوئی تکنیکی بحث کرنے کے بجائے یہ کہہ کر دامن بچا لیا کہ "تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں"۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی کے دیوان "محامدِ رب" پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تبصرہ ان کے دیگر تبصروں کے مقابلے میں "تنقیدی اعتبار سے زیادہ متوازن اور جرأت مندانہ" ہے۔ اس مضمون کا سب سے پائیدار پہلو یہ ہے کہ مولانا نے یہاں روایتی عقیدت کے حصار سے باہر نکل کر مکتوب الیہ کے تحقیقی دعوے کو چیلنج کیا ہے اور "گوشوارہ" جیسی نایاب صنعت کو ابھارا ہے۔ ذاتی اسفار کی تفصیلات اور مسلکی ابحاث کی شمولیت کے باوجود، یہ تحریر اپنی فصاحتِ زبان اور علمی مآخذ کے سبب اس حمدیہ دیوان کی تفہیم کے لیے ایک یادگار اور قیمتی ادبی دستاویز ہے۔

گنگا جمنی تہذیب کا آئینہ "کلیات بیکل اتساہی"

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور جنوری 2017ء کے لیے لکھے گئے اس گراں قدر تبصرے میں مولانا مبارک حسین مصباحی کا قلم ہندوستان کے مایہ ناز، پدم شری اعزاز یافتہ عوامی و تقدیسی

شاعر بیکلؔ اتساہی کے 1106 صفحات پر مشتمل عظیم الشان مجموعے "کلیاتِ بیکلؔ اتساہی" پر محاکمہ فرما رہا ہے۔ یہ تحریر محض ایک شعری مجموعے کا تعارف نہیں ہے، بلکہ یہ بیکلؔ اتساہی کی گنگا جمنی تہذیب، ان کی لسانی عبقریت اور صوفیانہ و نعت گو شخصیت کا ایک بھرپور جمالیاتی و نظریاتی احاطہ ہے۔

ذیل میں اس طویل مضمون کی روشنی میں مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادبی تبصرہ نگاری کا گہرا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے:

مولانا مصباحی کی تبصرہ نگاری کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ شاعر کے فن کو اس کے باطنی اور خاندانی ماحول کے تناظر میں پرکھتے ہیں۔ انھوں نے بیکلؔ اتساہی کے تخلص (بیکلؔ ہونے کا مجذوبانہ واقعہ) اور 1954ء میں جیل کی مشقت کے دوران ان کی فکری کایا پلٹ (غزل و گیت سے نعت گوئی کی طرف مائل ہونا) کو جس شائستگی سے ابھارا ہے، وہ قاری کو شاعر کے باطنی سوز سے ملواتا ہے۔ رقم طراز ہیں:

"پہلے آپ تخلص استعمال نہیں فرماتے تھے، آپ کے خاندان کے چند لوگ حضرت وارث پاک رضی اللہ عنہ کی خانقاہ دیوہ شریف کے ایک مرشد گرامی سے وابستہ تھے، ایک دفعہ آپ بھی گئے۔ مزار شریف میں ایک وارثی مجذوب ملے، انھوں نے آپ کی جانب بڑی توجہ دی اور فرمانے لگے، بیدلؔ گیا اب بیکلؔ آ گیا۔ اس کے بعد آپ نے بیکلؔ کو اپنا تخلص بنالیا۔ ابتدا میں آپ نعت و منقبت کے علاوہ غزل اور گیت وغیرہ لکھتے تھے۔ علامہ مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"1954ء میں جب بیکلؔ جیل کی مشقت جھیل رہے تھے وہیں زندگی نے ایک نئی کروٹ لی اور یکایک ذہن و فکر کی ساری طاقت ہر طرف سے سمٹ کر گنبدِ خضرا کی طرف متوجہ ہو گئی اور وہیں سے نعت گوئی کا آغاز ہوا۔ دھیرے دھیرے یہ رنگ اتنا غالب آیا کہ اب پورا ملک انھیں ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے جانتا پہچانتا ہے۔ باوجودیکہ وہ بیک وقت نعت شریف کے علاوہ اردو، ہندی، اودھی، برج بھاشا اور پوربی زبان میں غزلیں نظمیں کہتے ہیں۔" (والضحیٰ، ص:15، 16)

مولانا موصوف نے کلیات میں شامل "فن اور شخصیت" کے حصے کا گہرا مطالعہ کر کے اردو ادب کے چوٹی کے نقادوں اور شاعروں (مثلاً فراق گورکھپوری، علی سردار جعفری، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ظ۔ انصاری اور بشیر بدر) کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ خاص طور پر فراق گورکھپوری کے حوالے سے بیکلؔ کو "فنِ امیجری کا پہلا شاعر" ثابت کرنا تبصرے کو اعلیٰ ادبی و تنقیدی وزن عطا کرتا ہے، ملاحظہ کیجیے:

ان علمی اور ادبی تاثرات پر گفتگو کسی قلم کار کے لیے چھوڑتے ہیں، سر دست ہم معروف شاعر فراق گورکھ پوری کے تاثرات سے کچھ نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"بیکلؔ کے وہاں جن الفاظ کا تصرف ہے اس میں علامات کی بہتات کم اور خیال کا بہاؤ زیادہ ہے۔ ان کے فکر و فن میں کچھ اس طرح کی وابستگی ہے کہ کلام میں ہندی اور اردو کے حسین سنگم سے یک جہتی کا رنگ پھوٹا نکلا ہے۔"

آپ نے اس کے بعد اختصار سے ان کے فنی امتیازات پر گفتگو فرمائی اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اس لحاظ سے یہ پہلے شاعر ہیں کہ جس نے فنِ امیجری کو صحیح اور پر معنیٰ صرف کیا ہے۔ ابہام کو ایک نئی جہت سے روشناس کیا۔ فرسودہ طلسم کو توڑ دیا۔ تمثیلی اعجاز کا حسین راستہ تراشا، موسیقیت اور جمالیاتی پہلوؤں پر توجہ دی۔ اگر ان کا کلام رہ گزارِ شاداب کہا جائے تو ان کے گیت اور غزلیں رہ گزارِ حیات میں منزلِ نو کے امین بن سکتے ہیں۔"

مولانا نے بیکلؔ اتساہی کے اس اسلوبیاتی کمال کو نمایاں کیا ہے جہاں اردو، ہندی، اودھی، برج بھاشا اور پوربی زبانوں کا میل ہوتا ہے۔ فراق کے جملے "ہندی اور اردو کے حسین سنگم

سے یک جہتی کا رنگ چھوٹا" کی تائید میں بیکلؔ کی غزلوں اور ان کے "نفرت" و "مشورے" جیسے عوامی موضوعات کے کلام کو پیش کرنا مبصر کی گہری شعری جمالیات کا ثبوت ہے۔

جب بیکلؔ کا شعر "موج دریانہ ہوئی، دریا سمندر نہ ہوا..." سامنے آتا ہے، تو مولانا مصباحی روایتی تشریح سے بلند ہو کر آبِ زم زم کی 4000 سالہ تاریخ، اس کی سائنسی تحقیق، غذائیت اور اس کے شرعی آداب (کھڑے ہو کر قبلہ رو پینا) کا پورا مینوئل کھول دیتے ہیں، جو ان کے کثیر المطالعہ ہونے کی دلیل ہے۔

علمی فصاحت، تاریخی ماخذ اور اسلوب کی مٹھاس کے باوجود مروجہ معروضی تنقید کے اصولوں پر اس تحریر میں درج ذیل خامیاں اور تشنہ پہلو نظر آتے ہیں:

مولانا مصباحی کی سب سے بڑی اسلوبیاتی کمزوری اس مضمون میں بھی عروج پر نظر آتی ہے۔ بیکلؔ کے ایک عام نعتیہ شعر "ہمسری کرتا پھرے آج کا انسان مگر..." کا سہارا لے کر وہ اصل کتاب (کلیات) اور بیکلؔ کے فن کو مکمل طور پر فراموش کر دیتے ہیں اور اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے اقتباسات، نجدیت و وہابیت کی تاریخ، اور دیوبندی مکتبِ فکر کے رد و ابطال کے طویل ابحاث میں دور نکل جاتے ہیں، جس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں۔

1106 صفحات کی اتنی ضخیم کلیات میں جہاں گیت، غزل، ماہیے، دوہے اور مسدس جیسی متنوع اصناف موجود تھیں، وہاں ناقد کا منصب تقاضا کرتا تھا کہ وہ بحور کے استعمال، قوافی کی نشست اور فاروق ارگلی کی ترتیب پر کوئی فنی نقد و جرح کرتے۔ مولانا نے یہ کہہ کر دامن بچا لیا کہ "کچھ سہو بھی ہو جاتے ہیں، مگر یہ ایک عام بات ہے، ہم ان کے ذکر سے گریز کرتے ہیں"۔ یہ رویہ خالص تنقیدی معیار کو کمزور کرتا ہے۔

"کلیاتِ بیکلؔ اتساہی" پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تبصرہ ان کے مخصوص جادوئی اسلوب کا ایک نمایاں شاہکار ہے۔ انھوں نے ایک عوامی گیت کار کو نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے "حدائقِ بخشش" کا روحانی تلمیذ ثابت کر کے ایک نیا زاویہ پیش کیا ہے۔

طویل مسلکی ابحاث، موضوع سے انحراف اور فنی عیوب پر پردہ پوشی جیسے واضح معائب کے باوجود، زبان کی شستگی، اساتذہ کے حوالوں کا برجستہ استعمال اور تاثراتی مٹھاس اس مضمون کو بیکلؔ اتساہی کے شعری کینوس اور ان کی گنگا جمنی امیجری کو محسوس کرنے کے لیے ایک نہایت پرکشش اور تاریخی طور پر اہم ادبی تحریر بنا دیتی ہے۔

"ذوقِ مدحت" کا خانقاہی تعارفی جائزہ

آفاقی و تقدیسی شاعر اور مایہ ناز نعت خواں قاری اخلاق فتح پوری کے نعتیہ مجموعے "ذوقِ مدحت" پر تحریر کیا گیا نہایت فصیح، تاثراتی اور خانقاہی تعارفی جائزہ ماہ نامہ اشرفیہ اگست 2021 میں شائع ہوا۔ یہ تحریر بھی مولانا مصباحی کے روایتی والہانہ اسلوب، صوفیانہ فضا اور عقیدت مندانہ تنقید کی ایک بہترین مثال ہے۔

اس تبصرے میں مولانا نے صرف اشعار پر گفتگو نہیں کی، بلکہ کتاب کو پرکھنے والے دیگر اہلِ محفل (مثلاً حضور سید محمد مجیب الحسن، یاور وارثی، پروفیسر شمائلہ صدف) کی آرا کا تذکرہ کر کے مجموعے کی مجموعی ادبی مقبولیت کو ثابت کیا ہے۔ خاص طور پر شاعر کی لختِ جگر زیبا فاطمہ عزیزی کے مضمون کا اقتباس شامل کرنا تبصرے میں ایک خوبصورت جذباتی و ادبی پہلو کا اضافہ کرتا ہے۔

مضمون کے آغاز میں مولانا نے ڈاک کے ذریعے موصول ہونے والی دیگر کتب (جیسے ہائیکو مجموعہ "سورج نکلا ہے" اور "مدحت کی کہکشاں") کا تذکرہ کر کے جاپانی صنفِ سخن "ہائیکو" کی تاریخ (1905ء اور 1936ء کا جاپان نمبر) پر مختصر مگر معلوماتی روشنی ڈالی ہے۔

مولانا مصباحی کی دیرینہ اسلوبیاتی کمزوری اس مضمون میں بھی واضح ہے۔ قاری اخلاق کی کتاب پر گفتگو کرتے کرتے وہ

حضور مجاہدِ ملت اور شمس العارفین حضرت سید نواب علی شاہ کے مابین کولکاتا کی کانفرنس میں پیش آنے والے عجز و انکسار اور کرامت کا ایک طویل واقعہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود اس انحراف کا اعتراف کرتے ہیں، 124 صفحات کی کتاب کے ادبی جائزے میں یہ طوالت غیر متعلقہ محسوس ہوتی ہے۔

انھوں نے مانا ہے کہ قاری اخلاق صاحب اسٹیج کے مقبول نعت خواں اور شاعر ہیں اور ان کا کلام ”عوام کے میلانِ طبع“ کے مطابق ہے۔ تاہم، ایک نقاد کی حیثیت سے مولانا نے کلام کے اوزان، قوافی کے برتاؤ، یا عوامی ذوق کے لیے استعمال کیے گئے عام فہم لفظوں کے فنی معیار پر کوئی جرح نہیں کی اور روایتی طور پر ”تفصیل سے گریز“ کا راستہ اختیار کیا۔ تبصرے کا رویہ شروع سے آخر تک سراپا تحسین ہے۔ شاعر کے ایک سادہ دعائیہ شعر

کام اخلاق سے تو وہ لینا
جس کی دنیا مثال دے یارب

کو ”بڑی اہم آرزو اور غیر معمولی دعا“ کہنا تنقیدی معروضیت کے بجائے خانقاہی محبت اور جذباتی وابستگی کا عکاس ہے۔

کتاب "ذوق مدحت" پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تعارفی جائزہ تاثراتی، عقیدت مندانہ اور خانقاہی تنقید کا نمونہ ہے۔ اس تحریر کا اصل وصف یہ ہے کہ یہ قاری کے دل میں نعت کے تقدس، اولیا کی محبت اور کتاب کے مطالعے کا شدید شوق پیدا کرتی ہے۔ طویل سوانحی حکایات، موضوع سے انحراف، اور فنی نقد و جرح سے مصلحت آمیز چشم پوشی جیسے معایب کے باوجود، زبان کی فصاحت، اساتذہ کے کلام سے ربط اور خطیبانہ مٹھاس اس مضمون کو تقدیسی ادب کے حلقوں میں ایک مقبول، پائیدار اور یادگار تحریر بناتی ہے۔

”سیف و سُمن“ پر ایک نظر

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے ادبی کالموں اور سلسلوں کی کڑی میں مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تاثراتی جائزہ بھی اپنے مخصوص آہنگ، سوانحی جزئیات اور علمی مٹھاس سے لبریز ہے۔ اس بار ان کی مطالعہ کی میز پر جائس کی تاریخی، علمی اور صوفیانہ دھرتی سے تعلق رکھنے والے ممتاز صحافی، محقق اور ادیب ڈاکٹر حمایت جائسی کے صحافتی اداریوں اور کالموں کا مجموعہ ”سیف و سمن“ ہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ دسمبر 2024ء میں شائع یہ تحریر بھی مولانا مصباحی کی دیرینہ اسلوبیاتی جمالیات، ذاتی یادداشتوں کے امتزاج اور تاثراتی تنقید کی روایت کا ایک خوبصورت تسلسل ہے۔

حسب سابق مولانا مصباحی نے کتاب پر بات کرنے سے پہلے صاحبِ کتاب کی ایسی مرقع کشی کی ہے کہ قاری کی آنکھوں کے سامنے ایک متحرک تصویر گھوم جاتی ہے۔ ڈاکٹر حمایت جائسی کے ظاہری سراپا، لباس اور ان کی صوفیانہ نشست گاہ کا تذکرہ کر کے انھوں نے ایک شگفتہ ادبی و سوانحی ماحول تیار کیا ہے، حالاں کہ تبصرے میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔

مولانا مبارک حسین مصباحی صرف ایک روایتی قاری نہیں تھے، بلکہ وہ صحافت کے نازک اور پرخار میدان کے تمام نشیب و فراز سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ جب وہ ”روزنامہ راشٹریہ سہارا“ کے کالموں کا جائزہ لیتے ہیں، تو وہ دورِ حاضر کی زرد صحافت (Yellow Journalism) اور اہلِ اقتدار کی قصیدہ خوانی پر ضرب لگاتے ہوئے ڈاکٹر جائسی کی حق گوئی، مصلحت پسندی سے پاک متوازن اسلوب اور ”سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے“ والی بیباک کالم نگاری کو فنی معیار کے طور پر ابھارتے ہیں۔

مولانا مصباحی ڈاکٹر حمایت جائسی کے تخلیقی سرچشموں کو ان کی دھرتی سے جوڑتے ہیں اور ملک محمد جائسی کی سرزمین جائس کی علمی و صوفیانہ زرخیزی کا تذکرہ کر کے کتاب ”سیف و سمن“ کے باطنی مزاج اور مصنف کی تحقیقی اساس (ساغر نظامی پر ان کا پی ایچ ڈی مقالہ) کو دستاویزی وزن فراہم کرتے ہیں۔

مولانا مصباحی کی سب سے نمایاں اسلوبیاتی حد بندی یہاں بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ 2006ء میں تنظیم ابنائے اشرفیہ

مبارک پور کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے "بین الاقوامی میڈیا سیمینار" کا ذکر آتے ہی وہ کتاب اور مصنف کے کالموں پر گفتگو کو یکسر روک دیتے ہیں اور خود کے مرکزی جنرل سکریٹری ہونے، ملکی و غیر ملکی رابطوں اور اپنی تنظیمی سرگرمیوں کی تفصیلات بیان کرنے لگتے ہیں، جو کتاب کے اصل مشمولات کے جائزے کے تسلسل کو عارضی طور پر پسِ منظر میں دھکیل دیتا ہے۔

ڈاکٹر حمایت جائسی کی یہ کتاب 2014ء سے 2020ء تک کے طویل سیاسی، سماجی اور معاشی کالموں پر محیط ہے۔ اس 6 سالہ عہد میں ہندوستانی مسلم معاشرے اور ملکی سیاست نے کئی تاریخی اتار چڑھاؤ دیکھے۔ مبصر کا منصب تقاضا کرتا تھا کہ وہ ان کالموں کے چند اہم موضوعات کا ذکر کرتے یا کسی ایک اداریے سے اقتباس پیش کرتے، لیکن مولانا نے صرف تحسینِ غائبانہ اور اجمالی اشاروں پر اکتفا کر کے تنقیدی گہرائی کو تشنہ چھوڑ دیا۔

مضمون کا اختتام تنقیدی محاکمے کے بجائے خانقاہی اور منبری دعاؤں پر ہوا جو خالص تاثراتی اور جذباتی وابستگی کا مظہر ہیں۔

"سیف و سمن" پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تعارفی جائزہ تاثراتی، سوانحی اور خطابیہ تنقید کا ایک دلکش ادبی نمونہ ہے۔ طویل سوانحی یادداشتوں، موضوع سے انحراف، کالموں کے متنی اقتباسات کی کمی اور فنی جرح سے روایتی پردہ پوشی جیسے معائب کے باوجود، اسلوب کی مٹھاس، روانی اور خطیبانہ چاشنی اس مضمون کو خانقاہی اور تدریسی ادبی حلقوں میں ایک مخلصانہ، پائیدار اور یادگار دستاویز بنا دیتی ہے۔

"کلامِ اسد":

ماہنامہ اشرفیہ اگست 2023ء میں شائع مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ تاثراتی اور دستاویزی جائزہ بھی اپنے مخصوص قلمی آہنگ، باطنی سوز، اور خانقاہی فیضان سے لبریز ہے۔ اس بار ان کے مطالعہ کی میز پر پورہ صوفی، مبارک پور کے ایک ایسے روشن ضمیر، حافظِ قرآن اور صوفی باصفا حافظ اسد اللہ اشرفی مبارک پوری (متوفیٰ 6 جون 2026ء) کا شعری مجموعہ "کلامِ اسد" ہے۔

مولانا مصباحی نے اس تبصرے میں بھی حسب سابق صاحبِ کتاب کی زندگی کے نشیب و فراز کا ایسا جاندار خاکہ کھینچا ہے کہ قاری شاعر کی نفسیاتی اور فکری جڑوں تک پہنچ جاتا ہے۔ حافظ اسد اللہ اشرفی کا بچپن میں ہی چیچک کی وبا کے سبب بینائی سے محروم ہونا، ڈیڑھ سال کی عمر میں والدہ اور گیارہ سال کی عمر میں والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو جانا، اور ان تمام مصائب کے باوجود 10 برس کی محنت سے حافظِ قرآن بننے کے سفر کو مولانا نے نہایت دردمندی سے ابھارا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی نے اس تبصرے میں ایک منصف مزاج نقاد کی طرح کلام کے ظاہری عیوب پر پردہ نہیں ڈالتے، بلکہ حق بیانی سے کام لیتے ہیں، وہ تسلیم کرتے ہیں کہ چوں کہ شاعر نے مروجہ درس گاہی تعلیم حاصل نہیں کی، اس لیے کلام میں عروضی پیچیدگیوں کے بجائے باطنی ذوق، سادگی اور سچے جذبات کا سیلاب زیادہ نمایاں ہے، جو تقدیسی شاعری کی اصل روح ہے۔

مولانا نے شاعر کے تحریری بیان کی تلخیص پیش کرتے ہوئے ان کے فکری مآخذ کو متعین کیا ہے۔ حضور سرکارِ کلاں میاں اشرفی جیلانی کی صحبت، چچا مولانا عبدالقادر مصباحی کی شعری نشستیں، اور صوفی غلام حسین اشرفی خاکی کے کلام کا اثر، یہ تمام جزئیات تبصرے کو دستاویزی اور سوانحی اعتبار سے نہایت مستند بناتی ہیں۔

مولانا مصباحی کی سب سے نمایاں اسلوبیاتی حد بندی اس تحریر میں بھی عروج پر نظر آتی ہے۔ مرتب کا تذکرہ کرتے کرتے جب کشمیر کے شہیدِ ملت ڈاکٹر قاضی نثار احمد اور ان کے ادارے (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اننت ناگ) کا نام آتا ہے، تو مولانا اصل کتاب "کلامِ اسد" کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ وہ 1996ء میں دہلی کے ایشین گیسٹ ہاؤس میں شبیر عبد اللہ کشمیری سے اپنی ملاقات، قاضی شہید کی کتاب پر اپنے لکھے ہوئے صفحات، قاضی شہید کے بیٹے ابو یاسر کا اشرفیہ میں زیرِ تعلیم ہونا اور خود کے دو تین بار بحیثیتِ خطیب کشمیر جانے کے ذاتی اسفار کی تفصیلات بیان کرنے لگتے ہیں، جو تبصرے کے تسلسل کو شدید متاثر کرتا ہے۔

232 صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں 51 صفحات تو محض تعارف اور تاثرات پر مبنی ہیں۔ مبصر کا یہ فرض تھا کہ وہ بقیہ صفحات میں موجود نعتوں اور منقبتوں کے اسلوبیاتی تنوع پر بات کرتے، یا صنعتِ لفظی کا کوئی نمونہ پیش کرتے، لیکن انھوں نے صرف چیدہ چیدہ روایتی اشعار نقل کر کے سراپا تحسین رویہ اپنایا۔

طویل کشمیری اسفار کی تفصیلات، موضوع سے انحراف، متنی گہرائی کی کمی اور عروضی لغزشوں پر پردہ پوشی جیسے واضح معایب کے باوجود، زبان کی فصاحت، اولیا سے نسبت کا احترام اور خطیبانہ چاشنی اس مضمون کو خانقاہی اور تقدیسی ادبی حلقوں میں ایک مقبول، پائیدار اور یادگار دستاویز بنا دیتی ہے۔

یہ ہم نے مولانا مبارک حسین مصباحی کے چند تبصروں اور تاثراتی مضامین کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا۔ اس مطالعے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مولانا موصوف کا اسلوب اسلوب عہدِ حاضر کی معروضی تنقید کے مروجہ اصولوں کے مطابق ہے؟

یہ حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ مولانا مصباحی کا اسلوب مروجہ سائنسی تنقید کے پیٹرن پر پورا نہیں اترتا۔ ان کی تنقید پر ان کی خانقاہی وابستگی، الجامعۃ الاشرفیہ کا تدریسی مزاج، اور مسلکی تصلب (Theological Dogmatism) پوری طرح حاوی ہے۔ وہ کتاب کو ایک خالص ادبی پراجیکٹ کے بجائے شریعت، عقائد اور اولیا کے ملفوظات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔

ان کا اندازِ نقد "از دل ریزد بر دل خیزد" پر مبنی ہے، جہاں وہ کلام کا اثر اپنے دل پر لیتے ہیں اور اسی وجدانی کیفیت کو فصیح نثر میں ڈھال دیتے ہیں۔ معروضی تنقید میں "متن" (Text) کو مقدم رکھا جاتا ہے، جب کہ مولانا کے یہاں "عقیدت" اور "شخصیت" مقدم ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود ان کے اسلوب کو یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ مذہبی اور تقدیسی شاعری (حمد و نعت) کو پرکھنے کے لیے جس باطنی طہارت، لسانی فصاحت اور نصوص کے علم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مولانا کے پاس بدرجۂ اتم موجود ہے۔

مذکورہ نو (9) اہم ادبی تبصروں اور تاثراتی مضامین کا یہ عمیق، فکری اور تجزیاتی مطالعہ معاصر اردو تنقید کے افق پر ایک خاص طرزِ نقد کی مکمل تفہیم فراہم کرتا ہے۔ مولانا مصباحی نے اپنے طویل قلمی سفر میں صحافتی عجلت اور خانقاہی عقیدت کے مابین ایک ایسی راہِ اعتدال تلاش کرنے کی کوشش کی، جہاں فن پارہ محض لفظوں کا کھیل نہیں رہتا، بلکہ عقیدے، تصوف، اور باطنی سوز کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔

معروضی تنقید کے مروجہ اصولوں پر جب ہم ان کی تحریروں کا محاکمہ کرتے ہیں، تو متن کے بجائے شخصیت اور عقیدت کا غلبہ واضح طور پر نمایاں ہوتا ہے۔ کلام کے فنی محاسن پر حد سے زیادہ اصرار، عروضی لغزشوں پر مصلحت آمیز پردہ پوشی، طویل سوانحی حکایات، اور تبصرے کے دوران اپنے ذاتی اسفار و شخصیات کے تذکرے کی طرف "شدید انحراف" ان کی ایسی اسلوبیاتی حد بندیاں ہیں، جو انھیں جدید پسِ ساختیاتی یا جمالیاتی مابعد جدیدیت کے معاصر تنقیدی رویوں سے دور کر دیتی ہیں۔

اس موضوعاتی حد اور روایتی معیارِ نقد کے باوجود، مولانا مصباحی کے اسلوبِ نگارش کو اردو تقدیسی ادب میں یکسر مسترد کرنا علمی ناانصافی ہوگی۔ ان کا اندازِ نقد بنیادی طور پر تاثراتی دبستان (School Impressionistic) کا شاہکار ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنی دیانت دارانہ، شائستہ اور عالمانہ تبصرہ نگاری کے ذریعے وقتی صحافت کو مستقل اور دستاویزی ادب کا حصہ بنا دیا۔ ان کے یہ تبصرے نئے لکھاریوں کے لیے جہاں حوصلہ افزائی کا باعث ہیں، وہاں آنے والی نسلوں کے لیے بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل کے مذہبی و سماجی منظر نامے کی ایک سچی تاریخی شناخت بھی ہیں۔ فنی عیوب سے مصلحت آمیز چشم پوشی اور روایتی طرزِ نقد کے باوجود، سطحی ادب کے سیلاب کو روکنے اور معاصر قارئین کے قلوب میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیا کی محبت کا سوز بیدار کرنے میں ان کا یہ تاثراتی و سوانحی اسلوبِ تنقید ہمیشہ یادگار، معتبر اور تاریخ ساز رہے گا۔ ***

”مصباح المصلی“ پر مولانا مبارک حسین مصباحی کا تبصرہ
ایک جائزہ

مولانا محمد شاکر رضا قادری مصباحی، صدر المدرسین جامعۃ الرضا فاطمۃ الزہراء، اون، سورت، گجرات

حضرت فخر صحافت کی علمی فکری، قلمی لسانی، ادبی اور شخصیت سازی کی بات کریں تو ان کی ذات کے حوالے سے ان گنت گوشے، پہلو، ابواب اور جہات نظروں کے سامنے ہیں جن پر ان کو کافی عبور اور کمال حاصل تھا۔ فی الوقت میری نظر میں ان کی ادبی دنیا کا ایک اہم گوشہ حیات ”اصولی اور فنی تبصرہ اور تجزیہ نگاری“ ہے۔ قبل ازیں کہ اس پر کچھ خامہ فرسائی کرنے کی جسارت کروں، تبصرہ اور تجزیہ کے تعلق سے قدرے بنیادی اور اہم باتوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تبصرہ کیا ہے:

ادبی اصطلاح میں کسی کتاب یا رسالے کا عمومی جائزہ پیش کرنے کو ”تبصرہ“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ”تبصرہ“ کے تعارف میں عبارتیں آئی ہیں بلکہ اس کے نام پر تو مستقل کتابچہ اور رسالے بھی موجود ہیں۔

تبصرہ، تجزیہ اور تنقیدی آرا میں فرق:

(1) **تبصرہ:** کسی موضوع یا کتاب یا رسالے کے اہم نکات، مندرجات اور خصوصیات کو بغیر سخت نقد و نظر یا اختلاف کے بیان کیا جائے جس کا مقصد مصنف / مؤلف یا قاری کو آگاہ کرنا اور تعارف کروانا ہوتا ہے۔

(2) **تجزیہ:** موضوع کی گہرائی میں اتر کر اس کے مختلف پہلوؤں اور جہات کا مفصل مطالعہ کرنا اور معروضات پیش کرنا، دلائل و حقائق کو سامنے رکھ کر اور بنیاد بنا کر موضوع کی ساخت، اسلوب اور اثرات کی کامل وضاحت کی جاتی ہے۔

(3) **تنقیدی آرا:** یہ سب سے زیادہ سخت اور کٹھن شکل و شق ہے جس میں موضوع کی خوبیوں اور خامیوں کو کھل کر جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ علمی فکری اور ادبی معیار کے مطابق حقائق اور غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے؛ تاکہ اصلاح اور سدھار کے لیے رہنمائی کی جا سکے۔

تبصرہ نگاری ایک مستقل فن ہے جس کے فنی اور اصولی ادبیات کا لحاظ کیے بغیر یا اس کی تعلیم سے دور رہ کر تبصرہ قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تک ہم نے بھی تبصرہ جات کا مطالعہ کیا ہے یا تبصرہ یا تجزیہ پیش کرنے والی شخصیتوں کو دیکھا یا پڑھا ہے، ان کی جد و جہد اور جتن کا جائزہ لیا ہے، اس تناظر میں ہم اس کے کچھ بنیادی اصولوں کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

تبصرہ نگاری کے اصول:

(1) تبصرہ نگار کا ذہین فطین، ذکی الطبع، وسیع المطالعہ، دور بین خرد بین، باریک بیں، نکتہ سنج، حاضر جواب، ماہر، تجربہ کار، فنکار اور قادر الکلام ہونا لازم ہے۔

(2) کسی کتاب یا رسالے پر تبصرہ کرنے سے پہلے کتاب کے مصنف یا مؤلف سے آگاہی ضروری ہے کہ یہ کون ہے؟ اس کا علمی عملی اور فنی بیگ گراؤنڈ (Backgrund) کس پایے کا ہے؟

(3) جس کتاب یا جریدہ پر تبصرہ کا ارادہ ہو اس سے پوری واقفیت حاصل ہونی چاہیے تاکہ اس کے مواد اور مضامین پر پورے طور پر کلام کر سکے، اس کے حسن و قبح، خد و خال، صحت و سقم کا وزن قارئین کے سامنے پیش کر سکے۔

(4) کتاب کے موضوع اور فن کو نگاہ کے سامنے رکھے، اس کی جانچ کے لیے مشمولات، دیباچہ، ابتدائیہ کلمات،

تمہید اور مقدمے وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی تبصرہ کے لیے قلم اٹھائے۔

اب ذرا حضرت فخر صحافت کی دینی وملی خدمات وجذبات پر نظر جمائیے کہ جہاں ان کے علوم وفنون کا دائرہ بہت زیادہ وسیع وعریض ہے وہیں اس کا اکثر حصہ اردو زبان کی ادبیات سے عبارت ہے، قلمی جولانیت سے مستعار و مستنار ہے اور اسی کا ایک شاخسانہ تبصرہ اور تجزیہ نگاری ہے۔ ان کے تبصرہ جات کی تعداد دو چند نہیں بلکہ درجنوں میں ہے ،یہاں بطور تمثیل ایک تبصرہ نظر قارئین کرتا ہوں جس کو از خود فخر صحافت نے فرح وانبساط میں ڈوب کر، اصاغر نوازی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے راقم سطور کی کتاب ''مصباح المصلی شرح منیۃ المصلی'' معروف بہ ''تاج شریعت '' پر سات صفحات پر مشتمل تبصرہ قلم بند فرما کر ماہ نامہ اشرفیہ کے شمارہ مارچ 2022ء میں شائع کیا تھا اور خود فون کر کے میری اہلیہ کے انتقال پر تعزیتی کلمات ارشاد فرما کر اس کی اطلاع بھی دی تھی۔ ان کا یہ حقائق اور اصولیات پر مبنی تبصرہ وتجزیہ کا کالم ادبیات کے حوالے سے ایک میں ہی نہیں ،نہ جانے مجھ جیسے کتنوں کے قلوب واذہان میں جگہ بنائے ہوئے ہیں۔ زیادہ کچھ نہ لکھتے ہوئے یہاں اُن کا یہ تبصرہ من وعن قدرے تلخیص کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

فخر صحافت نے رسالہ کے صفحہ 38 پر ادبیات کے ذیلی عنوان ''نقد ونظر'' کے تحت تبصرہ کا آغاز کچھ اس طرح سے فرمایا:

''فقہ حنفی کی مستند کتاب ''مُنْيَةُ الْمُصلي'' غنیہ، حلیہ، در مختار، رد المحتار، جد الممتار، فتاویٰ ہندیہ، فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت وغیرہا کے ماخذوں میں کا ایک ، پہلی بار اردو میں ترجمہ وتشریح اور بے شمار قدیم وجدید مسائل کے ساتھ بشکل ایک منفرد تحفہ وگلدستہ:

مسمیٰ بہ ''مصباحُ المصلی'' المعروف بہ ''تاج شریعت'' مکمل دو حصے۔

شارح: مفتی محمد شاکر رضا قادری صدر المدرسین جامعۃ الرضا ، اون ،سورت گجرات ربانی قادری مشن ، اتر دیناج پور، ویسٹ بنگال۔

یہ مکمل مواد ہم نے منیۃ المصلی کی اردو شرح مصباح المصلی معروف بہ تاج شریعت سے نقل کیا ہے۔ ہم اس کے حوالے سے بعد میں اظہار خیال کریں گے ،پہلے منیۃ المصلی کی اہمیت اور اس کی شروحات کے تعلق سے عرض کرتے ہیں۔''

(ماہنامہ اشرفیہ، ص:38 شمارہ مارچ 2022ء)

ہیڈ لائن کچھ یوں لکھی:

''منیۃ المصلی اور اس کے مصنف۔''

اس کے تحت کتاب کی اہمیت پر چند سطور بڑی جامعیت کے ساتھ قلم بند فرمایا۔ پھر ذیل میں مصنف کی شخصیت اور ان کے علمی وفقہی افتخار پر چند سطریں مع تاریخ وصال نوٹ فرمائیں اس کے بعد تحریر فرمایا:

''منیۃ المصلی کا فقہی مقام ومنصب کیا ہے، اس تعلق سے حضرت شارح مفتی محمد شاکر رضا قادری نے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ فقہی کتابوں کے درجات تین ہیں (1) متون (2) شروح (3) فتاویٰ۔ منیۃ المصلی دراصل فتاویٰ کے ضمن میں آتی ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے متون اور شروح کے تذکار کے بعد اب فتاویٰ کی اہم کتب کا ذکر فرماتے ہیں۔

''فتاویٰ : اقول جیسے خانیہ ،خلاصہ ،بزازیہ ،خزانۃ المفتین، جواہر الفتاویٰ، محیطات (محیط نام کی متعدّد کتابیں ہیں) ذخیرہ، واقعات ناطفی ،واقعات صدر شہید ،نوازل فقیہ ،مجموع النوازل، ولوالجیہ، ظہیریہ، عمدہ، کبریٰ، صغریٰ، تتمۃ الفتاویٰ صیرفیہ، فصول عمادی ،فصول اشتروشی ،جامع صغار ،تاتار خانیہ، ہندیہ اور ایسے ہی کتابیں ،ان ہی فتاویٰ میں منیہ (منیۃ المصلی) بھی ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم ج1 ص:208)

نیز ایک دوسری جگہ پر اسی فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''سراجیہ اگرچہ ابتدائی کتابوں میں سے ہے لیکن اس کا

شمار متنوں میں نہیں ہے جو فقہ کی اصطلاح ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس کا شروح میں شمار ہو جیسے منیۃ المصلی اور اشباہ و نظائر ابتدائی کتابوں سے ہیں لیکن یہ دونوں متنوں کے مرتبے کو بالکل نہیں پہنچتی ہیں بلکہ یہ دونوں فتاویٰ کے مرتبے میں ہیں جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے۔"

(السراجیہ فی علم المیراث ص:7 مجلس برکات مبارکپور)

جب کہ ایک اور جگہ پر فتاویٰ رضویہ میں یوں آیا ہے:

یوں ہی (1) قدوری (2) ہدایہ (3) منیہ (منیۃ المصلی) (4) وقایہ (5) نقایہ (6) وافی (7) کنز (8) غرر (9) اصلاح (10) الملتقی (11) تنویر (12) نورالایضاح۔ ان بارہ متنوں اور ان کی غیر سب میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ جب ایک بار ہو چکی فوت ہو گئی۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ج نہم ص 274 پوربندر)

ان شرعی احکامات کے بعد حضرت مفتی محمد شاکر رضا قادری مزید تائید وتشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اقول: منیۃ المصلی کی حیثیت اور اس کا مرتبہ آپ قارئین کی نگاہوں کے سامنے ہے، منیہ کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ درجۂ فتاویٰ میں داخل ہے۔ رہا اسی فتاویٰ رضویہ میں ایک دوسری جگہ پر منیہ اور تنویر الابصار کا متنوں میں شمار کرنا تو وہ اعتباری اضافی لحاظ سے ہے اور بس۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مصباح المصلی ص: 33)" (ماہنامہ اشرفیہ، ص:38،39. مارچ 2022ء)

منیۃ المصلی کی شروحات:

حضرت فخر صحافت علیہ الرحمہ نے منیہ کی شروحات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی معلومات اور مطالعہ کی روشنی میں مزید تین شروحات کا اضافہ کیا ہے جس سے شروحات کی تعداد 9 ر ہو جاتی ہے اور بعض شروحات کی قدرو منزلت، جامعیت، مقبولیت، افادیت اور ان کے شارحین کے علمی مقام و مرتبہ، ان کی سوانح عمری کو بیان کرنے کے ساتھ، ان کی دینی ملی خدمات کو بہت ہی عمدہ لب و لہجے، نرالے اسلوب، اچھوتے انداز اور ادبی طرز زبان و بیان پر پیش کیا ہے، ان کی یہ توضیح وتشریح معلومات افزا ہیں۔ ان مذکورہ باتوں کی شہادت اور مثال فقیر کی شرح ہی کو لے لیجئے جس پر انھوں نے اخیر میں آٹھ شروحات کے بعد اس پر کلام اور تبصرہ کیا ہے:

اس وقت ہمارے روبرو "مصباح المصلی شرح منیۃ المصلی" ہے اس کا معروف نام "تاج شریعت" رکھا گیا ہے۔ مصنف محب گرامی وقار حضرت مولانا مفتی محمد شاکر رضا قادری مصباحی مد ظلہ العالی ہیں۔ آپ مغربی بنگال میں ضلع اتر دیناج پور کے موضع "پرانا سملیہ" کے باشندے ہیں۔ آپ نے مختلف درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی، 1998ء تا 2001ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں متعلم رہے، اور یکم جمادی الاخریٰ 1422ھ/2001ء میں دستار فضیلت سے سرفراز کیے گئے۔ آپ نے متعدد مدارس میں تدریسی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں۔ اس وقت آپ جامعۃ الرضا فاطمۃ الزہراء، سورت، گجرات میں بحیثیت صدرالمدرسین اور مفتی و قاضی کے منصب پر فائز ہیں۔" (ص:41 شمارہ مارچ 2022ء)

"قرطاس و قلم سے آپ کا فطری لگاؤ ہے۔ متعدد کتب اور درجنوں علمی اور فقہی مقالات و مضامین تحریر فرما چکے ہیں۔ علمی جستجو، و مطالعہ و تحقیق اور مسلسل محنت و کاوش میں لگے رہتے ہیں۔ آپ بلند اخلاق، نیک سیرت اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ لکھتے لکھتے ارباب قلم میں شمار ہونے لگے ہیں۔ فقہ و افتا اور تصنیف و تالیف میں کچھ نیا اور انوکھا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ فراغت کو بیس برس کا عرصہ گزر گیا ہے، بیتے دنوں میں آپ نے نت نئے تجربات کیے ہیں اور سرد و گرم کو بڑے قریب سے دیکھا ہے، فقہی بصیرت کے حوالے سے مسلسل ھل من مزید پر عامل ہیں، تحقیقی اور اچھا لکھتے ہیں، ہاں کہیں فکر و قلم میں علاقائی اثرات مترشح ہو جاتے ہیں اور یہ ایک فطری عمل ہے، بعض شخصیات سے عقیدتوں میں ترجیحات نظر آتی ہے، گزرتے دنوں کے بعد اس فکری بالیدگی میں بھی توازن پیدا ہو جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ"۔ (ماہنامہ اشرفیہ، ص:41 شمارہ مارچ 2022ء)

"آپ نے بڑی محنت اور مطالعہ و تحقیق سے منیۃ المصلی کی

اردو شرح لکھی ہے، انداز تحریر جاذب نظر اور معلومات افزا ہے۔ آپ اپنی نگارشات میں حوالوں کا اہتمام بھرپور فرماتے ہیں۔ مشکل اور گنجلک بحثوں کو بڑی سادگی کے ساتھ دلوں میں اتار دیتے ہیں۔ آپ نے اہل سنت کے زیر بحث مسائل کو بڑی خاموشی کے ساتھ سپرد قلم کردیا ہے۔ ایک اچھے قلم کار کو ہر موضوع پر حقائق سپرد قلم کرنا چاہیے۔ دو ایک مقامات پر آپ نے اس رخ پر سرد مہری برتی، مگر ہمیں یقین ہے کہ آپ اس رخ پر آئندہ توجہ مبذول کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ نے 32 صفحات پر شاندار اور معلومات افزا مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اس میں عہد صحابہ سے عہد حاضر تک کے نام اور فقہا و محققین کے تذکار ہیں، فقہ حنفی کی تدوین، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تدوین فقہ کی مجلس کے اکابر فقہا کا ذکر خیر بڑے سلیقے سے فرمایا ہے۔ فقہ کی اصطلاحات، اصول فقہ کی روشنی میں دل نشیں لب و لہجے میں سپرد قلم فرمائی ہیں۔ منیۃ المصلی اور اس کے احوال بھی نقل فرمائے ہیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ، ص:41، مارچ 2022ء)

پھر منتخب ابحاث میں سے چند اقتباسات جو تحقیقی اور معلومات افزا ہیں اپنے تبصرہ میں سپرد قلم کیا ہے اور بحثوں کے خلاصہ اور نچوڑ میں حضرت مبصر علیہ الرحمہ اپنا تائیدی مطمح نظر اور دور حاضر میں اہل سنت و جماعت کی اہم شناخت "مسلک اعلیٰ حضرت" پر ان الفاظ میں مہر ثبت فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"اس پوری گفتگو اور دلائل کا حاصل یہ ہے کہ جن حالات میں جو ضرورت ہو اہل سنت و جماعت کی تعریف اسی کی روشنی میں ہوگی۔ ماضی قریب میں مجدد و مفکر امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے عقائد حقہ کی حفاظت کے لیے تاریخی کارنامے انجام دیے اور حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا، لہذا اب مسلک اہل سنت و جماعت کی شناخت مسلک اعلیٰ حضرت سے کی جارہی ہے، عہد حاضر میں بعض بدمذہب بھی اپنے آپ کو "اہل سنت و جماعت" کہنے لگے ہیں۔ یہ کوئی نئی ایجاد نہیں بلکہ ہر دور میں احوال زمانہ کے اعتبار سے اہل سنت و جماعت کی تعریف کی گئی ہے۔" (ماہنامہ اشرفیہ، ص:41، مارچ 2022ء)

اخیر میں مزید حضرت فخر صحافت اپنے تبصرہ نگاری کا حق ادا کرتے ہوئے یوں خامہ فرسائی فرمائی:

"چند آخری معروضات:

حضرت شارح لکھتے ہیں: میری معلومات میں منیۃ المصلی کی اردو زبان میں یہ پہلی شرح ہے جو آپ قارئین کے ہاتھوں میں ہے جو مختلف کتب و فقہ و فتاویٰ مثلاً ہدایہ، شرح وقایہ، فتاویٰ قاضی خان، تنویر الابصار، در مختار، غنیۃ المستملی، فتاویٰ عالم گیری، رد المحتار المعروف فتاویٰ شامی، فتاویٰ رضویہ وغیرہا درجنوں کتابوں کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے، جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا فیصلہ پورے طور پر قارئین ہی کرسکتے ہیں۔ واللہ الموفق وبیدہ الخیر۔

مصباح المصلی بلاشبہہ معلومات سے لبریز ہے، انداز بیان اچھا ہے۔ یہ آپ کی فکری بالیدگی، حساس مزاجی اور دور اندیشی ہے کہ آپ مسائل کے ضمن میں عصر حاضر کے بہت سے مسائل پیش کردیتے ہیں، اس میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی، ان کے عہد اور بعد کے علمائے اہل سنت کے فقہی افکار کو ترجیحات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ صرف علما اور طلبہ کے لیے نہیں بلکہ اردو میں ہے اس لیے باذوق عوام کے لیے بھی مفید ہے۔

بہر کیف! کتاب فقہ حنفی کا ایک ذخیرہ ہے، ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شاکر رضا قادری مصباحی دام ظلہ العالی نے بڑی محنت سے یہ قلمی کارنامہ انجام دیا ہے۔" (ص:41، 43)

حضرت فخر صحافت علیہ الرحمہ نے اپنی بالغ نظری، وسعت علمی اور کمال فکری سے معلومات افزا تحریر لکھ کر، فنی اور اصولی تبصرہ جاتی جلوے بکھیر کر جہاں کتاب کے وزن کو بام عروج تک پہنچادیا ہے وہیں ہم جیسوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ صحیح سمت دکھانے کا کام کیا ہے، اور اس میدان میں کام کرنے والوں کے لیے تابندہ نقوش چھوڑ گئے۔

☆☆☆

مولانا مبارک حسین مصباحی اور کچھ احوال و اوصاف

سراج الفقہاء مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا

18 ذی الحجہ سنہ 1447ھ مطابق 4 جون 2026ء کی شب جمعہ میں وفات ہوئی۔

رات کے بارہ بجنے ہی والے تھے کہ یہ الم ناک خبر ملی کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صبح تعزیت کے لیے ان کی قیام گاہ ٹیچرس کالونی جامعہ اشرفیہ گیا۔ وہاں نعیم ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی اور دیگر اہل خانہ موجود تھے۔ ان کی اطلاع کے مطابق رات ساڑھے گیارہ بجے کے قریب مولانا کی روح قفس عصری سے پرواز ہوئی۔ بعد نماز جمعہ 2 بجے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں ان کی نماز جنازہ عزیز ملت حفظہ اللہ کی اقتدا میں ادا کی گئی۔

ان کی وفات پر چند تعزیتی کلمات لکھنے کے لیے قلم اٹھایا لیکن اس کے ساتھ اپنے کچھ تاثرات اور احساسات کو بھی قلم بند کر دیا۔ میں ان کلمات کے ساتھ مرحوم کے جملہ پس ماندگان، عزیز و اقارب، ان کی اہلیہ اور چاروں صاحب زادیوں، خصوصًا ان کے خسر عزیز سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ مصباحی حفظہ اللہ کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اللہ عزوجل انھیں صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ للّٰہ ما أخذ و أعطی وکل شیء عندہ إلی أجل مسمی۔

ذکر مبارک:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے کثیر فارغین مختلف شعبوں میں اپنی نمایاں خدمات اور کارناموں کی وجہ سے افق ہند پر روشن و منور ہوئے مگر جس ذات گرامی نے مذہبی اور دینی صحافت کی دنیا میں نقوش ثبت کیے اور اس میدان میں اپنی خوبیوں اور کمالات کی بدولت شہرت و بلندی کے نصف النہار پر پہنچے اسے اہل علم و خرد "مبارک حسین مصباحی" کے نام سے جانتے ہیں۔

تین دہائیوں سے زائد جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ترجمان "ماہنامہ اشرفیہ" کی تسلسل کے ساتھ ادارت کر کے ماہنامہ اشرفیہ کے سب سے طویل عرصے تک مدیر رہنے کا ریکارڈ قائم کیا۔

مذہبی صحافت میں ایک مدیر کی ذمہ داریاں بھی کافی ہوتی ہیں۔ مضامین کا انتخاب، احوال و زمان پر نظر اور اس کے متعلق قارئین کے لیے فکری مضامین، تحریر میں شرعی اور مذہبی امور کی رعایت، ادارہ کی ترجمانی کا پاس و لحاظ۔ ان سب کے ساتھ ادارتی صفحات کو ناظرین کے لیے دل چسپ اور معلومات افزا بنانا مولانا کے قلمی اوصاف سے ہے۔ ہم نے ان کے جو اداریے پڑھے ان سے یہ احساس اجاگر ہوا۔ مولانا جب تک صحت مند رہے ان امور کی اپنی نظر و فکر کے لحاظ سے خوب رعایت کی اور ماہنامہ اشرفیہ کو خوب سے خوب تر کی طرف لے جانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نام آتے ہی فورا لوگوں کا ذہن ماہ نامہ کی جانب چلا جاتا گویا مرحوم اور ماہنامہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گئے ہوں۔

مولانا کے عہد ادارت میں کئی ایک بہترین نمبر اور خصوصی شمارے بھی شائع ہوئے جسے ان کے کامیاب ادارتی

کارناموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

○1322 صفحات پر مشتمل سیدین نمبر تو اس باب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ متعدّد نمبر اور خصوصی شمارے اور بھی ہیں۔ نمبر میں

○پیغمبر اعظم نمبر ○انوار حافظ ملت نمبر
○صدر الشریعہ نمبر ○تعلیمی کنونشن نمبر
○خواجہ غریب نواز نمبر ○فقیہ اعظم ہند نمبر
○جشن شارح بخاری نمبر ○انقلاب 1857 نمبر

شامل ہیں۔ خصوصی شماروں میں:

○فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی
○رئیس القلم علامہ ارشد القادری
○ مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی کی وفات پر شائع کردہ خصوصی شمارے۔ اور
○اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ پر خصوصی گوشہ شامل ہے۔

خصوصی شماروں کے ضمن میں ایک بات بطور خاص قابل ذکر ہے:

سنہ 2004ء میں جب شعبہ مجلس شرعی کی نشأۃ ثانیہ اور ارکان کی تجدید کاری ہو رہی تھی تو مولانا مرحوم بھی اس کے رکن منتخب ہوئے۔ مولانا نے اس کے رکن ہونے کی حیثیت سے بہترین ذمہ داری اس طور پر نبھائی کہ مجلس شرعی کے سیمینار کے بعد ماہنامہ اشرفیہ کا سیمینار کے متعلق خصوصی شمارہ شائع کرتے۔ اس کی تفصیلات کو ادارتی صفحات میں جگہ دیتے، اداریہ لکھتے اور سوال نامہ، تلخیص مقالات، اسماے مندوبین اور تاثرات کو شامل کر کے اسے ہر سیمینار کا خصوصی شمارہ بنا دیتے۔ ان کی ادارت میں مجلس شرعی کے سیمیناروں کے اٹھارہ (18) مقبول خصوصی شمارے شائع ہوئے۔ جس کے لیے مجلس شرعی مولانا کی ہمیشہ شکر گزار اور دعا گو رہے گی۔

مولانا مرحوم، صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ "بر صغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب" ان کی تحریری خدمات کی فہرست میں ایک ایسا نام ہے کہ اگر ان کی کوئی اور تحریر نہ ہوتی تو یہی کتاب ان کے تعارف اور انھیں زندہ رکھنے کے لیے کافی تھی۔ اس کے علاوہ ○ خلیج کا بحران: ایک تفصیلی جائزہ ○ پیام سیرت ○عشق رضا کی سرفرازیاں ○اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت ○جہان رئیس القلم ○ شہر خموشاں کے چراغ، کتابیں شائع ہو کر داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔ مولانا ایک بہترین خطیب بھی تھے۔ کثیر جلسوں اور کانفرنسوں میں خصوصی خطیب کی حیثیت سے مدعو ہوئے۔ ان کے خطابت کی زبان اور انداز بیان عمدہ ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ جب تک صحت مند رہے کثرت کے ساتھ اجلاس میں مدعو کیے جاتے تھے۔

اللہ عزوجل نے انھیں تعمیری و تنظیمی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام اور اس کے جنرل سکریٹری کی ذمہ داری، میڈیا سیمینار کا انعقاد، مجمع المصباحی کا قیام اور سکریٹری شپ، دار العلوم اہل سنت جامعہ طیبہ شاہ آباد ضلع رام پور کی بنیاد اور صدارت۔ یہ سب مولانا کی تنظیمی اور تعلیمی صلاحیتوں کے تعارف کے لیے کافی ہیں۔

مولانا مرحوم ہمیں داغ مفارقت تو دے گئے لیکن ان کی خدمات آج بھی زندہ ہیں جو انھیں ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ اللہ عزوجل مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے پس ماندگان متعلقین، عزیز و اقارب کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

شریک غم:

محمد نظام الدین الرضوی

شیخ الحدیث و خادم افتا

جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

23 ذی الحجہ 1447ھ/10 جون 2026ء، شب چہار شنبہ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، سابق صدر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔62

علالت طبع کے سبب کئی ماہ بعد وطن مالوف کی طرف جانا ہوا تھا۔ ہفتہ عشرہ اس سفر میں لگ گئے، مولانا مبارک حسین کی رحلت کی خبر مجھے گھر پر ہی ملی تھی مگر گرمی کی شدت اور کام کی مصروفیت دونوں نے مہلت نہ دی کہ میں وہاں کچھ مولانا مبارک حسین مصباحی کے تعلق سے قلم بند کرتا، دہلی واپسی پر جب میں مولانا کی رحلت کے تعلق سے کچھ لکھنے بیٹھا تو یقین جانیے ذہن و دماغ جیسے کہ ماؤف ہو گئے تھے اس موضوع کے تعلق سے دماغ سوچنے کے لیے تیار نہیں اور قلم لکھنے پر آمادہ نہیں کیوں کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مولانا مبارک حسین کی رحلت کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا کیوں کہ ان کی زندگی بلاشبہ ملک و ملت کا سرمایہ تھی زبان و بیان ہو یا قرطاس و قلم وہ دونوں کے دھنی تھے، اس چھوٹی سی عمر میں راقم السطور نے ہند و پاک کے بیش تر رسائل و مجلات کو نہ صرف نکلتے دیکھا ہے بلکہ انھیں آخری سسکیاں لیتے ہوئے بھی مشاہدہ کر چکا ہے، مگر ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت جب سے مولانا مبارک حسین مصباحی نے سنبھالی بغیر کسی تاخیر کے وقت پر اپنے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے پابندی سے شائع ہو رہا ہے، یہ بہت بڑی بات ہے، اس کے لیے وہ بلاشبہ مبارک باد کے قابل تھے۔

مولانا مصباحی میں صحافت کا جذبہ دوران طالب علمی سے ہی تھا، انھوں نے اپنے کئی غیر مطبوعہ مضامین کی مجھے نہ صرف زیارت کرائی تھی بلکہ اس پر انھوں نے مجھ سے ناقدانہ تبصرہ کے لیے بھی کہا تھا۔ ایک مضمون ان کا جو فن حدیث کے کسی پہلو پر تھا قسطوں میں شائع ہوا تھا وہ میری نظر سے گذر چکا تھا، معیاری تھا میں نے انھیں مبارکباد دی تھی۔

مولانا مبارک حسین مصباحی 1967ء میں موضع چیتولی ضلع رام پور میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز گھر پر ہی اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش تربیت سے کیا اور اعلیٰ تعلیم لیے ملک و ملت کی عظیم درس گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور میں 1984ء میں جماعت رابعہ میں داخلہ لیا، جہاں انھوں نے درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور 1989ء میں سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے، فراغت کے بعد ہی 1990ء میں الجامعۃ الاشرفیہ ہی میں بحیثیت مدرس ان کا تقرر ہو گیا اور ان کے ادبی و صحافتی ذوق کو دیکھتے ہوئے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس منتظمہ نے ادارہ کے دینی و علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت بھی آپ کے سپرد کر دی، عالم و فاضل ہونے کے ساتھ مولانا مصباحی حافظ و قاری بھی تھے، خطابت و صحافت کا انھیں اعلیٰ ذوق و ملکہ حاصل تھا اور ان کی اس صلاحیت کی پورے حلقہ اہل سنت و جماعت میں پذیرائی تھی، جس کے گواہ ماہنامہ اشرفیہ کے اوراق اور ملک کے گوشے گوشے میں سجنے والے خطابت کے اسٹیج تھے۔ دعوت و تبلیغ کی سرگرمیوں کے سبب اکثر وہ تبلیغی دوروں پر رہتے تھے، دعوتی سرگرمیوں کے باعث چند سال قبل کسی کار حادثہ کا وہ شکار ہو گئے تھے مگر ان کے نزدیک۔

مرنا تو اس جہاں میں کوئی حادثہ نہیں
اس دور ناگوار میں جینا کمال ہے

اور کار حادثہ بھی ایسا کہ الامان والحفیظ، زخموں سے پورا بدن چور ہو چکا تھا، زندگی کے آثار مٹتے جا رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا کرم اور بزرگوں کی دعائیں شامل حال رہیں کہ زندگی باقی رہی مگر اندرونی تکالیف سے وہ پوری طرح ٹوٹ چکے تھے اس سے باہر نہ

نکل سکے، پھر بھی انھوں نے اس حالت میں بھی اپنا دعوتی مشغلہ اور لوح وقلم کا سلسلہ جاری رکھا اور زبان حال سے کہتے رہے۔

طبیعت کو ہوگا قلق چند روز
ٹھہرتے ٹھہرتے ٹھہر جائے گی

جب تک طبیعت میں ٹھہراؤ رہا کام کرتے رہے، مگر موت برحق ہے، اس سے رستگاری ممکن نہیں، وہی زخم جوانھیں کارحادثہ کے وقت ملا تھا وہی موت کا باعث بنا۔

اک چراغ بجھتا ہے اک چراغ جلتا ہے
اس طرح سے دنیا کا یہ نظام چلتا ہے

4 جون 2026ء مطابق 7ذی الحجہ 1447ھ کو مزار حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کے قریب اشرفیہ قبرستان میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں تدفین عمل میں آئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

موت برحق سب کو چکھنا ہے مزہ اہل وطن
عالم و مفتی ہو کوئی یا ہو شیخ و برہمن
مرضیِ رب مل گئی پھر خلد کی جانب چلے
موت کا آیا فرشتہ لے گیا روح بدن
موت عالِم موت عالَم ہے یقیناً دوستو
اس سے بہتر موت کیا ہوگی بھلا اہل چمن
منبع اخلاص والفت حیف آخر چل بسا
اس کی تربت پہ خدا برسادے رحمت کی بھرن
مرضیِ رب تھی یہی جو کچھ ہوا اچھا ہوا
چھوڑ کے جانا ہے اک دن زرزمیں فرزندوزن
اس کا مرقد خلد کا روضہ بنادے اے خدا
ابر رحمت اس پہ کردے حشر تک سایہ فگن
قبر میں آئیں ہوائیں جنت الفردوس سے
نور سے معمور تربت ہو نہ ہو اس میں گھٹن
نور حق سے قلب اس کا تھا منور بے گماں
ہو نہ میلا حشر تک مرحوم کا یارب کفن
بخش دے یا رب اسے کیا دیکھنا فرد عمل
چشم پُرنم سے دعا گو ہیں یہاں سب مردوزن
اس کی قبر و حشر کی سب مشکلیں آسان کر
صدقۂ محبوب رحمان و طفیلِ پنجتن

مولانا مبارک حسین مصباحی مدرس کیسے تھے اس کا اندازہ مجھے نہیں تھا البتہ خطابت وصحافت کے ضرور مرد میدان تھے، جو الفاظ ان کے نوک قلم یا زبان مبارک سے نکلتے تھے وہ اپنی جداگانہ شناخت رکھتے تھے، اس لیے ان کی حیات ہی میں ان کی زبان وقلم دونوں کی پذیرائی ہوئی، مرنے کے بعد تو ہر کوئی دانستہ وغیر دانستہ طور پر جانے والوں کی حدیث کے اس جملہ اذکروا موتاکم بالخیر کے مطابق تعریف تو کرتا ہی ہے، مولانا مبارک حسین کی زبان وقلم کے مداح ان کی زندگی ہی میں ہم جیسے بہت تھے، جو نہ صرف ان کے منہ پر تعریف کرتے بلکہ پیٹھ پیچھے بھی ان کی زبان وقلم کی مدح وستائش میں رطب اللسان رہتے تھے۔

مولانا مصباحی نے ہمیشہ اعتدال، میانہ روی اور سنجیدہ طرز فکر کو فروغ دیا اور یہی سب کچھ ان کے صحافتی اداریے میں ہوتا تھا اس لیے ماہنامہ اشرفیہ کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا مگر مولانا کو اس پر ذرہ برابر بھی غرہ نہ تھا، وہ زبان حال سے ہمیشہ یہی فرماتے رہے۔

نہ تو شہرت ہے نہ دینا رو درم رکھتے ہیں
ہم تو اتنے ہی میں خوش ہیں کہ قلم رکھتے ہیں

ماہنامہ اشرفیہ کی مقبولیت کی دوسری وجہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی وہ دعا بھی ہے جو آپ نے ماہنامہ اشرفیہ کے لیے فرمائی تھی۔ حافظ ملت اپنے ایک مکتوب میں حمد وصلاۃ کے بعد برادران اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور ایک قدیم دینی درس گاہ ہے جو ترقی کرکے ”دار العلوم اشرفیہ“ ہوا اور اب ”الجامعۃ الاشرفیہ“ ہے، یہ دینی ادارہ اپنی پوری جدوجہد کے ساتھ تعلیمی وتبلیغی اور دینی خدمات انجام دیتا رہا ہے، 20شوال 1393ھ کی مجلس شوریٰ نے اس میں شعبۂ نشرواشاعت کا اضافہ کیا، یہ شعبہ اپنی بساط کے مطابق تقریری اور تحریری خدمات انجام

دیتا رہا قلمی خدمات میں "ارشاد القرآن"، "اشرفیہ کا ماضی اور حال" اور "الوسیلۃ السنیۃ" شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، اب مستقل ماہنامہ اشرفیہ آپ کے پیش نظر ہے، ان شاء المولی القدیر یہ رسالہ مذہبی ماہنامہ نہایت پابندی کے ساتھ وقت پر پہنچتا رہے گا، امید ہے کہ آپ اس کی قدر کریں گے اور حتی الامکان اس کی اشاعت کو فروغ دیں گے اور اعانت فرمائیں گے۔

دعا ہے کہ مولائے کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقے میں اس ماہنامہ اشرفیہ کو قوم وملت اور مذہب اہل سنت کے لیے مفید سے مفید تر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔"

عبد العزیز عفی عنہ

25 ذوالحجہ 1395ھ

یوں تو اس ماہنامے کو اس سے قبل چار مدیران اور مل چکے تھے سب نے ہی اس ماہنامہ کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا لیکن مولانا مبارک حسین مصباحی کو اس ماہنامہ کی خدمت وادارت کا زیادہ یعنی تقریباً 34 سال موقع ملا اس دوران انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ کو لازوال زندگی بخشی اور عالم اسلام جہاں جہاں فرزندان اشرفیہ ہیں وہاں وہاں ماہنامہ اشرفیہ بھی پہنچا اور یہ سلسلہ ہنوز بدستور جاری وساری ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی نے اس ماہنامہ کو مقبول عام بنانے کے لیے بھی بہت کوششیں کیں، جس تنوع کے ساتھ اس کے مندرجات ہوتے تھے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس رسالہ کے قاری عوام نہیں علما و دانشور ہوا کرتے تھے؛ کیوں رسالہ میں جن موضوعات پر گفتگو اور بحث ہوتی تھی وہ حالات حاضرہ کے عین مطابق تھی۔

ماہنامہ اشرفیہ میں اداریے کے علاوہ مختلف ذیلی سرخیوں کے تحت مشمولات ہوتے تھے جو اَب بھی ہیں اور مجھے امید ہے کہ آنے والا نیا مدیر انھی درج ذیل مشمولات میں خوش گوار اضافہ کے لیے ضرور جدوجہد کرے گا۔

اس کے علاوہ مولانا مصباحی نے اس ماہنامہ کے وقیع نمبر بھی نکالے جو حلقہ علم ودانش میں بہت مقبول ہوئے اور پسندیدگی کے نظروں سے دیکھے گئے۔ ایسے خصوصی شماروں میں ذیل کے شمارے انتہائی اہم اور لائق مطالعہ ہیں۔

صدر الشریعہ نمبر ۱۹۸۵ء، پیغمبر اعظم نمبر ۱۹۹۱ء، حافظ ملت نمبر ۱۹۹۴ء، تعلیمی کنونشن نمبر ۱۹۹۶ء، سلطان الہند غریب نواز نمبر ۱۹۹۸ء، شارح بخاری نمبر ۲۰۰۰ء، سیدین نمبر ۲۰۰۲ء۔

ان خصوصی شماروں کی علمی وقعت کیا ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے تحقیقی مقالہ "اسلامی علوم کے فروغ میں الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمات" کا مطالعہ مفید ہوگا، جسے ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد (یونیورسٹی) دہلی کے زیر اہتمام ڈاکٹر درخشاں عشرت نے مکمل کر کے 2024ء میں پی. ایچ. ڈی کی سند حاصل کی ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کا قلم اور ذہن وفکر دونوں ساتھ ساتھ کام کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ پرورش لوح وقلم بڑی حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے، ماہنامہ کی اشرفیہ کی ادارت کے ساتھ ان کے نوک قلم سے کئی ایک کتابیں بھی ارباب علم ودانش کے مطالعۂ میز کی زینت بنیں، ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں کوئی قلم کار ان کی مجموعی خدمات کا احاطہ کر کے ایک وقیع تحقیقی مقالہ قلم بند کرے، جو ان کی زندگی اور کارناموں کو سمجھنے میں معاون ومددگار ہوسکے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کا اس دنیائے ناپائیدار سے دفعتاً جانا بلا شبہ ملک وملت دونوں کے لیے خسارہ کا باعث ہے پوری اشرفیہ برادری ان کی رحلت سے سوگوار ہے ان کے اہل خانہ الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذہ کرام کے علاوہ خاص طور سے ان کے خسر محترم حضرت مولانا عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور ان کے فرزند گرامی حضرت مولانا محمد نعیم الدین استاذ الجامعۃ الاشرفیہ اس حادثۂ جانکاہ سے کافی غمزدہ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کے تمام لواحقین وپس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

نقوشِ جاوداں چھوڑ جانے والا ایک مسافر

مفتی محمد شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی، ہالینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

زندگی کی کتاب کے بعض اوراق ایسے ہوتے ہیں جنھیں زمانہ مدتوں فراموش نہیں کر پاتا۔ کچھ شخصیات محض افراد نہیں ہوتیں بلکہ ایک عہد، ایک فکر، ایک روایت اور ایک ادارے کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کے وجود سے محفلیں آباد، ادارے متحرک، اذہان منور اور قلموں کو سمت ملا کرتی ہے۔ جب ایسی شخصیات دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو صرف ایک انسان کا انتقال نہیں ہوتا بلکہ علم و ادب کا ایک باب بند ہو جاتا ہے، یادوں کا ایک جہاں ویران ہو جاتا ہے اور اہلِ علم و قلم اپنے درمیان ایک ایسا خلا محسوس کرتے ہیں جسے مدتوں پُر نہیں کیا جا سکتا۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہ وہ سچائی ہے جس کے آگے دنیا کی ہر طاقت، ہر منصب، ہر شہرت اور ہر عظمت سرنگوں ہو جاتی ہے۔ قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا:

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ."

"زمین پر جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے اور باقی رہنے والی صرف آپ کے رب کی ذات ہے جو جلال و اکرام والی ہے۔"

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى.

"اور جو اللہ کے پاس ہے وہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔"

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض لوگ مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے۔ ان کے جسم مٹی کے سپرد ہو جاتے ہیں مگر ان کا علم، ان کا کردار، ان کی خدمات، ان کی تحریریں، ان کی یادیں اور ان کے چھوڑے ہوئے نقوش زندہ رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: "وہ تاریخ کے صفحات پر نہیں بلکہ دلوں کے اوراق پر زندہ رہتے ہیں۔"

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ انھی باکمال، نادرۂ روزگار اور یادگار شخصیات میں سے ایک تھے جن کے وصال سے علمی، دینی، صحافتی اور تنظیمی حلقوں میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے پر کرنا آسان نہیں۔

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ، رئیس التحریر حضرت علامہ لیس اختر مصباحی علیہ الرحمہ اور دیگر اکابر اہلِ قلم کے بعد مصباحی برادران میں اگر کسی شخصیت نے قرطاس و قلم، صحافت اور علمی تحریر کے میدان میں اپنی منفرد شناخت قائم کی تو وہ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ تھے۔ انھوں نے صرف لکھا نہیں بلکہ قلم کو مقصد دیا، تحریر کو سمت دی اور صحافت کو دعوت، اصلاح اور خدمتِ دین کا مؤثر ذریعہ بنایا۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ کے علمی گلشن میں وہ ایک ایسے خوش رنگ اور خوشبودار پھول تھے جس کی مہک دور دور تک محسوس کی جاتی تھی۔ راقم کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت مرحوم جامعہ اشرفیہ میں مجھ سے بعد کے دور کے فاضل تھے، مگر علمی سنجیدگی، فکری پختگی، دینی غیرت اور قلمی صلاحیتوں کے اعتبار سے وہ اپنے معاصرین کے درمیان ممتاز مقام رکھتے تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں تدریس، ماہنامہ "اشرفیہ" کی ادارت، تنظیم ابنائے اشرفیہ کی ذمہ داریاں اور بے شمار دینی و ملی مصروفیات کے باوجود ان کا تعلق کتاب و قلم سے کبھی منقطع نہیں ہوا۔ وہ ان خوش نصیب علما میں سے تھے جن کے ہاتھ میں قلم بھی تھا، زبان پر علم بھی تھا، دل میں اخلاص بھی تھا اور فکر میں امت کا درد بھی تھا۔ دینی، مسلکی، مشربی، قومی اور ملی مسائل کے مختلف پہلوؤں کو

سلجھانا اور امت کی فکری رہنمائی کرنا ان کی زندگی کا مشن تھا۔

حضرت مرحوم کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ محض عالم نہیں تھے بلکہ صاحبِ فکر عالم تھے، صرف مصنف نہیں بلکہ صاحبِ مقصد مصنف تھے، صرف صحافی نہیں بلکہ ایک نظریاتی صحافی تھے اور صرف مقرر نہیں بلکہ ایک درد مند داعی، مصلح اور مربی تھے۔

آج جب صحافت کا بڑا حصہ سنسنی خیزی، شہرت طلبی اور مفاد پرستی کا شکار ہو چکا ہے، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مرحوم نے صحافت کو امانت سمجھا۔ انھوں نے قلم کو ذاتی مفاد کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے دین، مسلک اور ملت کی خدمت کا وسیلہ بنایا۔ ان کے اداریے، مضامین اور تحریریں اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ وہ لکھنے سے پہلے سوچتے تھے اور سوچنے سے پہلے دین وملت کے مفاد کو سامنے رکھتے تھے۔

ماہنامہ "اشرفیہ" ان کی ادارت میں محض ایک رسالہ نہیں تھا بلکہ فکر و دانش کا ایک دبستان تھا۔ اس کے صفحات پر تحقیق کی سنجیدگی، علم کی روشنی، اعتدال کی خوشبو اور اہلِ سنت کے علمی وقار کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی۔ ان کا قلم نہ جذبات کی بے اعتدالی کا شکار تھا اور نہ مصلحت کی کمزوری کا؛ بلکہ سنجیدہ فکر، متوازن رائے اور دینی حمیت وغیرت کا ترجمان تھا۔

حضرت مرحوم کی گفتگو ان کی تحریر کی طرح شائستہ اور دل نشیں تھی۔ ان کی زبان پر کبھی تلخی نہیں آئی۔ اختلاف کے مواقع پر بھی ان کے الفاظ تہذیب کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دلیل کی طاقت آواز کی بلندی میں نہیں بلکہ فکر کی بلندی میں ہوتی ہے۔

ان کی گفتگو میں علم کی شیرینی گھلی ہوئی تھی، اخلاق میں محبت کی خوشبو بسی ہوئی تھی اور شخصیت میں اخلاص کی ایسی روشنی تھی جو ہر ملنے والے کے دل کو منور کر دیتی تھی۔ ان کی متانت، انکساری، خندہ پیشانی اور حسنِ اخلاق ہر شخص کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ وہ اپنے بڑوں کے لیے سراپا ادب اور چھوٹوں کے لیے مجسم شفقت تھے۔

مجھے آج بھی ان کی وہ دل آویز مسکراہٹ یاد ہے جو دل جیت لیا کرتی تھی، ان کی وہ گفتگو یاد ہے جس میں احترام کی چاشنی گھلی ہوتی تھی اور وہ علمی نشستیں یاد ہیں جن میں ان کے افکار وخیالات دل ودماغ پر دیرپا نقوش چھوڑ جایا کرتے تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم جب اخلاق کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے تو شخصیت کس قدر دلکش، مؤثر اور مقبول بن جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ"۔ "لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔"

حضرت مرحوم کی پوری زندگی اس حدیثِ مبارکہ کی عملی تصویر اور جیتی جاگتی تفسیر نظر آتی ہے۔

ان کے وصال کی خبر سن کر ایسا محسوس ہوا جیسے جامعہ اشرفیہ کے علمی افق سے ایک روشن ستارہ غروب ہو گیا ہو، صحافت کے گلشن کا ایک خوش رنگ پھول جھڑ گیا ہو، علم و ادب کی ایک پُر رونق محفل خاموش ہو گئی ہو اور اہلِ قلم کا قافلہ اپنے ایک مخلص رہنما سے محروم ہو گیا ہو۔ ایسے مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بے اختیار یاد آتی ہے:

"إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء"

"اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے اچک کر نہیں اٹھاتا بلکہ علما کو اٹھا لینے کے ذریعے علم کو اٹھاتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

یقیناً حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی رحلت صرف ایک فرد کی جدائی نہیں بلکہ علم، قلم، صحافت، تربیت اور دینی خدمات کے ایک روشن باب کا اختتام ہے۔ تاہم اہلِ ایمان کے لیے موت فنا نہیں بلکہ ایک نئی اور دائمی زندگی کی طرف سفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له"

"جب انسان وفات پاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: صدقۂ جاریہ، وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔" (مسلم)

(باقی ص:247 پر)

مولانا مبارک حسین مصباحی

آغوش اشرفیہ میں

مولانا حافظ حمید الحق برکاتی مصباحی، سجادہ نشین شارح بخاری، گھوسی

فرزندان الجامعۃ الاشرفیہ میں بہت سارے علما، فضلا، افق مصباحیت پر ابھرے چمکے اور چمکتے رہیں گے، اپنی علمی، عملی، ذہنی اور فکری جولانیت دکھاتے ہیں اور دکھاتے رہیں گے۔ کسی کی اپنی محنت اور کوشش کار فرما ہوتی ہے تو کسی کے پیچھے اساتذہ یا بڑے بزرگوں کا سپورٹ اور سہارا ہوتا ہے جس کی وجہ سے چشم زدن میں وہ قد آور شخصیات میں شامل ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل علم و فکر و دانش میں اپنا تعارف اور کردار پیش کر کے اپنا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔

انھی شخصیات میں ایک نیک نام، مفکر اسلام، فصیح اللسان حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا ہے، انھوں نے دور طالب علمی میں اپنی شناخت اساتذہ اور طلبہ میں بنالی تھی۔ اپنی محنت اور صلاحیت کی بنیاد پر ایک چھوٹے سے قصبے شاہ پور ضلع رام پور یوپی کے خطے سے آئے، ان کا کوئی خاندانی بڑا بیک گراؤنڈ نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ کوئی خاص شناخت رکھتے رہے ہوں۔ مگر اپنے دور طالب علمی میں جماعت میں نمایاں کامیابی کے ساتھ ساتھ اساتذہ سے تعلقات اور ان کی خدمت کر کے دعائیں لے کر اساتذہ کی توجہات کا مرکز بن گئے۔ خاص طور پر خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب سے اور بزرگوں میں حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ سے رہتے، ان سے استفادہ کرتے رہتے، گو کہ حضرت شارح بخاری سے کوئی درسی کتاب نہیں پڑھی مگر ان کے حلقۂ درس و تحریر و افتا میں شامل ہوتے رہے۔

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کی یہ عادت کریمہ تھی کہ کوئی طالب علم آپ سے بار بار ملتا اور مانوس ہو جاتا تو اسے آزماتے، زیر درس کتابوں سے سوال پوچھتے، اگر تسلی بخش جواب ہوتا تو سراہتے، شفقت فرماتے اور محنت کرنے کی ترغیب دیتے۔

میں اس وقت جماعت رابعہ کا طالب علم تھا اور یہ غالباً درجۂ فضیلت میں تھے، میں نے بارہا دیکھا یہ والد بزرگوار کی بارگاہ میں حاضری دیتے، کبھی مفتی ایاز کے ساتھ کبھی مفتی زاہد علی سلامی کے ساتھ۔ یہ تینوں شخصیات والد بزرگوار کے کافی قریب تھیں۔ مفتی زاہد علی سلامی تو دارالافتا میں حضرت کی بارگاہ میں مشق افتا کی غرض سے رہتے، بقیہ دو صاحبان استفادہ کے لیے آتے رہتے تھے اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔

جب انتخاب قدیری کا فتنہ ابھرا اور ''اللہ ھو میاں'' کسی شخص کو پکارنا، کہنا جائز ہے یا ناجائز؟ کہنے والے پر کیا حکم ہے؟

سب سے پہلے تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کے خلاف ناجائز کا فتویٰ دیا اور کہنے والے پر توبہ کا مطالبہ کیا تو اس کے جواب میں انتخاب قدیری نے اپنے اسٹیجوں پر تاج الشریعہ کا تمسخر کرنا شروع کیا۔ پھر وہ سارے فتاوے اور کلپ جو انتخاب قدیری کے مذخرفات کی تھیں، شارح بخاری کے پاس آئے تو آپ نے ایک تحریر تیار کرائی اور ایک اشتہار بنام مولانا مبارک حسین رام پوری، مولانا ذوالفقار رام پوری اور مفتی زاہد علی سلامی شائع کرایا۔ اس اشتہار نے انتخاب قدیری کے سارے علمی اور فکری جنازے نکال دیے پھر اسے لب کشائی کی مجال نہیں ہوئی۔

جب مولانا مبارک حسین مصباحی کی فراغت ہوئی اور اس کے بعد حضرت عزیز ملت شہزادۂ حافظ ملت مولانا عبد الحفیظ

صاحب کی شہزادی سے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوگئے اور اہل اشرفیہ سے ان کا رشتہ مضبوط ہوگیا اور سب کے نور نظر بن گئے پھر الجامعۃ الاشرفیہ میں آپ کا بحیثیت مدرس تقرر ہوا اور مدرس بن گئے اور ان کا سنہرا دور شروع ہوا۔ ان کا شغف تحریر و تقریر سے زیادہ رہا اور دونوں عہدوں کے شہسوار بن گئے۔ صحافت و خطابت کی دنیا میں برابر کام کیا، پلیٹ فارم بھی بڑا ملا اور دیکھتے دیکھتے لوح و قلم کے شہسوار بن گئے اور وہ سارے مراحل طے کرتے گئے جو ایک اچھے ادیب مافی الضمیر کو زبان و بیان کے سانچے میں ڈھالنے کا ہنر ہوتا ہے۔

وہ ایک مفکر تھے۔ فکر کی گہرائی، جودتِ نظر کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر جو کچھ لکھتے اور بولتے وہ لوگوں کے ذہن میں مرکوز ہو جاتا۔ ان کی انھی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر بنا دیے گئے اور پھر لکھنے لگے اور لکھتے لکھتے اپنے زور قلم سے ادارت کا وہ حق ادا کیا کہ علامہ بدر القادری، علامہ عبد المبین نعمانی اور مولانا سید شمیم گوہر کے بعد آپ نے اپنی جگہ بنائی۔ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے شہ پارے، مضامین اور اداریے سیکڑوں ہزاروں صفحات پر مشتمل شائع اور ضائع ہیں۔

"سیدین نمبر" جو خاص طور پر حضرت شارح بخاری اور حضرت خیر الاذکیاء کی سرپرستی میں شائع ہوا اور "شارح بخاری نمبر" جو خاص آپ ہی کی محنت کا ثمرہ ہے۔

دوران طالب علمی میرے چار سال اور فراغت کے بعد دو سال ان لوگوں کے ساتھ بہت وقت گذرا۔ حضرت مفتی زاہد علی سلامی اور حضرت مولانا اختر کمال کی معیت میں بہت ساری نجی محفلیں، گفت و شنید، نشست و برخاست، خورد و نوش رہا۔ ان کی محفلیں بہت پر لطف ہوتیں، مفتی زاہد علی سلامی اس مجلس کے روح رواں ہوتے، جب کچھ نوک جھونک میں بات آگے بڑھتی مراد آبادی لہجہ میں مفتی زاہد علی سلامی حاوی نظر آتے تو بڑی معصومیت سے مولانا مبارک حسین فرماتے "ارے یار رہنے دو!" جب ان کی شادی ہوئی تو دعوت ولیمہ میں شرکت کے لیے والد بزرگوار بھی حضرت عزیز ملت کی شفقت اور مولانا مبارک حسین کی محبت میں تشریف لے گئے ساتھ میں میں بھی تھا وہ سفر بھی بہت پر لطف تھا۔

جب ہم شاہ پور سے سنبھل کے لیے بس کے ذریعے چلے اور مفتی زاہد علی سلامی کے دولت کدے پر پہنچے، ان کے والد بزرگوار برادر گرامی عبد الغفور پھوپھا اور بہت سارے حضرات نے استقبالیے پیش کیے، اور پوچھا گیا: حضرت! سفر کیسا رہا؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ والد بزرگوار نے فرمایا: مت پوچھیے! سواری ایسی تھی جس کے ہارن کے علاوہ سب کچھ بجتا تھا۔

حضور حافظِ ملت کا بھی ایک واقعہ ممبئی سے بھیونڈی کا ہے۔ حضرت علامہ بدر القادری علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حافظ ملت کے ساتھ بائیکلہ سے لوکل ٹرین پر سوار ہوئے ٹرین میں بھیڑ نہیں تھی، کچھ دیر بعد حضرت عمامہ اتار کر آستین اونچی کرنے لگے، میں نے سمجھ لیا کہ استنجا اور وضو کا ارادہ ہے عرض کیا: حضور لوکل ٹرین میں استنجا خانہ نہیں ہوتا۔ فرمایا: "کیا اس ٹرین میں انسانوں کے بجائے فرشتے سفر کرتے ہیں؟"

ان دونوں بزرگوں میں دو چیزیں کامن تھی عام سواری پر سفر کر لیتے تھے اور دوران سفر کوئی قباحت یا حاجت محسوس نہ کرتے، ظریفانہ ماحول بنائے رکھتے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کو ایک حادثے نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، مسلسل علاج و معالجے کے بعد وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، بہت جلد داغ مفارقت دے گئے، رحلت سے حضرت عزیز ملت اور گھر والوں کے لیے صدمہ اور غم و الم کا جو ماحول چھوڑ گئے۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے دور فرمائے اور ان کو جوار اقدس میں جگہ عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

****

مولانا مبارک حسین مصباحی - کچھ یادیں، کچھ باتیں

از: مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

یہ 1996ء کی بات ہے جب ناچیز نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اشرفیہ کے علمی ماحول میں درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ خارجی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بھی پروان چڑھنے لگا اور ان کی تلاش وجستجو میں کبھی اشرفی دارالمطالعہ، کبھی المجمع الاسلامی، کبھی المجمع المصباحی تو کبھی حق بک ڈپو مبارک پور کا چکر لگایا کرتا تھا اور کبھی کبھی صدر العلما خیر الاذکیاء استاذی وسندی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ کی ذاتی لائبریری سے بھی استفادہ کیا کرتا تھا، راقم السطور کی یہ عادت تھی کہ دوران مطالعہ حاصل مطالعہ کو ضبط بالصدر کے ساتھ ساتھ ضبط بالکتاب کے طور پر ایک رجسٹر میں بھی نوٹ کر لیا کرتا تھا، ایک دن اچانک دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ حاصل مطالعہ کو مختصر مضامین کی شکل دے کر کسی میگزین میں اشاعت کے لیے بھیج دیا جائے تاکہ قارئین بھی ان سے مستفید ہوں، ان ایام میں ہدی ڈائجسٹ، ھما، خاتون مشرق اور گلابی کرن جیسے ماہ نامے، سہ ماہی اور سال نامے یہ سب رسائل و جرائد بھی چھپ چھپ کر مطالعہ کیا کرتا تھا، چھپ کر مطالعہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں میں اس طرح کے میگزین کا مطالعہ کرنا اشرفیہ کی چہار دیواری کے اندر ممنوع تھا۔

دھیرے دھیرے اپنے کچھ مضامین ان رسالوں میں طباعت کے لیے ارسال کیا تو نہ صرف ان کی اشاعت ہوئی بلکہ اپنے رفقائے درس اور دیگر تلامذہ اشرفیہ نے داد وتحسین سے بھی نوازا، جب اس کی خبر اپنے بعض مخلص احباب کو ہوئی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ ان رسالوں کو زیادہ پڑھنے اور ان میں مضامین لکھنے سے کہیں تمہارا خارجہ نہ ہو جائے اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی پوری توجہ صرف تعلیم پر مرکوز رکھو اور تحریر سے کنارہ کشی اختیار کر لو، خارجہ کے ڈر سے احباب کی رائے سے عدم اتفاق کے باوجود ان کے مشورے پر عمل کیا اور لکھنا چھوڑ دیا یہ اس وقت کی بات ہے جب ناچیز کی ان رسالوں کے علاوہ کسی دوسرے مذہبی، علمی، فکری اور تحقیقی رسالہ تک رسائی نہیں تھی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا وجود بھی نہیں تھا، مبیضہ کو ہاتھ سے لکھ کر بذریعہ ڈاک ایڈیٹر تک ارسال کرنا پڑتا تھا۔

تحریر و قلم کے حوالے سے فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر اپنے رفقا سے اکثر سنتا تھا اور کبھی کبھی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کی درس گاہ میں ماہنامہ اشرفیہ کے اداریوں کو بھی پڑھا کرتا تھا آپ کی تحریری جولانیت نے ناچیز کے دل میں آپ کے لیے جگہ بنا لیا تھا لیکن قریب سے ملاقات اور گفت وشنید کا موقع میسر نہیں آ رہا تھا۔

2001ء میں حضور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کا اچانک حرکت قلب بند ہونے پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں وصال ہوا اشرفیہ مبارک پور اور گھوسی دونوں جگہ آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اس ناچیز کو بھی دونوں جگہ حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا اور اپنی نم ناک آنکھوں کے سامنے آپ کی جسد خاکی کو سپرد خاک ہوتا ہوا دیکھا

فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں "شارح بخاری نمبر" نکالنے کا عزم کیا اور اس سلسلے میں اہل علم و دانش سے رابطہ کر کے

خادم تدریس وافتا ادارہ شرعیہ اتر پردیش ، رائے بریلی

مضامین حاصل کیے آپ نے اپنے ایک قریبی شاگرد سے رابطہ کر کے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ”میں چاہتا ہوں شارح بخاری نمبر میں ایک مضمون طلبہ اشرفیہ کی طرف سے بھی ہو اگر تمھاری نظر میں اس معیار کا کوئی طالب علم ہے تو اسے میرے پاس لے آؤ“ اس نے میرے نام کا ذکر کیا اور ٹھیک دوسرے دن ماہنامہ اشرفیہ کے دفتر میں مجھے اپنے ہمراہ لے گیا زندگی میں پہلی بار کسی ماہ نامہ کے دفتر میں پہنچا تھا دفتر میں ایک طرف کرسی ادارت پر حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی جلوہ افروز تھے تو دوسری طرف مولانا محبوب عزیزی رسالوں کو بھیجنے کے لیے اس کی پیکنگ کر رہے تھے اور ایک طرف کاتب صاحب اگلے شمارے کی کتابت کر رہے تھے اور اس کی تیاری میں مصروف تھے۔

حضرت نے میری طرف غور سے دیکھا اور فرمایا اچھا آپ ہیں کمال الدین؟ کس جماعت میں پڑھتے ہیں اور اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ کو تحریر سے ذوق ہے؟ صرف درسی کتابیں ہی پڑھتے ہیں یا کچھ خارجی کتابوں سے بھی دلچسپی ہے؟ اب تک آپ نے خارجی کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟ میں نے حضرت کے سارے سوالوں کے جوابات دیے آپ نے فرمایا:

”ماہ نامہ اشرفیہ کا شارح بخاری نمبر“ نکلنے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس میں ایک مضمون طلبہ اشرفیہ کی طرف سے بھی ہو جس میں شارح بخاری کے وصال پر طلبہ اشرفیہ کی کیفیت کا آنکھوں دیکھا حال اور ان کی اضطرابی کیفیت کا ذکر ہو آپ کے پاس ایک ہفتہ کا ٹائم ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میں آپ کتنا کمال پیدا کرتے ہیں“؟

ہم نے مضمون لکھنے کا وعدہ کر لیا اور واپس عزیزی ہاسٹل آگئے۔ حضور شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے حوالے سے جب مجھ سے مضمون کی فرمائش کی گئی تو میرا دل مچل گیا اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ کے وقت حضور شارح بخاری نے میرے اوپر ایک بہت بڑا احسان کیا تھا اور وہ یہ ہے جب میں نے اپنی خوراکی کی فیس کے معافی کے تعلق سے اس وقت کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین استاذ گرامی ممتاز الفقہا محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی دامت برکاتہم القدسیہ کو درخواست دی تھی تو آپ نے فرمایا "یہاں کسی کی فیس معاف نہیں ہوتی ہے اگر فیس دینے کی استطاعت نہیں ہے تو کسی دوسرے ادارہ میں داخلہ لے لو“میں نے جواب میں کہا تھا“ کہ حضور مجھے یہیں پڑھنے کی خواہش ہے کسی دوسرے مدرسے میں نہیں جاؤں گا تو آپ نے میرے اصرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ”ادارہ کا اصول سب کے لیے برابر ہے میں کچھ نہیں کر سکتا چلے جاؤ مفتی صاحب (شارح بخاری) کے پاس اگر وہ کچھ کرتے ہیں تو میں بھی کچھ کرتا ہوں“میں جب حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ کی خدمت میں اپنی درخواست لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس درخواست کے ذیل میں یہ لکھا:

”موصوف کی خوراکی میں سے نصف لی جائے اور نصف معاف کر دی جائے اب یہ درخواست دوبارہ حضور محدث کبیر کی بارگاہ میں لے کر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ جب مفتی صاحب نے نصف خوراکی معاف کرنے کی سفارش کی ہے تو نصف میں اپنے اختیار سے معاف کرتا ہوں“۔

حضور شارح بخاری کا ناچیز پر یہی وہ احسان تھا جس کی بدولت ناچیز کو داخلہ نصیب ہوا تھا (یہ درجہ اعدادیہ میں داخلہ کی بات ہے کچھ گھریلو وجوہات کی بنیاد پر اشرفیہ چھوڑ کر چلا گیا تھا پھر بعد میں درجہ خامسہ میں دوبارہ داخلہ لیا) راقم السطور حضور شارح بخاری کی خدمت میں گاہے بگاہے ضرور حاضر ہوا کرتا تھا آپ ناچیز پر اس قدر شفقت فرماتے تھے چائے ناشتہ لانے کے لیے اگر کسی دکان پر بھیجتے اور جو روپیہ دکان سے واپس آتا اسے نہیں لیتے تھے بلکہ وہ اس ناچیز کو ہمیشہ دے دیا کرتے تھے ایسے محسن کے حوالے سے بھلا لکھنا کون نہیں چاہے گا؟ چاہے جیسا بھی ہو اپنے قلم کو ضرور جنبش دے گا اور اپنے محسن کو عقیدتوں کا خراج پیش کرے گا۔

میرے سامنے دو چیزیں تھیں ایک طرف میرا محسن تھا

دوسری طرف قلمی صلاحیتوں کا پروانہ۔

ناچیز نے مضمون قلم بند کیا اور اس کو عنوان دیا ”اپنے محسن کی بارگاہ میں طلبہ اشرفیہ کا خراج عقیدت“ ایک ہفتہ کے بعد جب اپنا مسودہ لے کر علامہ مبارک حسین مصباحی کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے بغور دیکھا اور برجستہ فرمایا:

”میں جیسا چاہ رہا تھا آپ نے بالکل ویسا ہی لکھا ہے اور میرے دل کی بات اتار کر کے رکھ دی ہے واقعی آپ کمال کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

حضرت کے ان حوصلہ بخش کلمات کو سن کر دل کو کافی سکون ملا ورنہ بہت ہی ڈر رہا تھا اتنے بڑے ادیب کے سامنے میں یہ مضمون لکھ کر لے جارہا ہوں نہ جانے اس میں کتنی غلطیاں اور خامیاں ہوں گی کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ مضمون رد ہوجائے جو مجھے ساتھ لے گئے تھے ان پر بھی ڈانٹ پڑے لیکن الحمدللہ حضرت نے صرف چند غلطیوں کی نشاندہی کی اور اپنی طرف سے اس مضمون میں اس شعر کا اضافہ کیا

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں موت آید تبسم بر لب اوست

(یہ مضمون شارح بخاری نمبر میں ملاحظہ کر سکتے ہیں)

حضرت نے فرمایا کہ ”آپ اچھا لکھ سکتے ہیں اگر یوں ہی لکھتے رہیں“ میں نے عرض کیا کہ حضور! اگر میں لکھوں اور مضمون آپ کے معیار پر اتر جائے تو کیا آپ اسے ماہنامہ اشرفیہ میں جگہ دیں گے آپ نے فرمایا:

”کیوں نہیں میں تو چاہتا ہوں ہر شمارے میں اشرفیہ کے کسی نہ کسی طالب علم کا مضمون ضرور ہو، طلبہ لکھتے نہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں رابطہ کرتے ہیں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ طلبہ کے اندر تحریری بیداری صرف یوم مفتی اعظم ہند کے انعامی مسابقہ تک ہی محدود ہے آپ لکھیے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کی رغبت دلائیے میرے پاس لکھ کر لائیے اس کی مکمل اصلاح کرکے قابل اشاعت بناؤں گا۔“

حضرت علامہ محمد مبارک حسین مصباحی کے ان حوصلہ بخش کلمات نے نہ صرف ہمارے دل میں قرطاس وقلم کا مردہ ذوق زندہ کیا بلکہ اس دن سے آپ کی رہبری اور سرپرستی بھی حاصل ہوگئی اس کے بعد ناچیز کے متعدّد مضامین آپ نے ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع کیا۔

قیام اشرفیہ کے دوران دہلی سے علامہ یاسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی ادارت میں ماہنامہ کنزالایمان وجود میں آیا اور لکھنو سے روزنامہ راشٹریہ سہارا بھی نکلنے لگا ناچیز نے آپ کے مشورے سے اپنے مضامین اور مراسلاتی تحریروں کو ان دونوں میں بھی بھیجنا شروع کیا جو مسلسل شائع ہوتے رہے

اسی طرح آپ نے مجھ جیسے ہزاروں طلبہ اشرفیہ کو قلم پکڑنا سکھایا ہے آج وہ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔

صرف اشرفیہ میں ہی نہیں بلکہ فراغت کے بعد بھی ناچیز مسلسل آپ کے رابطے میں تھا اور تحریری کاموں میں ہمیشہ آپ سے رجوع کیا کرتا تھا، آپ ہمیشہ لکھنے کی تاکید فرماتے تھے اور خاص کر کے ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے مضمون کی فرمائش کرتے تھے کسی رسالے میں ناچیز کا کوئی مضمون آپ کی نظر سے گزرتا تو آپ اس کا ذکر کرتے تھے اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی بھی کرتے تھے ہمیشہ یہی کہتے تھے:

”آپ بہت اچھا لکھتے ہیں اسی طرح لکھتے رہیں قلم کو کبھی بھی نہ روکیں۔“

جب ناچیز 2007 میں اپنے پیر و مرشد اشرف الاولیاء ابوالفتح سید شاہ محمد مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات لکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

”ماشاءاللہ اب آپ مصنف بھی بن گئے ہیں اور کتاب بھی ایسی جس کا کوئی ماخذ نہیں؟ ہوتا تو یہ ہے کہ مضمون نگار جب

کوئی پہلی کتاب لکھتا ہے تو ایسے عنوان کا انتخاب کرتا ہے جو بہت آسان ہو اور اس کا مواد بھی کافی میسر ہو لیکن آپ نے تو کمال ہی کر دیا اپنے پیرو مرشد کی سب سے پہلی سوانحی کتاب لکھ ڈالی۔"

یہ فرماتے ہوئے آپ نے پوری کتاب پر سرسری نظر ڈالی، کافی دعاؤں سے نوازا اس کتاب میں آپ کے تاثر کے ساتھ ساتھ بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، محدث جلیل علامہ عبدالشکور، محقق مسائل جدیدہ علامہ مفتی نظام الدین رضوی، خیر الاذکیاء علامہ محمد احمد مصباحی، نصیر ملت علامہ نصیر الدین عزیزی، علامہ مفتی بدر عالم مصباحی، علامہ نفیس احمد مصباحی، علامہ ناظم علی رضوی جیسے اساتذہ اشرفیہ کے قیمتی تاثرات شامل ہیں۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کو خانوادہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے مشائخ طریقت سے بھی گہرے روابط و تعلقات تھے۔

عرس مخدومی کچھوچھہ شریف میں جب بھی حاضر ہوتے تو اس ناچیز کو ضرور فون کرتے تقریبًا تمام مشائخ طریقت کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کرتے معین المشائخ سید معین میاں، شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں، تاج الاولیاء سید شاہ جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی، قائد ملت سید محمود اشرف اشرفی جیلانی، اشرف ملت سید محمد اشرف اشرفی جیلانی، شہزادہ اشرف العلما حضرت سید شاہ خالد اشرف، رئیس العلما سید شاہ رئیس اشرف، سید شاہ جیلانی اشرف، سید شاہ حسین اشرف ان کے علاوہ اور دیگر مشائخ طریقت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتے ان کی خانقاہوں میں آپ کی تقریر بھی ہوتی آپ کی تقریر ہمیشہ تاریخ کے آئینے اور حقائق کے اجالے میں ہوتی تھی آپ ان مشائخ کے محبوب نظر بھی تھے۔ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو سچی عقیدت تھی آپ کی تقریریں اور تحریریں اس بات پر شواہد عدل ہیں۔

آپ مرشد غوث العالم مخدوم علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری کے لیے ناچیز کے ہمراہ پنڈوہ شریف بھی تشریف لے گئے اور مخدوم علاء الحق پنڈوری رحمت اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ میں تاج الاولیا حضرت علامہ سید شاہ جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی کے ہاتھوں دستار سے بھی نوازے گئے۔

آج آپ کی رحلت سے مدارس سے لے کر خانقاہوں تک کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک پوری دنیاے سنیت سوگوار ہے، ارباب علم و دانش غم ناک ہیں، اساتذہ اور طلبہ اشرفیہ میں اضطرابی کیفیت طاری ہے، آپ کی وفات کی خبر پوری دنیا میں بجلی کی طرح پھیل گئی ہے پورا سوشل میڈیا آپ کی وفات حسرت آیات پر ماتم کدہ ہے، ارباب فکر و دانش کا قلم اپنے تاثرات اور خیالات کو الفاظ کی شکل دینے میں مصروف ہے، یہ سب اس بات کی واضح نشانیاں ہیں کہ جانے والا شخص کوئی معمولی عالم دین نہیں تھا بلکہ بین الاقوامی طور پر شہرت کا حامل تھا ان کے علم و فضل اور قلمی و فکری صلاحیتوں کا چرچا ایشیا و یورپ تک تھا ان کی آفاقی فکر، قلم کی طاقت، علم کی شمع ہر ملک ہر صوبہ ہر ضلع ہر شہر اور ہر قصبہ تک پہنچ چکی تھی بلکہ اگر یوں کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ جہاں تک علمی حلقوں میں لوگ اشرفیہ مبارک پور کو جانتے ہیں تو کسی نہ کسی زاویہ سے مولانا مبارک حسین مصباحی کو بھی ضرور جانتے ہیں۔

ہم ایسے دکھ بھرے لمحات میں ادارہ شرعیہ اتر پردیش کے تمام ارکان، اساتذہ و طلبہ، بالخصوص حضور امین شریعت اتر پردیش تلمیذ شارح بخاری خلیفہ اول و ارشد جانشین مخدوم ثانی کچھوچھہ مقدسہ حضرت علامہ عبدالودود فقیہ کی جانب سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کے جمیع پس ماندگان اہل خانہ عزیز و اقارب کو بالخصوص سربراہ اعلی حضور عزیز ملت اور اساتذہ و طلبہ اشرفیہ کو تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی تمام خطاؤں کو درگزر فرمائے اور ان کی قبر پر رحمت و نور کی بارش برسائے آمین بجاہ سید المرسلین۔ ***

مولانا مبارک حسین مصباحی

ایک سنجیدہ خطیب و ادیب

مفتی محمد اختر علی واجد القادری، شمس العلماء دار الافتاء والقضاء، جامعہ اسلامیہ، میرا روڈ، ممبئی

اردو نظم کا ایک مشہور شعر ہے:

جب سے بنی ہے دنیا لاکھوں کروڑ آئے
باقی رہا نہ کوئی مٹی میں سب سمائے

معزز قارئین! اس حقیقت پر دنیا کے اربوں انسان متفق ہیں کہ جو شخص بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن رخصت ہونا ہے، اور جو پیدا ہوا ہے اسے فنا کے دروازے سے گزرنا ہے۔ لیکن آنے والوں میں سب یکساں نہیں ہوتے۔ بعض افراد کا آنا اور جانا محض آنا جانا ہوتا ہے، جب کہ بعض ایسی فکر، ایسا کردار، ایسی علمی میراث اور ایسی یادیں چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کا وجود ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک عہد، ایک فکر اور ایک دبستان کا وجود محسوس ہوتا ہے۔

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ بھی انھی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے تھے جن کے وصال کو محض ایک فرد کی وفات قرار دینا حقیقت کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ ان کے وصال کے ساتھ گویا علم و ادب کا ایک روشن باب بند ہو گیا۔ مدیر بصیر رخصت ہوگئے، علم و ادب کے سفیر رخصت ہوگئے، سیال قلم کے امیر رخصت ہوگئے، شیریں سخن اور نرم گفتار خطیب رخصت ہوگئے، نوآموز قلم کاروں کے مشیر و دستگیر رخصت ہوگئے اور حوصلہ افزائی و علم دوستی کا ایک حسین پیکر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ان کی تحریریں علم کی تنویر تھیں، ان کی تقریریں فکر کی تعبیر تھیں، ان کی مجلسیں تربیت کا مرکز تھیں اور ان کی شخصیت اخلاص و للّٰہیت کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ آج ان کے فراق میں اہلِ علم کی آنکھیں اشک بار ہیں، اہلِ قلم کے دل سوگوار ہیں اور اہلِ محبت کے سینے داغ دار ہیں۔ یہ صرف راقم کا تاثر نہیں بلکہ ان کے معاصرین اور اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت اس بات پر متفق ہے کہ ان کا وصال صرف ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ علم و ادب، صحافت اور دینی فکر کے ایک روشن چراغ کا بجھ جانا ہے۔

موصوف نے اپنی گراں قدر تحریروں، متوازن افکار اور وقیع علمی خدمات کے ذریعے اہلِ علم و دانش کے درمیان ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ بطور مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور انھوں نے علمی، فکری اور ادبی روایت کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی تحریروں میں علمی وقار، ادبی لطافت اور فکری اعتدال کا ایسا حسین امتزاج پایا جاتا تھا جو قارئین کو متاثر بھی کرتا تھا اور ان کی علمی پیاس بھی بجھاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین اور اداریے اہلِ علم و قلم کے حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آج علمی و ادبی دنیا ایک ایسے صاحبِ قلم سے محروم ہوگئی ہے جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم کی اشاعت، دینی اقدار کے تحفظ اور فکرِ صحیح کی ترویج کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی یادیں، ان کی تحریریں اور ان کے علمی نقوش مدتوں اہلِ علم کے لیے سرمایۂ افتخار اور مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

ان کی زندگی کا ایک نہایت حسین اور قابلِ تقلید پہلو ان کا بلند اخلاق اور حوصلہ افزا مزاج تھا۔ وہ جس طرح اپنی تحریروں

9324085470

کے ذریعے قارئین کو روشنی فراہم کرتے تھے، اسی طرح اپنی مجلسوں میں آنے والوں کے دلوں میں امید اور اعتماد کے چراغ روشن کرتے تھے۔ ان کے اخلاق کی بلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو شخص ایک بار ان سے مل لیتا، دوبارہ ملاقات کی تمنا اپنے دل میں لیے رہتا۔

راقم الحروف کو سن 2009ء میں عرسِ قاسمی مارہرہ شریف کے موقع پر ان کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت مجلس اکابرینِ علم و فضل سے مزین تھی۔ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی نور اللہ مرقدہ، خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، استاذِ گرامی حضرت ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی اور حضرت مفتی ارشاد حسین ساحل شہسرامی نور اللہ مرقدہ سمیت متعدد اہلِ علم موجود تھے۔

تعارف کا سلسلہ جاری تھا۔ راقم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ اختر صاحب ہیں، لکھنے پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ اسی دوران ایک صاحب نے روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو میں شائع ہونے والے میرے ایک مضمون کی بعض غلطیوں کا تذکرہ کردیا۔ ظاہر ہے کہ بھرے مجمع میں ایسی بات کسی نوآموز قلم کار کے لیے باعثِ تردد ہوسکتی تھی۔ لیکن ابھی اس گفتگو کو چند لمحے ہی گزرے تھے کہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ نے نہایت شفقت بھرے انداز میں فرمایا:

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مضمون نگار محنت سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کے جملے نقل کرنے کے بجائے خود لکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی لیے بعض غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اگر غلطیاں ہیں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں، لکھتے رہیے، پڑھتے رہیے۔"

یہ مختصر جملے میرے لیے حوصلے، اعتماد اور رہنمائی کا ایک عظیم سرمایہ ثابت ہوئے۔ حضرت نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مزید حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے مضامین ماہنامہ اشرفیہ کے ای میل پر بھیجا کریں۔ چناں چہ میں نے مضامین بھیجنے شروع کیے اور میرے درجنوں مضامین ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہوئے۔ یہ میرے لیے اعزاز بھی تھا اور حوصلہ افزائی کا ایک مستقل ذریعہ بھی، اور اس کا بڑا سہرا حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی شفقتوں کے سر جاتا ہے۔

آج جب ان کے وصال کی خبر دل کو مغموم کرتی ہے تو ان کے وہ محبت بھرے جملے، حوصلہ افزا کلمات اور خلوص سے لبریز ملاقاتیں بار بار یاد آتی ہیں۔ دل سے ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں اور زبان بے اختیار ان کی مغفرت و رفعتِ درجات کی التجا کرتی ہے۔ راقم خود کو ان خوش نصیبوں میں شمار کرتا ہے جنھیں ان کی شفقتوں اور دعاؤں سے حصہ ملا۔

فقیر، مرحوم کے پس ماندگان، متعلقین، تلامذہ، قارئین اور ادارۂ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتا ہے اور بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم علمی و ادبی خسارے کا نعم البدل عطا فرمائے، مرحوم کی علمی و دینی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام اہلِ خانہ و متعلقین کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ الْعَالِمِ الْجَلِيلِ، وَارْحَمْهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً تَشْمَلُهُ فِي قَبْرِهِ وَحَشْرِهِ وَنَشْرِهِ، اللّٰهُمَّ تَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ، وَتَقَبَّلْ حَسَنَاتِهِ، وَضَاعِفْ أُجُورَهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاجْعَلْ قَبْرَهُ رَوْضَةً مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَنَوِّرْهُ بِنُورِ رَحْمَتِكَ وَرِضْوَانِكَ، وَآنِسْ وَحْشَتَهُ، وَثَبِّتْهُ عِنْدَ السُّؤَالِ، وَاجْعَلْهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ۔ ***

اک شجر کے کٹنے سے حال ہے یہ دنیا کا

ڈاکٹر یعقوب اختر فیضی مصباحی، سکریٹری ادارۂ شرعیہ، اورنگ آباد، بہار

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے نکلے

انگ انگ زخمی ہے، پور پور گھائل ہے۔ ذہن مفلوج ہے، زبان گنگ ہے، آنکھ نم ہے، دل پشیماں ہے، نوکِ قلم میں سکت باقی نہیں ہے۔ ہائے افسوس! کیسے لکھوں؟ کہ نازشِ لوح و قلم، فخرِ صحافت، تاجدارِ خطابت، شہسوارِ فصاحت و بلاغت، صاحبِ طرز ادیب، بے مثال مفکر، باکمال مدبر، بے لاگ مبصر، بے باک تنقید نگار، منفرد المثال عالم دین، تبلیغ و ارشاد کا بطلِ جلیل، اسلامی علوم و فنون کا کوہِ ہمالہ، قلم کا بے تاج بادشاہ، مصورِ جذبات و تخیلات، ترجمانِ احساسات، پاسبانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت، محافظِ ناموسِ رسالت، مصلحِ اُمت، داعیِ قوم و ملت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ والرضوان ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور خلد آشیاں ہوگئے۔

جن کے ساتھ ہم نے دورِ طالب علمی کے ایام گزارے، پرانے ہاسٹل کے روم نمبر 4 میں ساتھ رہنے کا شرف حاصل رہا۔ میں جماعتِ رابعہ کا طالب علم تھا اور وہ فضیلت میں تھے، اُن کی بے شمار عنایتیں تھیں مجھ پر، وہ ہمارے اپنے نہیں تھے، لیکن اپنوں سے زیادہ خیال فرماتے تھے۔ ہماری کوتاہیوں پر ڈانٹ پلاتے، ہماری اچھائیوں پر عمدہ پیرایے میں سراہتے۔ وہ اخلاق کے پیکر تھے۔ خوش اخلاقی، خوش مزاجی، خندہ پیشانی، اعلیٰ ظرفی، رواداری، بلند کرداری، ملنساری اور مہمان نوازی ان کا خاصہ تھی، میرے اور ان کے درمیان جو تعلقات تھے وہ محض روایتی نہیں تھے بلکہ اس میں ایک ایسی والہانہ محبت شامل تھی جو دورِ حاضر میں عنقا ہے۔

اے مبارک زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری یقیناً انجمن افروز تھی

موت برحق ہے، سب کو آنی ہے اور آئے گی، لاکھوں، کروڑوں آئے اور آکر چلے گئے مگر لوگوں کو ان کے جانے کا احساس تک نہ ہوا، کہ کون آیا اور کون اس دارِ فانی سے چلا گیا لیکن آپ کے جانے کا غم ایک عالم کو ہوا، آپ کے جانے سے پوری دنیائے سنیت چیخ اٹھی، ہر آنکھ نم ہوگئی، ہر دل تڑپ گیا، ہر طرف آہ و فغاں کا شور برپا ہو گیا، اشرفیہ کا ذرہ ذرہ ماتم کناں ہو اٹھا۔

سانحہ موت کا کتنا گمبھیر ہے
مضمحل چاند سورج کی تنویر ہے
خلقتیں ہو گئیں ساری ماتم کناں
ذرہ ذرہ بنا غم کی تصویر ہے

آپ کیا گئے، ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا، شعور و آگہی کی بزم سونی ہوگئی، ادب و ثقافت کا گلشن اجڑ گیا، صحافت کا لہلہاتا چمن نذرِ خزاں ہو گیا، اشرفیہ قلم کے بادشاہ سے محروم ہوگئی، بزمِ گیسوے اردو کا سجا سجایا سنگار لٹ گیا، فکر و دانش کا روشن آفتاب بجھ گیا، مسندِ تدریس کی روح فنا ہوگئی، سارا چمن ویران ہو گیا، ہر طرف مایوسی چھاگئی۔

اک شجر کے کٹنے سے حال ہے یہ دنیا کا
ہر طرف ہے سناٹا، ہر طرف ہے تنہائی

یقیناً آپ کا رخصت ہو جانا، علمی، ادبی، دینی، ملی، مسلکی اور جماعتی دنیا کے لیے ایک ناقابلِ تلافی خسارہ ہے، جسے مدتوں پُر

کرنا آسان نہ ہوگا، ” مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے “ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تحریر و تقریر دونوں کی دولت بے بہا سے سرفراز فرمایا تھا، آپ بلا شبہ قلم کے بے تاج بادشاہ تھے، آپ لکھتے تو محسوس ہوتا کہ سینۂ قرطاس پر نوکِ قلم سے کہکشاں سجادی گئی ہو۔ میں تو کہہ سکتا ہوں کہ علامہ ارشد القادری صاحب کے بعد جس کو پڑھنے میں لذت ملی تھی وہ فخرِ صحافت کی تحریر تھی۔

آپ کی تحریروں میں واضح اسلوب، توازن الفاظ، خوب صورت تشبیہ و استعارے، فکر کی گہرائی، تخیل کی رفعت و بلندی، زبان کی شستگی، بیان کی شگفتگی، دل کی سوزش، قلم کی جولانی، فصاحت و بلاغت کا موجزن سمندر اور ایسی حسین و دلکش منظر کشی... کہ قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ کتاب نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ خود واقعہ دیکھ رہا ہے، یہ خوبی فقط آپ کی تحریر میں ملتی ہے جو قاری کو مدہوش و مسحور کر دیتی ہے۔ حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین، مدرسہ نور الحق محمد پور ضلع فیض آباد تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت رئیس القلم ارشد القادری کی حیات و خدمات کے تعلق سے آپ کا قلمی شاہکار نظر نواز ہوا۔ ہم پڑھتے رہے، رات ڈھلتی رہی، کانوں میں جل ترنگ سے ساز بجتے رہے اور ادھر ذہن و فکر میں ملہار راگ کی تانیں پورے سر و دھن کے ساتھ لہراتی رہیں، یقین کیجیے! بے خودی میں مجھے یہ محسوس ہوتا رہا کہ میں آپ کو نہیں بلکہ علامہ ارشد القادری کو پڑھ رہا ہوں۔ وہ تو کہیے کہ نسیم سحری کا ایک مست جھونکا مجھے ہوش میں لے آیا اور اب میں جمشید پور کے تصوراتی ماحول میں نہیں بلکہ حقیقی بزم مبارک پور میں تھا۔“ (بحوالہ شہرِ خموشاں کے چراغ، ص:377)

بعینہ یہی خیالات واحساسات حضرت علامہ مفتی محمد ارشد حسین نوری مصباحی شیخ الحدیث و صدر دارالافتا مدرسہ حنفیہ فیض العلوم جمشید پور نے فرمائی ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں:

”الحمد للہ دلچسپی و نشاط طبع کے ساتھ 59 صفحے کا پورا اداریہ پڑھ گیا اور ذہن پر ذرہ برابر بار بھی نہ گزرا، تحریر کی دلاویزی نے ساری تشنہ کامی دور کر دی۔ پہلے تو حضرت علامہ کی تحریروں کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی، اب آپ کی یہ ساختہ تحریر اس نتیجے پر پہونچا دیا ہے کہ اب مستقبل کے تاجدار کشورِ صحافت اور رئیس التحریر آپ ہیں، ہاں ہاں صحافت کی خسروی آپ کو سونپ گئی، اور شہریارِ اردوے معلّی آپ بنائے گئے، صحافت کا تقاضۂ ارتقا یہ ہے کہ پیرایۂ بیان میں تسلسل و روانی و دلکشی ہو اور طویل سے طویل مضمون پڑھ جائے اور قاری کا ذہن کسی طرح بوجھل نہ ہو، دقیق سے دقیق مضمون فکر میں آسان ہم آہنگ ہوجائے اور یہ خوبی آپ کے فکر انگیز قلم میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔“

(بحوالہ شہرِ خموشاں کے چراغ ص:377)

یہ بلا شبہ حقیقت ہے کہ ”مشک آنست کہ ببوید نہ آنکہ عطار بگوید“ نازش لوح و قلم، فخرِ صحافت جہاں قلم کے بادشاہ تھے وہیں میدانِ خطاب میں بھی عظیم شہسوار تھے، آپ کی تحریر میں ایسی دلاویزی، دل فریبی، دل ربائی، سحر آفرینی اور ایسی روح پرور تاثیر تھی کہ سامع بے اختیار خود کو الفاظ کے حصار میں مقید پاتا۔ آپ کی آواز دلوں کے نہاں خانوں میں سرایت کرتی اور جملے گوش سماعت سے ٹکراتے ہوئے روح کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کر لیتے، عوام الناس والہانہ اندازِ للّٰہیت کی خوشبو، علم و حکمت کی روشنی، صفائے قلب کی لطافت اور تصوف کی نزاکتیں سمیٹتے۔ جب کہ اہلِ ادب آپ کے اسلوبِ بیان کی چاشنی و شیرینی منتخب و موضوع اشعار کی نزاکت اور طرز ادا کی دلکشی سے اس طرح محظوظ ہوتے کہ محفل پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی۔ خود فخرِ صحافت فرماتے ہیں کہ:

”کشورِ عشق کے تاجدار امام احمد رضا قدس سرہ کے عرس کے موقع پر تحریک رضائے مصطفےٰ کے زیر اہتمام بریلی شریف کے ایک وسیع ہال میں امام احمد رضا کانفرنس ہو رہی تھی، پورا ہال چوٹی کے علما اور دانشوروں سے بھرا ہوا تھا، منصب صدارت جانشینِ مفتیِ اعظم ہند تاج الشریعہ حضور علامہ شاہ اختر رضا خاں ازہری جلوہ

افروز تھے، راقم امام احمد رضا کے "فلسفۂ عشقِ رسول" کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا، اچانک ہال میں دو معزز مہمانوں کا ورود ہوا، آگے آگے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری دامت برکاتہم العالیہ تھے اور ان کے پیچھے مرکزی وزیر جناب سی. ایم. ابراہیم تھے میں نے چند لمحوں کے لیے تقریر موقوف کردی، بگ ڈائس پر کھڑا رہا، حضرت علامہ صاحب اپنی نشست گاہ پر پہونچنے سے پہلے میرے قریب تشریف لائے اور ارشاد فرمانے لگے:

"ماشاء اللہ آپ بہت اچھی تقریر کرتے ہیں اللہ کرے زورِ بیانی اور زیادہ ہو، میں نے باہر آواز سنی تو لگا مولانا قمر الزماں اعظمی تقریر کر رہے ہیں۔"

چند ماہ کے بعد حضرت کا فون آیا، ارشاد فرمانے لگے، جمشید پور کی ایک تنظیم سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے 786 ویں عرس مقدس کی مناسبت سے عظیم الشان کانفرنس منعقد کر رہی ہے انتظامیہ مولانا عبید اللہ خان اعظمی کو مدعو کرنا چاہتی تھی مگر میں نے آپ کا نام پیش کر دیا ہے آپ کو تشریف لانا ہے۔ یہ حکم میرے لیے سرمایۂ افتخار تھا۔ طے شدہ تاریخ پر حاضر ہوا، تقریب کے بعد حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا اور حد درجہ مسرت و شادمانی کا اظہار فرمایا۔

(بحوالہ شہرِ خموشاں کے چراغ ص:222-223)

آپ کی فکری بصیرت بھی قابلِ رشک تھی، آپ زمانے کے حالات کو گہری نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ کی تحریر و تقریر میں جہاں ماضی کی جھلک جھلکتی ملتی ہے وہیں حال کا شعور اور مستقبل کی فکر بھی نمایاں ہوتی ہے۔ آج اگرچہ آپ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں مگر آپ کی یادیں، آپ کی تصنیف کردہ کتابیں، آپ کے شاگرد اور آپ کا قائم کردہ ادارہ اس بات کی بیّن ثبوت ہیں کہ آپ آج بھی زندہ ہیں، یہی وہ حقیقی زندگی ہے جو فنا کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

تنظیم ابنائے اشرفیہ کی خدمات میں آپ کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ اس قافلۂ علم و عمل کے ایسے راہ رو تھے جو خود چلتے تھے اور دوسروں کو منزلِ مقصود کا راستہ دکھاتے تھے۔ آپ ایک کامیاب مدرس تھے۔ تدریس کے فرائض انجام دیتے ہوئے ہزاروں تشنگانِ علومِ نبویہ کو علمِ دین سے سیراب کیا، آپ کی تعلیم صرف کتابی نہ تھی بلکہ دِلوں کی بھی تربیت کرتے تھے اور صالح انسان بنانے کی کوشش کرتے تھے۔

آپ کی تصنیف و تالیف کی تعداد بھی کثیر ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کی متعدّد کتابیں دیگر ممالک اور خاص کر پاکستان میں شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کے دورِ ادارت میں شائع ہونے والے نمبرات کی تعداد بھی کافی ہے، اس کے علاوہ آپ بہت ساری تحریکوں، تنظیموں اور اداروں کے بانی و سربراہ بھی رہے ہیں۔

جہانِ علم کو تسلیم ہے وقار ترا
ادب کے پھولوں سے دامن ہے لالہ زار ترا

المختصر دنیائے سنیت مدتوں اپنے عظیم صاحبِ قلم قلمکار، دردمند صحافی اور تاجدار صحافت کے فقدان کا درد محسوس کرتی رہے گی۔ آپ کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا محض ایک منصب کا نہیں بلکہ ایک پورے فکری و صحافتی دبستان کا خلا ہے، جس کا نعم البدل ملنا بہت مشکل ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پس ماندگان کو صبرِ جمیل دے اور قبرِ انور پر رحمت و نور کی جھما جھم بارش برسائے۔

متاعِ زندگی جس نے لٹا دی جانِ احمد پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تربت پر

▪▪▪

آہ! قلم کا ایک شہنشاہ رخصت ہو گیا

قاری نورالہدیٰ مصباحی گورکھپوری، استاذ سعید العلوم، لکشمی پور، مہراج گنج

استاذ محترم، فخر صحافت حضرت علامہ الحاج مبارک حسین مصباحی کا وصال صرف ایک فرد کی جدائی نہیں بلکہ دینی، علمی اور صحافتی دنیا کے لیے ایک ایسا سانحہ ہے جس کی کمی مدتوں محسوس کی جائے گی۔ آپ نے بحیثیت مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، اپنی غیر معمولی صحافتی بصیرت، فکری پختگی اور دل نشیں طرزِ نگارش کے ذریعے دینی صحافت کو نئی جہتیں عطا کیں۔

آج جامعہ اشرفیہ اپنے ایک ایسے فرزندِ ارجمند اور "شہنشاہ قلم" سے محروم ہو گیا جس کی تحریریں اس کی علمی شناخت کا حصہ بن چکی تھیں۔ ان کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا محض ایک منصب کا نہیں بلکہ ایک پورے فکری و صحافتی دبستان کا خلا ہے۔

حضرت موصوف کا وصال محض ایک شخصیت کا بچھڑ جانا نہیں، بلکہ ایک پورے عہد کا ٹوٹ کر بکھر جانا ہے۔ وہ صرف ایک مدیر نہ تھے، بلکہ ایک ایسا درویش قلم تھے جن کے لفظوں میں تاثیر تھی، جن کے جملوں میں زندگی دھڑکتی تھی اور جن کے خیالات میں امت کا درد بولتا تھا۔ ان کی زندگی ایک مسلسل جدو جہد کا نام تھی۔ دین و مسلک اور علم کے فروغ کے لیے، انھوں نے اپنی ذات کو مٹا کر ایک ایسا چراغ روشن کیا جس کی روشنی سے نہ جانے کتنے دل منور ہوئے، نہ جانے کتنے ذہنوں کو سمت ملی، اور نہ جانے کتنی گم شدہ راہوں کو منزل کا سراغ ملا۔ ماہ نامہ اشرفیہ ان کے ہاتھوں میں صرف ایک رسالہ نہ تھا بلکہ ایک تحریک تھی، ایک مشن تھا، ایک ایسی صدا تھی جو خاموش دلوں کو جگا دیتی تھی۔

آج جب وہ ہم میں نہیں رہے تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی سایہ سر سے اٹھ گیا ہو، فضا میں ایک عجیب سی ویرانی ہے، لفظوں میں ایک اجنبیت اور دل میں ایک ایسا خلا جسے شاید کبھی پُر نہ کیا جا سکے۔ یہ جدائی محض آنکھوں کو نم نہیں کرتی بلکہ روح کو بھی سوگوار کر دیتی ہے۔

ان کے جانے کے بعد ہر وہ سطر یتیم لگتی ہے جو انھوں نے لکھی، ہر وہ لفظ اداس محسوس ہوتا ہے جو ان کی زبان سے نکلا اور ہر وہ گوشہ خالی دکھائی دیتا ہے جہاں کبھی ان کی موجودگی کا نور تھا۔ ان کی مسکراہٹ، ان کا اندازِ گفتگو، ان کا علمی وقار، سب کچھ یادوں کے دریچوں میں قید ہو کر رہ گیا ہے اور ہم حسرت کے ساتھ ان لمحوں کو یاد کر رہے ہیں جو اب کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل علم کبھی مرتے نہیں، وہ اپنے آثار میں زندہ رہتے ہیں، اپنی تحریروں میں سانس لیتے ہیں، اور اپنے فیوض سے نسلوں کو فیض یاب کرتے رہتے ہیں۔ مولانا موصوف بھی اپنے قلم کی روشنی میں زندہ رہیں گے، اپنے علم کی خوشبو میں بسے رہیں گے اور اپنے اخلاص کے نقوش میں ہمیشہ پہچانے جائیں گے۔

نازش صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا خطابت کے میدان میں بھی انداز نرالا تھا۔ آپ جب منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو الفاظ گویا موتیوں کی صورت بکھرتے، دلوں پر دستک دیتے اور سامعین کے قلوب کو گرما دیتے۔ آپ کی گفتگو میں علم بھی تھا، حکمت بھی اور اخلاص کی خوشبو بھی۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کی خدمات میں آپ کا کردار ناقابلِ

فراموش ہے۔ آپ اس قافلۂ علم وعمل کے ایسے رہنما تھے جو خود چلتے بھی تھے اور دوسروں کو بھی منزل کا راستہ دکھاتے تھے۔ آپ کی زندگی اس چراغ کی مانند تھی جو خود جل کر دوسروں کو روشنی دیتا ہے۔ خوش اخلاقی، خندہ پیشانی، ملنساری اور مہمان نوازی آپ کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا۔ جو ایک بار آپ سے ملتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔

راقم کو آج بھی وہ منظر یاد ہے جب حضرت کے قائم کردہ ادارہ جامعہ طیبہ شاہ آباد رام پور کے سالانہ جلسہ دستار بندی پروگرام میں جانا ہوا، اس سفر میں حضرت نے بے پناہ محبتوں شفقتوں اور دعاؤں سے نوازا تھا، درمیان جلسہ جب ناچیز کا نمبر آیا تو حضرت نے نقیب اجلاس سے مائک لے کر خود ہی اپنی مبارک زبان سے نام کا اعلان فرمایا، ساتھ ہی پانچ منٹ تک اس انداز سے تعارف کرایا کہ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ایک استاذ اپنے شاگرد کا تعارف کرا رہا ہے، مذکورہ پروگرام میں ادیب العربیہ حضرت مولانا مقبول احمد سالک مصباحی گورکھپوری بھی تھے جب حضرت، ناچیز کے نام کا اعلان فرما رہے تھے تو سالک مصباحی صاحب ناچیز کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ ماشاء اللہ کسی استاذ کے ذریعے اپنے شاگرد کا تعارف اتنے محبت بھرے انداز میں کراتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔

حضرت کے قائم کردہ ادارہ جامعہ طیبہ کی مدرسہ تعلیمی بورڈ اتر پردیش سے منظوری، کئی سال سے معلق تھی کافی اخراجات کے بعد بھی کامیابی نہیں مل پا رہی تھی، ایک دن بذریعہ فون حضرت نے فرمایا کہ یہ کام کیسے ہو گا؟

اسے حل کرانا آپ کی ذمے داری ہے، ناچیز نے اس کام کو سرانجام دینے کے لیے حامی بھر لی، اس وقت مدرسہ بورڈ کے رجسٹرار طارق صاحب تھے، روزنامہ راشٹریہ سہارا گورکھپور ایڈیشن میں صحافتی خدمات انجام دینے کی وجہ سے رجسٹرار طارق صاحب سے ناچیز کے اچھے روابط تھے، ان کو فون کر کے کہا کہ یہ میرے مشفق استاذ کے ادارے کا معاملہ ہے جلد از جلد یہ کام ہو جانا چاہیے، رجسٹرار صاحب نے کہا کہ جی بالکل ہو جائے گا۔ اتفاق سے اس وقت مدارس کی منظوری کا ہی کام چل رہا تھا، ایک ہفتے بعد جیسے ہی مدرسہ تعلیمی بورڈ اتر پردیش سے نئے مدارس کی منظوری کی لسٹ جاری کی گئی تو اس میں سرفہرست حضرت کے ادارے کا نام شامل تھا، حضرت استاذ محترم کو جب یہ خوش خبری سنائی تو خوشی سے جھوم اٹھے اور بے پناہ دعاؤں سے نوازا۔

بتایا گیا تھا کہ اس وقت مدارس کی منظوری کے لیے ڈھائی تین لاکھ تک خرچ آ رہا ہے، منظوری ملنے کے بعد جب لوگ حضرت سے پوچھتے کہ کتنا خرچ آیا تو حضرت فرماتے کہ میں نے ایک روپیہ بھی نہیں دیا، ہمارے ایک شاگرد نے یہ کام فری میں کرا دیا ہے۔

حضرت نے کئی بار فون پر بات چیت کے دوران فرمایا کہ میرے عزیز، اس کام کے لیے کچھ خرچ آیا ہو تو بتا دیں، میں بھیج دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ حضور سچ میں کچھ بھی خرچ نہیں ہوا، بس رجسٹرار کو ایک فون کر کے بتا دیا تھا کہ منظوری کی نئی لسٹ میں یہ ادارہ آجانا چاہیے، اور اللہ کا شکر ہے کہ نئی لسٹ میں ادارہ شامل کر لیا گیا۔

یقیناً حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی رحلت ان کے اہل خانہ، حضرت عزیز ملت اور اشرفیہ کے ساتھ ہی قوم کا بھی عظیم نقصان ہے۔

اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نوراللہ مرقدہ کی بے حساب مغفرت فرمائے، اہل خانہ بالخصوص حضور عزیز ملت دام ظلہ العالی اور حضرت نعیم ملت، خانوادۂ مصباحی، تلامذہ، متعلقین اور تمام سوگواران کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

***

مبارک یادیں

محمد شہباز عالم مصباحی، صدر شعبۂ عربی، سیتل کوچی کالج، سیتل کوچی، کوچ بہار، مغربی بنگال

اپنی زندگی میں سب سے پہلا باضابطہ مقالہ میں نے "علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری: ایک علمی جائزہ" کے عنوان سے قلم بند کیا تھا جو دراصل جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تحریری و تقریری مسابقتی پروگرام "یومِ مفتی اعظم" کے لیے لکھا تھا جسے جماعت سابعہ (2003ء) کے طلبہ نے منعقد کیا تھا۔ اسی مقالے کے لیے درکار مواد حاصل کرنے کے لیے کئی بار دار المصنفین لائبریری، اعظم گڑھ بھی جانا رہا اور وہ بھی اشرفیہ سے سائیکل کے ذریعے، صبح کی ایک دو گھنٹی کے بعد میں اور میرے رفیق درس مولانا شبیر احمد جموئی دار المصنفین سائیکل سے آجاتے تھے اور پھر دن بھر لائبریری میں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد چار بجے تک لوٹ آتے تھے، دار المصنفین ہی سے لائبریری کی سیر کا شوق مجھ میں پروان چڑھا، اشرفیہ میں اس وقت صرف اشرفی دار المطالعہ نامی پرانی لائبریری تھی جس میں قدیم کتابیں تو تھیں، لیکن جدید لٹریچر نہ کے برابر تھا، اس لیے یہاں سے بہت کم ہی استفادہ کیا، امام احمد رضا لائبریری ان دنوں تعمیری مرحلے سے گزر رہی تھی، قصبہ مبارک پور میں ناولوں پر مشتمل ایک لائبریری تھی جہاں سے رومانی و تاریخی ناولز لاکر چوری چھپے پڑھنے کی مجھے عادت تھی اور بھرپور تھی، لیکن علمی و ادبی کتب خوانی کی عادت دار المصنفین سے پڑی، خیر مواد کی حصول یابی کے بعد ایک طویل مقالہ علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری پر سپرد قرطاس کیا اور نظر ثانی کے لیے معروف ادیب حضرت مولانا عبد المبین نعمانی دام ظلہ کے حوالے کیا، حضرت ان دنوں المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور میں طلبۂ اشرفیہ کی تحریری و قلمی تربیت کرتے تھے، عصر کی نماز کے بعد وہ طلبہ کے درمیان بیٹھتے تھے، میں نے مقالہ پیش کیا تو اسی وقت پورا مقالہ پڑھ کر دو ایک جگہ خط اصلاح پھیر کر مجھے یہ کہتے ہوئے واپس کیا کہ مقالہ بہت اچھا ہے اور مستحق انعام ہے۔ حضرت کے ان کلمات سے مجھے قبل از وقت یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے مقالے کو مسابقے میں انعام سے ضرور نوازا جائے گا اور ہوا بھی یہی کہ یہ مقالہ انعام دوم کا مستحق قرار پایا، غالبًا انعام اول مولانا شہروز مصباحی کے مقالے کو ملا تھا، لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ میں نے انگریزی زبان میں تقریری مسابقے میں بھی حصہ لیا تھا جس میں مجھے اول پوزیشن حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح مجھے اس مسابقے میں دو امتیازی انعام ملے، ان انعامات کے ملنے کے بعد ہی ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے چیف ایڈیٹر، جامعہ اشرفیہ کے استاذ، فخر صحافت، معروف مصنف و ادیب مولانا مبارک حسین مصباحی مرحوم (وفات: 05 جون، 2026ء، بروز جمعہ) سے میرے تعلقات بڑھے اور حضرت کی توجہ حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایک نشریاتی ادارہ بھی "المجمع المصباحی" کے نام سے چلاتے تھے جس کے تحت وہ ہند و پاک کے معروف سنی مصنفین کی بیش قیمت کتابیں شائع کرتے تھے، اس ادارہ کے ایک فعال رکن حضرت مولانا زاہد علی سلامی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تھے، ان دونوں نے صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کی ہند و پاک شہرت گیر

کتاب ”بہار شریعت“ کی جدید اشاعت کی منصوبہ بندی کی اور دونوں نے اپنی باہمی مشاورت سے حصہ اول و دوم کی ترقیم و پیرا بندی کا کام مجھے سپرد کیا اور میں نے بڑی دل چسپی اور باریک بینی سے یہ کام کرکے واپس کیا، مجھے نہیں معلوم کہ اس کی جدید اشاعت ہوئی بھی یا نہیں۔

اشرفیہ میں طالب علمی کے دوران حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی سے اس حد تک ہی میرے تعلقات رہے، اشرفیہ سے فراغت کے بعد جب میں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بی اے (گریجویشن) میں داخلہ لیا تو مولانا مبارک صاحب ان دنوں ایک بار دار القلم دہلی تشریف لائے تھے اور تمام مصباحی برادران کی ”تنظیم ابنائے اشرفیہ“ کے فروغ کے لیے ایک میٹنگ بلائی تھی جس میں میں بھی حاضر ہوا تھا۔ حضرت اس تنظیم کے جنرل سیکرٹری تھے، لیکن ایک عظیم ادارے کے فارغین کی تنظیم ہونے کے باوجود چوں کہ یہ تنظیم کوئی خاص فعال نہ تھی تو اس حوالے سے میرے دل میں بہت زیادہ بھڑاس تھی جسے میں نے اس دن مولانا مبارک صاحب کے سامنے ادب کے دائرے میں کھل کر نکالی تھی، میرے بعض ساتھیوں کو میرا ایسا کرنا ناگوار بھی گزرا تھا، لیکن میرا ماننا تھا کہ دل کی بات نوک زبان پر بھی آنی چاہیے اور اگر ادب کے دائرے میں ہو تو یہ بے باکی ضرور ہے، لیکن گستاخی نہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میرے بعض ساتھیوں کے برعکس مولانا مبارک صاحب نے مجھ نوخیز کی باتیں بڑے چاؤ اور توجہ سے سنیں اور میرے جذبات کی قدر کی۔ اس دن سے میری نظر میں ان کا قد اور بلند ہو گیا۔

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے چیف ایڈیٹر ہونے کے ناتے انھوں نے جنگ 1857ء کے ڈیڑھ سو سال پورے ہونے پر ایک ضخیم شمارہ ”1857ء نمبر“ نکالنے کا اعلان جاری کیا، مجھے خبر لگی تو میں نے اس جنگ کے ایک نادر پہلو ”انقلاب 1857ء کا جہادی پہلو: صحیح یا غلط؟“ کے عنوان کے تحت ایک طویل تاریخی و فقہی مقالہ قلم بند کیا اور عرس حافظ ملت کے موقع پر حضرت کے حوالے کیا، حضرت بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ کا یہ مقالہ ضرور شائع ہوگا، کیوں کہ آپ نے ایک ایسے گوشے پر لکھا ہے جو میرے ذہن میں بھی نہیں تھا اور جب یہ نمبر منظر عام پر آیا تو حضرت نے میرے مقالے کو نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔

درج بالا تفصیل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ نوآموز قلم کاروں کی کس قدر حوصلہ افزائی کرتے تھے اور نوخیز جذبات کی قدر دانی بھی، صحیح بات یہی ہے کہ وہ جدید نسل میں قلمی و تحریری، علمی و فکری اور تحریکی و تنظیمی انقلاب کے داعی تھے اور اس کے لیے بھرپور کوشاں بھی رہتے تھے اور حتی الامکان جدید قلم کاروں کے بال و پر سنوار کر انھیں پرواز کرنا سکھاتے تھے، واقعی میرے قلمی تربیت کنندگان میں ایک اہم نام مولانا مبارک صاحب کا بھی ہے۔

مغربی بنگال میں ملازمت کے بعد بھی میں نے گاہے بہ گاہے اپنے بعض مضامین بذریعہ واٹس ایپ ماہ نامہ اشرفیہ میں اشاعت کے لیے انھیں بھیجے تھے اور جن کی حصول یابی پر انھوں نے میسیج بھی کیا تھا، لیکن کثرت مصروفیات کی وجہ سے بعد میں میں خود پتا نہیں کر سکا کہ وہ مضامین شائع ہوئے بھی یا نہیں، خیر اسی بہانے ان سے باتیں ہو جاتی تھیں اور تعلقات بحال تھے۔

رہ گئی بات ان کی لکھی بیش بہا کتابوں کے مطالعے کی تو ان کی کم و بیش تمام کتابیں میں نے پڑھی ہیں، لیکن سب سے زیادہ جس کتاب نے مجھے ان کا گرویدہ بنایا وہ کتاب تھی جو انھوں نے رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی وفات کے بعد انھیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے تعزیت کے طور پر لکھی تھی، کیا ہی دل سوز اور سحر طراز اسلوب ہے اس کتاب میں، جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ رب کریم حضرت کی مغفرت تامہ فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت کرے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ ***

مولانا مبارک حسین مصباحی
ایک عہد ساز قلم کار

سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی، ہائی پوائنٹ، نارتھ کیرولائنا (امریکہ)

18 ذی الحجہ 1447ھ / 5 جون 2026ء کی صبح فجر کے وقت یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ اہلِ سنت و جماعت کی ممتاز علمی، ادبی اور صحافتی شخصیت، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیرِ اعلیٰ، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔

یہ خبر سنتے ہی دل غم سے نڈھال ہو گیا، آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور ذہن ماضی کی ان حسین یادوں میں کھو گیا جن میں حضرت کی علمی عظمت، فکری گہرائی، قلمی بصیرت اور دینی خدمات کے انمٹ نقوش ثبت ہیں۔ بلاشبہ آج بزمِ تدریس ایک شفیق استاد سے محروم ہوگئی، صحافت ایک بے باک قلم کار کو کھو بیٹھی، اور اہلِ سنت کا علمی قافلہ اپنے ایک معتبر رہنما سے جدا ہو گیا۔

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی ان خوش نصیب علما میں سے تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی علمِ دین، خدمتِ اہلِ سنت، تدریس، تصنیف، خطابت اور صحافت کے لیے وقف کر دی۔ آپ کی شخصیت میں عالمِ باعمل کی سنجیدگی، استاد کی شفقت، محقق کی باریک بینی، ادیب کی لطافت اور صحافی کی جرأت یکجا تھی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور جیسے عظیم علمی مرکز سے وابستگی آپ کے لیے محض ایک ملازمت نہیں بلکہ ایک مشن تھی۔ آپ نے برسہا برس درس و تدریس کے ذریعے ہزاروں طلبہ کی علمی اور فکری تربیت کی۔ آپ کے تلامذہ آج دنیا کے مختلف ممالک میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان کی کامیابیوں میں اپنے استاذ کی محنت اور اخلاص کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

صحافت کے میدان میں آپ کا نام معتبر حوالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت آپ کی زندگی کا ایک درخشاں باب ہے۔ آپ نے اس عظیم رسالے کو صرف جاری ہی نہیں رکھا بلکہ اسے فکری، تحقیقی اور علمی اعتبار سے مزید بلند مقام تک پہنچایا۔ آپ کی ادارت میں شائع ہونے والے خصوصی نمبرز آج بھی علمی دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ خصوصی طور پر "سیدین نمبر" آپ کی ادارتی بصیرت کا عظیم شاہکار ہے جو تقریباً 1332 صفحات پر مشتمل ایک تاریخی علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی قلمی خدمات بھی نہایت وسیع اور گراں قدر ہیں۔ آپ کے متعدد اداریے بعد ازاں کتابی صورت میں منظرِ عام پر آئے اور اہلِ علم میں بے حد مقبول ہوئے۔ خصوصی طور پر "برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب" ایک ایسی تحقیقی و دستاویزی تصنیف ہے جس نے برصغیر کے مذہبی، فکری اور تاریخی اختلافات کا عمیق جائزہ پیش کیا۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان سے شائع ہوئے اور اہلِ علم میں اسے غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔

آپ کی ایک اور یادگار تصنیف "شہر خموشاں کے چراغ" ہے، جس میں تقریباً پچاس عظیم شخصیات پر لکھی گئی تعزیتی تحریریں شامل ہیں۔ یہ کتاب صرف تعزیتی مضامین کا مجموعہ نہیں بلکہ علم و ادب، تاریخ اور شخصیات کے تذکروں کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ نوآموز قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کو اپنا علمی فریضہ سمجھتے تھے۔ کتنے ہی نوجوان لکھنے والے ایسے ہیں جن کے قلم کو جلا بخشنے میں حضرت کی شفقت اور رہنمائی شامل رہی۔ وہ اصلاح بھی کرتے تھے، حوصلہ افزائی بھی اور بہتر

اسلوب کی نشاندہی بھی فرماتے تھے۔

آپ کی خطابت میں علم کی گہرائی، فکر کی پختگی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت شامل ہوتی تھی۔ آپ منبر پر گفتگو کرتے تو سامعین صرف الفاظ نہیں سنتے تھے بلکہ ایک مخلص داعی اور دردمند عالم کی آواز محسوس کرتے تھے۔

آج جب ہم حضرت کی رحلت پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ ایسی شخصیات جسمانی طور پر دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں لیکن اپنی علمی خدمات، قلمی ورثے اور تربیت یافتہ شاگردوں کی صورت میں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ ان کی کتابیں، مقالات، اداریے اور شاگرد سب ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کا وصال صرف جامعہ اشرفیہ کا نقصان نہیں، صرف ماہنامہ اشرفیہ کا نقصان نہیں بلکہ پوری علمی، دینی، صحافتی اور فکری دنیا کا عظیم خسارہ ہے۔

آج اہلِ قلم ایک مشفق سرپرست سے محروم ہو گئے، طلبہ ایک مہربان استاد سے جدا ہو گئے، صحافت ایک دیانت دار مدیر سے خالی ہو گئی اور اہلِ سنت ایک مخلص خادم کو کھو بیٹھے۔

اللہ رب العزت اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، ان کی تمام دینی، علمی، صحافتی اور قلمی خدمات کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے اور جملہ پس ماندگان، تلامذہ، متعلقین اور اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وہ شمع بجھی جس کی لو قیامت تھی
اب اہلِ نظر کو اسی روشنی کی تلاش رہے گی۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

***

(ص:230 کا بقیہ)- حضرت مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ بھی ان شاء اللہ ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوں گے جن کا علمی فیض ان کے وصال کے بعد بھی جاری رہے گا۔ ان کی تحریریں بولتی رہیں گی، ان کے شاگردان کا تعارف کراتے رہیں گے، ان کے ادارتی نقوش اہلِ قلم کو راستہ دکھاتے رہیں گے اور ان کی خدمات تاریخ کے صفحات میں محفوظ رہیں گی۔ ایسے لوگ جسمانی طور پر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں مگر حقیقت میں کہیں نہیں جاتے۔ وہ اپنی یادوں، اپنی تحریروں، اپنے کردار اور اپنے اخلاص کی خوشبو میں زندہ رہتے ہیں۔

آج اہلِ علم، اہلِ قلم، جامعہ اشرفیہ، تنظیم ابنائے اشرفیہ اور خصوصاً مصباحی خانوادے کا ہر فرد غم زدہ ہے، مگر یہ غم اس یقین کے ساتھ ہے کہ حضرت مرحوم نے اپنی زندگی علم ودین کی خدمت میں گزاری اور اپنے پیچھے اخلاص، علم، کردار اور خدمات کا ایسا عظیم سرمایہ چھوڑا جو ان شاء اللہ ان کے لیے آخرت میں باعثِ نجات ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ وہ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، ان کے حسنات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اہلِ خانہ خصوصاً حضرت عزیز ملت، حضرت نعیم ملت، متعلقین، تلامذہ، محبین اور تمام سوگواران کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔

وہ رخصت ہو گئے، مگر ان کی یادیں باقی ہیں؛ وہ خاموش ہو گئے، مگر ان کا قلم آج بھی بول رہا ہے: وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے، مگر دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

فَرَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً وَأَسْكَنَهُ فَسِيحَ جِنَانِهِ

آمین یارب العالمین۔

ہم نوائے غم: محمد شفیق الرحمن عزیزی مصباحی
خادم افتاوقضا ہالینڈ، ورلڈ اسلامک مشن یورپ
ڈائریکٹر جامعہ مدینۃ الاسلام دین ہاخ

***

مسکراتے رہنا جن کی عادت تھی

ابن رقم مصباحی، خادم التدریس والافتاء، جامعہ اہل سنت فیض الرسول ساکی ناکہ، ممبئی

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ان شاء اللہ!

ہر کسی سے مسکراتے ہوئے ملنا، چھوٹوں کا حوصلہ بڑھانا اور صحیح رہنمائی کر کے ان کا منوبل بڑھانا ان کی فطرت میں شامل تھا۔

1998 کی بات ہے، اشرفیہ میں علمی ماحول شباب پر تھا، بزم، انجمن، عربی لائبریری، اشرفی لائبریری، مرکزی لائبریری، المجمع الاسلامی کی لائبریری، ہر جماعت کی اپنی اپنی لائبریری، صُحُف الجداریہ یہ وہ ذرائع تھے جن سے طلبہ اپنے اپنے ذوقِ مطالعہ کو دو آتشہ اور علمی و تحقیقی شوق کو پروان چڑھا رہے تھے۔

ایک دن کچھ طلبہ نے علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ: ہم لکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ہو نہیں پاتا آخر کیوں؟ آپ نے فرمایا: آپ ابھی کثرت سے مطالعہ کرو، یہ نہ پوچھو کہ کیا مطالعہ کریں؟ کس عنوان پر پہلے مطالعہ کریں؟ یہ سوال ہی غلط ہے۔ آپ صرف مطالعہ کرو، ہر عنوان پر ہر موضوع پر۔ ایک وقت ایسا آئے گا جس میں آپ خود ہی کچھ لکھنے یا بولنے کے لیے بیتاب اور بیقرار ہوں گے۔ آپ پہلے ادبا کی تحریروں کا کثرت سے مطالعہ کریں، ان شاء اللہ عن قریب آپ اپنے اندر خوشگوار تبدیلی محسوس کریں گے، علامہ مرحوم کی یہ بات آج بہت یاد آرہی ہے۔

مجمع البحرین شیخ طریق اللہ نعیمی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد میرے مرشد طریقت ہیں، 12 جولائی 1999ء میں مرید ہوا۔ 2 اگست 1999ء میں مرشدِ معظّم کے وصال کی خبر نے مجھے حیران کر دیا، شاید میری قسمت میں اپنے مرشد کا خاتم المریدین ہونا لکھا تھا، میں نے ٹوٹے جذبات کو سمیٹ کر اپنے مرشد کی زندگی کے چشم دید حالات پر ایک مضمون لکھا، یہ میری قلمی زندگی کا سب سے پہلا تجربہ تھا۔ مضمون میں نے حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ وہ اصلاح کے بعد ماہنامہ اشرفیہ میں چھاپ دیں۔

مضمون کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اس سے بھی زیادہ وہ مجھے بغور ملاحظہ فرمانے لگے، پھر مسکراتے ہوئے فرمایا:

آپ نے بہت اچھا لکھا ہے، کافی محنت کی ہے آپ نے، لیکن آپ کے مرشد طریقت پر ایک مضمون علامہ مشتاق احمد نعیمی کا رسالے کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے اور کاتب نے کتابت بھی کر لی ہے لہٰذا آپ کا مضمون آئندہ کسی شمارے میں چھاپ دیا جائے گا، علامہ مشتاق احمد نعیمی کا مضمون چھپ کر آ گیا، پڑھ کر معلوم ہوا کہ میرے اور ان کے مواد اور معلومات میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔

آج جب میں نے اپنے اس مضمون کو 27 سال بعد پرانے کاغذات کے پشتارے سے نکال کر دوبارہ بغور پڑھا تو اندازہ ہوا کہ علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ مضمون دیکھ کر مجھے کیوں بغور دیکھ رہے تھے، کیوں کہ اسی مضمون کو جب آج خود پڑھتا ہوں تو مضمون مجھ پہ اور میں مضمون کو دیکھ کر ہنسنے لگتا ہوں۔

علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ اعلیٰ ظرفی ہی تھی کہ انھوں نے میری پہلی قلمی کاوش کو تنقیدی نظر سے پڑھنے کے باوجود اس پر کوئی تنقید نہیں کی، اصلاح کی صوفیصد گنجائش کے باوجود اصلاح نہ فرمائی کہ دل شکنی نہ ہو، اس کے برعکس مجھے شاباشی دی اور چند تعریفی لفظوں کے ذریعے میرا رشتہ قلم سے جوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ علامہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں پناہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ***

مولانا مبارک حسین مصباحی

صحافت و خطابت کا ایک درخشاں ستارہ

مولانا رحمت اللہ مصباحی، نمائندہ انقلاب، مبارک پور

وقت کی گرد جب صدیوں کے اوراق پر جم جاتی ہے تو بہت سے نام دھندلا جاتے ہیں، مگر کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی یادیں زمانے کے سینے پر نقش ہوجاتی ہیں۔ وہ اپنے کردار، علم، قلم اور زبان کی قوت سے ایسی داستان رقم کرجاتی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہوتی ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ بھی انھی عظیم شخصیات میں سے ایک تھے، انھوں نے اپنی پوری زندگی دین، علم، صحافت اور خطابت کی خدمت میں وقف کردی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مذہبی صحافت اپنی ایک نئی شناخت تلاش کر رہی تھی۔ علمی حلقوں میں فکری انتشار کے بادل منڈلا رہے تھے اور معاشرہ رہنمائی کا متلاشی تھا۔ ایسے نازک دور میں ایک مردِ قلندر اپنی روشن فکر، عمیق نظر اور بے مثال تحریری صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں اترا۔ یہ تھے مولانا مبارک حسین مصباحی، جنھوں نے ماہ نامہ "اشرفیہ" کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے صحافت کو صرف خبروں اور مضامین تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے اصلاحِ امت، تبلیغِ دین اور فکری بیداری کا مؤثر ذریعہ بنادیا۔ ماہنامہ اشرفیہ کے صفحات ان کی علمی بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔ جب وہ اداریہ لکھتے تو محسوس ہوتا جیسے الفاظ نہیں، بلکہ علم و حکمت کے چشمے رواں ہیں۔ ان کی تحریر میں استدلال کی مضبوطی، زبان کی شگفتگی اور فکر کی گہرائی اس انداز سے جمع ہوجاتی کہ قاری خود کو مضمون کے ساتھ بہتا ہوا محسوس کرتا۔ وہ محض ایک مدیر نہیں تھے بلکہ ایک ایسے معلم تھے جو قلم کے ذریعے ہزاروں اذہان کی تربیت کر رہے تھے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کی صحافتی زندگی کا سب سے نمایاں وصف حق گوئی تھا۔ انھوں نے کبھی مصلحتوں کے دباؤ میں آکر حقائق کا دامن نہیں چھوڑا۔ ان کے نزدیک صحافت ایک مقدس امانت تھی، جس کا مقصد سچائی کی ترجمانی اور معاشرے کی اصلاح تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی تحریروں کو علمی حلقوں میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی دیکھا جاتا رہے گا۔

لیکن اگر قلم ان کی شخصیت کا ایک روشن پہلو تھا تو زبان اس سے بھی زیادہ تابناک حقیقت تھی۔ خطابت کے میدان میں ان کا نام منفرد مقام رکھتا تھا۔ جب وہ منبر پر تشریف لاتے تو اجلاس کا ماحول بدل جاتا۔ ان کی آواز میں بلا کی کشش، انداز میں وقار اور گفتگو میں ایسی تاثیر ہوتی کہ سننے والے ہمہ تن گوش ہوجاتے۔

وہ محض جذبات ابھارنے والے خطیب نہ تھے بلکہ دلوں کو علم و معرفت کی روشنی سے منور کرنے والے داعی تھے۔ ان کی تقریر میں قرآن و حدیث کے دلنشین حوالے، اکابرین کے واقعات اور عصر حاضر کے مسائل کا ایسا حسین امتزاج ہوتا کہ سامعین ایک نئی فکری دنیا میں داخل ہوجاتے۔ کبھی ان کی گفتگو دلوں کو نرم کردیتی، کبھی آنکھوں کو اشکبار اور کبھی ذہنوں کو غور و فکر پر مجبور کردیتی۔ ان کی شخصیت کا ایک اور دلکش پہلو ان کی سادگی اور انکساری تھی۔ شہرت کے بلند مینار پر پہنچنے کے باوجود بھی ان کے مزاج میں عاجزی کا رنگ غالب رہا۔ وہ اپنے چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں سے احترام کا برتاؤ کرتے تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص اپنے آپ کو محترم اور عزیز محسوس کرتا تھا۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کا مطالعہ وسیع اور حافظہ غیر معمولی تھا۔ تاریخ، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور صحافت ہر میدان میں ان کی معلومات اہلِ علم کو متاثر کردیتی تھیں۔ وہ جب

کسی موضوع پر قلم اٹھاتے یا لب کشائی فرماتے تو محسوس ہوتا کہ برسوں کی تحقیق اور مطالعہ ان کے الفاظ میں سمٹ آیا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ وہ علم کو عبادت سمجھتے تھے اور قلم کو دعوت و اصلاح کا ذریعہ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگرد، قارئین اور سامعین آج بھی انھیں محبت و عقیدت سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں آج بھی رہنمائی کا سرچشمہ ہیں اور ان کی تقاریر کی بازگشت اب بھی اہلِ دل کے کانوں میں سنائی دیتی ہے۔ آج اگرچہ وہ ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن ان کا علمی سرمایہ، ان کی صحافتی خدمات اور ان کی خطیبانہ یادگاریں انھیں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا نام دینی صحافت کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا اور ان کی خدمات ہمیشہ اہلِ علم کے لیے باعثِ افتخار رہیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، درجات بلند فرمائے اور ان کی علمی و دینی خدمات کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی زندگی جیتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں، لیکن بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو ایک عہد جیتی ہیں اور پھر تاریخ بن جاتی ہیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی انھی تاریخ ساز شخصیات میں سے ایک تھے، جن کا ذکر علم، قلم اور حق گوئی کی داستانوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

زندگی میں بعض شخصیات ایسی ملتی ہیں جو صرف استاد نہیں ہوتیں، صرف مربی نہیں ہوتیں، بلکہ ایک چلتی پھرتی درس گاہ بن جاتی ہیں۔ ان کی صحبت کا ہر لمحہ ایک سبق، ان کی خاموشی کا ہر وقفہ ایک پیغام اور ان کی زندگی کا ہر گوشہ کردار سازی کا ایک روشن باب ہوتا ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی میرے لیے ایسی ہی ایک عظیم شخصیت تھے۔ قدرت نے مجھے یہ سعادت بخشی کہ قریب سترہ برس تک سفر و حضر میں ان کی معیت نصیب رہی۔ یہ سترہ سال محض وقت کا ایک طویل عرصہ نہیں، بلکہ علم، حکمت، اخلاص، تواضع اور حسنِ اخلاق کے ایک گلستان سے خوشہ چینی کا زمانہ تھا۔ میں نے انھیں صرف جلسوں کے اسٹیج پر نہیں دیکھا، بلکہ سفر کی مشقتوں، روزمرہ زندگی کے معمولات، علمی مجالس اور نجی نشستوں میں بھی قریب سے دیکھا اور جانا۔

سفر میں انسان کی اصل طبیعت نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن مولانا علیہ الرحمہ کی شخصیت کا کمال یہ تھا کہ منبر کی وقار آمیز شخصیت اور سفر کی سادہ زندگی میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ جہاں ہزاروں کے مجمع میں خطیبِ بے بدل دکھائی دیتے تھے، وہیں سفر کی گاڑی میں بیٹھے ایک مشفق بزرگ، ایک خیر خواہ استاذ اور ایک دردمند انسان نظر آتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ سفر کے دوران ان کی گفتگو محض رسمی باتوں تک محدود نہیں رہتی تھی۔ کبھی کسی تاریخی واقعے کا تذکرہ ہوتا، کبھی کسی بزرگ کی زندگی کے روشن پہلو بیان ہوتے، کبھی صحافت کے اصول زیرِ بحث آتے اور کبھی دعوت و تبلیغ کے آداب پر گفتگو ہوتی۔ ان کی ہر بات میں علم بھی ہوتا تھا اور عمل کا درس بھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے زندگی کا ہر تجربہ انھوں نے علم کی روشنی میں ڈھال لیا ہو۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ صرف نصیحت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی زندگی سے سبق دیتے تھے۔ وقت کی پابندی، مطالعے کا شوق، کام میں نظم و ضبط، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام، یہ سب اوصاف میں نے ان کے کردار میں مجسم دیکھے۔ انھوں نے کبھی اپنی بزرگی کا احساس دلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ محبت اور شفقت سے رہنمائی فرمائی۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے دوران بھی ان کی علمی بصیرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک ایک لفظ پر غور کرنا، ایک ایک مضمون کو باریک بینی سے پڑھنا اور ہر تحریر کو مقصدیت اور افادیت کے معیار پر پرکھنا ان کی عادت تھی۔ اس سے مجھے یہ سبق ملا کہ قلم کی دنیا میں ذمہ داری اور دیانت داری کس قدر اہم ہے۔ ان کی مجلس میں بیٹھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ علم صرف کتابوں کے اوراق میں نہیں ہوتا بلکہ صاحبِ علم کے کردار میں بھی جھلکتا ہے۔ ان کی زندگی اسی حقیقت کی روشن مثال تھی۔ ان کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ شفقت، گفتگو میں وقار کے

ساتھ مٹھاس اور طبیعت میں علم کے ساتھ انکساری جمع تھی۔

آج جب ان ایام کی یادیں ذہن کے دریچوں پر دستک دیتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ سترہ برس میری زندگی کا بیش قیمت سرمایہ تھے۔ جو کچھ سیکھا، جو کچھ سمجھا اور جو کچھ پایا، اس میں مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی تربیت اور صحبت کا بڑا حصہ شامل ہے۔

علی گڑھ کا یادگار سفر:

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی آنکھ کے علاج کے سلسلے میں حضرت کے ساتھ علی گڑھ جانے کا موقع ملا۔ اس سفر میں ان کی معیت میرے لیے سعادت اور علمی و روحانی فیضان کا ایک خوبصورت ذریعہ ثابت ہوئی۔ راستے میں جب گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں تھی تو میں نے عرض کیا۔ حضرت! آنکھ انسان کے لیے کتنی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر تو تب معلوم ہوتی ہے جب اس میں کوئی تکلیف پیدا ہو جائے؟ آپ مسکرائے اور فرمانے لگے: ”مولانا! اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، مگر بینائی ان نعمتوں میں خاص مقام رکھتی ہے۔ اسی لیے بندے کو ہر حال میں شکر گزار رہنا چاہیے۔“

میں نے کہا: ”حضرت! بیماری اور تکلیف کے ایام میں صبر کی توفیق کیسے حاصل ہوتی ہے؟“

ارشاد فرمایا: ”جب آدمی یہ یقین رکھتا ہے کہ ہر حال اللہ کی مشیت سے ہے تو صبر آسان ہو جاتا ہے، بلکہ مصیبت بھی قربِ الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔“

یہ گفتگو دل میں اترتی جا رہی تھی۔ علی گڑھ پہنچ کر جب معالج سے ملاقات ہوئی اور معائنہ مکمل ہوا، جب ہم اپنی رہائش گاہ پر پہنچے تو مولانا مرحوم نے اطمینان کے ساتھ فرمایا:

”علاج بھی سنت ہے اور دعا بھی۔ بندے کو دونوں اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔“

علی گڑھ سے واپسی کے سفر میں میں نے محسوس کیا کہ یہ محض علاج کا سفر نہیں تھا بلکہ صبر، شکر، توکل اور رضا بالقضا کا ایک عملی درس بھی تھا۔ آج بھی علی گڑھ کا وہ سفر اور مولانا مبارک حسین مصباحی کی حکمت بھری گفتگو ذہن کے دریچوں میں تازہ ہے اور دل کو نور و سکون عطا کرتی ہے۔

دہلی کے دو سفر:

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے ساتھ دہلی کا دو مرتبہ سفر میری زندگی کے ان قیمتی ابواب میں شامل ہے جن کی روشنی آج بھی دل و دماغ کے گوشوں کو منور کیے ہوئے ہے۔ یہ سفر محض شہروں کی مسافت طے کرنے کا نام نہیں تھے بلکہ علم، حکمت، محبت اور تجربات کے ایسے خزانے تھے جن سے میں نے بے شمار موتی چنے۔ پہلا سفر سردیوں کے دنوں میں ہوا۔ صبح کی دھند ابھی پوری طرح چھٹی نہ تھی کہ ہم ریل گاڑی میں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ گاڑی چلنے لگی، کچھ مسافت طے کرنے کے بعد دیکھا کہ مولانا مرحوم کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا:

”حضرت! آپ اتنی دیر سے خاموش ہیں، کیا سوچ رہے ہیں؟“

مسکراتے ہوئے فرمایا:

”مولانا! سفر انسان کو غور و فکر سکھاتا ہے۔ یہ دوڑتے ہوئے درخت اور بدلتے ہوئے مناظر یاد دلاتے ہیں کہ دنیا بھی ایک سفر ہے، یہاں کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں۔“

ان کے لہجے میں عجب تاثیر تھی۔ میں خاموش ہو گیا اور ان کے الفاظ دل میں اترتے چلے گئے۔ دہلی پہنچ کر علاج اور دیگر ضروری کاموں سے فراغت ملی تو شام کے وقت دہلی میں موجود ڈاکٹر افضل صاحب کے ہمراہ حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، مغرب کی اذان ہوئی وہیں پر مسجد میں نماز ادا کی گئی پھر وہاں آرام فرما رہے جملہ بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی گئی، واپسی پر مزار کیمپس کے باہر لگی دکانوں سے بچوں کے لیے کچھ سامان لیا۔ پھر وہاں سے اپنی رہائش گاہ (جو دار القلم کے پاس تھی) کے لیے روانہ ہوئے، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ڈاکٹر موصوف گاڑی چلا رہے تھے اور میں مولانا علیہ الرحمہ کے ساتھ

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا، میں نے پوچھا:

”حضرت! کامیاب زندگی کا راز کیا ہے؟“

فرمایا: ”اپنے مقصد کو پہچان لینا۔ جو شخص مقصد بھول جاتا ہے، وہ راستوں میں بھٹک جاتا ہے۔“

یہ جملہ میرے لیے ایک نصیحت ہی نہیں بلکہ زندگی کا عنوان بن گیا۔ کچھ عرصے بعد دوبارہ دہلی جانے کا موقع آیا۔ اس بار سفر میں پہلے سے زیادہ قربت اور بے تکلفی تھی۔ راستے میں علمی، ادبی اور دینی موضوعات پر طویل گفتگو ہوتی رہی۔ ایک مقام پر میں نے عرض کیا:

”حضرت! آپ کی گفتگو میں اتنی شیرینی کہاں سے آتی ہے؟“

وہ ہنس پڑے اور بولے:

”جب آدمی لوگوں سے محبت کرے، ان کے لیے خیر چاہے اور اپنی بات کو عمل کے سانچے میں ڈھالے تو الفاظ میں خود بخود تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔“

ریل گاڑی اپنی رفتار سے رواں تھی اور میں ان کی باتوں کے سمندر سے موتی چن رہا تھا۔ دہلی کے ہنگامہ خیز ماحول میں بھی مولانا مرحوم کے چہرے پر سکون اور اطمینان کی ایک مستقل کیفیت نظر آتی تھی۔ میں نے اس راز کو جاننا چاہا تو فرمایا:

”سکون بازاروں میں نہیں ملتا، یہ اللہ پر بھروسا کرنے سے دل میں اترتا ہے۔“

واپسی کے سفر میں شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ سورج افق کے کنارے سرخ چراغ کی مانند ڈوب رہا تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ سفر بھی اپنی منزل کے قریب پہنچ چکا ہے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ سفر ختم نہیں ہوا تھا؛ مولانا مرحوم کی نصیحتیں، ان کی دلنشیں گفتگو اور ان کی محبتیں آج بھی میرے ساتھ سفر کر رہی ہیں۔ دہلی کے مذکورہ دونوں اسفار اب یادوں کی کتاب کے روشن صفحات بن چکے ہیں۔ جب کبھی ان دنوں کا خیال آتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ریل گاڑی پھر سے چل پڑی ہو، کھڑکی کے باہر مناظر بدل رہے ہوں اور حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اپنی شیریں گفتگو سے دل کو منور کر رہے ہوں۔

متعدّد جلسوں و مختلف مقدس مقامات کا سفر:

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے ساتھ متعدّد دینی جلسوں میں مختلف مقامات کا سفر کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ یہ سفر صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کا ذریعہ نہیں تھے بلکہ علم و حکمت، اصلاحِ نفس اور دینی تربیت کے عملی مدرسے تھے۔ ایک مرتبہ ہم ایک دینی جلسے میں شرکت کے لیے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے عرض کیا: ”حضرت! آپ ہر جلسے میں دین کی بنیادی باتوں پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں؟“

مولانا مرحوم نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا:

”اس لیے کہ امت کی اصلاح بڑے بڑے موضوعات سے پہلے عقیدہ، عبادت، اخلاق اور فکرِ آخرت سے ہوتی ہے۔ بنیاد مضبوط ہو تو عمارت خود بخود مضبوط ہو جاتی ہے۔“

کچھ دیر بعد میں نے پوچھا:

”حضرت! وعظ و نصیحت کا لوگوں پر اثر کیسے ہوتا ہے؟“

فرمایا: ”زبان سے پہلے دل بولتا ہے۔ جب واعظ خود اپنی بات پر عمل کرتا ہے تو اس کے الفاظ میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔“

یہ سن کر میں خاموش ہو گیا اور ان کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ جلسہ گاہ کے قریب پہنچتے ہوئے انھوں نے فرمایا:

”یاد رکھیے گا، دین کی خدمت شہرت حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔ جو کام اخلاص کے ساتھ کیا جائے وہی بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پاتا ہے۔“

اس سفر کی یہ مختصر گفتگو آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے ساتھ جلسوں کے یہ اسفار علم و عمل، اخلاص و تقویٰ اور فکرِ آخرت کا ایسا سرمایہ ہیں جس کی روشنی زندگی کے ہر مرحلے میں رہنمائی کرتی ہے۔ مولا کریم سے دعا ہے کہ رب کائنات مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر پر انوار و تجلیات کی بے حساب بارش فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ ٭٭٭

مولانا مبارک حسین مصباحی - ایک تاثر

ڈاکٹر محمد ولی اللہ قادری، استاذ گورنمنٹ انٹر کالج، ضلع اسکول، چھپرا، بہار

مورخہ 5 جون 2026 عیسوی کی صبح بعد نماز فجر موبائل آن کیا، مولانا مبارک حسین مصباحی کے وصال کی الم ناک خبر، مولانا محمد ظفر الدین برکاتی کی وال سے ملی ۔ تھوڑی دیر کے بعد حافظ ڈاکٹر غلام جیلانی نائب ناظم ادارہ شرعیہ پٹنہ کی ایکسیڈنٹ سے ناگہانی موت کی بھی اطلاع سوشل میڈیا سے ملی۔ ایک ساتھ دو دو محترم ومکرم شخصیات کی موت سے دل نہایت غمگین ہو گیا، دونوں کے لیے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی۔ جمعے کی نماز کے لیے حاضر ہوا تو نماز جمعہ کے خطبے سے قبل خطاب کا موقع ملا، اپنے بیان کے آغاز ہی میں دونوں حضرات کو خراج عقیدت پیش کیا اور مصلیان سے گزارش کی کہ دونوں کے حق میں دعاے خیر کریں۔

اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی میں ماہنامہ اشرفیہ کا قاری ہوں، جامعہ شمسیہ تیغیہ، بڑہریا، سیوان میں دوران طالب علمی 2000ء یا 2001ء میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا مطالعہ شروع کیا، اس وقت سے بحیثیت مدیر اور صحافی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کو جانتا اور ان کی تحریر کا اسیر ہوں۔ بڑہریا سیوان میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے علاوہ ماہنامہ کنزالایمان، دہلی بھی مسلسل مطالعہ کرتا رہا۔ 2002ء میں ماہنامہ جام نور کا اجرا ہوا تو اس سے استفادہ کیا۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے ذریعے ہی مولانا مبارک حسین مصباحی سے شناسائی ہوئی۔ ماہنامہ اشرفیہ کا اداریہ ہمیں خاص متوجہ کرتا، ان کے لکھے ہوئے اداریوں کے موضوعات ان کی پہلو دار علمی شخصیت کے غماز ہیں سیاسی، سماجی، ملی، اخلاقی اور ادبی موضوعات کے ساتھ ساتھ مذہبی بالخصوص فقہی مسائل پر مبنی اداریے مدیر اشرفیہ کی کثیر الجہات شخصیت کے گواہ ہیں، بات دو ہزار دو یا تین کی ہے، رمضان المبارک کی مناسبت سے جو اداریہ لکھا اس کو میں نے بار بار پڑھا تھا، کیوں کہ پہلی دفعہ اس بات کی آگہی ہوئی تھی کہ دعاے افطار بعد افطار پڑھنا مناسب ہے، علاوہ ازیں مزید احکام رمضان کا علم ہوا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ماہنامہ اشرفیہ کے لیے مضمون کے انتخاب کے لیے شخصیت اور مضمون نگار کو معیار نہیں بناتے بلکہ مضمون کی اہمیت اور افادیت کو دیکھ کر اسے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع کرتے جس کے سبب ان کے دور ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ کا معیار کافی بلند ہوا، بایں سبب ماہنامہ اشرفیہ محض مذہبی رسالہ نہیں رہا بلکہ مذہب وادب کا حسین سنگم بن گیا۔

یاد آتا ہے کہ 2013ء میں اپنے ایک عزیز جو اس وقت جامعہ اشرفیہ میں فضیلت کے طالب علم تھے، کے توسط ایک تنقیدی مضمون بھیجا، یہ مضمون در اصل پروفیسر ریاض الرحمن شیروانی کی کتاب ”میر کارواں مولانا ابو الکلام آزاد“ کا تنقیدی جائزہ“ پر مشتمل تھا۔ مضمون پڑھنے کے بعد حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ تاثر پیش فرمایا:

”یہ مضمون کالج کے ایک معتبر نقاد کا مضمون ہے“۔ یہ تاثر سن کر میرے عزیز نے بتایا کہ حضرت یہ مضمون دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف کے فارغ اور دار القضا ادارہ شرعیہ بستی پور کے قاضی کا ہے، یہ سن کر حضرت کو مزید خوشی ہوئی۔ کسی سبب وہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ میں شائع نہیں ہو سکا، البتہ اس کے بعد اشرفیہ میں خاکسار کے مضمون کی اشاعت شروع ہوئی۔ اس بات پر میں جتنا فخر کروں کم ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادارت میں شائع ماہنامہ اشرفیہ میں اب تک میرے پندرہ

985223431

مضامین کی اشاعت ہو چکی ہے۔ اس کے لیے راقم ماہنامہ اشرفیہ کے ذمے دار کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے جب کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کے لیے دعاے مغفرت۔

جامعہ اشرفیہ کے تئیں منفی سوچ رکھنے والے بعض لوگوں سے میں نے خود سنا ہے کہ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں "غیر مصباحی" کا مضمون شائع نہیں ہوتا ہے، یہ سراسر جھوٹ ہے مجھ جیسے قلم کار کا تسلسل سے مضمون شائع ہونا اور کسی مضمون کی اشاعت کے لیے کسی سفارش کی ضرورت نہ پڑنا اس بات کی ضمانت ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب نے عصبیت کا بالکل مظاہرہ نہیں کیا۔

آج مولانا مبارک حسین مصباحی کا ایک اور احسان یاد آرہا ہے، وہ یہ کہ میرے مضامین اور تبصروں کا مجموعہ "کاوش نقد" کے نام سے 2018ء میں شائع ہوا، میں نے متعدّد رسالوں میں تبصرہ کے لیے دو دو کاپیاں بھیجیں، ان میں ماہنامہ اشرفیہ بھی شامل ہے، مجھے توقع تھی کہ ماہنامہ اشرفیہ میں شاید ہی تبصرہ شائع ہوگا اور اگر ہوگا بھی تو تاخیر سے، لیکن بہت جلد ہی مولانا توفیق احسن برکاتی کا تبصرہ اشرفیہ کے ستمبر 2018ء کے شمارہ میں شائع ہوا، ادنی سی ایک علمی کاوش کی پذیرائی جس عمدہ طریقے سے کی گئی اس سے مجھ پر واضح ہوا کہ خاک سار کا قلم کچھ پختہ ہو گیا ہے اللہ پاک سے فضل فرمانے کی مزید دعا کی درخواست ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی سے قابل ذکر ملاقات تو نہیں رہی البتہ ایک دو بار ٹیلی فونک گفتگو ضرور ہوئی، پہلی دفعہ جب فون کیا اور علیک سلیک کے بعد اپنا نام بتایا تو فوراً پہچان گئے مزید کسی تعارف کی ضرورت نہیں پڑی۔ مختصر مگر کار آمد گفتگو ہوئی، ماہنامہ اشرفیہ کے عدم دستیابی کا شکوہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں جلد بھجوا رہا ہوں اور ایک ہفتہ کے اندر متعدّد شمارے بذریعہ ڈاک موصول ہو گئے یہ 2017ء کی بات ہوگی، اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرحوم بے پناہ مصروفیات کے باوجود وعدہ نبھانے میں دیر نہیں کرتے تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنے آپ کو اداریہ نگاری تک محدود نہیں رکھا بلکہ شخصی مضامین بھی لکھے ان کے شخصی مضامین محض تذکرہ تک محدود نہیں رہے بلکہ ان میں مضمون نگار کا تحقیقی شعور اور تنقیدی و تخلیقی صلاحیتوں کا واضح پتا چل جاتا ہے "شہر خموشاں کے چراغ" کا مطالعہ کے بعد اس بات سے انکار کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی، مذکور بالا کتاب کو بعض ناقدین نے "نثری مرثیہ" قرار دیا ہے لیکن میری نظر میں یہ کتاب اسلاف شناسی کا ایک بہترین مرقع اور نثری مناقب ہے، مولانا مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ کی ایک کتاب "دو عظیم شخصیتیں" بھی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ میں نے بہ شوق کیا کہ دونوں شخصیات سے راقم الحروف کا گہرا رشتہ رہا ہے۔ رئیس الاتقیا حضرت مولانا الحاج صوفی مبین الدین محدث امروہوی، ہمارے استاذ حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رضوی مظفر پوری شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف کے استاد رہے ہیں، ان سے ہی ہمارے استاد محترم نے بخاری شریف کا درس دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں لیا تھا، فیض الاولیا خطیب البراہین حضرت مولانا صوفی محمد نظام الدین رضوی برکاتی کے وطن سے استاذ محترم ضیغم اہل سنت حضرت مولانا عبد العزیز خاں رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تعلق رہا۔ صوفی صاحب کی عزت اور احترام ضیغم اہل سنت کرتے تھے ضیغم اہل سنت سے سنا وہ فرماتے کہ بستی کی جس خاتون سے صوفی صاحب کی ابتدائی تعلیم ہوئی اسی سے میری بھی، ایک بستی کے دو عالم کو کم دیکھا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کریں لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس دیکھا۔ حضرت ضیغم اہل سنت صوفی صاحب کا احترام ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے مفتوحہ علاقہ بڑہریا سیوان میں خصوصی طور پر دعوت دے کر بلاتے اور علاقہ والوں کو مرید بھی کراتے۔ جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا سیوان کے کمپیوٹر لیب کا افتتاح حضرت نے صوفی صاحب سے ہی کرایا، اسی طرح صوفی صاحب بھی اپنے عزیز عالم ربانی کی مذہبی خدمات کا اعتراف کرتے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی یہ کتاب ہر چند مختصر ہے

لیکن معیار کے لحاظ سے قابل نمونہ ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی نے گم شدہ شخصیات اور ان کی کتابوں پر ہی تحریری اظہارِ خیال نہیں فرمایا بلکہ اردو زبان و ادب پر بھی خصوصی توجہ دی، مذہبی کتابوں پر ہر چند خوب تبصرے لکھے اور ناقدانہ رائے پیش کی مگر ادبی کتابیں بھی ان کے مطالعہ سے الگ نہ رہیں۔ ”مولانا مبارک حسین مصباحی کے ادبی تبصرے“ تحریر کا ایک مکمل موضوع ہے، لیکن یہاں بطور نمونہ ان کے ایک تبصرہ پر اظہارِ خیال ضروری سمجھا جاتا ہے تاکہ دعویٰ بغیر دلیل نہیں رہے۔ اردو زبان و ادب کی معروف شخصیت پروفیسر صفدر امام قادری کی ایک کتاب ”عرض داشت“ کے نام سے مولانا رہبر مصباحی نے ترتیب دی۔ یہ کتاب پروفیسر قادری کے کالموں کا مجموعہ ہے، جو 2018ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب پر حضرت نے تفصیلی تبصرہ لکھا جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی زینت بھی بنا۔ ادبی دنیا میں اس تبصرے کی خوب پذیرائی ہوئی۔ یوں تو اس کتاب پر درجن بھر کے قریب تبصرے لکھے گئے اور شائع ہوئے لیکن مبارک صاحب کے تبصرے کا کیا کہنا۔ صفدر امام قادری کے کالموں کا دوسرا مجموعہ ”جمہوری اداروں کا زوال“ 2025ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے اخیر میں عرض داشت پر لکھے ہوئے تمام تبصروں کی تلخیص پیش کی گئی ہے، جملہ تبصروں کا مطالعہ ایک ساتھ کرتے وقت مولانا مبارک حسین مصباحی کے تبصرے کی اہمیت اور افادیت قاری اور ناقد دونوں پر واضح ہو جاتی ہے۔ اس کا ایک اقتباس بہ طور نمونہ نذر قارئین ہے تاکہ قاری خود فیصلہ کر سکے:

”پروفیسر صفدر امام قادری منفرد انداز کے ادیب اور منصف مزاج نقاد ہیں، آپ اہل علم و دانش اور حاملان شعر و ادب میں اپنا ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں، آپ باضابطہ اردو صحافت میں آئے تو آپ نے کسی کا دباؤ محسوس نہیں کیا، نہ خود غرضی رہی اور نہ ہی معاصرانہ چشمک کا کوئی اثر رہا، جو حق اور سچ نظر آیا سپرد قلم فرمادیا۔ آپ مشکل ترین حالات میں بھی بال کی کھال نکال لیتے ہیں، بہت سے پیچیدہ مسائل ہوتے ہیں، عام صحافی بعض مصالح کے پیش نظر انھیں ترک فرما دیتے ہیں، ایسے مسائل و معاملات میں آپ اپنی منفرد سوچ رکھتے ہیں۔ آپ کے دماغ کا پرندہ وہیں جاکر بیٹھتا ہے جہاں عام صحافیوں کی نظر نہیں پہنچتی، زبان و بیان بہت اعلیٰ ہے اسلوب نگارش بھی اپنے اندر انفرادیت رکھتا ہے، نقد و نظر ہو یا فکر و فن، شعری موشگافیاں ہوں یا ادبی نشیب و فراز، معاملات پر سیاست کا رنگ غالب ہو یا سماجی معاملات کی پیچیدگیاں ،اکیڈمیوں کے ادبی اور فنی امور ہوں یا ان میں سیاست کی فن کاریاں ، یونیورسٹیوں میں ملازمت کے مسائل ہوں یا تعلیمی سرگرمیوں سے پہلوتہی، بین الاقوامی سیاسی اور ادبی امور ہوں یا ملکی پارٹیوں کی شہ زوریاں، صوفیاے کرام کی رواداریاں ہوں یا شاعروں یا ادیبوں کی یادگاریں، کھیل کے میدان ہوں یا بڑے اداروں سے ملنے والے اعزازات، ایوان حکومت کی بالادستی ہو یا گورنمنٹ سے ملنے والے ایوارڈ، اس قسم کے موضوعات پر ”عرض داشت“ میں بھرپور خزانہ ہے“ (جمہوری اداروں کا زوال، صفحہ 500)

پیش نظر اقتباس مولانا مبارک حسین مصباحی کی نثر نگاری کا جیتا ثبوت ہے، چوں کہ پروفیسر صفدر امام قادری کی کتاب ”عرض داشت“ کا مطالعہ کر اس کتاب پر تبصراتی مضمون لکھا تھا اس لیے میں پورے وثوق سے کہنے میں حق بہ جانب ہوں کہ آج کل کے مبصرین کی طرح کتاب سونگھ کر مولانا مبارک حسین مصباحی نے تبصرہ نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایک مضمون کو باریک بینی سے پڑھ کر اپنی رائے سپرد قرطاس کی ہے، اس لیے ان کے تلامذہ سے ہماری گزارش ہوگی کہ ان کی تحریروں کو جو الگ الگ موضوعات پر منتشر ہیں، ان کو کتابی شکل میں پیش کریں تاکہ آنے والی نسل کے لیے علم کا عظیم سرمایہ محفوظ رہ سکے، اپنی اس حقیر تحریر کے ذریعے مولانا مبارک حسین مصباحی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور ان کے لواحقین بالخصوص اہلیہ اور بچوں کو تعزیت کر دعا گو ہوں کہ اللہ پاک مولانا مرحوم و مغفور کی خدمات جلیلہ کے صدقے درجات بلند فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔ ***

مولانا مبارک حسین مصباحی - ایک بے تکلف دوست

مولانا محمد اختر کمال قادری، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

محبِ گرامی قدر مولانا مبارک حسین مصباحی رام پوری علیہ الرحمہ ایک بے تکلف دوست تھے، جنوری 1989ء میں فراغت کے بعد جب وہ تخصص فی الادب میں پڑھنے لگے تو اس وقت ان سے میری شناسائی ہوئی جب میری تدریسی ذمہ داریوں کا دوسرا سال تھا، اس دوستی میں بھی واسطہ محبِ مخلص خوش طبع مولانا زاہد علی سلامی صاحب سنبھلی زیدت عنایتہ تھے، جس وقت وہ درجۂ تحقیق فی الفقہ سے فارغ ہوکر مزید مشق افتا میں مصروف تھے، دونوں حضرات ایک دوسرے کے قریب الوطن ہونے کی وجہ سے آپس میں گہرے دوست تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی 1990ء کے اخیر میں ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے لیے منتخب ہوئے جب سے وہ تاحیات ایک طویل عرصہ 35-36 سال تک ماہنامہ کے مدیرِ اعلیٰ رہے، اس درمیان انھوں نے ماہنامہ کو بامِ عروج تک پہنچایا، اور وہ مستقل پابندی کے ساتھ ہر ماہ اشاعت کی منزلوں سے ہمکنار ہوتا رہا۔

مولانا مصباحی صاحب نے بلاشبہہ رسالہ کے لیے انتھک کوشش کی اور اسے سنوارنے، نکھارنے اور بہتر سے بہتر بنانے میں انھوں نے واقعی سعیِ مشکور کی اور اپنے اساتذۂ کرام کے مفید مشوروں اور ان کی سرپرستی بالخصوص حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی موجودہ ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ کی تربیت و ہدایت اور شارحِ بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ صدر دار الافتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی رہنمائی و حوصلہ افزائی سے ایک لائق فائق صاحبِ قلم اور قابل تعریف مدیر و صحافی بن گئے۔ تحریر سے ان کی دلچسپی اور ملک و بیرونِ ملک صاحبان قلم سے روابط و تعلقات نے ان کی ادارت کو چار چاند لگا دیے۔ بہت دنوں تک کچھ تدریسی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے رہے۔ ماہنامہ کی ترتیب، مضامین کی فراہمی، صاحبان قلم سے روابط اور اس کے لیے تحسینی اقدامات، تحریر سے دلچسپی و انہماک پھر خطابت کا ذوق و شوق اور اس کی ضرورت نے انھیں میدانِ قلم کا شہسوار اور مقبول مدیر و صحافی منوالیا۔ آپ کی زیرِ نگرانی ماہنامہ اشرفیہ سے درجن بھر سے زائد وقیع و عظیم نمبر شائع ہوئے، جس سے رسالہ کی عظمت و مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا اور ہر دل خاص و عام میں ماہنامہ گھر کر گیا۔ چند کے نام یہ ہیں:

✺ پیغمبر اعظم نمبر ✺ صدر الشریعہ نمبر ✺ انوارِ حافظ ملت ✺ سلطان الہند نمبر ✺ جشنِ شارحِ بخاری نمبر ✺ فقیہِ اعظم ہند نمبر ✺ رئیس القلم خصوصی شمارہ ✺ فقیہِ ملت خصوصی گوشہ ✺ سیدین نمبر ✺ مفتی اعظم راجستھان خصوصی شمارہ ✺ گوشۂ امام احمد رضا بریلوی ✺ تعلیمی کنونشن نمبر ✺ انقلاب 1857 نمبر

مولانا مبارک حسین مصباحی کے بہت سے وقیع و اہم اداریے کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے، جو موقع و محل کے تقاضوں سے مزین، اہم اور ضروری تھے جن سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا اہم فریضہ انجام دیا، جو آپ کی عظیم تصنیفی شاہکار بھی ہیں۔ ان میں کچھ کے نام درجِ ذیل ہیں:

✺ افتراق بین المسلمین کے اسباب ✺ شہرِ خموشاں کے چراغ ✺ خلیج کا بحران ایک تفصیلی جائزہ ✺ پیامِ سیرت ✺ عشقِ رضا کی سرفرازیاں ✺ جہانِ رئیس القلم ✺ اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصورِ روحانیت ✺ امام احمد رضا اور مسلکِ جمہور ✺ دو عظیم شخصیتیں ✺ حافظِ ملت اور حبِ رسول

بلاشبہہ مولانا موصوف کی عظیم خدمات ناقابلِ فراموش ہیں آپ میدان قلم کے راہ رو اور فنِ صحافت کی قابلِ فخر شخصیت تھے۔

لعلِ سخن جواہرِ تحریر دے گیا
بزمِ قلم کو ایک نئی توقیر دے گیا
لاکھوں دلوں کو ذوقِ ادب سے سنوار کر
چشمِ خیال و خواب کو تعبیر دے گیا
رب مغفرت کرے کہ ضیائے قلم سے وہ
ذروں کو بھی اجالے کی تاثیر دے گیا

مولانا مبارک حسین مصباحی

دعوت و تدریس اور تنظیمی بصیرت

مولانا علی احمد سیوانی مصباحی، علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی صاحب!

سربراہِ اعلیٰ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت علّامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی دل گداز خبر سن کر دل بے حد رنجیدہ، غم زدہ اور آزردہ ہوا۔ کئی لمحوں تک تو یقین ہی نہ آیا کہ علم و فضل کا وہ روشن چراغ، اخلاص و محبت کا وہ پیکر، دعوت و تبلیغ کا وہ عظیم مسافر اور اہلِ سنّت کی علمی و فکری روایت کا وہ مضبوط ستون اب ہمارے درمیان موجود نہیں رہا۔ خبر سنتے ہی دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، زبان خاموش ہوگئی اور ذہن ماضی کے ان بے شمار مناظر میں کھو گیا جو حضرت مرحوم کے ساتھ وابستہ یادوں کی صورت میں آج بھی دل کے افق پر روشن ہیں۔ انسانی زندگی میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی موجودگی ایک ادارہ، ایک تحریک اور ایک عہد کی علامت بن جاتی ہے۔حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ انھی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے تھے۔ ان کی ذات صرف ایک عالمِ دین کی حیثیت نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ علم، عمل، تقویٰ، اخلاص، دعوت، تدریس اور تنظیمی بصیرت کا ایک حسین امتزاج تھے۔ان کے وصال کی خبر نے دل میں ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے جس کا پر ہونا آسان نہیں۔

کئی دن گزر گئے لیکن ذہن اب بھی اسی صدمے کے حصار میں ہے۔ بار بار ماضی کی یادیں سامنے آتی ہیں۔ ان کی مسکراہٹ، ان کی متانت، ان کی علمی گفتگو، ان کی دل نواز طبیعت اور دینِ متین کے لیے ان کی بے لوث خدمات نظروں کے سامنے گردش کرتی رہتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی کل ہی کی بات ہو کہ کسی علمی نشست میں ان سے ملاقات ہوئی، کسی دینی پروگرام میں ان کی فکر افروز گفتگو سنی یا کسی اجتماعی مسئلہ پر ان کی بصیرت افروز رائے سے استفادہ کیا۔ مگر آج حقیقت یہ ہے کہ وہ سب یادیں بن چکی ہیں اور ہم ایک ایسی شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔

حضرت مولانا مصباحی صاحب کے ساتھ میرا تعلق محض رسمی یا تعارفی نہ تھا بلکہ باہمی محبت، احترام اور خلوص پر مبنی تھا۔ ملک کے مختلف اسفار اور دینی اجتماعات میں ملاقات کے مواقع ملتے رہے۔ ہر ملاقات کے بعد ان کی شخصیت کا کوئی نہ کوئی نیا پہلو سامنے آتا تھا۔ وہ اپنے علمی مقام کے باوجود بے حد منکسر المزاج تھے۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت ان کی فطرت کا حصہ تھا۔ ان کے مزاج میں جو سنجیدگی تھی، وہی ان کی گفتگو میں بھی نمایاں نظر آتی تھی۔ اختلاف کے ماحول میں بھی اعتدال

اور وقار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ آج جب ان کے وصال کی خبر سن کر ماضی کے اوراق پلٹتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ ہماری علمی دنیا ایک ایسے شخص سے محروم ہوگئی ہے جس نے اپنی پوری زندگی دینِ اسلام، مسلکِ اہلِ سنّت اور ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں وقف کردی تھی۔ ان کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ تدریس ہو یا تصنیف، دعوت ہو یا تربیت، تنظیم ہو یا قیادت، ہر میدان میں انھوں نے اپنی محنت، اخلاص اور بصیرت کے نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کے شاگرد، ان کے متعلقین اور ان سے فیض پانے والے بے شمار افراد آج ان کے لیے صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

محترم عزیزِ ملّت صاحب!

عمر کے اس مرحلے میں پہنچ چکا ہوں جہاں سفر تقریباً بند ہو چکا ہے۔ وہ زمانہ اب قصۂ پارینہ بن گیا جب ملک کے طول و عرض میں دعوتِ اہلِ سنت کے پیغام کے ساتھ مسلسل سفر کیا کرتا تھا۔ ایک وقت تھا کہ جلسے، اجتماعات، کانفرنسیں اور علمی نشستیں زندگی کا حصہ تھیں۔ آج جسمانی کمزوری اور عمر کی زیادتی نے قدموں کو محدود کردیا ہے۔ سفر کی وہ طاقت باقی نہیں رہی، صحت بھی پہلے جیسی نہیں رہی اور طبیعت پر بڑھاپے کے اثرات نمایاں ہیں لیکن دل اب بھی انھی یادوں کے ساتھ زندہ ہے جو علماے اہلِ سنت اور اکابرینِ ملت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اسی طرح شاعری بھی جو کبھی میرے احساسات اور جذبات کے اظہار کا ایک مؤثر ذریعہ تھی اب تقریباً خاموش ہو چکی ہے۔ زندگی کا ایک طویل عرصہ شعر و ادب کی خدمت میں گزرا۔ بزرگانِ دین، اولیاے کرام اور اکابرِ اہلِ سنت کی شان میں منقبتیں کہنا میرے لیے محض ایک ادبی مشغلہ نہیں بلکہ عقیدت و محبت کا اظہار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی فکری اور شعری صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ کسی بھی بزرگِ دین کی حیات و خدمات کا تذکرہ سنتے ہی اشعار خود بخود ذہن میں ترتیب پانے لگتے تھے اور بسا اوقات مختصر وقت میں طویل منقبت یا نظم مکمل ہوجاتی تھی۔ ملک کے مختلف شہروں میں منعقد ہونے والی مذہبی کانفرنسوں، عرس کے پروگراموں، دستار بندی کی تقریبات اور دیگر دینی اجتماعات میں نظامت کی ذمہ داری بھی طویل عرصے تک انجام دیتا رہا۔ بحیثیتِ نقیبِ اہلِ سنت مسلسل سفر اور عوامی رابطے زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔ ان محافل میں جب کسی شاعر کو نعت یا منقبت کے لیے اور کسی مقرر کو خطاب کے لیے دعوتِ سخن دینا مقصود ہوتا تو موقع مناسبت اور شخصیت کے لحاظ سے اشعار فی البدیہہ ذہن میں آجاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اسٹیج پر بیٹھے بیٹھے چند لمحوں میں ایسے اشعار زبان پر جاری ہوجاتے جو نہ صرف سامعین کو متاثر کرتے بلکہ متعلقہ شخصیت کے مقام و مرتبے کی خوب ترجمانی بھی کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ الفاظ اور معانی خود بخود ذہن میں آتے اور موقع کی مناسبت سے شعر کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ شاعری کی یہی کیفیت میری زندگی کا ایک خوبصورت سرمایہ تھی۔ دل میں کوئی دینی جذبہ پیدا ہوتا، کسی بزرگ کی یاد تازہ ہوتی یا کسی مذہبی تقریب میں شرکت کا موقع ملتا تو خیالات اشعار کا لباس پہن لیتے تھے۔ مگر اب عمر کے تقاضوں نے ذہنی قوت اور حافظے پر اپنا اثر ڈالنا شروع کردیا ہے۔ آج بھی دل میں وہی عقیدت، محبت اور جذبات موجود ہیں، خیالات بھی پیدا ہوتے ہیں اور اشعار کہنے کی خواہش بھی جاگتی ہے لیکن وہ بے ساختگی، وہ فکری روانی اور وہ قوتِ اظہار ساتھ نہیں دیتی جو کبھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی تھی۔ پھر بھی جب ماضی کی ان مصروفیات، محافل اور شعری یادوں پر نظر پڑتی ہے تو دل شکرِ خدا سے بھر جاتا ہے کہ اس نے دین، اہلِ دین اور بزرگانِ دین کی محبت کو اپنی بساط کے مطابق الفاظ کا جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ

کے وصال کے بعد دل نے بارہا چاہا کہ ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کی یاد میں اور ان کے لیے اپنے قلبی جذبات کے اظہار کے طور پر ایک مفصل نظم لکھوں۔ میں نے کئی مرتبہ قلم اٹھایا، کئی بار کاغذ سامنے رکھا، کئی مرتبہ ذہن کو ماضی کی یادوں میں لے جانے کی کوشش کی مگر افسوس کہ عمر اور کمزور ہوتی ہوئی یادداشت اس خواہش کی تکمیل میں حائل ہوگئی۔ دل میں جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے لیکن الفاظ اس کی ترجمانی سے قاصر محسوس ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت دل کی جو کیفیت ہے اسے بیان کرنا آسان نہیں۔ ایک طرف ایک دیرینہ تعلق کی جدائی کا غم ہے، دوسری طرف ایک علمی سرمایہ کے رخصت ہوجانے کا احساس ہے۔ بار بار دل چاہتا ہے کہ اشعار کے ذریعے اپنے احساسات کو بیان کروں، ان کی علمی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کروں، ان کی شخصیت کے روشن پہلوؤں کو منظوم انداز میں محفوظ کردوں لیکن فکر و خیال جیسے تھک گئے ہوں۔ کبھی ایک مصرع ذہن میں آتا ہے تو دوسرا ساتھ نہیں دیتا، کبھی مضمون بنتا ہے تو الفاظ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے باوجود میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ احساس محفوظ رکھا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کی خدمات کسی نظم یا نثر کی محتاج نہیں ہیں۔ ان کی زندگی خود ایک روشن کتاب تھی اور ان کا کردار خود ایک زندہ نظم تھا۔ انھوں نے جو علمی چراغ روشن کیے، جو شاگرد تیار کیے، جو ادارے مضبوط کیے اور جو فکری ورثہ چھوڑا، وہی ان کے لیے بہترین خراجِ عقیدت اور بہترین یادگار ہے۔

محترم عزیز ملت صاحب!

یہ حقیقت ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ دنیا میں آنے والا ہر شخص ایک دن واپس جانے والا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا جانا صرف ایک فرد کا جانا نہیں ہوتا بلکہ ایک عہد کا اختتام محسوس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بھی انھی عظیم شخصیات کے وصال میں شمار ہوگا جن کے جانے سے علمی حلقوں، دینی اداروں اور اہلِ محبت کے دلوں میں ایک دیرپا خلا پیدا ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم عطا فرمایا، مقبولیت عطا فرمائی، خدمت کا جذبہ عطا فرمایا اور پھر اپنی بارگاہ میں ایسی عزت کے ساتھ بلا لیا کہ ان کے چاہنے والوں کی ایک طویل فہرست ان کے لیے دعا گو ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے کہ کسی انسان کی زندگی دوسروں کے لیے خیر اور اس کی وفات دوسروں کے لیے دعا کا سبب بن جائے۔

میں اس موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے تمام ذمہ داران، اساتذۂ کرام، طلبہ، متعلقین اور بالخصوص حضرت مولانا مرحوم کے اہلِ خانہ کی خدمت میں اپنی قلبی تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اگرچہ الفاظ غم کی شدت کو کم نہیں کرسکتے لیکن اہلِ ایمان کے لیے صبر اور دعا ہی سب سے بڑا سہارا ہے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، ان کی حسنات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، انھیں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے تمام پس ماندگان، شاگردوں، متعلقین اور محبین کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کو ان کے علمی و فکری ورثے کی حفاظت اور اس کے فروغ کی توفیق عطا فرمائے اور ملتِ اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ والسلام مع الاکرام

مولانا علی احمد سیوانی مصباحی (علی گڑھ)

18/جون 2026۔ ****

مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت
علم وصحافت کے ایک روشن اور مبارک عہد کا اختتام

مولانا شمس الحق مصباحی، جامعہ امام احمد رضا احسن البرکات، نیو کاسل، جنوبی افریقہ

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ (ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور) کا وصالِ پُرملال بلاشبہ ایک عظیم علمی، دینی اور صحافتی سانحہ ہے، جس نے پوری جماعتِ اہلِ سنت کو سوگوار کر دیا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى. اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَارْفَعْ دَرَجَاتِهِ فِي الْعِلِّيِّينَ. آمین.

آپ ان خوش نصیب ہستیوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی دینِ متین کی خدمت، مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کے دفاع، اور خصوصًا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و فکری وراثت کے فروغ کے لیے وقف کر دی۔ آپ کی تحریریں نہ صرف علم و تحقیق کا شاہکار تھیں بلکہ ان میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت، ادب کی شائستگی اور سلاستِ بیان کی ایسی کیفیت پائی جاتی تھی جو قاری کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتی تھی۔

صحافتِ اہلِ سنت کو آپ نے ایک نئی جہت عطا فرمائی۔ ماہنامہ اشرفیہ کے ذریعے آپ نے علمی دنیا میں جو گراں قدر خدمات انجام دیں، وہ مدتوں تک یاد رکھی جائیں گی۔ فروغِ رضویات اور مصباحی علما کی علمی، تحقیقی اور دینی خدمات کو اجاگر کرنے میں آپ کا کردار نہایت نمایاں، قابلِ قدر اور رہتی دنیا تک یادگار ہے۔ آپ کی قلمی جدوجہد نے اہلِ علم و قلم کے لیے ایک روشن شاہراہ متعیّن کی اور علمی صحافت کے میدان میں ایک منفرد معیار قائم کیا۔

خصوصًا حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر و نظر، ان کے علمی ورثے اور مسلکی درد کے نفوذ واثر کی ترویج و اشاعت میں آپ نے جو عظیم خدمات انجام دیں، وہ آپ ہی کا خاص امتیاز ہیں۔ آپ نے اپنے قلم کے ذریعے نئی نسل کو اکابرِ اہلِ سنت کی علمی روایت سے جوڑا اور انھیں مسلکِ حق کی روشن تعلیمات سے آشنا کیا۔

آپ کے عہدِ ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ سے شائع ہونے والے وقیع و پر مغز نمبر، عام اور خصوصی شمارے آپ کی وسعتِ مطالعہ، علمی بصیرت، فکری پختگی اور ادبی ذوق کے روشن مظاہر ہیں۔ ان شماروں کا اجرا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ آپ محض ایک مدیر یا صحافی نہ تھے، بلکہ ایک صاحبِ طرز ادیب، ژرف نگاہ محقق اور مخلص خادمِ دین تھے، جنھوں نے قلم کو خدمتِ دین اور اشاعتِ مسلکِ اہلِ اعلیٰ حضرت کا مؤثر ذریعہ بنایا۔

آپ کی تحریروں میں علم کی گہرائی، تحقیق کی متانت، اسلاف سے والہانہ وابستگی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آویز خوشبو نمایاں طور پر محسوس کی جاتی تھی۔ آپ کا اسلوبِ نگارش دلوں کو گرما دیتا اور اذہان کو جلا بخشتا تھا۔ آپ نے خاموشی، اخلاص اور استقامت کے ساتھ جو علمی سرمایہ امت کے حوالے کیا، وہ ان شاء اللہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ اور اربابِ علم کے لیے سرمایۂ افتخار بنا رہے گا۔

بلاشبہہ آپ کا قلم محض الفاظ کا مجموعہ نہ تھا، بلکہ اکابر اہلِ سنت کے افکار کا امین، مسلکِ اہل سنت کا ترجمان اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبانِ حال تھا۔ آپ کی رحلت سے علم و ادب، تحقیق و صحافت اور مسلکی خدمت کا ایک تابندہ باب بند ہو گیا۔

(باقی ص:266 پر)

وہ پکار، جو قلم کو جگاتی تھی، اب ہمیشہ کے لیے سو گئی...

::::::::::::::::::::مفتی سبطین رضا مرتضوی::::::::::::::::::::

آہ! کاروانِ علم وادب کا ایک اور درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا، بزمِ گیسوے اردو کا ایک اور سجا سجایا سنگار لٹ گیا اور ہم ہیں کہ نوحہ کناں ہیں، مگر اس دشتِ غربت میں کوئی ہماری فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ آج جب یہ روح فرسا اور جگر دوز خبر دفعتاً کانوں سے ٹکرائی کہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب اب اس دارِ فانی میں نہیں رہے اور انھوں نے داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا ہے، تو پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دل پر ایک ایسی کاری چوٹ لگی جس کی ٹیسیں روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئیں۔ غم کی ایک تیز، تند اور سرد لہر تھی جو رگ وپے میں سرایت کر گئی اور ذہن کے افق پر یادوں کا ایک ایسا طوفان امڈ آیا جس نے فکر ونظر کے سارے چراغ گل کر دیے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

موت ایک اٹل حقیقت ہے، چہار دانگِ عالم میں کوئی اس سے مفر نہیں پا سکتا، لیکن بعض ہستیوں کا رخصت ہونا محض ایک مادی وجود کا مٹ جانا نہیں ہوتا، بلکہ ایک پورے عہد کا خاتمہ، علم و حکمت کی ایک بھری پُری بزم کا اجڑنا اور ایک ہنستے کھیلتے چمن کا خزاں رسیدہ ہو جانا ہوتا ہے۔ مولانا مصباحی صاحب کا سانحۂ ارتحال بھی علمی و ادبی دنیا کے لیے ایک ایسا ہی اندوہِ گراں اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے جس کا ملال اور اثر مدتوں دلوں پر باقی رہے گا۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

میرے اور ان کے درمیان جو تعلق تھا، وہ محض ایک نویسندہ اور مدیر کا روایتی، خشک اور دفتری تعلق نہیں تھا، بلکہ اس میں شفقتِ پدری کی مٹھاس، برادرانہ خلوص کا تلاطم اور ایک ایسی والہانہ محبت شامل تھی جس کی مثال اس قحط الرجال کے دور میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ وہ مجھ سے بے پناہ، بے لوث اور والہانہ محبت فرماتے تھے اور ان کا یہ خلوص دل کے نہاں خانوں میں نقش ہو کر رہ گیا ہے۔ جب بھی ان سے گفتگو کا شرف حاصل ہوتا، ان کے لہجے کی شیرینی، دھیما پن اور وہ بے پناہ پیار ذہن ودل کو موہ لیتا تھا۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ان کی ہر بات میں ایک مقناطیسی کشش تھی جو مخاطب کو اپنا اسیر بنا لیتی تھی۔ ان کی اس ذرہ نوازی اور بندہ پروری کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی ماہ سستی، کاہلی یا گوناگوں خانگی و علمی مصروفیات کی وجہ سے میں ماہنامہ 'اشرفیہ' کے لیے اپنا مضمون وقت پر نہ بھیج پاتا، تو وہ اسے صرف ایک عمومی کوتاہی سمجھ کر خاموش نہیں ہو جاتے تھے، اور نہ ہی دیگر مدیران کی طرح اسے فراموش کرتے، بلکہ فوراً اپنے مخصوص مشفقانہ اور والہانہ انداز میں فون کرتے تھے۔ فون اٹھاتے ہی وہ مخصوص پیار بھرا، سحر انگیز لہجہ کانوں میں رس گھولنے لگتا اور وہ فرماتے کہ "میاں! اس مرتبہ اشرفیہ میں آپ کا مضمون کیوں نہیں پہنچا؟ کیا وجہ ہے؟ قلم کو کیوں روک کے بیٹھے ہو؟ چلیے، اب جلدی کیجیے اور اپنا مضمون فوراً روانہ کیجیے، آپ کے بغیر گلدستۂ اشرفیہ ادھورا رہتا ہے"۔

ان کے یہ الفاظ میرے لیے صرف ایک تازیانہ یا یاددہانی نہیں ہوتے تھے، بلکہ ایک ایسا اعزاز، ایک ایسی تحریک اور ایک ایسا والہانہ تقاضا ہوتے تھے جو میری سستی کو ایک لمحے میں کافور کر دیتے اور میں سب کام چھوڑ کر لیپ ٹاپ اٹھا لیتا اور کیبورڈ پر انگلیاں چلانے لگتا۔ وہ اپنے لکھاریوں کی اس طرح تربیت

فرماتے تھے جیسے کوئی مشاق باغبان اپنے نونہال پودوں کی آبیاری کرتا ہے، ایک ایک پتے کو سہلاتا ہے اور چمن کی رونق کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا خونِ جگر صرف کر دیتا ہے۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

مگر افسوس! ہمارا باغبان تو خود چمن کو اداس چھوڑ گیا۔ آہ! اب وہ فون کبھی نہیں آئے گا، اب وہ پیار بھرا تقاضا کبھی سماعتوں سے نہیں ٹکرائے گا، اور اب وہ سحر انگیز آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی ہے جو دل کے تاروں کو چھیڑ دیا کرتی تھی۔ وقت کا ستم دیکھیے کہ گذشتہ تقریباً ایک سال سے وہ آنکھوں کے شدید اور جانکاہ عارضے میں مبتلا تھے۔ بینائی کی اس تکلیف نے یقیناً ان کے مادی وجود کو مضمحل کر دیا تھا، اور مطالعہ و تحریر کے اس دھنی انسان کے لیے، جس کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی کتابیں اور قرطاس و قلم رہے ہوں، یہ آزمائش کس قدر کٹھن، روح فرسا اور کرب ناک رہی ہوگی، اس کا اندازہ صرف وہی حساس دل کر سکتے ہیں جو قلم کی حرمت اور کتاب کی قیمت سے واقف ہیں۔ اس علالتِ چشم کا اثر یہ ہوا کہ وہ اشرفیہ کی عملی مصروفیات سے جسمانی طور پر دور ہونے لگے، یہاں تک کہ گذشتہ ایک سال سے انھوں نے اشرفیہ کا اداریہ لکھنا بھی چھوڑ دیا تھا اور ان کی جگہ عزیزِ گرامی مہتاب پیامی صاحب اس ذمہ داری کو نبھا رہے تھے اور اپنے قلم سے اس خلا کو پر کرنے کی مخلصانہ کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود، مولانا مصباحی صاحب کا وجودِ مسعود ایک سائبان کی طرح ہمارے سروں پر قائم تھا، ان کی دعائیں، ان کی سرپرستی اور ان کا خلوص ایک ایسی ڈھال تھا جس کے سائے میں ہم خود کو محفوظ اور معتبر محسوس کرتے تھے۔ وہ خود نہیں لکھ رہے تھے، مگر ان کی لکھی ہوئی تاریخ، ان کا قائم کردہ معیار اور ان کی محبتوں کا تسلسل اب بھی اشرفیہ کے جریدے سے چھلکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ جسمانی طور پر نڈھال تھے، مگر ان کا علمی جذبہ اور اپنوں کے لیے تڑپ آخری وقت تک جوان رہی۔

ان کا اٹھ جانا گویا ایک عہدِ زریں کا رخصت ہو جانا ہے۔ وہ محض ایک جریدے کے ایڈیٹر نہیں تھے، بلکہ وہ اردو نثر کے ایک منجھے ہوئے ادیب، صاحبِ طرز قلم کار اور صحافتِ اسلامی کے ایک معتبر، مستند اور درخشاں ستون تھے۔ انھوں نے جس وقار، علمی متانت، سنجیدگی اور ادبی چاشنی کے ساتھ صحافت کے معیار کو بلند رکھا، وہ آج کے اس پر آشوب، ہنگامہ خیز اور سطحی دور میں عنقا ہو چکا ہے۔ ان کی وفات سے اردو ادب کا ایوان اداس، فکر و نظر کی بزم سونی اور اسلامی صحافت کا چہرہ بے رونق ہو گیا ہے۔ اب جب بھی ماہنامہ 'اشرفیہ' غلاف سے باہر آئے گا، اس کے صفحات پر نئی تحریریں تو ہوں گی، نئے رنگ بھی ہوں گے، لیکن وہ دیدہ زیب، مشفقانہ اور پارسا ہاتھ اب منوں مٹی تلے جا سویا ہے جو ان تحریروں کے پسِ پشت اصل محرک ہوا کرتا تھا۔ اب جب بھی دل اداس ہوگا اور قلم سستی کا شکار ہوگا، تو دل تڑپ تڑپ کر اس پکار کو ڈھونڈے گا جو مبارک پور کی بستی سے اٹھتی تھی اور ہمارے ادبی جمود کو توڑ دیا کرتی تھی۔

میں اس وقت غم کی اس اتنی بڑی گھڑی میں، اپنے دلِ مجروح، آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسوؤں اور کانپتے ہوئے قلم کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ پروردگارِ عالم! حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی جملہ علمی، قلمی، دینی اور تربیتی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرما کر ان کے درجات کو علیین میں بلند سے بلند تر کرے، ان کی لحد کو نورِ محمدی ﷺ سے منور و معطر فرمائے اور انھیں جنت الفردوس کے نہاں خانوں میں اعلیٰ اور ارفع مقام عطا فرمائے۔ ساتھ ہی ان کے تمام پس ماندگان، تلامذہ، ماہنامہ اشرفیہ کے قارئین، وابستگان اور ہم جیسے تمام سوگواروں اور مخلصین کو یہ صدمۂ عظیم، یہ جگر دوز جدائی اور یہ ناقابلِ تلافی نقصان برداشت کرنے کے لیے صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل کی دولت سے مالا مال کرے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا مبارک حسین مصباحی
ادب اور صحافت کا ایک روشن باب

مولانا انیس الرحمن حنفی رضوی، پرنسپل، جامعہ رضویہ زینت العلوم، سرس کھیڑا، ضلع مرادآباد یوپی۔

بعض شخصیات اپنے عہد میں محض زندہ نہیں رہتیں بلکہ اپنے عہد کو معنی بھی عطا کرتی ہیں۔ وہ کتابوں کے اوراق میں محدود نہیں ہوتیں بلکہ اداروں کی روح، افکار کی روشنی اور نسلوں کی تربیت بن جاتی ہیں۔ ان کے جانے کے بعد صرف ایک فرد کا فقدان محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک طرزِ فکر، ایک اسلوبِ نظر اور ایک علمی روایت کی کمی شدت کے ساتھ محسوس ہونے لگتی ہے۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہٗ کا وصال بھی ایسا ہی ایک سانحہ ہے جس نے اہلِ علم کو یہ احساس دلایا کہ ہمارے درمیان سے ایک ایسی شخصیت اٹھ گئی ہے جس نے اپنی پوری زندگی خاموشی کے ساتھ علم، ادب، صحافت اور دعوت کے چراغ روشن کرنے میں صرف کر دی تھی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا شمار ان اہلِ علم میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی شناخت شہرت کے شور سے نہیں بلکہ خدمت کے سکوت سے قائم کی۔ ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان بزرگوں میں سے تھے جن کے نزدیک علم محض معلومات کا ذخیرہ نہیں بلکہ کردار سازی کا وسیلہ اور امت کی فکری رہنمائی کا ذریعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پوری حیات میں تدریس، تصنیف، ادارت اور اصلاحِ معاشرہ کے مختلف پہلو ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ان میں تفریق کرنا دشوار محسوس ہوتا ہے۔

ضلع رام پور کی سرزمین پر پیدا ہونے والا یہ سعید فرزند ابتدائی تعلیم سے لے کر تکمیلِ درسِ نظامی تک مسلسل علمی ارتقا کے مراحل طے کرتا ہوا ازہرِ ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تک پہنچا۔ یہ وہ ادارہ ہے جس نے برصغیر میں اہلِ سنت کے علمی اور فکری سرمایے کو نئی توانائی بخشی ہے۔ مولانا مصباحی نے اسی مرکزِ علم سے استفادہ کیا، یہیں اپنے اکابر اساتذہ کے علمی ذوق سے فیض یاب ہوئے اور پھر زندگی بھر اسی علمی قافلے کے وفادار سپاہی بن کر رہے۔ ان کے اساتذۂ کرام میں ایسے نام شامل ہیں جنھوں نے گزشتہ نصف صدی میں اہلِ سنت کی علمی قیادت کی اور اپنے علم و فضل سے پورے عالمِ اسلام کو متاثر کیا۔ ان بزرگوں کی صحبت نے مولانا مصباحی کے مزاج میں تحقیق، اعتدال، وسعتِ نظر اور فکری پختگی پیدا کی، جو بعد میں ان کی تمام تحریروں اور خدمات میں نمایاں نظر آتی ہے۔

جامعہ اشرفیہ سے ان کی وابستگی محض ایک ملازمت یا رسمی تعلق نہیں تھی بلکہ ایک قلبی نسبت تھی۔ طالبِ علمی سے لے کر آخری سانس تک اس ادارے کے ساتھ ان کا رشتہ قائم رہا۔ انھوں نے مدرس، منتظم، مشیر، مدیر اور مربی کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں، وہ درحقیقت ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک ادارہ ساز شخصیت کی خدمات ہیں۔ تقریباً تین دہائیوں تک تدریسی میدان میں سرگرم رہ کر انھوں نے ہزاروں طلبہ کی علمی تربیت کی۔ ان کے شاگرد آج مختلف علمی، تدریسی اور دعوتی مراکز میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور یہ حقیقت کسی بھی استاذ کے لیے سب سے بڑا سرمایہ شمار ہوتی ہے۔

اگر ان کی شخصیت کے نمایاں ترین پہلو کی نشان دہی کی جائے تو بلا شبہ ان کی صحافتی بصیرت کا ذکر سب سے نمایاں ہوگا۔ انھوں نے ایسے وقت میں صحافت کی ذمہ داری سنبھالی جب دینی صحافت کو سنجیدگی، توازن اور علمی وقار کی شدید ضرورت تھی۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت ان کے سپرد ہوئی تو انھوں نے اسے محض ایک

رسالہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے فکر و دانش کا ایسا پلیٹ فارم بنا دیا جہاں علمی مباحث، دینی مسائل، فکری رہنمائی اور عصری تقاضوں کا شعور ایک ساتھ جلوہ گر ہوتا تھا۔ ان کے اداریے "نقشِ قلم" در حقیقت ان کی فکری شخصیت کا آئینہ تھے۔ ان تحریروں میں نہ خطیبانہ جوش غالب آتا تھا اور نہ صحافتی سنسنی خیزی، بلکہ دلیل کی قوت، فکر کی گہرائی اور زبان کی شائستگی ایک ساتھ جمع ہو جاتی تھی۔

مولانا مصباحی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ قلم کی طاقت تلوار کی طاقت سے کہیں زیادہ دیرپا ہوتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے صحافت کو محض خبر رسانی کا ذریعہ نہیں بلکہ امت کی فکری تربیت کا وسیلہ بنایا۔ ان کی تحریروں میں اعتدال کا جو وصف نمایاں ہے، وہ آج کے شور انگیز ماحول میں اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ وہ اختلاف کو دشمنی میں تبدیل کرنے کے قائل نہ تھے اور نہ ہی مسلکی مباحث کو جذباتی نعروں کی نذر کرنے کے حامی تھے۔ ان کے نزدیک حق کی ترجمانی کا بہترین طریقہ مدلل گفتگو، مستند تحقیق اور مہذب اسلوب تھا۔

ان کی ادبی شخصیت بھی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ ادب سے ان کا تعلق محض ذوقی نہ تھا بلکہ شعوری اور فکری تھا۔ عربی و اردو ادب پر ان کی گہری نظر تھی اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں لفظوں کی سلاست، جملوں کی روانی اور معانی کی گہرائی بیک وقت محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے ادب کو کبھی محض تفننِ طبع کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے تہذیبِ فکر اور تزکیۂ احساس کا وسیلہ قرار دیا۔ ان کی تحریروں میں علمی وقار کے ساتھ ساتھ ادبی جمال بھی موجود ہے اور یہی امتزاج انھیں اپنے معاصرین میں ممتاز بناتا ہے۔

ان کی تصنیفی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مختلف علمی اور فکری موضوعات پر گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔ ان کی معروف کتاب "شہرِ خموشاں کے چراغ" محض ایک تذکرہ نہیں بلکہ تاریخ، ادب اور شخصیت نگاری کا حسین امتزاج ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف شخصیات کو محض واقعات کے ذریعے نہیں بلکہ ان کے اثرات اور خدمات کے تناظر میں دیکھنے کا ہنر جانتا ہے۔ یہی وصف ان کی دیگر تحریروں میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

ان کی شخصیت کا ایک پہلو جو اہلِ علم کو ہمیشہ متاثر کرتا رہے گا، وہ ان کی عاجزی اور انکساری ہے۔ بڑے سے بڑا منصب، وسیع سے وسیع علمی مرتبہ اور طویل ترین خدمات بھی ان کے مزاج میں تکبر پیدا نہ کر سکیں۔ وہ طلبہ کے لیے شفیق استاد، رفقا کے لیے مخلص دوست اور عوام کے لیے دردمند رہنما تھے۔ ان کی گفتگو میں نرمی، رویے میں شگفتگی اور تعلقات میں اخلاص پایا جاتا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگرد اور معاصرین ان کا ذکر محض ایک عالم یا مدیر کے طور پر نہیں بلکہ ایک مشفق مربی اور خیر خواہ بزرگ کے طور پر کرتے ہیں۔

آج جب مولانا مبارک حسین مصباحی ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو ان کی علمی اور فکری عظمت کا احساس پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ان کا وصال ایک ایسے وقت میں ہوا ہے جب امت کو سنجیدہ فکر، معتدل مزاجی اور باوقار صحافت کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ ان کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ علم کا اصل حسن اخلاص میں ہے، قلم کی اصل قوت دیانت میں ہے اور شخصیت کی اصل عظمت خدمت میں ہے۔ انھوں نے نہ صرف کتابیں لکھیں بلکہ انسان بھی تیار کیے، نہ صرف مضامین تحریر کیے بلکہ افکار کو جلا بخشی، نہ صرف اداروں کی خدمت کی بلکہ ادارہ سازی کی روایت کو مضبوط کیا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کا تذکرہ محض ایک مرحوم عالم کے طور پر نہیں بلکہ ایک عہد ساز معلم، ایک صاحبِ بصیرت صحافی، ایک باوقار ادیب اور ایک مخلص خادمِ دین کے طور پر کیا جائے گا۔ ان کی خدمات اہلِ سنت کی علمی تاریخ کا روشن باب ہیں اور رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور ان کے علمی و فکری فیوض کو تا دیر باقی رکھے۔ آمین۔

مراجع و مصادر:

- فروغِ رضویات میں فرزندانِ اشرفیہ کی خدمات۔
- ماہنامہ اشرفیہ، مختلف شمارے۔
- الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ویب سائٹ پر شائع شدہ مواد۔
- مولانا مبارک حسین مصباحی کے وصال کے بعد شائع شدہ تعزیتی مضامین

***

مولانا مبارک حسین مصباحی

ایک عظیم انقلابی شخصیت

مولانا محمد قمرالزماں نوری مصباحی راج محلی، خطیب وامام اقرا مسجد، ٹیٹاگڑھ، کولکاتا119

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ہر دور اور ہر زمانے میں بنی نوع انسان کی رشد وہدایت اور انسانی معاشرے کی اصلاح وفلاح کے لیے کوئی نہ کوئی رہبر ورہنما بحکم الٰہی اس خاکدان گیتی پر جلوہ افروز ہوتا رہا اور شمع رشد وہدایت بن کر انسانیت کے تاریک ماحول کو منور مجلی کرتا رہا، خواہ وہ انبیاو مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقدس نورانی کارواں ہو یا خلفاے راشدین واصحاب وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مبارک ومقدس قافلہ۔ محدثین ومفسرین اور فقہا، مجددین واولیاے کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پاکیزہ جماعت ہو یا علماے اسلام وفضلاے کرام کا قابلِ احترام گروہ ہو، انھیں پاکیزہ اور برگزیدہ شخصیات میں سے قابلِ گراں قدر شخصیت ادیب شہیر، خطیب بےنظیر، خلیفۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ ومولانا مبارک حسین مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ ومدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی ذات مقدسہ تھی۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی پوری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ، پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب و ماہتاب کی طرح تابندہ تھی، عزم و ارادہ لال قلعہ سے مضبوط، میناروں سے بلند اور تاج محل سے زیادہ خوبصورت تھا، علامہ ادیب شہیر کا دلکش رخ زیبا، تبسم ریز ہونٹ، سحر آگیں ادائیں، گفتگو میں بلا کی چاشنی کہ سننے والا سنتا ہی رہے، دل میں قوم وملت کا درد موجزن اور نہ جانے کتنی خوبیوں کے مالک نظر آئے۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ اخلاص ووفا کے پیکر، امتیاز سنیت، شانِ عزیز ملت، نقیب جماعت اہلِ سنت، استقامت کے کوہ محکم اور بحر علم وادب کے شناور تھے، جن کے اخلاق کریمانہ نے لوگوں کو اپنا ایسا گرویدہ بنا لیا تھا کہ آپ کے نیاز مندوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ان کی ذات بابرکت افق سنیت پر ایک تابندہ کوکب تھی جس کی پاکیزہ اور دل نشیں روشنی سے کشور سنیت تابندہ وفیض یاب تھی۔

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ وارشاد اور احقاقِ حق وابطال باطل کے لیے ملک کے طول وعرض کا دورہ فرمایا اور اس سلسلے میں آپ دشوار گزار گھاٹیوں، خاردار وادیوں اور پر خطر راہوں کو عبور کرتے ہوئے دور افتادہ گاؤں، دیہاتوں اور دور دراز کے علاقوں میں پہنچے اور قدم قدم پر اسلام کے دیپ جلاتے گئے، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جام پلاتے گئے، عزیزی پرچم لہراتے گئے، اہلِ سنت وجماعت پر رحمت کے بادل بن کر چھائے اور گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر شمشیر حافظ ملت بن کر چمکے کہ بدعقیدگی کی گردنیں کٹ کر رہ گئیں۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی خطابت اور جمال وجلالت کا عالم یہ تھا کہ آپ کو جو سنتا وہ سنتا ہی رہ جاتا، ماقبل کی ساری باتوں کو بھول جاتا اور آپ کی بات پر سر تسلیم خم کر دیتا اور جو آپ کی زیارت کرتا وہ عزیزی فیضان سے مالا مال ہو جاتا، اس لیے آپ ایک عظیم واعظ وناصح تھے، آپ نے اپنے مواعظ حسنہ کا سلسلہ قریہ قریہ، بستی بستی جاری رکھا اور بہت زیادہ مشغولیت کے باوجود اس سلسلے میں کوئی کمی نہیں فرمائی۔ آپ کی خطابت کا انداز سلیس اور عامیانہ ہوتا تھا جس سے سامعین اور حاضرین کی دلچسپی اور بڑھ جاتی تھی، غرض کہ آپ کی خدمات وکردار کو دیکھا جائے تو بے

ساختہ زبان سے یہ نکلتا ہے کہ آپ کی ذات ایک انجمن تھی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی خدمت اسلام میں گزاری، عام علمائے کرام کے طرز زندگی سے ہٹ کر سادہ زندگی بسر کی، اساتذہ اور شاگردوں کے ساتھ گفتگو کا لہجہ نہایت شفیقانہ و رحیمانہ ہوتا تھا۔ علمائے کرام ومشائخ عظام سے جب گفتگو فرماتے تو ان کے مراتب کا بھی خیال رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ علما و مشائخ بھی بعد گفتگو فرحت و شادمانی کا اظہار فرماتے تھے۔ آپ کی نجی زندگی پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی کامیاب و کامران نظر آتی ہے۔

علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی زندگی کا ہر پہلو انتہائی روشن و تاب ناک اور ان کی حیات پاک کا ہر لمحہ عامۃ المسلمین کے لیے بہترین سامان ہدایت تھا، اخلاق و کردار کے نہایت پختہ اور دھنی انسان تھے، غیر اخلاقی کردار ادا کرنا آپ کی کتاب ہستی سے خارج تھا، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت و تکریم کرنا آپ کی زندگی کا لازمی عنصر تھا، اصاغر نوازی آپ کی ذات کا ایک امتیازی وصف تھا، ہر ایک کو عزت و شرف دینا آپ کی زندگی کا معیار تھا۔ الغرض آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک مشفق باپ کی طرح مہربان تھے، ہمیشہ بیش بہا قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے، لکھنے پڑھنے بکثرت مطالعہ کرنے، دین کے لیے اخلاص اور سچا درد پیدا کرنے کا جذبہ دلاتے رہتے تھے۔

بہر حال علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ تعلیمی نظام اور عزیزی مشن کی حفاظت کے لیے وقف تھے۔ مگر صد افسوس کہ ابھی تک بہت سارے عزائم و مقاصد تشنہ کام ہی تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہ کر اپنے ماننے والوں کو اور تمام عقیدت مندوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

رب کریم اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بطفیل ان کی قبر انور پر رحمت و نور کی بارش نازل فرمائے اور ان کی ان خدمات کو قبول فرما کر ان کے درجے کو بلند سے بلند تر فرمائے۔۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ اکرم الصلوٰۃ والتسلیم۔ ***

(ص:260 کا بقیہ)-

آپ کا وصال صرف فرزندان اشرفیہ یا ادارۂ اشرفیہ کا ہی نہیں، بلکہ پوری جماعتِ اہلِ سنت، علمی دنیا اور دینی صحافت کا ایک عظیم خسارہ ہے، جس کی تلافی آسان نہیں۔

آپ کے وصالِ پُرملال کی خبر مجھے مسجدِ نبوی شریف کی حاضری کے دوران موصول ہوئی۔ یہ ایسا روح فرسا اور ایمان افروز لمحہ تھا جس کی کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہنانا آسان نہیں۔ ایک طرف دل جدائی کے غم سے بوجھل تھا اور آنکھیں اشکبار، تو دوسری جانب اس احساس سے قلب کو ایک عجب سکون بھی میسر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص بندے کو جمعہ المبارک جیسے مبارک دن، ایامِ حج کی بابرکت ساعتوں میں اپنے جوارِ رحمت کی طرف بلا لیا۔

یقیناً یہ سعادت ہر ایک کے نصیب میں نہیں آتی۔ جمعہ المبارک کی برکتیں اور ایامِ حج کی روحانی ساعتیں اس حسنِ خاتمہ کی گواہی دیتی محسوس ہوتی ہیں جس کی تمنا ہر صاحبِ ایمان اپنے دل میں بسائے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ کریم سے مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور انھیں اپنے محبوب کریم ﷺ کے قربِ خاص سے سرفراز فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی تمام دینی، علمی، تحقیقی اور صحافتی خدمات کو اپنی بارگاہِ اقدس میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، اور آپ کے اہلِ خانہ، خصوصاً حضور عزیز ملت دام ظلہ، نعیم ملت، عزیز و اقارب اور جملہ متعلقین اور طلبہ کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل سے نوازے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ مَأْوَاهُ وَمُسْتَقَرَّهُ. آمين يا ربَّ العالمين، بجاهِ سيِّدِ المرسلين ﷺ۔

جامعہ امام احمد رضا احسن البرکات کے اساتذہ اور طلبہ نے مسجدِ ذوالنورین میں ایصالِ ثواب کی محفل رکھی اور خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا۔ ■■■

پھول تو نے وہ چُنا گلشن جو ویراں کر گیا

مولانا محمد منظر حسن خان اشرفی مصباحی، بانی عالمی سنی صوفی تحریک الہند

اس روے زمین پر بہت سی ایسی شخصیات پردۂ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں کہ جن کے قدومِ میمنت لزوم سے چمنِ حیات میں بہار آئی، جن کی ذات حسنِ اخلاق کا پیکر، جن کی مجلس اکابرین کی یادگار اور جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و فضل، قلم و قرطاس اور عظیم سیرت و کردار کی دولتِ بے بہا سے نوازا تھا۔ ان کے رخصت ہو جانے سے محفلیں اداس، دل غم زدہ اور آنکھیں اشک بار ہیں۔

ایسی ہی ایک عظیم المرتبت شخصیت، جنھیں دنیا ادیبِ شہیر، مفکر اسلام مولانا الحاج محمد مبارک حسین مصباحی کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے، آج ہم سے جدا ہو چکی ہے۔

آپ ملک کی عظیم دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مایۂ ناز اور نہایت قابل و باصلاحیت استاذ تھے۔ آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان میں ایک سے ایک ماہِ تاباں اور نجم درخشاں شامل ہیں۔ آپ کی علمی، ادبی اور صحافتی خدمات کا چرچا ملک و بیرونِ ملک ہر سو طشت از بام تھا۔ دانشورانِ قوم و ملت آپ کی تحریروں کو قدر و منزلت اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آپ جہاں ایک کامیاب استاذ تھے، وہیں عظیم ادیب، بلند پایہ خطیب اور صاحبِ طرزِ قلم کار بھی تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے نذرانے یا صلے کا مطالبہ نہیں کیا۔ برصغیر کی عظیم خانقاہوں اور روحانی مراکز سے آپ کا تعلق نہایت مضبوط، والہانہ اور نیاز مندانہ تھا۔ عرس کے ایام میں آپ کی شرکت اور خطابات اہلِ محبت کے لیے باعثِ سعادت ہوتے تھے۔ آپ اکابرینِ دین اور ان کی نسبتوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ کا دل حسد و کینہ سے پاک تھا اور غیبت، چغلی اور تملق گیری سے آپ کی پوری زندگی کوسوں دور رہی۔

نوجوانوں کی خدمات کو سراہنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا آپ کا نمایاں وصف تھا۔ عرسِ عزیزی کے موقع پر آپ کی قیام گاہ پر مہمانوں کا غیر معمولی ہجوم رہتا تھا۔ آپ کی تحریر ہو یا تقریر، دونوں حالاتِ حاضرہ کے مطابق، بصیرت افروز اور فکر انگیز ہوا کرتی تھیں۔

راقم الحروف کو آپ کے ساتھ نشست و برخاست اور استفادۂ صحبت کا موقع ملا۔ اس فقیر پر آپ کی خاص نظرِ عنایت تھی۔ والدِ مکرم، خلیفۂ حضور قطب المشائخ علیہ الرحمۃ، کے پہلے عرسِ سراپا قدس میں اپنی بے شمار مصروفیات کے باوجود تشریف لائے اور سرکارِ غوث العالم، تارک السلطنت، حضور مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن اور دینی خدمات پر نہایت عالمانہ، مدلل اور سیر حاصل گفتگو فرمائی۔

آپ جب بھی ممبئی تشریف لاتے تو پیشگی اطلاع فرماتے اور دارالعلوم فیضانِ قطب المشائخ، وکرولی ویسٹ میں ضرور تشریف لاتے۔ آرام دہ قیام گاہوں کی موجودگی کے باوجود شفقت فرماتے ہوئے دو چار روز وہیں قیام فرماتے۔ ان ایام میں حالاتِ حاضرہ پر گفتگو ہوتی، قوم و ملت کی زبوں حالی کا دردمندانہ تذکرہ ہوتا اور امتِ مسلمہ کے درپیش مسائل پر سنجیدہ تبادلۂ خیال فرمایا کرتے تھے۔

مشربی اختلافات کی بنیاد پر پیدا ہونے والی نزاعی صورتِ حال کو دیکھ کر آپ بے حد غمگین رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

(باقی ص:270 پر)

مولانا مبارک حسین مصباحی کی یاد میں

مفتی مسرور عالم قادری مصباحی

کبھی کبھی آسمان کے کسی گوشے سے ایک ستارہ ٹوٹتا ہے تو صرف روشنی کم نہیں ہوتی، دلوں میں ایک خلا سا اتر آتا ہے۔ نگاہیں بار بار اسی سمت اٹھتی ہیں جہاں کل تک ایک روشن نقطہ جگمگا رہا تھا۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا وصال بھی کچھ ایسا ہی حادثہ تھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اشرفیہ کے آسمان کا ایک درخشاں ستارہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہو، مگر اس کی روشنی اب بھی فضاؤں میں بکھری ہوئی ہو۔

4 جون 2026ء کی وہ شام ابھی یادوں کے دریچے میں تازہ ہے، جب یہ خبر پہنچی کہ علم و قلم کا یہ مسافر اپنی طویل اور بابرکت زندگی کا سفر مکمل کرکے اپنے رب کے حضور حاضر ہو گیا۔ خبر مختصر تھی، مگر اس کے اثرات بہت گہرے تھے۔ دل نے بے اختیار قرآن کریم کی یہ آیت دہرائی: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ "ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔"

مگر بعض اموات ایسی ہوتی ہیں جو صرف ایک انسان کی جدائی نہیں ہوتیں، بلکہ ایک عہد کے اختتام کا اعلان بن جاتی ہیں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ان نفوسِ قدسیہ میں سے تھے جن کی زندگی کا ہر باب علم، اخلاص اور خدمتِ دین سے روشن تھا۔ ان کی شخصیت میں عالم کی سنجیدگی، ادیب کی لطافت، صحافی کی بصیرت اور درویش کی سادگی ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ الْعلما وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ» "علما انبیا کے وارث ہیں۔" اور واقعی مولانا مرحوم نے اس وراثت کا حق ادا کیا۔ انھوں نے علم کو عزت دی، قلم کو امانت سمجھا، صحافت کو خدمت کا وسیلہ بنایا اور آنے والی نسلوں کے لیے فکری دیانت کا روشن نمونہ چھوڑا۔

ماہنامہ اشرفیہ کے صفحات آج بھی ان کی یاد سے معطر ہیں۔ "نقشِ قلم" کے عنوان سے لکھے گئے ان کے اداریے محض الفاظ نہ تھے، بلکہ فکر کی روشنی، اعتدال کا پیغام اور خیر خواہی کی آواز تھے۔ ان کی تحریروں میں اختلاف بھی ہوتا تھا تو شائستگی کے ساتھ، تنقید بھی ہوتی تھی تو محبت کے ساتھ، اور دعوت بھی ہوتی تھی تو حکمت کے ساتھ۔

آج جب ان کا ذکر آتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اشرفیہ کی راہداریوں میں ان کے قدموں کی چاپ اب بھی سنائی دے رہی ہو، جیسے لائبریری کے کسی گوشے میں وہ مطالعہ میں مشغول ہوں، یا ماہنامہ اشرفیہ کے دفتر میں کسی نئے اداریے کے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے ہیں، اور اپنے پیچھے علم کی ایک ایسی روشنی چھوڑ گئے ہیں جو مدتوں بجھنے والی نہیں۔

حدیثِ پاک میں ہے: «إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ... أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ»

"انسان کے مرنے کے بعد اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، مگر وہ علم باقی رہتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں۔"

یقیناً مولانا مرحوم کا علم، ان کے شاگرد، ان کی تحریریں اور ان کی خدمات آج بھی ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی قبرِ انور کو نور سے بھر دے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات کو قبولیت عطا فرمائے اور جامعہ اشرفیہ کو ان جیسی مخلص، باوقار اور علم دوست شخصیات عطا فرماتا رہے۔ آمین یا رب العالمین ٭٭٭

Contact: 7275521160

یادوں کے سائبان میں

فیاض احمد برکاتی مصباحی، جامعہ اہل سنت نور العلوم عتیقیہ، مہراج گنج بازار ترائی، بلرام پور

قدم مضمحل ہیں، آنکھیں افقِ دور میں کسی بڑی روشنی کے شرارے تلاش کر رہی ہیں۔ دل بار بار دھڑک اٹھتا ہے اور خیالات کی ایک پوری دنیا انگڑائیاں لے رہی ہے۔ یادوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو یکے بعد دیگرے ذہن کے دریچوں پر دستک دے رہا ہے۔ گویا یادوں کی ایک انجمن سج گئی ہو؛ ایک طرف سینئر طلبہ کی باوقار اور تقدس مآب شخصیات ہیں تو دوسری طرف نوآموز طلبہ کی روشن اور متجسس نگاہیں۔

آج دل چاہتا ہے کہ سب کی بلائیں لوں، سب کے ہاتھ چوم لوں کہ اللہ تعالیٰ نے ملک و بیرون ملک کے ان ذہین اور روشن دماغوں کو ایک ہی چھت کے نیچے جمع کر دیا تھا۔ کاش! وقت پھر پلٹ آتا اور مجھے ایک ایک کرکے ان سب کی دست بوسی کا شرف حاصل ہوتا۔ ارمانوں کے خلدِ بریں کی رنگین کیاریاں ہیں، جن میں میرا اپنا لڑکپن کھیل رہا ہے۔ دوست ہیں، ان کے ساتھ نت نئی شرارتیں ہیں، شوخ جملے ہیں، قہقہے ہیں اور لبوں پر ایک معصوم سی مسکراہٹ ہے۔

فروری کے آخری ایام کی ایک دوپہر ہے۔ کھانا کھانے کے بعد عزیزی ہاسٹل کے سامنے واقع پارک میں طلبہ کا ہجوم ہے۔ اس سال سردی نے اپنی شدت کے سارے پیمانے توڑ دیے تھے، اس لیے فروری کی دھوپ میں اپنی قسمت سینکنے کی خواہش ہر ایک کے دل میں موجزن تھی۔

اچانک کمپیوٹر ہال کی سمت سے ایک شخصیت نمودار ہوتی ہے۔ چہرے پر بشاشت، آنکھوں میں فکر کی گہرائی، نگاہوں پر چشمہ، رفتار میں وقار اور انداز میں انکسار۔ متوسط قد، بھرا ہوا جسم، آہستہ آہستہ زمین پر پڑتے قدم اور جھکی نظریں۔

راہ داری میں چلنے والے طلبہ کے قدم خود بخود دھیمے ہو جاتے ہیں۔ پارک میں بیٹھے ہوئے طلبہ احتراماً ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ نئے طلبہ پرانوں سے پوچھتے ہیں: ”یہ کون ہیں؟“ کچھ خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہیں اور کچھ دھیرے سے جواب دیتے ہیں: ”یہ فخرِ صحافت، آبروے قلم، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی ہیں۔“

اس وقت اہلِ سنت میں صاحبِ اسلوب قلم کاروں کی تعداد بہت محدود تھی اور مولانا علیہ الرحمہ ان میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔

ہماری عمر کم تھی، معلومات بھی محدود تھیں، لیکن قلم کی دنیا کو تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہمیں محسوس ہوتا تھا کہ اہلِ قلم صرف ماضی کے رازدار اور حال کے آئینہ دار نہیں ہوتے بلکہ مستقبل کے معمار بھی ہوتے ہیں۔ اگر قلم نہ ہو تو نسلیں اپنے ماضی سے بے خبر رہ جائیں۔ اچانک کسی آواز نے خیالوں کا تسلسل توڑ دیا اور ہم آج اسی مردِ قلم کی قبرِ انور پر فاتحہ خوانی کے لیے روانہ ہو گئے۔

آج اہلِ سنت کے پاس اہلِ قلم اور اہلِ فکر کی ایک بڑی جماعت موجود ہے۔ ہر میدان میں لکھنے والے موجود ہیں، مفکرین کی ایک طویل صف ہے، خصوصاً نوجوان نسل نے قرطاس و قلم کی ایک نئی دنیا آباد کر رکھی ہے۔ لیکن ان تمام قلموں کے پیچھے کہیں نہ کہیں اسی مردِ قلم کی مسکراہٹ اور اس کی تربیت کی خوشبو پوشیدہ ہے۔

جون کی شدید گرمی تھی۔ ایسی گرمی جو دماغ کی چولیں ہلا دے۔ مگر سفر فخرِ صحافت کی یادوں سے منور تھا۔ کبھی ان کی محفلیں

Contact:9005458786

یاد آتیں، کبھی ان کی مسکراہٹ استقبال کرتی اور کبھی آنکھیں اشک بار ہو کر ان کے درِ فکر و نظر پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتیں۔

آج عزیز المساجد میں حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک روح پرور محفل منعقد ہوئی تھی جس میں اساتذہ، طلبہ اور ذمہ داران نے بھرپور عقیدت کے ساتھ شرکت کی اور مدیرِ ماہنامہ اشرفیہ کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ایک زمانہ تھا کہ ہر علمی و ادبی محفل کا آغاز علامہ مبارک حسین مصباحی فرماتے تھے۔ جس شخصیت کے نام پر محفل ہوتی، اس کی عظمت بیان کرتے، اور اگر کوئی بیرونی مہمان موجود ہوتا تو تاریخ اشرفیہ کو اپنے مخصوص ادیبانہ اور دلنشین انداز میں اس کے سامنے پیش کرتے۔

آج بھی محسوس ہو رہا تھا کہ گویا وہی محفل ہے، وہی آواز ہے، وہی لہجہ ہے اور وہی تاریخ اشرفیہ کا دلنشین بیان۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج وہ جسمانی طور پر موجود نہ تھے، مگر ان کے الفاظ روح کے کانوں میں مسلسل دستک دے رہے تھے۔

بالآخر ہمارا مختصر قافلہ بھی عقیدت، احترام، جذبات اور یادوں کی سوغات لیے اپنے قبلۂ علم کی چوکھٹ پر حاضر ہو گیا۔ اشکوں کی برسات میں ہم نے بھی بارگاہِ ابوالفیض میں اپنی کم مائیگی، کوتاہیوں اور احساسِ جرم کے ساتھ خراجِ عقیدت پیش کیا۔ وہ دن بھی یاد آئے جب اسی شہرستانِ علم و ادب میں دوستوں کے جھرمٹ کے درمیان ہماری صدائیں گونجا کرتی تھیں۔ مگر آج پلٹ کر دیکھا تو اس دور کی ساری بلبلیں اپنے اپنے آشیانوں کی طرف پرواز کر چکی تھیں اور وہ چہکتے ہوئے گوشے خاموشی کی چادر اوڑھے کھڑے تھے۔ دل میں یادوں کی کسک جاگتی رہی، احباب یاد آتے رہے، اور ہم جون کی تپتی دوپہر میں یادوں کے ابر کا سائبان لیے قصبۂ مبارک پور کی سمت روانہ ہو گئے۔

وقت گزر جاتا ہے، لوگ بچھڑ جاتے ہیں، محفلیں سمٹ جاتی ہیں، لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو تاریخ نہیں بنتیں بلکہ تاریخ کو زندہ رکھتی ہیں۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ انھی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ایک تھے۔

***

(ص:267 کا بقیہ)- "فروعی اختلافات کی وجہ سے کسی کو مسلکِ اعلیٰ حضرت کا باغی قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔"

آپ نسلِ نو کی بے راہ روی اور دین سے دوری پر نہایت فکر مند رہتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے: "آج بہت سوچ سمجھ کر، حکمت اور مصلحت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جوش سے زیادہ ہوش کو سلامت رکھنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔"

اسی طرح دینی اور عصری دانش گاہوں پر خصوصی توجہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کرتے: "دشمنوں کی نگاہیں ہمارے پڑھنے والے بچوں پر ہیں۔ وہ انھیں تعلیم و تربیت سے ہٹا کر تخریب کاری کی راہوں پر لگانا چاہتے ہیں۔ اگر آج ان کی تعلیمی، فکری اور ذہنی تربیت نہ کی گئی تو مستقبل برباد ہو جائے گا، شیرازۂ ملت منتشر ہو جائے گا اور حالات روز بروز دگرگوں اور ناگفتہ بہ ہوتے چلے جائیں گے۔"

آپ عوام و خواص تک الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر و ترقی، علمی خدمات اور کارہائے نمایاں کو پہنچانے کے لیے مسلسل سعیِ بلیغ فرماتے رہے۔ آپ کی انتھک جدوجہد اور مخلصانہ کاوشوں کے نتیجے میں فرزندانِ اشرفیہ کا اپنے مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ سے تعلق مزید مضبوط اور مستحکم ہوا۔

آخر ان کی کس کس ادا کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کروں اور کن کن خوبیوں کا تذکرہ کروں؟ ان کی پر خلوص محبتیں، بے لوث شفقتیں، دل نواز گفتگو اور مخلصانہ تعلقات آج بھی یاد آتے ہیں تو آنکھیں ساون بھادوں ہو جاتی ہیں اور دل غم کے بوجھ سے بھر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ اپنے حبیبِ مکرم، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس پیکرِ خلوص و وفا کی کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام اہلِ خانہ، متعلقین، تلامذہ، محبین اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ***

حیاتِ جاوداں کی روشن دلیلیں

مفتی محمد عباس مصباحی ازہری، خادم التدریس، دار العلوم اہل سنت فیض النبی، کپتان گنج، بستی، اتر پردیش

جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ کے ممتاز استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے کامیاب و باوقار مدیر، تنظیم ابنائے اشرفیہ کے روحِ رواں، حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی کا وصال یقیناً علمی، دینی، ادبی اور فکری حلقوں کے لیے ایک ایسا سانحۂ عظیم ہے جس کی کسک مدتوں محسوس کی جاتی رہے گی۔

حضرت مولانا مرحوم ان سعادت منداہلِ علم میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے علم کی گہرائی، فکر کی پختگی، قلم کی روانی اور زبان کی تاثیر جیسی گراں قدر نعمتوں سے نوازا تھا۔ درس و تدریس کے میدان میں ان کی خدمات ایک روشن تاریخ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے ہزاروں تشنگانِ علم کو سیراب کیا، بے شمار اذہان کو جِلا بخشی اور لاتعداد طلبہ کو دینی خدمت کے لیے تیار کیا۔ ان کا اندازِ تدریس نہایت سہل، شگفتہ اور دل نشین تھا۔ وہ دقیق سے دقیق علمی مسئلے کو اس سادگی اور حسنِ بیان کے ساتھ واضح فرماتے کہ مشکل ترین مباحث بھی طلبہ کے لیے آسان اور یادگار بن جاتے۔

قلمی دنیا میں ان کا مقام نہایت ممتاز اور منفرد تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قلم کے ایسے شہسوار تھے جن کی تحریریں دل و دماغ دونوں کو متاثر کرتی تھیں۔ ان کے قلم سے نکلنے والے الفاظ محض سیاہی کے نقوش نہ تھے بلکہ علم و حکمت کے موتی، بصیرت کے چراغ اور فکر و آگہی کے قافلے تھے۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے انھوں نے جس فکری رہنمائی اور علمی بیداری کا چراغ روشن کیا، وہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی مشعلِ راہ رہے گا۔ ان کے اداریے گہرے مطالعے، وسیع فکر اور دردِ ملت کے آئینہ دار ہوتے تھے۔

خطابت کے میدان میں بھی ان کا انداز دلوں کو مسخر کر لینے والا تھا۔ جب وہ منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو محسوس ہوتا جیسے علم و حکمت کی نہریں رواں ہو گئی ہوں۔ ان کی گفتگو میں نہ تصنع تھا، نہ خطیبانہ تکلف؛ بلکہ خلوص کی حرارت، محبت کی مٹھاس اور فکر کی روشنی تھی۔ ان کے الفاظ سماعتوں سے گزر کر براہِ راست دلوں میں اتر جاتے تھے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کی خدمات میں ان کا کردار سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے اس تنظیم کو محض ایک تنظیم نہیں رہنے دیا بلکہ اسے وابستگانِ اشرفیہ کے لیے محبت، اخوت، فکری ہم آہنگی اور باہمی ربط کا مضبوط پلیٹ فارم بنا دیا۔ ان کی حکمت، بصیرت، تدبر اور مسلسل جد و جہد نے اس کارواں کو استحکام اور وسعت عطا کی۔

اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ عاجزی ان کا زیور تھی، انکساری ان کی شناخت تھی، خندہ پیشانی ان کی عادت تھی اور محبت ان کی فطرت۔ جو شخص ایک بار ان کی مجلس میں بیٹھ جاتا، وہ ان کے خلوص و شفقت کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان کی مسکراہٹ دلوں کی تھکن دور کر دیتی تھی اور ان کی گفتگو اجنبیت کے سارے پردے چاک کر دیتی تھی۔

راقم کو آج بھی وہ یادگار لمحہ پوری آب و تاب کے ساتھ یاد ہے جب ایک سفر کے دوران گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے رات تقریباً ایک بجے جامعہ اشرفیہ مبارک پور پہنچنا ہوا۔ اس وقت جب دنیا نیند کی آغوش میں محوِ استراحت تھی، حضرت مولانا مرحوم نہ صرف بیدار تھے بلکہ ہماری آمد کے منتظر بھی تھے۔ یہ انتظار صرف رسمی نہ تھا بلکہ ان کے خلوص، محبت، شفقت اور مہمان نوازی کا زندہ ثبوت تھا۔ (باقی ص:273 پر)

آہ! قرطاس وقلم کا اک تابندہ آفتاب روپوش ہو گیا

مولانا محمد روشن رضا مصباحی ازہری، پرنسپل دارالعلوم غوثیہ نوریہ، دھرکی، گڑھوا، جھارکھنڈ

اللہ جل وعلا نے اس ارض گیتی پر جتنے لوگوں کو پیدا کیا ہے وہ سب ایک نہ ایک دن اس دار فانی کو الوداع کہہ کر دار بقا کی طرف منتقل ہو جائیں گے، مگر کچھ جانے والے ایسے ہوتے ہیں جو جاتے تو تنہا ہیں مگر ان کے جانے سے علم کی محفل سونی ہو جاتی ہے اور فکر کی مجلسوں میں سناٹا طاری ہو جاتا ہے، علم وادب کی محفلیں ویران ہو جاتی ہیں، مسند تدریس وتصنیف بے رونق ہو جاتی ہے، وہ ایسی پرکشش ومقناطیسی شخصیت کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کی یادیں ہمیشہ کے لیے ذہن ودماغ میں نقش ہو جاتی ہیں، اور وہ اپنی دینی علمی، قلمی خدمات کے سبب ہمیشہ ارباب علم ودانش کی صفوں میں زندہ رہتے ہیں انھیں ہمہ جہت و گوناگوں صفات و ممیزات کے حاملین شخصیات میں ایک بڑا نام فخر صحافت، نازش علم وفن، خلیفہ تاج الشریعہ وشیخ الاسلام، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قابل فخر فرزند، داماد حضور عزیز ملت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ کا ہے۔

علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ والرضوان محض ایک فرد کا نام نہیں ہے بلکہ ایک انجمن کا نام ہے، تحریک اور تحریر کی دنیا میں انقلاب بپا کرنے والے اس مرد قلندر کا نام ہے جس نے کئی دہائیوں تک قرطاس کی برہم زلفوں کی مشاطگی فرمائی ہے، آپ کی تحریریں، آپ کے مضامین و مقالات محض الفاظ کے مجموعہ نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ کی تحریر میں جہاں فکر کی گہرائی وگیرائی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہوتا تھا وہیں امت مسلمہ کو ترقی کے بال وپر عطا کرنے کے بیش بہا لائحہ عمل واصول بھی ہوتے تھے۔

علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی غیر معمولی محنت اور جانفشانی سے ہر جہت میں نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ آپ کی ادارت و اہتمام میں ماہنامہ اشرفیہ نے جو غیر معمولی مقبولیت عوام وخواص میں حاصل کی ہے وہ جگ ظاہر ہے، آپ کا اداریہ اور آپ کی نوک قلم سے نکلنے والی ہر ہر تحریر ایک گوہر نایاب ہوتی تھی اور ان مضامین و تحاریر کی روشنی میں گم گشتگان راہ اپنے لیے منزل تلاش کرتے تھے۔

ممدوح گرامی نور اللہ مرقدہ کی ذات واقعی قابل رشک تھی جب بھی آپ کا نام ذہن میں آتا فوراً ماہنامہ اشرفیہ کی مقبولیت ومعنویت حاشیہ خیال میں ابھر جاتی کیوں کہ ماہنامہ اشرفیہ آج اگر اہل علم ودانش سے اپنے معیاری ہونے کی داد وتحسین وصول کر رہا ہے اور لوگ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مطالعہ کی میز پر بڑے شوق سے جگہ دی جاتی ہے تو یقیناً اس کے حسن کو دوبالا کرنے میں آپ کا اہم ترین کردار ہے اور کیوں نہ ہو آپ نے اپنی پوری جوانی ماہنامہ اشرفیہ و جامعہ اشرفیہ کے فروغ واستحکام کے لیے وقف کر دی تھی۔

علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ جہاں ایک بہترین محرر وقلم کار و منفرد المثال صحافی تھے وہیں درس وتدریس میں بھی آپ کا جواب نہیں تھا، درس نظامی کی بڑی سے بڑی کتاب آپ کی درس گاہ میں لائی جاتی تو آپ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کتاب کے گنجلک مسائل کو انتہائی شستہ اور شاندار وسہل انداز میں طلبہ کے ذہن میں اتارنے کا ہنر رکھتے تھے، اور آپ کا دائرہ کار یہیں تک محدود نہ تھا بلکہ آپ ایک معیاری وسنجیدہ خطیب بھی تھے ہندوستان کے بڑے بڑے جلسوں اور بڑی بڑی کانفرنسوں میں شریک ہوتے اور انتہائی خوبصورت ودل نشیں انداز میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرکے امت کو اعلی پیغام پیش کرتے، آپ کا انداز

اس قدر دلنشیں و دلکش تھا کہ جب کبھی کسی مجلس میں آپ کا خطاب سننے کا شرف حاصل ہوتا تو آپ کے نپے تلے جملے اور الفاظ کے زیر و بم سن کر طبیعت شاد ہو جاتی اور مجلس سے کچھ الفاظ سیکھ کر ہم لوگ واپس ہوتے۔ الغرض آپ کی شخصیت کئی جہت سے اپنے معاصرین میں قابل احترام بھی تھی اور ممتاز بھی، اور ان سارے اوصاف و خصائل کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہترین، خلیق و ملنسار و خوش مزاج، اصاغر نواز انسان تھے، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تعلیم کے دوران کئی مرتبہ حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جب بھی انہیں سلام کیا جاتا چہرے پر بشاشت آجاتی اور مسکراتے ہوئے مصافحہ فرماتے اور خیریت پوچھتے اور طلبہ کو لکھنے اور تحریر سے وابستگی کی طرف توجہ دلاتے اور لکھنے والے بچوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

علم و قلم کا چمکتا ہوا آفتاب، قرطاس و قلم کو نئی جہت عطا کرنے والا قلم کا بادشاہ اور نوجوان قلم کاروں کے قافلے کا سپہ سالار 5 جون 2026ء کو ہزاروں طلبہ و علما کو روتا بلکتا ہوا چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

اللہ جل و علا آپ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے. آپ رخصت تو ہو گئے مگر آپ کی تحریر کی کرنیں ہمیشہ ارباب قلم و بصیرت کو روشنی فراہم کرتی رہیں گی، آپ کی جو دینی، علمی، قلمی خدمات ہیں وہ ہمیشہ درخشاں رہیں گی اور آپ کی تصانیف و تحاریر رہتی دنیا تک امت مسلمہ کی رہبری و رہنمائی کرتی رہیں گی اور آپ اپنی خدمات کے سبب ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

اللہ جل شانہ آپ کی بے حساب مغفرت فرمائے اور آپ کی تمام تر خدمات دینیہ کا میزان حسنات میں شامل فرما کر درجات بلند فرمائے اور جمیع اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ٭٭٭

(ص: 271 کا بقیہ)۔

جب حضرت علامہ شفیق الرحمن مصباحی عزیزی حفظہ اللہ، مفتی اعظم ہالینڈ، کا تعزیتی پیغام موصول ہوا تو ابتدا میں دل نے اس خبر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے یہ کوئی غلط اطلاع ہو، لیکن جب مختلف ذرائع، حلقوں اور گروپس میں تعزیتی پیغامات کا سیلاب دیکھا تو حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ واقعی علم و ادب کا ایک آفتاب غروب ہو چکا ہے اور فکر و قلم کا ایک درخشاں ستارہ افقِ حیات سے اوجھل ہو گیا ہے۔

آج جامعہ اشرفیہ اپنے ایک مخلص، باصلاحیت اور قابلِ فخر استاذ سے محروم ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ اپنے مدبر مدیر سے محروم ہے۔ طلبہ اپنے شفیق مربی اور مہربان رہنما سے محروم ہیں۔ دنیائے ادب ایسے صاحبِ طرز قلم کار سے محروم ہو گئی ہے جس کی تحریریں آنے والی نسلوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہیں گی۔

اگرچہ حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ آج جسمانی طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن ان کے علمی نقوش، قلمی آثار، تربیت یافتہ شاگرد، فکری خدمات اور یادگار تحریریں ان کی حیاتِ جاوداں کی روشن دلیل ہیں۔ اہلِ علم کی حقیقی زندگی یہی ہوتی ہے کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اپنے علم، اپنے کردار اور اپنی خدمات کے ذریعے زندہ رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، ان کی علمی و دینی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور پس ماندگان، متعلقین، شاگردوں، عقیدت مندوں اور تمام وابستگانِ اشرفیہ کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین

چلے گئے ہیں مگر روشنی بکھیر گئے
دلوں میں علم و محبت کے دیپ چھیڑ گئے
نہ بجھ سکے گا کبھی ان کے فیض کا آفتاب
وہ رہبری کے کئی راستے نکھار گئے

مولانا مبارک حسین مصباحی

ارباب علم ودانش کی نظر میں

مولانا عبدالقیوم مصباحی، ضلع سنبھل، متعلم الجامعۃ الاشرفیہ جماعت فضیلت

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مایہ ناز استاذ اور ماہ نامہ "اشرفیہ" کے مدیر اعلیٰ مولانا مبارک حسین مصباحی اپنے عہد میں علم و دانش، تحقیق و تصنیف اور مذہبی و ملی صحافت کی شناخت تھے۔ زبان وقلم پر یکساں قدرت کے ساتھ سلیس، شائستہ اور روانی سے بھرپور خطابت کے لیے جانے جاتے تھے۔ ان کے اسلوب میں سادگی اور فکر میں بلا کی پختگی پائی جاتی ہے۔ ان کی معرکہ آرا کتاب "افتراق بین المسلمین کے اسباب" برصغیر میں پیدا ہونے والے مذہبی فتنوں اور مسلکی تعصبات کے سدِباب کے لیے سنجیدہ اور مخلصانہ علمی کوشش کے طور پر معروف ہے۔ اس کے علاوہ درجنوں گراں قدر تصانیف ان کی فکری بلندی اور بیدار مغزی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اربابِ علم و دانش، مقتدر علما اور مشائخ عظام کی نظر میں مولانا مبارک حسین مصباحی کی علمی قیادت اور مسلکی حمیت مسلم ہے۔ وہ صرف روایتی نعروں کے قائل نہیں، بلکہ مسلکِ عشق و عرفان اور رضویات کے فروغ کے لیے مخلصانہ اور ٹھوس علمی خدمات انجام دینے میں پیش پیش رہے ہیں، جس کا اعتراف جید اکابر نے بھی کیا ہے۔ ہم ذیل کی سطور میں علما و مشائخ اور ارباب فہم و فراست کے ان کلمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے جو انھوں نے حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کے لیے رقم فرمائے۔

صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی:

حضور صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی (ناظم تعلیمات و سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) مولانا مبارک حسین مصباحی کی تصنیف "افتراق بین المسلمین کے اسباب" پر اپنے گراں قدر تبصرے میں لکھتے ہیں:

"پروپیگنڈے کا دور ہے...... ان ہی پروپیگنڈوں میں سے اہل باطل کا ایک پروپیگنڈہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں تفریق کا کام بریلی کی سرزمین سے مولانا احمد رضا بریلوی کے ہاتھوں شروع ہوا۔ اس جھوٹ کی اشاعت اس قدر کی گئی ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بہت سے سادہ لوح لوگوں نے اسے سچ مان لیا ہے۔ ان کے پاس نہ اپنی ذاتی تحقیق ہے نہ اس کی فرصت۔ مگر اس کتاب "افتراق بین المسلمین کے اسباب" کے مطالعہ سے آپ کو اور ہر انصاف پسند کو یہ معلوم ہوگا کہ حقیقت کیا ہے؟

اس میں ناقبل تردید دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں شیعہ وسنی کا اختلاف تو پرانا ہے اور سنیوں میں جو تفریق ہوئی ہے وہ بریلی سے نہیں بلکہ دہلی سے ہوئی ہے۔ یہاں کے اور دیگر ممالک کے اہل سنت ایک تھے۔ نجد میں "کتاب التوحید" اور ہند میں "تقویۃ الایمان" کے ذریعہ وہابی پھر اس کی شاخ دیوبندی کے نام سے ایک فرقہ جنم دیا گیا جو اپنے یوم پیدائش سے لے کر آج تک قدیم مسلک اہل سنت کے حامیوں سے برسرپیکار ہے۔ جھوٹ اور فریب کا ایسا دلدادہ اور عادی ہے کہ خدا کو بھی بالا مکان جھوٹا اور عیب دار مانتا ہے۔ عزیز گرامی مولانا **مبارک حسین مصباحی** کو رب تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے کہ انھوں نے اس طرح کے مکر وفریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے مبسوط مقالات لکھے جن میں سے بعض جستہ جستہ میں نے بھی دیکھے۔"

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی:

مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی تصنیف "اسلام

اور ہندستانی مذاہب میں تصور روحانیت" پر اظہار خیال کرتے ہوئے محقق مسائلِ جدیدہ نے لکھا:

"راقم الحروف، مقالہ نگار کی سرعت تحریر، خوبی تعبیر، وسعت مطالعہ، حسن انتخاب اور کشف صواب سے بہت متاثر ہوا۔ صاحب مقالہ محب مکرم حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب ایم. اے. استاذ دار العلوم اشرفیہ اسلامیات پر اچھی نظر رکھنے والے عالم دین، بہترین صحافی، سحر انگیز خطیب اور تحقیق وریسرچ کا اچھا ذوق رکھنے والے محنتی اسکالر ہیں، اپنے ہم عمروں میں ذوق تحریر وتحقیق کے لحاظ سے نمایاں نظر آتے ہیں۔"

مفکر اسلام حضرت علامہ لیٰس اختر مصباحی:

دار القلم دہلی کے بانی مفکر اسلام علامہ لیٰس اختر مصباحی مولانا مبارک حسین مصباحی کی کتاب "افتراق بین المسلمین کے اسباب" پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا کے اوصاف وکمالات کا بیان مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"مولانا مبارک حسین مصباحی ہماری جماعت اہل سنت کے متحرک وفعال نوجوان عالم دین ہیں۔ متانت فکر اور لطافت ذوق سے آراستہ ہیں۔ ان کے جذبات صالح اور خیالات تعمیری ہیں۔ تحریر وخطابت دونوں سے یکساں دلچسپی ہے۔ اور دونوں شعبوں میں تیزی کے ساتھ ان کی ایک شناخت بنتی جا رہی ہے۔ اہل سنت کی قابل افتخار درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے فارغ التحصیل ہیں۔ اس وقت اس کے مدرس ہونے کے ساتھ مشہور دینی وعلمی مجلہ اشرفیہ مبارکپور کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ مستقبل میں ان سے اچھی توقعات وابستہ ہیں۔ اور امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ توقعات پوری بھی ہوں گی۔"

علامہ محمد عاقل رضوی مصباحی:

جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی کے شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد عاقل رضوی مصباحی اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"ہمارے ملک کی حکومت مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی ہے۔ انڈیا نیوز کے ایک صحافی نے مجھ سے کہا کہ آج کے اس پرآشوب دور میں حکومت کے خلاف لکھنے کی بہت کم لوگوں کی ہمت ہے۔ لیکن میں محب گرامی حضرت مولانا مبارک حسین صاحب کی صحافت کو سلام کرتا ہوں کہ انھوں نے حکومت ہند کی مسلم مخالف پالیسیوں کی مذمت کی ہے۔ فروری 2009ء کا اداریہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ حضرت نے بغیر خوف وخطر حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ سیکولر پولیس افسر- ہیمنت کرکرے کے قتل پر کئی اہم سوالات اٹھائے ہیں۔ مضمون بہت ہی معلوماتی ہے، انداز تحریر سنجیدہ ہے اور فکر انگیز ہے اور ہم مسلمانوں کو متحد ہے ہونے کی دعوت دیتا ہے۔" (ماہ نامہ اشرفیہ جنوری 2009)

مولانا محمد اسلم رضا قادری:

مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ باسنی، ناگور کے استاذ مولانا محمد اسلم رضا قادری نے ایک مکتوب میں لکھا:

"ماہ نامہ اشرفیہ اپریل 2009ء اس وقت مطالعہ کی میز پر ہے۔ سب سے پہلے موصوف مدظلہ کے اداریہ کو پڑھا خوب محظوظ ہوا اور جانا کہ ہمارے مصباحی صاحب کے دل میں کس قدر قوم وملت کا درد پنہاں ہے۔ آج ہمارا نوجوان طبقہ کس قدر راہ روی اور بد اخلاقی کا شکار ہے وہ کسی ذی علم وشعور پر مخفی نہیں ہے۔ لیکن موصوف کے دردمند دل کے افکار نے ہمارے اذہان وقلوب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور جوانوں کے نام ایک انقلاب آفریں پیغام سپرد قرطاس فرما کر انھیں اپنے نظریات پر نظر ثانی اور انجام کے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ راقم کو موصوف کا انداز اسلوب اور طرز نگارش بہت اچھا لگتا ہے۔ جب بھی سلگتے ہوئے اور جدید مسئلہ پر لکھتے ہیں تو خوب عمدہ اور محکم لکھتے ہیں۔" (ماہ نامہ اشرفیہ جولائی 2009)

فاخر جلال پوری:

مشہور ادیب اور نقاد فاخر جلال پوری نے ایک مکتوب میں علامہ مبارک حسین مصباحی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

"دین وملت کے تئیں آپ کی دردمندی، جگر سوزی دیکھ کر مجھے اقبال کے یہ دو شعر یاد آتے ہیں جسے انھوں نے روح محمد کے عنوان سے کہا ہے:

(باقی ص:279 پر)

اسلاف کی عظمتوں کے عکسِ جمیل

مولانا جاوید عالم نظامی مصباحی، استاذ دار العلوم سلیمانیہ رحمانیہ، بیکانیر، راجستھان

بجھا چراغ، اٹھی بزم، کھل کے روائے دل
وہ چل بسے جنھیں عادت تھی مسکرانے کی

یہ دنیا فانی ہے، یہاں ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، مگر کچھ مردم ساز افراد وہ ہوتے ہیں جن کا ارتحال ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ ایک عہد کا خاتمہ ہوتا ہے۔ متنوع خصوصیات کی حامل ایسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں جن کے کردار کی خوشبو سے بعد والے مشام جاں معطر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اقوال وافعال کی چمک سے نسلیں مستنیر ہوتی رہتی ہیں، اور عام وخاص سبھی ان کی یادوں کی سوغات ایک دوسرے کو بھینٹ کرتے رہتے ہیں۔ جب ایسے اہل علم دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو علمی، فکری اور دینی حلقوں میں ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جس کا پر ہونا جلد آسان نہیں ہوتا۔

اسی دردناک احساس کے ساتھ 28 جون 2026ء / 18 ذی الحجہ 1447ھ شب جمعہ، بارہ بجے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ جماعت اہل سنت کی ممتاز علمی، فکری، صحافتی اور تدریسی شخصیت، فخر صحافت، بے باک و حق گو صاحبِ قلم، معتمد استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، خلیفۂ حضور تاج الشریعہ و مفتی اعظم راجستھان، حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رام پوری ثم مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے!!!

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔
«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى».

جیسے ہی یہ خبر سنی ہر دل اداس ہو گیا، آپ کی جامع شخصیت ذہن وقلب میں اس طرح گردش کرنے لگی کہ:

ویران ہے میکدہ، خم وساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

بلاشبہہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ ان خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جنھوں نے شعور وفن کی سرزمین پر جنم لیا اور علم و ادب جنھیں اپنی گھٹی میں ملا۔ دراصل آپ کا آبائی تعلق مرکز علم و ادب، منبع شعر و سخن شہر رام پور سے ہے جہاں داغ دہلوی، امیر مینائی، اور نظام رام پوری جیسے اساتذہ فن نے پرورش پائی، وہیں بود و باش اختیار کی اور دبستان دہلی و لکھنؤ اُجڑنے کے بعد اسی شہر کو دبستان اردو ادب بنایا۔

اس کے پُرسکون معاشرہ، پُرامن ماحول اور زبان وسخن کے لئے زرخیز زمین کو دیکھتے ہوئے مرزا غالب نے اسے "دار السرور" کا لقب دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر گئیں، زمانہ نے ہزاروں نشیب و فراز دیکھے، یہ شہر بھی بلندی و پستی کا تختہ مشق بنا مگر اس کے معاشرے کی جڑوں میں ادبی و تہذیبی زندگی کی جو خوشبو سمائی ہوئی تھی وہ آج بھی شائقین علم وادب کے مشام جاں کو معطر کر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطابت کا جوہر بھی خوب دیا تھا، زور تقریر اور طلاقت لسانی کا وافر حصہ آپ میں پایا جاتا تھا، آپ کا سلجھا ہوا انداز، خوبصورت زبان، شیریں لب و لہجہ دل میں فوری جگہ لے لیتا، باتیں روح میں اتر جاتیں، اور بیان کی خوشبو دور دور تک پھیل جاتی۔ خلاصہ یہ کہ مجمع کو اپنا ہم نوا بنانے میں پوری

طرح کامیاب نظر آتے۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے قرطاس وقلم کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں، بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ کی تین دہائیوں سے زائد ادارت آپ کے بلند تفکرات وتخیلات اور صحافتی صلاحیتوں کا روشن ثبوت ہے۔ آپ کی تحریر وتقریر سے عیاں ہے کہ اگر آپ کی تقریر صفحۂ قرطاس پر لکھ دی جائے تو بہترین مضمون، اور مضمون کو سنا دیجئے تو دل کو چھو جانے والی تقریر بن جائے۔ آپ کی تحریر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ جملے خوبصورت، پُر اثر، شستہ ترشے ترشائے، بامعنی وبامقصد اور مسلسل رواں دواں ہوتے ہیں۔ جو کہنا چاہتے دل میں اس طرح اتار دیتے تھے کہ پڑھنے والے کے دماغ پر بالکل بوجھ نہیں پڑتا۔

اردو صحافت میں آپ کے نقوش قلم بڑے گہرے اور دیرپا ہیں۔ بامقصد صحافت کے ذریعہ آپ اپنی بات پڑھے لکھے طبقے تک بڑی آسانی اور خوبصورتی کے ساتھ پہنچا دیتے تھے گویا کہ آپ کی تحریریں علم وتحقیق، اعتدال وبصیرت، ، قدامت و جدت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے معطر ہوا کرتی تھیں جو ہمیشہ اہل علم وصاحبان قلم کے لیے سرمایہ افتخار اور مشعل راہ بنی رہیں گی۔

انھی خصوصیات اور اوصاف حمیدہ کی بنا پر آپ علیہ الرحمہ ملک کی متعدّد علمی، فکری، قلمی، مشاورتی کونسلوں، تنظیموں، سیمیناروں اور بورڈز کے رکن رکین، سرپرست و مدیر اور اہم ممبر رہے۔

ہندوستان کی بڑی بڑی خانقاہوں جیسے بریلی شریف، کچھوچھہ شریف، بدایوں شریف، مارہرہ شریف، پھپھوند شریف وغیرہ کے مقبول نظر اور محبوب نگاہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریبًا تمام خانقاہوں میں آپ ایک معزز مہمان اور خصوصی خطیب کی حیثیت سے جلوہ فرما ہوتے تھے۔ اور جہاں جاتے مسلک اہل سنت کی ترجمانی، الجامعۃ الاشرفیہ کی نمائندگی حکمت و متانت اور بڑی شائستگی کے ساتھ فرماتے تھے۔

آج ان کی کمی محسوس کرتے ہوئے یہ کہنا بجا ہوگا:

میرے حرف حرف میں روشنی، میرے لفظ لفظ میں آگہی
میں چراغ خیمۂ شب نہیں، کہ سحر ہوئی تو بجھا دیا

اس دور قحط الرجال میں آپ علیہ الرحمہ جیسی شخصیت کا رخصت ہونا ملت اسلامیہ کے لیے یقینًا ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ اس حادثہ فاجعہ سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

اس غم ناک گھڑی میں فقیر راقم الحروف، مہتمم ادارہ حفظہ اللہ، تمام اساتذہ و طلبہ اور جملہ اراکین ادارہ کی جانب سے — حضور عزیز ملت سربراہ اعلیٰ، حضرت نعیم ملت، تمام اہل خانہ، اساتذۂ کرام، طلبہ عظام و اراکین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتے ہیں اور اس روح فرسا صدمے میں برابر کے شریک وسہیم ہیں۔

ہم سبھی سوگوار دعا گو ہیں کہ اللہ غفور ورحیم اپنے حبیب شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے حضرت علامہ مرحوم کی بے حساب بخشش فرمائے، درجات کو رفعتیں عطا کرے، مرقد پاک پر ابر کرم کی گوہر باری کرتے ہوئے ریاض جنت میں سے ایک باغیچہ مرحمت فرمائے۔ آپ کے جملہ پسماندگان، عقیدت مندان، لواحقین، متعلقین، اساتذہ، تمام فیض یافتگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آپ کی جملہ تدریسی، صحافتی، اور ملی خدمات پر اجر عظیم دے اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ بجاہ النبی الرءوف الرحیم۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

چشم حزیں: حافظ منیر احمد سلیمانی، مہتم دار العلوم سلیمانیہ

شرکائے غم:

جملہ اساتذۂ دار العلوم سلیمانیہ

سادگی، اخلاص اور خدمتِ دین

محمد معاذ قادری مصباحی مبارک پوری

بعض شخصیات اپنے علم، کردار و عمل، اخلاص و خدمات کے باعث محض ایک فرد نہیں رہتیں بلکہ ایک انجمن، ایک عہد اور ایک فکر کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بھی ایسی ہی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے تھے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی علم و ادب کی آبیاری، دینی صحافت کی ترقی اور نئی نسل کی علمی و فکری تربیت کے لیے صرف کر دی۔

حضرت کی شخصیت متعدّد اوصافِ حمیدہ کا حسین مرقع تھی۔ آپ ایک بلند پایہ ادیب، صاحبِ اسلوب انشا پرداز، باوقار صحافی، کامیاب مدیر، قادر الکلام مقرر، ماہر مدرس اور شفیق مربی تھے۔ آپ نے قلم و قرطاس کے ذریعے بھی دین و سنیت کی خدمت انجام دی اور درس و تدریس کے میدان میں بھی ایسے نقوش چھوڑے جو مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔ آپ کی تحریر میں فکر کی گہرائی، اسلوب کی شگفتگی، زبان کی شائستگی دلوں کو متاثر کر دینے والی پائی جاتی تھی، جب کہ آپ کی تقاریر علم و حکمت، متانت اور دل نشینی کا حسین امتزاج ہوا کرتی تھیں۔

میرے پھوپھا حضرت مولانا الحاج احمد رضا مصباحی رحمۃ اللہ علیہ (بڑے بابو)، سابق کیشئر جامعہ اشرفیہ مبارک پور، سے آپ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ فخر القرا حضرت علامہ قاری محمد یحییٰ اعظمی مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سالانہ فاتحہ کے موقع پر حضرت کی متعدّد بار زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہر ملاقات میں ان کی شفقت اور علم دوستی کے جلوے نمایاں نظر آتے تھے۔

دورانِ طالب علمی مجھے کئی مرتبہ دفترِ ماہ نامہ اشرفیہ میں حاضر ہونے اور حضرت کی علمی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ انھی دنوں میں فخر القرا حضرت علامہ قاری محمد یحییٰ اعظمی مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات سے متعلق قدیم مواد، تاریخی دستاویزات اور نادر معلومات جمع کرنے میں مصروف تھا۔ جب میں نے اپنے اس تحقیقی کام کی تفصیلات حضرت کے سامنے پیش کیں تو آپ بے حد مسرور ہوئے اور نہایت شفقت بھرے انداز میں فرمایا: "بابو! یہ کام ضرور مکمل کرو، یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ ایسی شخصیات کے علمی و دینی کارناموں کو محفوظ کرنا آنے والی نسلوں پر ایک قرض ہے۔"

یہ حضرت کے وہ حوصلہ افزا جملے تھے جنھوں نے میرے اندر کام کرنے کا ذوق و شوق پیدا کر دیا تھا۔ اسی نشست میں حضرت نے اپنی معروف تصنیف "شہرِ خموشاں کے چراغ" کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ اس میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ موجود ہے۔ مزید کئی اہم کتابوں اور مراجع کی طرف رہنمائی فرمائی، جنھیں بعد میں میں نے جامعہ اشرفیہ کی امام احمد رضا لائبریری سے حاصل کر کے اپنے ذخیرۂ تحقیق میں شامل کیا۔ آج بھی جب ان لمحات کو یاد کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرت صرف ایک مدیر یا مصنف نہیں تھے بلکہ نئی نسل کے علمی رہنما اور تحقیقی ذوق کے سرپرست بھی تھے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ نوجوان قلم کاروں اور طلبہ کی غیر معمولی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ آپ اچھی تحریر کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے، اس کی اصلاح فرماتے اور صاحبِ تحریر کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ معیار کو ترجیح دیتے

تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بے شمار قلم کاروں نے آپ کی سرپرستی میں لکھنے کا سلیقہ سیکھا اور علمی و ادبی دنیا میں اپنی شناخت قائم کی۔

بطور مدیر آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ نے نہ صرف اپنی علمی و ادبی وقعت میں اضافہ کیا بلکہ ملک و بیرونِ ملک کے اہلِ علم و قلم کے درمیان معتبر اور مؤثر رسالے کی حیثیت حاصل کی۔ آپ نے رسالے کو محض خبروں یا مضامین کے مجموعے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے علمی تحقیق، فکری رہنمائی، ادبی ذوق کی آبیاری اور دینی شعور کی بیداری کا ایک مضبوط پلیٹ فارم بنا دیا۔ اس کامیابی کے پیچھے آپ کی بصیرت، محنت، اخلاص اور اعلیٰ علمی کا ذوق کارفرما تھا۔

حضرت کی زندگی سادگی، اخلاص اور خدمتِ دین کا حسین نمونہ تھی۔ آپ نے ہمیشہ علم کو عزت بخشی، اہلِ علم کا احترام کیا اور نئی نسل کو کتاب، قلم اور تحقیق سے جوڑنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے ملنے والا ہر شخص آپ کے اخلاق، شفقت اور علم دوستی کا معترف نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی کمی مدتوں محسوس کی جائے گی۔ اگرچہ وہ جسمانی طور پر ہم سے رخصت ہو گئے، لیکن ان کی تصانیف، مقالات، علمی خدمات، تربیت یافتہ تلامذہ اور ان کے فکری نقوش ہمیشہ ان کی یاد کو زندہ رکھیں گے۔ اہلِ علم جب بھی دینی صحافت، علمی تحقیق اور ادبی خدمات کا تذکرہ کریں گے تو حضرت کا نام احترام و عقیدت کے ساتھ لیا کریں گے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ اپنے اس مخلص بندے، علم و ادب کے اس درخشندہ ستارے اور اہلِ سنت کے اس بے لوث خادم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، درجات کو بلند فرمائے اور انھیں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے فردوسِ بریں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نیز تمام پس ماندگان، متعلقین، تلامذہ اور محبین کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ٭٭٭

(ص:275 کا بقیہ)۔

شیرازہ ہوا امت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کرائے روح محمد
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

(ماہ نامہ اشرفیہ نومبر 2009)

محمد رضی احمد ارریاوی:

فرماتے ہیں:

"آپ کی ادارت کا ایک جہان قائل ہے میں تو مکمل گرویدہ ہوں۔" (ماہ نامہ اشرفیہ اپریل 2009 ص44)

مذکورہ بالا تمام آرا اس بات کی غماز ہیں کہ علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ صرف ایک روایتی مدرس یا مصنف نہیں تھے، بلکہ وہ مقتدر علما کی نظر میں بیک وقت ایک سحر انگیز خطیب، بے باک و نڈر صحافی، دردمند مصلح، اور مسلکِ عشق و عرفان کے مخلص پاسبان تھے، جن کی خدمات تاریخ کا ایک روشن باب بن چکی ہیں۔

مقتدر علماے عظام، فقہاے کرام اور اربابِ نقد و نظر کے یہ پُر خلوص اور وقیع کلمات اس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہیں کہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ اپنے عہد کی ایک ایسی ہمہ جہت اور تاریخ ساز عبقری شخصیت تھے جنھوں نے علم، تحقیق، خطابت اور صحافت کے میدانوں میں لازوال نقوش چھوڑے۔ ان کے قلم کی بے باکی، فکر کی اعتدال پسندی، ملت کے تئیں جگر سوزی اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے لیے مخلصانہ و ٹھوس علمی خدمات انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتیز و منفرد مقام عطا کرتی ہیں۔ اکابرِ امت کے یہ تبرکات و تاثرات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ علامہ مصباحی کا وجودِ مسعود نئی نسل کے لیے فکری ارتقا اور تعمیری شعور کا ایک پائیدار منبع ہے، اور ان کے وصال سے پیدا ہونے والا خلا ہمیشہ دینی و دانشورانہ حلقوں میں محسوس کیا جاتا رہے گا۔ ٭٭٭٭

ایک عہدِ علم و بصیرت کا اختتام

ارباز عاصی۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

اس کائنات میں کسی بھی شے کو دوام وبقا حاصل نہیں، ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن موت کے گھاٹ اتر کر اس کا جام پینا ہے، سوائے اُس ذاتِ واحد کے جو وحدہٗ لاشریک ہے ہر آغاز کو اسی اختتام کے حزینہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ اسی حقیقت کی ترجمانی قرآنِ مجید کچھ یوں کرتا ہے:

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ." {زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے۔ اور باقی ہے تمھارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔}

کچھ شخصیات دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو صرف وہ روپوش نہیں ہوتیں بلکہ ان کے ساتھ ایک عظیم عہد ایک بلند فکر کا ہمیشہ کے لیے ہم سے خاتمہ ہو جاتا ہے مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان کی یادیں، ان کا مشن، اور ان کی کتاب حیات ان کے خوشہ چینوں کے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ بنی رہتی ہیں۔ انھی بلند پایہ اور باکمال شخصیات میں سے ایک درخشاں نام استادِ محترم، آبروئے قلم، صاحبِ طرز ادیب، درجنوں کتابوں کے مصنف اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

آپ کی وفات کی جاں کاہ خبر اُس وقت ملی جب میں 5 جون 2026 بروز جمعہ، عید الاضحی کی تعطیل کے بعد جامعہ اشرفیہ کے لیے روانہ ہوا۔ بس میں بیٹھ کر جب واٹس ایپ کھولا تو یہ اندوہ ناک پیغام سامنے آیا کہ آپ دارِ فانی کو الوداع کہ کر دارِ بقا کی طرف کوچ فرما چکے ہیں۔ یہ خبر دل پر بجلی بن کر گری، ذہن پر سکتہ طاری ہو گیا اور کچھ دیر کے لیے جسم بے چینی و بے قراری کے کرب میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر حکمِ رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور شانِ مؤمن کے مطابق صبر وضبط کے دامن کو تھامنے کی کوشش کی۔

آپ خلیق الطبع سلامت فہم نرم خو اور مصلحت پسند طبیعت کے حامل تھے۔

اللہ ربّ العزت نے آپ کو ایک عظیم قلم کار، باا‌ثر خطیب اور ممتاز مصنف و مدرس بنایا تھا۔ جب سے آپ نے ماہنامہ اشرفیہ کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کے مدیر مقرر ہوئے، آپ کی بصیرت اور فکری رہنمائی نے اس رسالے کو غیر معمولی ترقی سے ہم کنار کیا۔ آپ نے حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کے مشمولات میں اضافہ کیا اور اہلِ قلم کے معیاری و فکری مضامین شائع فرمائے۔

خصوصاً ہر شمارے میں آپ کے قلم سے ابلتے ہوئے علم و دانائی کے چشمے امتِ مسلمہ کی بروقت رہنمائی کا ذریعہ بنتے رہے۔ مزید برآں، آپ نے ماہنامہ اشرفیہ میں ہندوستان کے بزرگانِ دین کے اعراس کے مواقع پر ان کی دینی و ملی خدمات پر مقالہ نگار حضرات کے مقالات شائع کیے۔ جس کے ذریعے ان اکابرین کی دینی، علمی اور اصلاحی خدمات سے امت کو روشناس کرایا۔

آپ کا طرزِ بیان نہایت مدلّل، مفصل اور دل نشیں ہوا کرتا تھا، جو سامعین کے قلوب کو اپنی جانب کھینچ لیتا اور انھیں اپنی سحر انگیزی میں اس طرح جکڑ لیتا کہ وہ ہمہ تن گوش ہو جاتے۔

آپ سے پہلی مرتبہ اکتسابِ فیض کا موقع ہمیں جماعتِ

رابعہ میں حاصل ہوا۔ اس زمانے میں آپ ہماری جماعت کو ریاض الصالحین کا درس دیا کرتے تھے اور بعد ازاں ششماہی درسِ قرآن بھی کچھ دنوں تک پڑھایا۔ جب کبھی کسی حدیث کی تشریح کا مرحلہ آتا تو اسی کے ضمن میں آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے دل نشیں اور بصیرت افروز اشعار بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے جس سے درس میں حلاوت اور اثر انگیزی پیدا ہو جایا کرتی تھی۔ اور جب بھی بزرگانِ دین کا ذکرِ خیر کرتے تو آپ کی گفتگو سے والہانہ عقیدت تراوش کرتی تھی۔ دورانِ درس یا بعد درس اگر کسی طالب علم کی جانب سے کوئی اشکال یا شوشہ سامنے آجاتا تو حضرت پوری توجہ، سنجیدگی اور علمی وقار کے ساتھ اس کے جواب میں لگ جاتے یہاں تک کہ سائل پوری طرح مطمئن ہو جاتا اور پھر درس کو آگے بڑھاتے۔ یہ اندازِ تدریس آپ کے خلوص اور طالب علم سے والہانہ تعلق کی روشن دلیل ہے۔

آپ ایک باکمال مصنف، مؤلف اور مترجم تھے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی گراں قدر تصانیف آپ کے تبحرِ علمی پر شاہد عدل ہیں۔ ان میں سے چند کتابیں پڑھنے کا شرف مجھے بھی حاصل ہوا جن میں شہرِ خموشاں کے چراغ اور جہانِ رئیس القلم خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر بیش بہا تصانیف میں سے پیامِ سیرت، عشقِ رضا کی سرفرازیاں، اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصورِ روحانیت، برِ صغیر میں افتراقِ بین المسلمین کے اسباب، حافظِ ملت اور جمشید پور، امام احمد رضا اور مسلکِ جمہور، مدارسِ اسلامیہ: تاریخ و حقائق کے اجالے میں، اور فتاویٰ جامعہ اشرفیہ (جلد اوّل) شامل ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ہم جیسے عقیدت کیش اور علم کے پیاسے خوشہ چینوں کے لیے ان کی ذات ایک ایسے شجرِ سایہ دار کی مانند تھی، جس کی چھاؤں میں ہم نے نہ صرف کتابی علوم کے رموز سیکھے بلکہ قلم کو حق گوئی کے لیے استعمال کرنے کا سلیقہ بھی پایا۔ اب جب بھی جامعہ کے در و بام پر نگاہ پڑے گی، دل ان کی کمی کو شدت سے محسوس کرے گا اور ان کی یادیں تڑپاتی رہیں گی۔

ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کو آپ نے جس نہج پر استوار کیا اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کے لیے جو علمی و تحقیقی معیار قائم کیا، وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب بن چکا ہے۔ دورِ حاضر کے فکری انتشار میں آپ جیسے صائب الرائے ادیب کا اٹھ جانا پوری جماعتِ اہل سنت کے لیے ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

آج اگرچہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ہمارے درمیان جسمانی طور پر موجود نہیں ہیں، مگر ان کی گراں قدر تصانیف، ان کے پاکیزہ فکری زاویے اور ان کا مشن ہمیشہ مشعلِ راہ بن کر ہمیں روشنی دکھاتا رہے گا۔ ان سے سچی محبت اور عقیدت کا تقاضا اب یہ ہے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے علم و ادب اور تصنیف و تالیف کے اس سلسلے کو تھامنے کی کوشش کریں۔ ان کی کتابوں کی اشاعت، ان کے افکار کی عام فہمی اور ان کے اسلوبِ نگارش کو زندہ رکھنا ہی ان کے تلامذہ، متعلقین اور چاہنے والوں کا ان کے لیے حقیقی اور سچا خراجِ عقیدت ہوگا۔

موت ایسی اٹل حقیقت ہے جس کے آگے ہر چھوٹے بڑے کو سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے، مگر کچھ نفوسِ قدسیہ ایسے ہوتے ہیں جو مر کر بھی اپنے علمی آثار کی بدولت دلوں میں زندہ رہتے ہیں، مصباحی صاحب بھی یقیناً انھی میں سے ایک تھے۔ ان کی رحلت سے پیدا ہونے والا غم انفرادی نہیں بلکہ ایک قومی اور ملی سانحہ ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ استادِ محترم کی تمام علمی، تدریسی، تحریری اور ملی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر کرے اور تمام پسماندگان، تلامذہ اور جامعہ اشرفیہ کے وابستگان کو اس عظیم صدمے پر صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

***

تعزیت نامے

پیغام تعزیت

از: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خانقاہ برکاتیہ کے اراکین اور متوسلین کو حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، مدیر ماہنامہ اشرفیہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر موصول ہوئی۔ ہم سب کے دل بے حد رنجیدہ ہیں۔ مولانا موصوف مرحوم و مغفور الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے ایک بے حد متحرک، فعال، مرنجا مرنج اور با اخلاق رکن شمار کیے جاتے تھے اور ہندو بیرونِ ہند جامعہ اشرفیہ کی ایک باوقار اور پُر عزم نمائندگی بھی فرماتے تھے۔ ان سب کے علاوہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا معروف جریدہ "ماہنامہ اشرفیہ" ہمیشہ ان کی پر خلوص علمی اور صحافتی خدمات کا مرہونِ منت رہے گا۔ انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ کو ایک مخصوص مذہبی صحافت کی نہج سے متعارف کرایا اور بے حد معلوماتی، سنجیدہ اور عوام الناس کے کام آنے والے مضامین کی اشاعت کر کے ماہنامہ اشرفیہ کو عوام و خواص کے مابین نہ صرف مقبول کرایا بلکہ استناد اور اعتماد کے ساتھ اس رسالے کے اقبال کو بلند کرنے میں اپنی کامیاب سعی فرمائی۔

مولانا مرحوم و مغفور ایک اچھے صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خطیب اور مبلغ بھی تھے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ بے حد انکساری کے ساتھ عوام و خواص سے رابطے میں تھے، جس سے ان کی شناخت جامعہ اشرفیہ کے نمایاں نمائندے کے طور پر ہوتی تھی۔

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور اس کے مشن کے لیے مولانا مبارک حسین مصباحی ہمیشہ بے حد مخلص رہے اور تواتر اور تسلسل کے ساتھ ماہنامہ اشرفیہ میں خانقاہ برکاتیہ اور اس کے اراکین کی خدمات کو نمایاں طور پر شائع کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ کا "سیدین نمبر" ان کی صحافتی خدمات کا ایک ممتاز شاہکار ہے۔ خانقاہ کے اعراس میں پابندی کے ساتھ نیاز مندانہ حاضری ہمیں بہت دنوں تک یاد رہے گی۔ ایسے ہی اراکین خانقاہ برکاتیہ کے جامعہ اشرفیہ میں حاضر ہونے کے موقع پر ان کی تواضع اور خلوص بھی ہم سب کو ان کی یاد دلاتا رہے گا۔ یقیناً مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت کو سواد اعظم اہل سنت کی مذہبی صحافت میں ایک خلا تصور کیا جائے گا۔ ایسے سلجھے ہوئے صاحبانِ قلم اب عنقا ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

ہم خادمان خاندان برکات سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ حضرت عزیز ملت کی خدمت میں صمیم قلب سے تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرماتے ہوئے ان کے اہل خانہ و تمام احباب و متوسلین و اراکین جامعہ اشرفیہ کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

سید محمد امین قادری
سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

سید محمد اشرف
خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

سید نجیب حیدر نوری
سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

صدمۂ جاں کاہ

از: سجادہ نشیں آستانہ عالیہ کچھوچھہ شریف

معروف قلم کار، عالم دین اور ملت کے مخلص مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ دینی اور سماجی کاموں میں کافی متحرک اور فعال تھے۔ طویل عرصہ تک ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر رہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی خدمت کے لیے شب وروز کوشاں رہتے۔ آپ کا قلم حق گو اور بے باک تھا۔ آپ نے مشرب میں ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ سبھی خانقاہوں اور اسلاف سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ کے اعمال حسنہ اور خصائص حمیدہ کے نقوش کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی تعلیمی اور تحریری خدمات کی روشنی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہے۔

اتنی قد آور شخصیت کے باوجود آپ حسن اخلاق کے پیکر منکسر المزاج اور ملنسار تھے۔ آپ سے میرے گہرے مراسم تھے اکثر پروگراموں میں ملاقات ہوتی تھی، آپ کی وفات یقینا ملک وملت اور علمی اور تحقیقی میدان کا عظیم نقصان ہے۔ میرے والد گرامی حضور شہید راہ مدینہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے آپ کو کافی عقیدت تھی والد گرامی بھی آپ پر شفقت ہمیں فرمایا کرتے تھے۔ جب بھی ممبئی آنا ہوتا والد صاحب سے ضرور شرف ملاقات کرتے۔ عرس حضور شہید راہ مدینہ میں اکثر آپ حاضری دے کر خراج عقیدت پیش کرتے۔

آپ بہت جلد ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کی رحلت کے غم میں، میں اور خانوادہ اشرفیہ، آپ کے عزیز و اقارب اور اہل خانہ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

الفقیر سید معین الدین اشرف الاشرفی الجیلانی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ کچھوچھہ مقدسہ

جماعت اہل سنت بالخصوص جامعہ اشرفیہ کا ناقابل تلافی نقصان

از: خانقاہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف

سوشل میڈیا اور مختلف ذرائع سے خبر ملی کہ جماعت اہل سنت کے معروف عالم دین، قلم کار اور ممتاز مذہبی صحافی مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی رحلت ہوگئی ہے۔ یقینا اس خبر سے دل بہت مغموم ہے۔

مولانا موصوف والد گرامی حضور تاج دار اہل سنت قدس سرہ سے بے پناہ محبت فرماتے، برادر گرامی حضور شہید بغداد قدس سرہ اور فقیر سے آپ کے راست اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کی متعدد تقریبات اور بالخصوص عرس قادری میں آپ نے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت فرمائی اور اپنے خطابات میں ہمیشہ خانقاہ کی علمی و دینی سرگرمیوں پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور مختلف حلقوں میں برملا اس کا اعلان بھی کیا جو خانقاہ عالیہ قادریہ سے آپ کی گہری نسبت پر بین دلیل ہے۔

حضور تاج دار اہل سنت قدس سرہ کے وصال کے بعد جب آپ نے فقیر کی دعوت پر عرس قادری میں شرکت فرمائی اور

آپ کی خدمت میں حضور تاج دار اہل سنت کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب پیش کی گئی تو آپ نے از خود ماہ نامہ اشرفیہ میں ایک طویل تبصرہ شائع کر کے اپنی مستحکم وابستگی کا اظہار فرمایا۔

آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے استاذ اور ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ تھے۔ درس و تدریس اور صحافت کے علاوہ آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں اور اہل سنت کے لیے یادگار سرمایہ چھوڑا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے علاقے میں ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور قوم کی فلاح و بہبود میں اہم رول ادا کیا۔ آپ کے اخلاق حسنہ اور عمدہ سیرت و کردار قابل تقلید بھی ہیں اور لائق ستائش بھی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا مبارک حسین کا وصال جماعت اہل سنت بالخصوص جامعہ اشرفیہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے اور فقیر اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ رب قادر و مقتدر سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے اہل خانہ، جملہ احباب اور متعلقین کو صبر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

شریک غم:

فقیر محمد عطیف قادری بدایونی

خادم خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف

5 ر جون 2026ء بروز جمعہ مبارک

آہ! علم و ادب کا ایک اور ستارہ غروب ہو گیا!

از: مخدوم اشرف مشن، پنڈوہ شریف، مالدہ، مغربی بنگال

سوشل میڈیا کے ذریعے یہ دل خراش خبر موصول ہوئی کہ کل رات سرمایۂ اہل سنت، فخر صحافت، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سینئر استاذ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا طویل علالت کے بعد وصال ہو گیا۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وله ما أعطى، وكُلُّ شيءٍ عِندَه بِأَجَلٍ مُسَمًّى یہ سانحہ اہل اشرفیہ کے لیے بالخصوص اور اہل سنت و جماعت کے لیے بالعموم عظیم خسارہ ہے۔ اس سے دینی و علمی حلقوں میں ایک ناقابل تلافی خلا پیدا ہو گیا، جس کی کمی عرصہ دراز تک کھلتی رہے گی۔

حضرت مولانا مبارک حسین علیہ الرحمہ گوناگوں اوصاف و کمالات کے جامع اور مختلف الجہات شخصیت کے حامل تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے دینی و علمی ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ کی بڑی خوبی کے ساتھ آبیاری کی، اسے عروج بخشا اور مقبول انام بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ایک طرف جہاں آپ افق اردو ادب اور مذہبی صحافت کے نیر تاباں تھے اور آپ کے قلم کی طوطی بولتی تھی، وہیں اسرار خطابت کے بھی شناور تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ قلم سے زیادہ مشہور ہوئے۔

یقیناً آپ جہان رنگ و بو سے روپوش ہو گئے مگر جو علمی خدمات، ادبی جواہر پارے، تحریری نقوش اور تلامذہ کی جماعت چھوڑی؛ ان کے ذریعے ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں اور مکارم اخلاق کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کم گو، منکسر المزاج، متواضع، ملنسار اور پیکر خلوص و محبت تھے۔ اکابر کے ادب شناس اور اصاغر پر شفقت نواز تھے۔ جب بھی ملاقات ہوئی، بڑی محبت سے پیش آئے۔ مشائخ کچھوچھہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ خانوادۂ اشرفیہ سے خوشگوار مراسم تھے۔ مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف کے خیر خواہ تھے، اس کی خدمات کو سراہتے تھے۔ غم کی اس گھڑی میں ہم تمام اراکین، اساتذہ و طلبہ مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف حضرت کے پس ماندگان بالخصوص حضور عزیز ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ دام ظلہ کو دلی تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

آپ سب کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے اور حضرت کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

عبدالودود مصباحی
پرنسپل الجامعۃ الجلالیہ العلائیہ الاشرفیہ
مخدوم اشرف مشن، پنڈوہ شریف

ادب وصحافت کے ایک روشن باب کا اختتام

از: خانقاہ بشیریہ اصدقیہ، آستانہ چشتی چمن، پیر بیگھہ شریف، نالندہ، بہار

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزشتہ روز یہ نہایت افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ معروف عالم دین، مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ○

مولانا مرحوم درس و تدریس، تحقیق و تصنیف، دعوت و تبلیغ اور اخلاق و محبت کا ایک روشن و تاب ناک چہرہ تھے۔ طویل عرصے تک آپ نے علمی، ادبی اور دینی میدانوں میں ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں جن کے اثرات مدتوں محسوس کیے جاتے رہیں گے۔ آپ کی تحریریں علم و تحقیق کی گہرائی، فکری پختگی اور ادبی شائستگی کا حسین امتزاج تھیں، جب کہ آپ کی خطابت اخلاص، سوز دروں، دردمندی اور حق گوئی کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کے علمی وقار کو مزید جلا بخشی، ہزاروں تشنگان علم کی علمی و فکری آبیاری کی، اور "ماہنامہ اشرفیہ" کے ذریعے دینی و فکری صحافت کو ایک معتبر سمت عطا کی۔ آج الجامعۃ الاشرفیہ، اہل سنت کی علمی دنیا، اردو ادب و صحافت اور آپ کے ہزاروں شاگرد و متعلقین ایک ایسی عظیم شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں جو اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک درس گاہ اور ایک ادارہ تھی۔

میں اس المناک سانحے پر اپنے برادر اصغر مولانا سید نور الدین اصدق مصباحی اور جملہ خانوادہ اصدقیہ کی جانب سے مولانا مرحوم کے اہل خانہ، تلامذہ کرام اور تمام متعلقین کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتا ہوں، اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ کریم حضرت مولانا مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کی دینی، علمی اور ادبی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے، ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اپنے مقرب بندوں کے ساتھ اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نیز اللہ تعالیٰ پس ماندگان اور تمام سوگواران کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبك سید المرسلین

شریک غم: سید شاہ سیف الدین اصدق حسنی غفرلہ
آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف نالندہ (بہار)

مولانا مبارک حسین مصباحی صاحبِ طرز ادیب، ممتاز محقق

از: خانقاہ غوثیہ اصدقیہ، سہسرام، بہار

برادرِ اصغر مفتی سید شہباز اصدق غوثی صاحب حفظہ اللہ کے ذریعے یہ نہایت افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ ادیبِ شہیر، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ و چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، 4 جون 2026ء کو اس دارِ فانی

سے رخصت ہو کر راہی ملک بقا ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

حضرت موصوف نہایت باکمال شخصیت کے حامل تھے۔ آپ بیک وقت فصیح اللسان مقرر، صاحبِ طرز ادیب، ممتاز محقق اور جہاں دیدہ مفکر تھے۔ عرصۂ دراز تک آپ ماہنامہ اشرفیہ کے مدیرِ اعلیٰ رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے اس علمی و ادبی مجلے کو بامِ عروج تک پہنچایا۔

ہم خانقاہ غوثیہ اصدقیہ کے تمام وابستگان اور ماہنامہ الغوث کی پوری ٹیم کی جانب سے حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب کے اہل خانہ سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت موصوف علیہ الرحمہ کو اپنی جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جمیع پس ماندگان کو صبرِ جمیل و اجرِ عظیم سے نوازے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

سوگوار: سید شاہ عارفین اصدق غوثی شہودی غفرلہ

خانقاہ غوثیہ اصدقیہ، سسرام بہار

ادب و صحافت کے ایک روشن باب کا اختتام

از: خانقاہ فیض الرسول، براؤں شریف، ضلع سدھارتھ نگر

صاحب عز و افتخار شہزادہ حافظ ملت گرامی قدر حضرت عزیز ملت و صاحب زادہ گرامی حضرت مولانا نعیم الدین صاحب و اساتذہ و ذمہ داران الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

اس خبر سے شدید صدمہ ہوا کہ جماعت اہل سنت کے ممتاز صحافی قلم کار، بہترین استاذ اور عمدہ خطیب و مقرر، الجامعۃ الاشرفیہ کے ہونہار ترین فاضل اور پھر وہیں کے استاذ اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم سے میری جوانی کے سرگرم دعوتی و تبلیغی اسفار میں بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا حضور شعیب الاولیا کے ساتھ جو گہرا ربط و تعلق تھا اس بنیاد پر مولانا مبارک حسین ہمیشہ فقیر کو بڑی عزت دیتے تھے اور لحاظ کرتے تھے اور ان کے انتقال پر دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں پر جو خلا پیدا ہوا اس بنا پر بھی اور خانوادہ حضور حافظ ملت اور حضرت عزیز ملت سے قریبی محبتانہ مراسم اور حضور حافظ ملت سے عقیدت مندانہ تعلق کی بنا پر اس گھرانے کے ایک فرد کی حیثیت سے بھی میں حضرت عزیز ملت، مرحوم کے پس ماندگان اور الجامعۃ الاشرفیہ کے ذمہ داروں کو تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ پروردگار انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان کی خدمات کو ان کے لیے توشہ آخرت بنائے اور ان کی قبر پر رحمت و نور کی بارش فرمائے اور الجامعۃ الاشرفیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

غلام عبد القادر علوی

سجادہ نشین خانقاہ فیض الرسول و ناظم اعلیٰ

دار العلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف، ضلع سدھارتھ نگر

نادر المثال شخصیت کے مالک

از: دار العلوم غوثیہ حضوریہ خانقاہ سریا، پوسٹ اماری، کوئلسہ، اعظم گڑھ

حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ و اساتذہ کرام جامعہ اشرفیہ مبارک پور! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

مورخہ 18 ذی الحجہ 1447ھ بروز جمعہ نہایت افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ مفکر ملت، فخر صحافت، پیکر اخلاق و محبت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، اِنّ لِلّٰہِ مَا أَخَذَ، وَلَہُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى.

میں ابھی یوپی سے باہر سفر پر ہوں، خبر سن کر دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہوا، ذہن و فکر پر پژمردگی سی چھا گئی مگر مرضی مولی از ہمہ اولیٰ، مولانا مبارک حسین مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے موقر استاذ بیک وقت ایک اچھے مدرس، مایہ ناز مقرر، صاحب طرز ادیب و محقق اور اخلاق و محبت کے پیکر تھے یہ ساری خوبیاں کم ہی لوگوں کے اندر جمع ہوتی ہیں، اس لحاظ سے آپ ایک نادر المثال شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا اس دار فانی سے چلے جانا جماعت اہل سنت کا عظیم خسارہ ہے۔ مولانا موصوف کا ہماری خانقاہ سے بڑا گہرا تعلق تھا، عرس کی تقریبات میں خصوصی خطیب کی حیثیت سے آپ کی تشریف آوری ہوتی تھی کئی ایک تبلیغی سفر میں ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، یقیناً آپ بڑی خوبیوں کے حامل تھے۔ دار العلوم غوثیہ حضوریہ میں مولانا مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا جس میں آپ کے لیے دعاے مغفرت کی گئی۔ اس المناک سانحے پر میں اپنی خانقاہ اور دار العلوم غوثیہ حضوریہ خانقاہ سریا اعظم گڑھ کی جانب سے مولانا مرحوم کے اہل خانہ کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ رب العالمین حضرت مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نیز پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

شریک غم: **سید حامد حسن جیلانی**

سجادہ نشین خانقاہ حسنی حضوری و سربراہ اعلیٰ

دار العلوم غوثیہ حضوریہ، سریا، اعظم گڑھ

مولانا مبارک حسین مصباحی کا وصال ادارتی دنیا کا بڑا خسارہ ہے

از: خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ، بڑی سرکار، بلگرام شریف، ضلع ہردوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتہائی رنج و غم کے ساتھ یہ اطلاع موصول ہوئی کہ عالمی شہرت یافتہ علمی و تحقیقی ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے نامور ایڈیٹر، ادیب شہیر، نازش قرطاس و قلم مولانا مبارک حسین مصباحی کا انتقال پر ملال ہو گیا ہے، یہ سن کر صدمہ ہوا۔ یقیناً آپ کا وصال ادارتی دنیا کا بڑا خسارہ ہے۔ مرحوم نے جامعہ اشرفیہ میں تدریس کے ساتھ ماہنامہ اشرفیہ کی علمی و تحقیقی ادارتی خدمات بھی ایک لمبے عرصے تک انجام دیں۔ آپ کی یہ خدمات آپ کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ حضرت کو ہماری خانقاہ سے عقیدت تھی، کئی بار خدمت کا موقع فراہم کیا، ابھی ایام علالت میں بھی چند روز پہلے تشریف لائے تھے۔

ہم ادارہ کے تمام ذمہ داران، کارکنان، اہل خانہ اور متعلقین سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نیز پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

سید اویس مصطفیٰ واسطی قادری

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ بڑی سرکار

محلہ میدان پورہ، بلگرام شریف ضلع ہردوئی

7 جون 2026ء

مولانا مبارک حسین مصباحی اخلاقی قدروں کے علم بر دار تھے

از: خانقاہ حلیمیہ، الہ آباد

عزیز گرامی حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی مد ظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس درد ناک خبر نے اچانک جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ حبیب گرامی رفیق گراں قدر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.

عجیب پُرکشش شخصیت اور اخلاقی قدروں کے علم بردار تھے اوصاف و محاسن کے مظہر اور روحانی کردار کے محافظ تھے، ایسی شخصیت کے اُٹھ جانے سے کسے صدمہ نہ ہوگا۔ دنیاے صحافت وادارت میں قدم رکھا تو بے شمار نزاکت واحتیاط اور بے باکی ودلیری کی روشنی میں ممتاز و نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان کی قلمی رفتار تھکنے کا نام نہ لیتی۔ علم وادب کا اظہار تقریر سے ہوتا ہے یا تحریر سے۔ مرحوم کئی اہم کتابوں کے مصنف بھی جنھیں تحسین و توصیف سے خوب نوازا گیا اور آگے بڑھے تو خطابت کا بھی حق ادا کر کے دکھا دیا۔ اتنی خوبیوں سے وابستہ ہونا کوئی آسان کام نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مرحوم ومغفور کی کثیر وعظیم دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے، اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کی تربت پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے، آمین۔

غم زدہ: **ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی**

خانقاہ حلیمہ الہ آباد

15 جون 2026ء

دنیاے خطابت وصحافت کا نیر تاباں روپوش ہو گیا

از: خانقاہ اسماعیلیہ حسینیہ، کولکاتا، بنگال

صبح بعد فجر موبائل میں واٹس ایپ اوپن کیا تو کسی گروپ میں فخر صحافت، ناز خطابت، نازش فکر و فن، شان قرطاس وقلم، ادیب شہیر، پیکر اخلاص و محبت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کے انتقال پر ملال سے متعلق ایک پوسٹ پڑھی۔

اولاً لگا کہ کسی حاسد نے مذاق کیا ہے، کیوں کہ بظاہر کوئی ایسی خبر نہیں آئی تھی کہ حضرت کی طبیعت علیل ہے اور نہ حضرت کی عمر ابھی اس عمر کو پہنچی تھی کہ گمان ہو کہ خبر صحیح ہے۔

لیکن پھر دیگر کئی گروپ، اسی خبر کی تصدیق کی نیت سے دیکھے تو ان میں بھی یہی خبر ملی، اسی اثنا میں ہمارے جامعۃ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج کے گروپ میں بھی یہی غم والم سے لبریز خبر وفات تھی، اب یقین ہوا کہ واقعی حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی اب ہمارے درمیان نہ رہے اور دنیاے خطابت وصحافت، اپنے ایک عظیم فرد سے محروم ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فخر صحافت کا یوں اچانک چلے جانا اہل سنت کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ اپنی اکثر زندگی حضرت نے دین متین کی ترویج و اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں گزار دی۔ چاہے خطابت کے ذریعہ ہو یا تحریر و قلم کے ذریعہ۔

آپ کی زندگی کا ایک روشن باب جامعہ اشرفیہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی ادارت ہے۔ یوں تو میدان صحافت میں فرزندانِ اشرفیہ کا ایک اہم حصہ ہے

لیکن ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت، جس قدر فخر صحافت کے حصہ میں آئی، کسی اور کے حصے میں نہیں آئی اور انھوں نے اس ذمہ داری کو نہ صرف نبھایا بلکہ ماہ نامہ اشرفیہ کو بام عروج تک پہنچانے میں جی توڑ محنت و کوشش کی اور آج ماہ نامہ اشرفیہ جو میدان صحافت کا درخشندہ ستارہ ہے تو یہ ان کی مرہون منت ہے۔

آپ کے اداریوں نے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا، احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا اور بہتوں کو شعور و آگہی کی روشنی عطا کی۔

راقم کو آج بھی یاد ہے کہ دور طالب علمی میں امام احمد رضا لائبریری میں ماہ نامہ اشرفیہ کے پرانے شمارے دیکھ اور پڑھ رہا تھا تو "مستقبل کے قلم کار" کے نام سے باقاعدہ ایک کالم دیکھا، اس وقت دل میں یہی ارمان ہوا کہ کاش ہمارے وقت میں بھی ایسا کوئی کالم ہوتا۔ خیر! اس کالم نے خدا معلوم کتنوں کو صاحب کالم اور کالم نگار بنادیا اور اسی کالم کی بدولت کتنوں کو تحریر و قلم کا شعور ملا۔

عموماً دیکھا یہی گیا ہے کہ انسان قلم کا دھنی ہے تو زبان کا نہیں اور زبان کا دھنی ہے تو قلم کا نہیں۔ لیکن اللہ رب العزت نے آپ کو زبان و قلم دونوں کا دھنی بنایا تھا۔ جس طرح آپ کا قلم، سیال، پختہ، شستہ و شائستہ اور برجستہ تھا اسی طرح آپ کی زبان بھی سلیس، رواں دواں، صاف و شفاف اور برجستہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں فخر صحافت اور نازش قرطاس و قلم تھے، وہیں آپ ناز خطابت، نکتہ رس خطیب اور دل نواز مقرر تھے۔ محفل میں آپ کی موجودگی محفل کی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی تھی، آپ کی تقریر نہ صرف عوام بلکہ علما، طلبہ اور دانش ور حضرات بھی بصد شوق سماعت کرتے تھے۔

آپ کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ترجمان رضویات و ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت بھی تھے جس پر آپ کے مضامین و مقالات اور کتب و رسائل دلیل ہیں اور محافل میں آپ کی تقاریر بھی اس کا روشن ثبوت ہے۔ نیز حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا آپ کو سلسلہ رضویہ کی خلافت عطا کرنا بھی ایک واضح دلیل ہے۔

علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی خدمات کا یہ مختصر تذکرہ ہے۔ ان کی خوبیاں، ان کی خصوصیات اور ان کے اخلاق ان سب پر مستزاد۔ آج اپنے ادارہ جامعۃ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج کے لیے پابہ رکاب ہوں، اسی دوران جو میسر آیا فخر صحافت علیہ الرحمہ کے بارے میں تحریر کردیا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے علامہ علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرما، جنت میں ان کو بلند مقام عطا فرما اور ان کے اہل خانہ، تلامذہ اور لواحقین کو صبر جمیل اور اس پر اجر جزیل عطا فرما۔ آمین بجاہ سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

حقیر **محمد عطاء النبی حسینی مصباحی ابوالعلائی**

سجادہ نشین خانقاہ اسمٰعیلیہ حسینیہ، کولکاتا و نیپال

مولانا مبارک حسین مصباحی کا سانحہ ارتحال: اردو صحافت کا عظیم خسارہ

از: خانقاہ حضرت شیخ العالم علیہ الرحمہ، ردولی شریف

یہ دنیا دار فانی ہے، یہاں ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، مگر بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کا رخصت ہو جانا صرف ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ ایک عہد کا اختتام محسوس ہوتا ہے۔ علم و فضل، تقویٰ و للّٰہیت، صحافت و قلم، تدریس و تربیت اور مسلکی اعتدال کے حسین امتزاج سے آراستہ شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی دردناک احساس کے ساتھ ہمیں یہ خبر سننے کو ملی کہ عظیم عالم دین، ممتاز مصنف کہنہ مشق صحافی، بلند پایہ مدرس اور طویل عرصہ تک ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت

کا فریضہ انجام دینے والے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

مولانا مرحوم ان افراد میں شامل تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام، عقائد اہل سنت اور مسلک حق کی خدمت میں بسر کی۔ آپ نے کئی دہائیوں تک علمی خدمات انجام دیں اور ہزاروں طلبہ کو علم وعمل کی دولت سے مالا مال کیا۔ آپ کی شخصیت صرف ایک مدرس کی نہیں تھی بلکہ ایک مربی، مفکر اور معتدل دینی رہنما کی حیثیت رکھتی تھی۔ مولانا نے قرطاس وقلم کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ کی تین دہائیوں سے زائد ادارت آپ کے علمی وقار فکری بصیرت اور صحافتی صلاحیتوں کا روشن ثبوت ہے۔ آپ نے ایسے دور میں بھی اعتدال، سنجیدگی اور فکری توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جب معاشرہ شدت پسندی اور فکری انتشار کا شکار تھا۔ آپ ہمیشہ مسلک اہل سنت کی ترجمانی حکمت، متانت اور شائستگی کے ساتھ فرماتے رہے۔

مولانا مرحوم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ تمام خانقاہوں، سجادگان اور اہل تصوف کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ خانقاہی نظام اور روحانی مراکز سے ان کی محبت اور وابستگی نہایت خلوص پر مبنی تھی۔ وہ جہاں بھی تشریف لے جاتے محبت، اخلاص اور اپنائیت کی خوشبو بکھیر دیتے۔

راقم اور خانقاہ حضور شیخ العالم علیہ الرحمہ سے بھی مولانا کے دیرینہ مراسم رہے۔ مختلف مواقع پر کچھوچھہ شریف، بدایوں شریف، پھپھوند شریف اور دیگر مقامات پر ملاقاتیں ہوئیں۔ ہر ملاقات میں موصوف نے بے پناہ محبت، شفقت اور خلوص کا مظاہرہ فرمایا۔ ان کی گفتگو میں علم کی سنجیدگی بھی ہوتی تھی اور محبت کی مٹھاس بھی۔ ان کی شخصیت میں انکساری، سادگی اور اخلاق حسنہ نمایاں طور پر جھلکتے تھے۔ ان کا وصال ملت اسلامیہ، دینی صحافت اور علمی دنیا کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے۔ آج اہل علم، طلبہ، اہل قلم اور وابستگان اہل سنت سبھی رنج وغم کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔

خانقاہ حضور شیخ العالم علیہ الرحمہ کی جانب سے ہم مولانا مرحوم کے اہل خانہ، تلامذہ متعلقین اور تمام سوگواران کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مصباحی کی مغفرت فرمائے، ان کی دینی وعلمی خدمات کو شرف قبولیت عطا کرے، ان کے درجات بلند فرمائے اور انھیں اپنے محبوب بندوں کے ساتھ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

سوگوار: **شاہ عمار احمد احمدی نیر میاں**

سجادہ نشین خانقاہ حضرت شیخ العالم علیہ الرحمہ

ردولی شریف۔ 7 جون 2026ء

سنی صحافت کا ایک روشن چراغ گل ہوگیا

از: خانقاہ عالیہ حیدریہ، حسن پور، سیوان، بہار

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال پر ملال کی خبر سن کر قلب وذہن غم سے نڈھال ہو گئے۔

حضرت موصوف ایک باوقار عالم دین، بلند پایہ مدرس صاحب طرز ادیب اور باصلاحیت مدیر تھے۔ آپ نے تدریس، تصنیف، تحقیق اور صحافت کے میدان میں جو گراں قدر خدمات انجام دیں، وہ اہل سنت کے علمی سرمایہ کا قیمتی حصہ ہیں۔ بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے علمی و فکری شعور و آگہی کی آبیاری کی اور رسالے کو بلند مقام تک پہنچانے میں اہم کردار ادا فرمایا۔

آپ کی تحریروں میں متانت فکر، وسعت نظر، اعتدال اور حق گوئی نمایاں تھی۔ آپ نے اپنے قلم کے ذریعے حق و صداقت کی ترجمانی کی نئی نسل کی فکری و دینی رہنمائی فرمائی اور ملت اسلامیہ کے درپیش مسائل کا بصیرت افروز حل پیش کیا۔

ہم حضرت مرحوم کے اہل خانہ تلامذہ، متعلقین، جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ وطلبہ اور ماہنامہ اشرفیہ کے ارباب کار کی خدمت میں دلی تعزیت وہمدردی پیش کرتے ہیں اور اس عظیم صدمے میں ہم برابر کے شریک ہیں۔

اللہ رب العزت جل جلالہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی دینی و علمی خدمات کو صدقہ جاریہ بنائے اور تمام پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

شریکِ غم:

احقر العباد (مولانا) **سید ناہید احمد حیدر القادری**

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ حیدریہ

حسن پور شریف سیوان ب، بہار ھار

دل نشیں خطابت اور علمی بصیرت ہمیشہ یاد رکھی جائے گی

از: خانقاہ وامقیہ اشرفیہ، بریلی شریف

جانشین حضور حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نہایت رنج والم کے ساتھ یہ خبر موصول ہوئی کہ ادیبِ شہیر، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

آپ کی رحلت علمی، ادبی اور دینی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابلِ تلافی خسارہ ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی اشاعتِ علم، خدمتِ دین، ترویجِ مسلکِ اہلِ سنت اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ کی گراں قدر تصنیفات، دل نشیں خطابت اور علمی بصیرت ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ نے اپنے قلم و بیان کے ذریعے ہزاروں تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی اور اپنے علمی نقوش کی صورت میں ایک ایسا سرمایہ چھوڑا جو ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ بنا رہے گا۔

ہم خانقاہ وامقیہ اشرفیہ بریلی شریف کی جانب سے آپ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت آپ سب جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

فقط دعا گو: **سید اسلم میاں وامقی جیلانی اشرفی**

سجادہ نشین خانقاہ وامقیہ اشرفیہ

بریلی شریف

بصیرت اور اعتدال کا حسین امتزاج

از: خانقاہ مفکر اسلام، رائے پور چھتیس گڑھ

نہایت رنج والم کے ساتھ یہ اندوہناک خبر احباب کے ذریعے موصول ہوئی کہ جید عالم دین ماہر زبان وقلم استاذ جامعہ

اشرفیہ اور مدیر ماہنامہ اشرفیہ، مولانا محمد مبارک حسین مصباحی اس دار فانی سے رحلت فرما کر اپنے رب کریم کے حضور حاضر ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

راقم کے لیے یہ خبر خصوصی طور پر باعث صدمہ ہے، کیوں کہ دوران تعلیم جامعہ اشرفیہ میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی شفقتوں عنایتوں اور محبتوں سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل رہا۔ آپ ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، حوصلہ افزائی فرماتے اور اپنی دعاؤں سے مستفید کرتے تھے۔ حضرت موصوف کے ساتھ ایک خصوصی نسبت یہ بھی تھی کہ وہ میرے والد محترم حضرت مفکر اسلام علامہ اکبر علی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم جماعت تھے۔ جب بھی ان کی مجلس میں حاضری کا موقع ملتا تو والد گرامی کے ساتھ اپنے علمی و تعلیمی دور کی یادیں تعلقات اور بے شمار واقعات بڑے شوق اور محبت سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ ان گفتگوؤں میں اخلاص، وفاداری اور قدیم رفاقت کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ آپ ایک علم دوست صاحب فکر اور باوقار شخصیت تھے۔

صحافت تحریر اور زبان و ادب کے میدان میں آپ کا شمار ان روشن ستاروں میں ہوتا تھا جن کی خدمات مدتوں یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کی تحریریں علمی بصیرت اور اعتدال کا حسین امتزاج تھیں اور آپ کی ذات اہل علم و قلم کے لیے ایک قیمتی سرمایہ تھی۔

آج ان کی رحلت سے علمی، ادبی اور صحافتی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا پر ہونا آسان نہیں۔ غم کی اس گھڑی میں ہم تمام خانوادہ حضور محسن ملت کی جانب سے ان کے پس ماندگان بالخصوص حضور عزیز ملت، حضور نعیم ملت اہل خانہ، متعلقین، تلامذہ، رفقا اور تمام محبین کو تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

شریک غم: **مفتی احتشام علی فاروقی مصباحی**

سجادہ نشین خانقاہ مفکر اسلام

رائے پور، چھتیس گڑھ۔ 8 جون 2026ء

ذات واحد میں انجمن

از: خانقاہ عالیہ مداریہ، مکن پور، کان پور

”كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ○وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ○“

یہ خبرِ جانکاہ سن کر سخت صدمہ اور انتہائی افسوس ہوا کہ جماعت اہل سنت کے عظیم عالم دین ادیب شہیر خطیب بے نظیر حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور و مدیر ماہنامہ اشرفیہ کا ابھی رات میں تقریباً پونے بارہ بجے انتقال ہوگیا ہے۔ ”اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ“۔

مولانا موصوف انتہائی خلیق اور سنجیدہ مزاج عالم دین تھے۔ علامہ مبارک حسین مصباحی نوراللہ مرقدہ کی مکن پور شریف میں فقیر کے غریب خانہ پر متعدّد مرتبہ تشریف آوری ہوئی ہے بالخصوص والد محترم حضور امیرالاولیا سرکار سید منظر علی میاں جعفری مداری علیہ الرحمہ کے نام سے منسوب ”حضور امیرالاولیا سیمینار“ کے موقع پر اور ایک مرتبہ عرس حضور امیرالاولیا کے موقع پر ان کی حاضری اور ان کے تاثرات قابل دید و لائق سماعت تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی قدس سرہ کو عرس حضور امیرالاولیا علیہ الرحمہ کے موقع پر سلسلۂ مقدسہ عالیہ مداریہ کی اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا۔ ذات واحد میں انجمن کی حیثیت رکھنے والی مثال آپ پر سو فیصد درست ثابت ہوتی

ہے۔ حضور امیر الاولیا علیہ الرحمہ کا پورا خانوادہ حضرت مرحوم قدس سرہ کے لیے دعا گو ہے اور آپ کے لواحقین کے غم میں ان کے شانہ بہ شانہ ہے
اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خیر اندیش و شریک غم: **سید اظہر علی جعفری منظری المداری**
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ مداریہ
مدینۃ الاولیاء، دار النور مکن پور شریف ضلع کانپور یوپی

مولانا مبارک حسین مصباحی کی دینی، علمی و اصلاحی خدمات

از: جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف

5 جون بروز جمعہ 2026ء بعد نماز فجر حضرت مفتی حسن رضا مصباحی استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف نے یہ اندوہناک خبر دی 18 ذوالحجہ 1447ھ 5 جون 2026ء کو عالم فکر و نظر فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ استاذ جامعہ اشرفیہ وایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا وصال پر ملال ہو گیا ہے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○
خبر سن کر بہت افسوس ہوا مگر (مرضی مولی از ہمہ اولی) یقیناً آپ کہنہ مشق قلم کار زبردست خطیب کئی کتابوں کے مصنف تھے آپ کی دینی، علمی، اور اصلاحی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

آپ کے انتقال سے عالم اسلام اور بالخصوص قلمی حلقوں میں ایک ایسا عظیم علمی و روحانی خلا پیدا ہوا ہے جس کا پُر ہونا مشکل ہے۔ اس مشکل گھڑی میں ہم شہزادہ حضور حافظ ملت حضرت عزیز ملت مد ظلہ العالی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سوگوار خاندان، تلامذہ اور متعلقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقے وطفیل مرحوم کے درجات بلند فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

شریک غم: **فقیر قادری محمد منان رضا خاں منانی غفرلہ**
34 سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

آنکھوں سے اوجھل

از: دار العلوم ضیاء مصطفیٰ، اشرف نگر جالے، ضلع دربھنگہ، بہار

افسوس ناک خبر ملی کہ ادیب شہیر، خطیب بے نظیر، داعی کبیر علامہ الحاج محمد مبارک حسین مصباحی اب ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○
یہ خبر سنتے ہی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، دل بے قرار ہو گیا اور دعا کرنے لگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ غریق رحمت کرے اور معتقدین و تلامذہ اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔
آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مایہ ناز استاذ، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے ایڈیٹر عزیز ملت کے داماد، سرکار کلاں کے مرید اور شیخ الاسلام کے خلیفہ تھے۔ عرس مجد دین دہلی، جموں، بارہ مولہ، شری نگر کشمیر اور اس کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں بڑی بڑی کانفرنسوں میں ملتے رہے ہیں اور شفقت و محبت فرماتے رہے ہیں نیز فرماتے رہے کہ اہل سنت وجماعت کا محبوب و معقول پرچہ ہے ماہنامہ اشرفیہ اس کے لیے مضامین بھیجیے اور عرس حضور حافظ ملت میں تشریف لائیے آپ کی تقریر کرانا میری ذمہ داری ہے۔ الغرض وہ اپنے بڑوں کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور چھوٹوں پر شفقت فرماتے تھے۔ بڑے خلیق

اور ملنسار تھے۔ بظاہر نہیں رہے لیکن اپنی خوبیوں اور کارناموں کی وجہ سے آج بھی ہمارے دلوں میں، درس گاہوں میں، خانقاہوں میں اور قومی انجمنوں میں موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

غمزدہ: **عبدالمقتدر خان جالوی**
تاج الشریعہ دار الافتاء دار العلوم ضیائے مصطفیٰ
اشرف نگر، جالے، دربھنگہ، بہار

مولانا مبارک حسین مصباحی کا وصال علمی، ادبی اور صحافتی دنیا کا عظیم خسارہ

از: الجامعۃ الرضویہ دار العلوم امجدیہ، گانجہ کھیت، ناگ پور

علم و ادب، تدریس و صحافت اور وعظ و خطابت کے میدان کا ایک درخشاں باب اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ نہایت افسوس، رنج و ملال کے ساتھ یہ خبر موصول ہوئی کہ ممتاز عالم دین، باوقار استاذ، صاحب طرز ادیب، کامیاب خطیب اور مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○

مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ علم دین کی خدمت، تدریس و تربیت، تصنیف و تحقیق اور دینی صحافت کی آبیاری میں صرف فرمایا۔ ماہنامہ اشرفیہ کے ذریعے آپ نے دینی، علمی اور فکری موضوعات پر گراں قدر سرمایہ علم امت کو عطا کیا، جس سے اہلِ علم مدتوں استفادہ کرتے رہیں گے۔

آپ کی شخصیت بھی خوبیوں کا حسین امتزاج تھی قلم اٹھاتے تو ایک صاحب علم محقق اور باوقار ادیب نظر آتے، اور منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو دردامت سے لبریز ایک مؤثر خطیب دکھائی دیتے۔ آپ کی تحریروں میں علم کی گہرائی فکر کی پختگی اور زبان کا حسن نمایاں تھا، جب کہ آپ کی گفتگو میں اخلاص سنجیدگی اور خیر خواہی جھلکتی تھی سیکڑوں مضامین متعدد کتابیں اور بے شمار تلامذہ آپ کے علمی ورثے کی روشن یادگار ہیں۔

بلا شبہ ان کا وصال الجامعۃ الاشرفیہ، دینی صحافت، اردو ادب اور اہلِ سنت کی علمی دنیا کے لیے ایک بڑا سانحہ اور ناقابل تلافی خسارہ ہے، جس کا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے حضرت مولانا مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو نور و راحت کا گہوارہ بنائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ نیز ان کے اہل خانہ تلامذہ متعلقین اور تمام عقیدت مندوں کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلاۃ والتسلیم

گدائے اشہر: **مجتبیٰ شریف خان اشہری مصباحی** غفرلہ
مہتمم: الجامعۃ الرضویہ دار العلوم امجدیہ ناگپور (مہاراشٹرا)
19 ذوالحجہ 1447ھ/5 جون 2026ء

مولانا موصوف بڑی خوبیوں کے مالک تھے

از: الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، ضلع اجودھیا

عالی مرتبت، حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ، سربراہ اعلیٰ، اساتذۂ کرام دارکان الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
نازش قرطاس وقلم، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی

کے انتقال پر ملال کی افسوس ناک خبر موصول ہوئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

مولانا موصوف بڑی خوبیوں کے مالک تھے ، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ کی مصروفیت کے باوجود تصنیف و تالیف اور ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت بحسن و خوبی انجام دینے کی بھرپور صلاحیت سے آراستہ و پیراستہ تھے، خلیق و ملنسار تھے، خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا آپ کی عادت شریفہ تھی۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مخلص نقیب و ترجمان تھے۔ اُن کی فرقت و جدائی قلب و جگر کو بے چین کر دینے والی ہے۔ اس درد و کرب اور رنج و غم کی گھڑی میں الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، ایودھیا (فیض آباد یوپی کے ارکان و اساتذہ اور طلبہ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں، اور آپ سبھی حضرات کی خدمات میں تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اور رب قدیر کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ: خدائے قادر و غفار عزوجل اپنے فضل خاص، اور اپنے حبیب لبیب علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقہ وطفیل، صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین واہل بیت اطہار کے وسیلہ سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی - رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صغائر و کبائر کو عفو و در گزر فرمائے، اُن کی جملہ طاعات و عبادات اور دینی، ملی، دعوتی، تصنیفی خدمات کو شرف قبول عطا فرما کر اُن کو جنت الفردوس میں مقام بلند عطا فرمائے، اور آپ کو و جملہ اہل خانہ و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ المصطفی منبع الجود والعطاء علیہ افضل التحیۃ والثناء.

شرکائے غم: [قاری] **جلال الدین قادری** مینیجر

ارکان، اساتذہ وطلبہ الجامعۃ الاسلامیہ

روناہی، فیض آباد، یوپی/18 ذی الحجہ 1447ھ - 5 جون 2026ء

آہ صد آہ! فخر صحافت علامہ مبارک حسین مصباحی کا وصال

از: مرکزی دار القراءت، جمشید پور، جھارکھنڈ

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مؤقر استاذ ممتاز عالم دین، نامور ادیب، نازش لوح و قلم علامہ مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ کی رحلت کی روح فرسا و غم ناک خبر سے بلاشبہہ ہر قلب مضمحل اور ہر آنکھیں اشک بار ہیں۔

یہ زمینی حقیقت ہے کہ زبان و قلم دین و سنیت کی نشر و اشاعت کے دو عظیم اسلحے ہیں اور اللہ رب العزت نے ممدوح گرامی وقار رحمۃ اللہ علیہ کو زبان و بیان دونوں میں کافی دسترس عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے خداداد صلاحیت اور توفیق خداوندی کی بنیاد پر اپنی پور زندگی علم دین کی اشاعت، درس و تدریس، تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف، دینی صحافت کی آبیاری اور ماہنامہ اشرفیہ کی شاندار ادارت میں صرف فرمائی۔ ان شاء اللہ موصوف مرحوم کی تدریسی، تقریری تحریری اور صحافتی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

حضرت کا وصال بالیقین اپنی جماعت کا عظیم خسارہ ہے اللہ کریم جماعت اہل سنت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

إِنَّ لله مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى.

عظیم سانحہ اور رنج و غم کی اس نازک گھڑی میں ہم تمام ارکان و اساتذہ مرکزی دار القراءت ان کے تمام اہل خانہ و جملہ پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اور رب کریم کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ پروردگار آبروے صحافت فخر قرطاس و قلم علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تر دینی علمی اور قلمی خدمات کو قبول فرمائے اور انھیں غریق رحمت و مغفرت فرما کر ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے۔ اور ان کے

تمام وابستگان بالخصوص ان کے اہل خانہ کو صبر و شکر کی توفیق مرحمت فرمائے۔۔۔آمین بجاہ النبی الامین علیہ وعلی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

متاعِ زندگی جس نے لٹادی جانِ رحمت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں اس کی تربت پر

شریک غم: **محمد انتخاب رضا مصباحی**
واساتذہ وانتظامیہ مرکزی دار القراء تذاکر نگر، جمشید پور
22ذی الحجہ1447ھ/9جون2026ء

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی

از: جامعہ فیض العلوم، جمشید پور، جھارکھنڈ

جانشین قائد اہل سنت، مفکر اسلام، مترجم قرآن، عکس رئیس القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی صدر آل امریکن اسلامک مشن امریکہ وصدر ومہتمم مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، جھار کھنڈ نے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اور حضرت مولانا غلام جیلانی قادری رحمہا اللہ کی رحلت پر کلمات تعزیت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل سنت و جماعت کے افق علم و ادب پر طلوع ہونے والے دو نیز تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گئے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے موقر و ممتاز استاذ اور مقبول و معروف رسالہ "ماہنامہ اشرفیہ" کے چیف ایڈیٹر اور روح رواں تھے۔ اہل قرطاس وقلم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تحریر و تصنیف کس قدر محنت طلب، جاں گسل اور صبر آزما ہے۔ باوجود کہ موصوف مرحوم و مغفور نے قرطاس وقلم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا، جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ موصوف اپنی پوری زندگی مکمل آب و تاب، علمی جاہ و جلال اور ادبی شان و شوکت کے ساتھ ماہنامہ اشرفیہ کا اجرا فرماتے رہے اور روز افزوں اشرفیہ کے علمی وقار میں چار چاند لگا دیا۔ علاوہ ازیں آپ کے رشحات قلم سے نصف درجن سے زائد علمی وادبی کاوشیں معرض وجود میں آچکی ہیں۔ آپ کی رحلت سے تحریر و قلم کے ایک تابندہ و درخشندہ باب کا اختتام ہو گیا۔ اللہ رب العزت آپ کی دینی، علمی اور قلمی خدمات کو مقبول و منظور فرمائے، آپ کے امثال پیدا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

طبیعت ابھی اس عظیم صدمے سے ابھر نہیں پائی تھی کہ مرکزی ادارہ شرعیہ، پٹنہ کے نائب ناظم اعلیٰ حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جیلانی قادری کی ایک حادثہ فاجعہ میں موت کی خبر موصول ہوئی۔ جس نے قلب اور روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ مولانا موصوف ادارہ شرعیہ کے اہم و سرگرم رکن اور حضور قائد اہل سنت کے مخلص معاون اور محب خاص تھے۔ بلا خوف لومۃ لائم اپنی پوری زندگی دین متین کی خدمت، قوم وملت کی فلاح و بہبود اور ادارہ شرعیہ کے فروغ و استحکام میں صرف فرمادی۔ آج اہل سنت و جماعت ایسے عظیم قائد اور مخلص داعی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی۔ اللہ رب العزت آپ کی جملہ خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت بخشے، آپ کا نعم البدل عطا فرمائے اور آپ کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم۔

شریک رنج وغم: **عبد الحنان فیضی رضوی**
پرنسپل جامعہ فیض العلوم جمشید پور
7جون2026

مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت ایک عظیم سانحہ

از: تنظیم علماے اہل سنت، اتر پردیش

بخدمت اقدس! سربراہِ اعلیٰ اساتذہ کرام و اراکین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، یوپی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نہایت قلبی رنج و ملال اور گہرے دکھ کے ساتھ یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ فخر صحافت، نازش فکر و فن، مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اور حدیث پاک کے مطابق إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى

مولانا مبارک حسین مصباحی ان ممتاز علمی، ادبی اور صحافتی شخصیات میں شمار ہوتے تھے جنھوں نے اپنی پوری حیات مستعار علم دین کی اشاعت، مسلک اہل سنت کی ترجمانی، دعوت و تبلیغ اسلام، صحافت دینی کی ترویج اور تعلیم و تربیت نسل نو کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ بیک وقت ایک باکمال مدرس، صاحب طرز مصنف، کہنہ مشق صحافی، مدبر مدیر، شعلہ بیاں مقرر اور دردمند داعی اسلام تھے۔

ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے افکار اہل سنت کی ترجمانی علمی و تحقیقی مضامین کی اشاعت اور دینی شعور کی بیداری میں جو نمایاں خدمات انجام دیں، وہ تاریخ صحافت میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کی تحریروں میں علم کی پختگی فکر کی بالیدگی، استدلال کی مضبوطی، زبان کی شائستگی اور اسلوب کی دل آویزی نمایاں تھی۔ اسی طرح درس و تدریس دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے میدان میں بھی آپ نے ہزاروں تشنگان علم و معرفت کو سیراب کیا اور اپنی علمی بصیرت، حسن اخلاق، اخلاص و للّٰہیت اور شفقت پدرانہ سے بے شمار دلوں میں دائمی جگہ بنائی۔

حضرت مولانا کی رحلت نہ صرف الجامعۃ الاشرفیہ بلکہ پوری علمی، ادبی صحافتی اور دینی دنیا کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ان کے وصال سے جو علمی، فکری اور صحافتی خلا پیدا ہوا ہے، اس کی تلافی آسان نہیں۔ ان کی خدمات، یادگار تحریریں اور تربیت یافتہ تلامذہ ان کے لیے صدقہ جاریہ بن کر رہیں گے۔

اس صدمہ عظیم اور غم کی اس گھڑی میں ہم، علماے اہل سنت سنبھل (یوپی) اور جملہ وابستگان اہل سنت، سربراہ اعلیٰ، اساتذۂ کرام، طلبہ، کارکنان، محبین اور بالخصوص خانوادہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں دلی تعزیت و ہمدردی پیش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس غم میں برابر کا شریک سمجھتے ہیں۔

ہم بارگاہ رب ذوالجلال میں دست بدعا ہیں کہ وہ اپنے فضل عمیم اور کرم بے پایاں، اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کے صدقے، صحابہ کرام، خلفاے راشدین اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وسیلے سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کی دینی، تدریسی، دعوتی، ادبی اور صحافتی خدمات کو میزان حسنات میں ذخیرہ آخرت بنائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اپنے مقرب بندوں، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نیز پس ماندگان، متعلقین، تلامذہ و محبین بالخصوص خانوادہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو صبر جمیل، اجر جزیل، حوصلہ کامل اور نعم البدل عطا فرمائے، اور اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ حبيبه المصطفى، منبع الجود والعطاء، عليه أفضل التحية والثناء.

محمد فیضان اشرف حامدی (جانشین اشرف العلما علیہ الرحمہ)
وعلماے اہل سنت، سنبھل (یوپی)۔ 20 ذی الحجہ 1447ھ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

از: جامعہ مٹھنا، سدھارتھ نگر، یوپی

فضاے قرطاس وقلم پر ایک عجیب سی اداسی اتر آئی ہے، جیسے کسی روشن چراغ کو اچانک ہوانے خاموش کر دیا ہو اور روشنی کی عادت ڈال چکی آنکھیں اب اندھیرے سے آشنا ہونے پر مجبور ہوں۔ ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی رحلت محض ایک فرد کا سانحہ نہیں، بلکہ علم وادب کی ایک پوری دنیا کے اجڑ جانے کا کرب ناک منظر ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ لفظوں کی بستی کا ایک معمار خاموش ہو گیا اور اپنے پیچھے وہ سناٹا چھوڑ گیا جس میں یادوں کی صدائیں دیر تک گونجتی رہتی ہیں۔

وہ شخصیت، جو علم کی شمع بھی تھی اور ادب کی خوشبو بھی، اب ہمارے درمیان نہیں رہی؛ مگر ان کا فیض، ان کا اسلوب، ان کی تحریروں کی مہک، اب بھی فضا میں گھلی ہوئی ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی درس گاہیں آج بھی شاید ان کے قدموں کی چاپ سننے کو بے تاب ہوں گی اور وہ تختۂ درس جو کبھی ان کی علمی جلالت کا امین تھا، اب خاموشی سے ان کی جدائی کا نوحہ پڑھ رہا ہوگا۔ انھوں نے صرف کتابیں نہیں پڑھائیں، بلکہ اذہان کو جلا بخشی، دلوں کو وسعت دی اور فکر کو وہ سمت عطا کی جو انسان کو انسان سے بہتر بنا دیتی ہے۔

ان کی گفتگو محض الفاظ کا مجموعہ نہ تھی، بلکہ دلوں میں اتر جانے والی تاثیر کا ایک دریا تھی؛ اور ان کی خاموشی بھی ایک ایسی زبان رکھتی تھی جو طالب علم کے باطن کو جھنجھوڑ دیتی تھی۔ علم کی سنجیدگی، ادب کی لطافت، اور مزاج کی سادگی، یہ تینوں اوصاف ان کی ذات میں اس طرح جمع تھے جیسے خوشبو، پھول اور رنگ ایک ہی شاخ پر یکجا ہوں۔ سیرت میں انکسار، کردار میں وقار، اور برتاؤ میں ایسی شگفتگی کہ ملنے والا خود کو ان کا اپنا محسوس کرے۔

ان کی ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ محض ایک رسالہ نہ رہا، بلکہ فکروفن کا ایک ایسا مینار بن گیا جس سے روشنی کی کرنیں دور دور تک پھیلتی رہیں۔ "سیدین نمبر" جیسی یادگار اشاعتیں ان کے ذوق تحقیق اور وسعت نظر کا زندہ ثبوت ہیں، اور "شہر خموشاں کے چراغ" میں ان کا اپنے آپ کو شامل کر لینا گویا تقدیر کی ایک خاموش تحریر تھی۔ جیسے کوئی صاحب دل اپنے انجام سے پہلے ہی آشنا ہو۔

ہم سب حضور عزیز ملت، نعیم ملت، اساتذۂ جامعہ اشرفیہ اور دیگر تمام پس ماندگان کی خدمت میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتے ہیں، اور بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی دولت نصیب کرے۔ ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا ہو۔ اگرچہ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

سوگوار: **ازہر القادری** وجملہ اساتذہ وطلبہ

جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹھنا، سدھارتھ نگر (یو۔پی۔)

5 جون 2026ء، جمعہ مبارکہ

قلم وقرطاس کا ایک شہ سوار ہم سے رخصت ہوا

از: مسلم اسٹوڈینٹ آرگنائزیشن آف انڈیا، نئی دھلی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

علم ودانش، قلم وقرطاس اور درس وتدریس کے میدان سے وابستہ حلقوں کے لیے حضرت علامہ ومولانا مبارک حسین صاحب قبلہ مصباحی کے وصال پر ملال کی خبر نہایت افسوس

ناک اور دل گرفتہ کرنے والی ہے۔ آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ممتاز استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ، حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمہ کے خلیفہ مجاز، اور اپنے علم، فہم، تدبر، حسن اخلاق اور دینی حمیت کے باعث اہل سنت کے علمی حلقوں میں ایک نمایاں اور محترم مقام رکھتے تھے۔

حضرت مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی علم دین کی اشاعت، دینی صحافت کے فروغ اور مسلک اہل سنت کی علمی ترجمانی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ جامعہ اشرفیہ کے علمی ماحول میں آپ کی تدریسی خدمات، قلمی کاوشیں اور ماہنامہ اشرفیہ کے ذریعے علمی و فکری رہنمائی ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے ہمیشہ اعتدال، سنجیدگی، تحقیق اور اخلاص کو اپنا شعار بنایا اور بے شمار طلبہ، علما اور اہل قلم کو متاثر کیا۔

آپ کا وصال صرف ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ علم، تحقیق، تدریس اور صحافت کے ایک روشن چراغ کا گل ہو جانا ہے۔ ایسی شخصیات اپنی ذات سے بڑھ کر ایک ادارہ ہوتی ہیں اور ان کی جدائی کا احساس مدتوں اہل علم و دانش کو یقیناً جامعہ اشرفیہ، ماہنامہ اشرفیہ، آپ کے تلامذہ، اہل خانہ، متعلقین اور جملہ محبین آج ایک مخلص استاد، شفیق مربی، باوقار عالم و صحافی اور درد مند داعی سے محروم ہو گئے ہیں۔

میں، مولانا محمد عارف القادری واحدی، قومی صدر ایم ایس او آف انڈیا، اور ڈاکٹر شجاعت علی قادری، چیئرمین ایم ایس او آف انڈیا، نیز ایم ایس او آف انڈیا کے تمام قومی، صوبائی، ضلعی اور مقامی ذمہ داران، اراکین اور کارکنان اس المناک سانحہ ارتحال پر مرحوم کے اہل خانہ، جملہ پس ماندگان، تلامذہ، متعلقین جامعہ اشرفیہ اور اہل سنت کے تمام حلقوں کی خدمت میں دلی تعزیت و ہمدردی پیش کرتے ہیں۔

ہم بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالی اپنے فضل خاص سے مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی اور صحافتی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، ان کی قبر کو انوار رحمت کا گہوارہ بنائے اور انھیں اپنے صالحین و مقربین بندوں کے ساتھ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اللہ تعالی اہل خانہ، متعلقین، تلامذۃ اور جملہ محبین کو صبر جمیل، اجر عظیم اور اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مُدْ خَلَهُ وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ مَأْوَاهُ وَ مُسْتَقَرَّهُ.

شریک غم و دعا:

مولانا محمد عارف القادری واحدی

قومی صدر ایم ایس او آف انڈیا

اشرفیہ کا ایک بیدار قلم خاموش ہو گیا

از: امیر سنی دعوت اسلامی، ممبئی

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْن

بعض شخصیات محض افراد نہیں ہوتیں بلکہ اپنے اندر ایک ادارہ، ایک فکر اور ایک روایت سموئے ہوتی ہیں۔ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ بھی انھی شخصیات میں سے تھے، جن کی ذات علم، تحقیق، صحافت اور دعوت و اصلاح کا حسین امتزاج تھی۔ آج ان کے وصال کی خبر نے دل کو غم زدہ کر دیا۔ ایک ایسا عالم رخصت ہوا جس نے اپنی پوری زندگی علم کی خدمت، قلم کی آبیاری اور اہلِ سنت کی فکری رہنمائی میں صرف کر دی۔

حضرت مولانا مرحوم کا شمار ان اہلِ علم میں ہوتا تھا جنھیں اللہ تعالیٰ نے اظہارِ بیان کی دونوں قوتوں، یعنی تحریر اور تقریر، سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ ان کی تحریروں میں علمی وقار، فکری پختگی اور ادبی شائستگی نمایاں ہوتی تھی، جب کہ ان کی گفتگو میں سنجیدگی، استدلال اور

دل نشینی کا ایسا امتزاج پایا جاتا تھا جو سامع کو متاثر کیے بغیر نہ رہتا تھا۔

ماہنامہ ”اشرفیہ“ کے ساتھ ان کی وابستگی محض ایک مدیر کی حیثیت سے نہیں تھی، بلکہ وہ اس کے فکری معمار اور علمی نگہبان تھے۔ ان کی ادارت میں یہ رسالہ اہلِ علم کے لیے ایک معتبر علمی دستاویز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ان کے قلم سے نکلنے والے اداریے صرف حالاتِ حاضرہ پر تبصرے نہیں بلکہ فکر و بصیرت کے آئینہ دار مضامین ہوتے تھے۔

تصنیف و تحقیق کے میدان میں بھی ان کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ تاریخ، دعوت، اتحادِ امت اور ملی مسائل پر ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ ان کی تحریروں میں محض معلومات نہیں بلکہ ایک دردمند دل کی دھڑکن سنائی دیتی تھی۔ انھوں نے اپنے علمی ورثے کی صورت میں ایسی یادگاریں چھوڑی ہیں جو مدتوں اہلِ علم کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

مدینہ طیبہ میں حاضری کے دوران دل کی گہرائیوں سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل ان کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کی علمی و دینی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

نیز حضور عزیز ملت دامت برکاتہم، خانوادۂ مصباحی، تلامذہ، متعلقین اور تمام سوگواران کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

آج ایک شخص کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ علم و قلم کی دنیا کا ایک خاموش مگر مؤثر چراغ بجھ گیا ہے، جس کی روشنی مدتوں اہلِ علم کے دلوں اور ذہنوں میں باقی رہے گی۔

اللّٰھُمَّ اغفر له وارحمه وأسكنه الفردوس الأعلى من الجنة، آمين يا رب العالمين۔

(مولانا) محمد شاکر نوری

امیر سنی دعوت اسلامی، ممبئی/نزیل حال مدینہ منورہ

مولانا مبارک حسین مصباحی کا علمی مقام اور فکری بصیرت

از: جماعت اہل سنت، صوبہ جموں

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

جماعت اہل سنت صوبہ جموں (رجسٹرڈ) کو یہ جان کر شدید صدمہ اور قلبی رنج ہوا کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی کے مؤقر استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر، عزیز ملت کے معزز داماد، گلستان حافظ ملت کے مہکتے ہوئے پھول، ممتاز عالم دین اور نامور مصنف و ادیب حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ وصال فرما گئے۔

مرحوم نے اپنی پوری زندگی علم دین کی خدمت، تدریس، تصنیف و تالیف، اشاعت مسلک اہل سنت اور اصلاح معاشرہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ان کا علمی مقام فکری بصیرت، ادبی ذوق اور دینی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

ان کا وصال علمی و دینی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی خسارہ ہے۔

جماعت اہل سنت صوبہ جموں (رجسٹرڈ) مرحوم کے اہلِ خانہ متعلقین، تلامذہ، جامعہ اشرفیہ اور تمام سوگواروں کی خدمت میں دلی تعزیت و ہمدردی پیش کرتی ہے اور بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، ان کی کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

سید بشارت حسین رضوی برکاتی

صدر جماعت اہل سنت صوبہ جموں (رجسٹرڈ)

مرحوم کی پوری زندگی خدمت دین کے لیے وقف تھی

از: الجامعة السنية للبنات، قمر کالونی، گلبرگہ شریف، کرناٹک

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی علمی و روحانی فضا آج ایک عظیم صدمے سے دوچار ہے۔ میرے نہایت محترم استاذ، جامعہ اشرفیہ کے مایۂ ناز مدرس، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر، صاحبِ قلم عالمِ دین حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کا وصال یقیناً علمی دنیا کے لیے ایک بڑا خسارہ ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی اشاعت، طلبہ کی تعلیم و تربیت اور مسلکِ اہلِ سنت کی خدمت میں صرف کردی۔ آپ نہ صرف ایک کامیاب مدرس تھے بلکہ ایک باوقار ادیب، سنجیدہ قلم کار اور علمی ذوق رکھنے والے مدیر بھی تھے۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے علمی، فکری اور اصلاحی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ استاد کا مقام باپ سے کم نہیں ہوتا، اور جب کوئی استاد دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم وشفقت کا ایک سایہ سر سے اٹھ گیا ہو۔ آج دل غمگین ہے، آنکھیں اشکبار ہیں اور زبان پر صرف دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نیک بندے کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی شخصیت اخلاص، سادگی، متانت اور علمی وقار کا حسین امتزاج تھی۔ ان کے تلامذہ، رفقا اور وابستگان آج ان کی جدائی پر سوگوار ہیں، لیکن ان کی علمی خدمات، تربیتی نقوش اور تحریری سرمایہ ہمیشہ ان کی یاد کو زندہ رکھے گا۔ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ذمہ داران، اساتذۂ کرام، طلبہ، اہلِ خانہ اور تمام عقیدت مندوں کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتا ہوں اور بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

سوگوار:

مولانا محمد آصف جمال مصباحی

استاذ الجامعۃ السنیۃ للبنات، قمر کالونی،

گلبرگہ شریف، کرناٹک

افسوس! علم وادب کا ایک روشن چراغ بجھ گیا

از: سید الہند دار الافتاء والقضاء، جامعۃ الصدیق، میور بھنج، اڑیسہ

یہ خبر انتہائی رنج والم کے ساتھ سنی گئی کہ حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ، استاذ دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اور معروف علمی و ادبی مجلہ ماہنامہ اشرفیہ کے ممتاز مدیر، اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی (رحمۃ اللہ علیہ) ان خوش نصیب اہلِ علم میں سے تھے جنھوں نے اپنی

پوری زندگی دین اسلام کی خدمت، علم کی اشاعت اور اہلِ سنت کے مسلک کی ترویج واشاعت میں صرف کر دی۔ آپ نہ صرف ایک کامیاب مدرس اور باصلاحیت استاذ تھے بلکہ ایک بلند پایہ قلم کار، محقق اور مدبر مدیر بھی تھے۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے علمی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کو عوام و خواص تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بلاشبہ آپ کی وفات علمی دنیا کا ایک بڑا خسارہ ہے۔ ایک ایسا چراغ بجھ گیا جس کی روشنی سے بے شمار دل و دماغ منور ہوتے تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پس ماندگان، متعلقین، شاگردوں کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

شریکِ غم:

غلام حیدر رضوی مصباحی

خادم وصدر سید الہند دار الافتا والقضا، اڑیسہ

وجملہ اساتذہ کرام مدرسہ جامعۃ الصدیق

نادر المثال شخصیت کے مالک

از: دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ضلع بستی، یوپی

جہان قرطاس وقلم کی معروف ترین شخصیت، ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی رحلت ملت اسلامیہ کا عظیم خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی بے حساب مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولانا موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے موقر استاذ تھے، بیک وقت ایک اچھے مدرس، مایہ ناز مقرر اور صاحب طرز ادیب و محقق تھے، یہ تینوں خوبیاں کم ہی لوگوں کے اندر جمع ہوتی ہیں، اس لحاظ سے آپ ایک نادر المثال شخصیت کے مالک تھے۔ سیدین نمبر، دو عظیم شخصیتیں، شہر خموشاں کے چراغ کی تصنیف و تالیف اور ماہ نامہ اشرفیہ کی شان دار ادارت آپ کی زندگی کے وہ عظیم کارنامے ہیں جو رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے۔ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی سے آپ کا گہرا تعلق رہا، بحیثیت خطیب یہاں آپ کی آمد بھی ہو چکی ہے، یہاں کے اساتذہ کرام سے آپ کے گہرے روابط رہے ہیں۔ ادارے کے اساتذہ کرام، اراکین اور طلبہ آپ کی وفات پر تعزیت پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور جماعت اہل سنت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

سوگوار:

امید علی صدیقی

صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی، یوپی

وجملہ اساتذہ کرام واراکین۔ 5 جون 2026ء

ایک عظیم پیکر قرطاس وقلم نہ رہے

از: جامعہ اہل سنت غریب نواز، ضلع امراوتی

5 جون بروز جمعہ یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ایک موقر استاذ ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر، مفکر قوم وملت شہسوار تحریر وقلم حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی اب ہمارے درمیان نہ رہے۔ اِنّا

لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○۔

یوں تو آپ گوناگوں اوصاف و کمالات کے جامع تھے مگر میدان علم و صحافت میں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اپنے معاصرین کے مابین ایک مثالی اور قائدانہ صلاحیت رکھتے تھے۔ تدریس و تصنیف تحقیق و تدقیق اور دینی صحافت میں آپ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ طویل عرصہ تک ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ جیسے عظیم منصب پر بڑے حسن و خوبی کے ساتھ فائز رہے، آپ کی ادارت نے ماہنامہ اشرفیہ کو علمی و قار، فکری بالیدگی، ندرت خیال، تحقیقی معیار اور زبان و بیان کا حسین امتزاج عطا کیا آپ کے مضامین حالات حاضرہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور دردامت کا آئینہ دار ہوتے تھے۔

یقیناً آپ کی رحلت علمی حلقوں کے لیے خصوصا اردو ادب اور مذہبی صحافت کے لیے ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی شاید ناممکن ہو۔ اس پر غم موقع پر راقم الحروف اور جامعہ کے جملہ اساتذۂ کرام و طلبہ مع اراکین آپ کے خسر محترم عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ مدظلہ العالی اور نعیم ملت حضرت علامہ نعیم الدین اطال اللہ عمرہ کی بارگاہ میں بالخصوص اور جملہ علماے اہل سنت اور جمیع معتقدین کی بارگاہ میں بالعموم تعزیت پیش کرتے ہیں اور مولا کریم کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ مولا کریم آپ کو غریق رحمت فرمائے اور جملہ پس ماندگان و متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید النبی المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

شرکائے غم:

مولانا مقصود رضا (بانی جامعہ ہذا)

عبد الکریم مصباحی (پرنسپل)

20 ذی الحجہ 1447ھ/7 جون 2026ء

حضرت کا وصال گہرے صدمے کا باعث

از: مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ

پیر طریقت، شہزادہ حضور حافظ ملت حضرت علامہ الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ عزیزی دام ظلہ العالی، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

18 ذی الحجہ شریف 1447ھ مطابق 5 جون 2026ء بروز جمعہ مبارکہ بعد نماز فجر یہ افسوس ناک خبر ملی کہ ہزاروں قلم کار اور علما کے مربی و استاذ فخر صحافت محب گرامی و قار حضرت علامہ مبارک حسین صاحب قبلہ مصباحی رحمۃ اللہ علیہ شب جمعہ دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○

حضرت فخر صحافت رحمۃ اللہ علیہ کا اچانک انتقال نہ صرف آپ اور آپ کے خانوادہ کے لیے گہرے صدمے کا باعث ہے بلکہ پوری جماعت اہل سنت کے لیے عظیم خسارہ ہے۔

ہم آپ کی خدمت میں بھیگی پلکوں سے تعزیت پیش کرتے ہوئے صمیم قلب سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت علامہ مرحوم کے سیئات کو درگزر فرما کر تمام تر حسنات و دینی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو بالخصوص علامہ محترم کی اہلیہ صاحبہ، بچوں واہل خانہ کو صبر جمیل و اجر جزیل کی توفیق سے سرفراز فرمائے اور ان کی حفاظت فرمائے۔ آمین، بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم.

شریک غم: **ذاکر علی قادری**

صدر المدرسین، مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنو

20 ذی الحجہ شریف 1447ھ/7 جون 2026ء

مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت ناگہانی پر دل انتہائی مغموم ہے

از: جامعہ عربیہ، سلطان پور

مدیر اعلیٰ فخر صحافت خطیب ملّت حضرت علّامہ مبارک حسین مصباحی کی رحلت ناگہانی پر دل انتہائی مغموم ہے۔ میں اس تحریر حزیں کے توسط سے مخدوم مکرّم حضور سربراہ اعلیٰ دام ظلہ علینا و مرحوم کے ورثہ کی خدمت میں جامعہ عربیہ ادارہ کی طرف سے تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ فقید موصوف کی مغفرت کے ساتھ ساتھ درجات بلند فرمائے اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

منظور احمد خاں عزیزی

شیخ الحدیث جامعہ عربیہ، سلطانپور

الجامعۃ الاشرفیہ کے سچے بہی خواہ

از: دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور، راجستھان

فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ!

وسماحۃ الفضیلۃ علامہ مفتی بدر عالم صاحب مصباحی!

وحضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ ناظمِ تعلیمات اشرفیہ

سلام مسنون!

برادرم حضرت علامہ مبارک حسین علیہ الرحمہ کے سانحہ وصال کی خبر جاں کاہ سن کر بے حد رنج وملال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○۔ مرضیِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

کل من اللہ تعالیٰ وھو علی کل شیء قدیر

موصوف شریف النفس، باصلاحیت، اخلاق وکردار کے بلند، قلم وقرطاس کے ماہر ادیب، سب سے بڑھ کر مادر علمی اشرفیہ کے سچے بہی خواہ و خادم تھے، ان کی دینی، علمی، ادبی اور تدریسی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ سبھی علمائے ذوی الاحترام بالخصوص حضرت مخدومی سربراہ اعلیٰ قبلہ کو صبر و ہمت حیدری سے نوازے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

شریکِ غم: **اساتذۂ دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور**

گوناگوں اوصاف وکمالات کا حسین مرقع

از: دار العلوم انوار مصطفیٰ درگاہ پیر سید حاجی علی شاہ بخاری، باڑمیر، راج.

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○

نہایت رنج والم اور قلبی صدمے کے ساتھ یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ جماعت اہل سنت کی ممتاز علمی، فکری، صحافتی اور تدریسی شخصیت، فخر صحافت، رئیس التحریر، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، خلیفہ تاج الشریعہ، حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

بلاشبہ حضرت موصوف کی وفات صرف ایک فرد کا انتقال

نہیں بلکہ علم و قلم، فکر و نظر، صحافت و دعوت، تدریس و تربیت اور اہل سنت کی علمی روایت کا ایک تابندہ باب بند ہونے کے مترادف ہے۔ آپ ان خوش نصیب نفوس میں سے تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین متین کی خدمت، مسلک حق اہل سنت و جماعت کے فروغ، فکر اعلیٰ حضرت کے ابلاغ اور نسل نو کی علمی و فکری رہنمائی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ ایک باوقار استاذ، شفیق مربی، صاحب طرز ادیب، بلند پایہ صحافی، سنجیدہ مفکر اور مؤثر خطیب تھے، جن کی ذات گوناگوں اوصاف و کمالات کا حسین مرقع تھی۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے تدریس کے میدان میں ہزاروں تشنگان علم کو سیراب کیا، جب کہ صحافت اور قلمی خدمات کے ذریعہ ملک و بیرون ملک اہل علم و دانش کی ایک وسیع جماعت کو متاثر کیا۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے فکر رضا و مصباحیت کی اشاعت، علمی شعور کی بیداری اور ملی و دینی مسائل کی صحیح ترجمانی کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ آپ کی تحریریں علم و تحقیق، اعتدال و بصیرت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے معطر ہوا کرتی تھیں، جو ہمیشہ اہل علم کے لیے سرمایۂ افتخار اور مشعل راہ بنی رہیں گی۔

آپ کا وصال یقیناً علمی و دینی حلقوں، جامعہ اشرفیہ، تنظیم ابنائے اشرفیہ، اہل سنت و جماعت اور آپ کے ہزاروں شاگردوں، محبین و متعلقین کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ اس حادثہ جانکاہ سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔ اس غم انگیز موقع پر فقیر بخاری اور جملہ ارکان و مدرسین دارالعلوم انوار مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑ میر، راجستھان، حضرت عزیز ملت، حضرت نعیم ملت، اہل خانہ، متعلقین تلامذہ، محبین، جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ و ذمہ داران اور جملہ سوگواران کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں اور اس عظیم صدمے میں برابر کے شریک ہیں۔ ہم بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مولانا مرحوم کی بے حساب مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی، تدریسی، صحافتی اور ملی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ پس ماندگان، اہل خانہ، تلامذہ، متعلقین اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل، اجر عظیم اور حوصلہ جمیل عطا فرمائے۔

تعزیت کنندگان:

سید نور اللہ شاہ بخاری (مہتمم و شیخ الحدیث)

محمد شمیم احمد نوری مصباحی (ناظم تعلیمات)

حبیب اللہ قادری انواری (صدر المدرسین)

و جملہ ارکان و اساتذہ دارالعلوم انوار مصطفیٰ

سہلاؤ شریف، باڑ میر (راجستھان)

مولانا مبارک حسین مصباحی کے عہد ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ کی ترقی

از: دارالعلوم نوری، اندور (ایم پی)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے موقر، معروف اور باصلاحیت استاد، جامعہ اشرفیہ کے علمی و فکری ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر، مفکر اسلام خطیب اہل سنت، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ ہمارے درمیان نہ رہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ○۔

علامہ موصوف جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد وہیں تدریس کے لیے منتخب ہوئے، ساتھ ہی اشرفیہ کے علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کی اہم ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی، عہد طالب علمی سے ہی آپ کا رشتہ تحریر و قلم سے استوار تھا، اس لیے آپ نے ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کی ذمہ داری کو نہ صرف

سنبھال لیا بلکہ اس علمی جریدے کے معیار کو خوب خوب ارتقا بخشا، آپ کے عہد ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ نے غیر معمولی ترقی کی، ادارت کے ساتھ درس و تدریس، تحریر و تصنیف اور خطابت و تقریر میں بھی آپ نے اپنی منفرد شناخت بنائی، ایک درجن سے زاید کتابیں آپ کے قلم کی یادگار ہیں، جن میں متعدّد کتابیں غیر معمولی شہرت کی حامل ہیں، افتراق بین المسلمین کے اسباب اور شہر خموشاں کے چراغ آپ کی تحریری صلاحیت، بصیرت اور مفکرانہ سوچ پر روشن شاہ کار ہیں، رضویات سے بھی آپ کو گہرا لگاؤ تھا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ کے علم، فکر اور عشق رسول کے مختلف پہلوؤں پر قیمتی کتابیں اور درجنوں مقالات بھی آپ کے قلم سے یادگار ہیں جن میں عشق رضا کی سرفرازیاں، آپ کی بہت مقبول تصنیف ہے۔

قومی و ملی مسایل سے بھی آپ کو دل چسپی تھی اور آپ اس میدان میں بھی قائدانہ صلاحیت سے آراستہ تھے۔ تدریس، تصنیف، تحقیق اور دینی صحافت میں آپ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ طویل عرصہ تک ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ جیسے عظیم منصب پر بڑے حسن و خوبی کے ساتھ فائز رہے، یقیناً آپ کی رحلت علمی حلقوں کے لیے خصوصا اردو ادب اور مذہبی صحافت کے لیے نا قابل تلافی خسارہ ہے۔ اس غم خیز موقع پر جامعہ کے جملہ اساتذہ کرام و طلبا مع اراکین آپ کے خسر محترم عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ مد ظلہ العالی اور نعیم ملت حضرت علامہ نعیم الدین اطال اللہ عمرہ نیز آپ کے پس ماندگان کی بارگاہ میں بالخصوص اور جملہ علمائے اہل سنت اور جمیع معتقدین کی بارگاہ میں بالعموم تعزیت پیش کرتے ہیں اور مولی کریم کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ مولی کریم آپ کو غریق رحمت فرمائے اور جملہ پس ماندگان و متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید النبی المرسلین سلام

شرکائے غم:

مفتی محمد نور الحق نوری مفتی اعظم مالوہ و شیخ الحدیث دار العلوم نوری

مفتی محمد احمد یار خان ازہری مہتمم و ناظم اعلی دار العلوم نوری

مفتی محمد ہاشم رضا مصباحی، مرکزی دار الافتاء جامع مسجد اندور

وجملہ مدرسین و اساتذہ دار العلوم نوری اندور۔ 8 جون 2026ء

رحلت کی خبر سن کر شدید صدمہ ہوا

از: جامعۃ المصطفیٰ محسن العلوم، ککرالہ، ضلع بدایوں

محب گرامی قدر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت کی خبر سن کر شدید صدمہ ہوا۔ جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم بھوج پور میں چار پانچ سال میرے ہم جماعت رہے، جامعہ اشرفیہ مبارکپور جانے کے بعد بھی خط و کتابت اور بذریعہ فون برابر رابطہ رہا، میں بھی متعدّد بار اشرفیہ حاضرہ ہوا اور موصوف کو جب جب بسلسلۂ خطابت مدعو کیا بلا تکلف قصبہ ککرالہ حاضر ہوئے اور اپنی شستہ و سنجیدہ خطابت سے سامعین کو مستفیض فرمایا۔ جیسے ہی آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی ماضی کی یادیں فوراً پردہ ذہن پر مرتسم ہوگئیں۔ آپ ایک باوقار عالم، مخلص داعی، علم و ادب کے شیدائی، اور قرطاس و قلم کے بے تاج بادشاہ تھے۔ آپ کی رحلت سے علمی، ادبی اور قلمی ماحول سوگوار ہے، آپ کی تدریسی و تحریری اور سماجی خدمات تادیر یاد رکھی جائیں گی اور آپ کی یادیں تازہ رہیں گی۔

حضور عزیز ملت دام ظلہ و دیگر اہل خانہ و متعلقین کو مولا تبارک و تعالی صبر جمیل عطا فرمائے، مولانا موصوف علیہ الرحمہ کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیة والتسلیم

سوگوار: **رفاقت علی خاں ثقلینی نعیمی**

بانی و مہتمم: جامعۃ المصطفیٰ محسن العلوم بدایوں شریف

ایک باوقار عالم دین کا وصال

از: دار العلوم فیض صدیقیہ، سوجا شریف، باڑمیر، راجستھان

مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر دلی صدمہ اور گہرے رنج وغم کا احساس ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

مرحوم ایک باوقار عالم دین، صاحب قلم، بہترین مقرر اور مسلک اہل سنت کے مخلص خادم تھے۔ انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ کے ذریعے علمی، دینی اور فکری خدمات انجام دیں اور اپنی تحریروں و تقاریر کے ذریعہ ہزاروں لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔ ان کا وصال علمی وصحافتی حلقوں کے لیے ایک بڑا خسارہ ہے۔

بانی جامعہ صدیقیہ سوجا شریف، اور جامعہ کا پورا عملہ اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ رب العزت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی حسنات کو شرف قبولیت عطا کرے، درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے اور پس ماندگان، متعلقین، شاگردوں اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

من جانب:

ناظم اعلیٰ دار العلوم فیض صدیقیہ سوجا شریف، باڑمیر

”ہم نے سونا سپرد خاک کیا“

از: دار العلوم ندائے حق، جلال پور، امبیڈکر نگر (یوپی)

رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بج رہے ہیں عام طور پر میں دیر تک جاگنے کا عادی نہیں واٹس ایپ پر میرے کرم فرما الحاج حکیم محمد اجمل نظامی صاحب کے صاحب زادے اور نعیم ملت کے داماد بابو قاسم نظامی کی پوسٹ نے دل ودماغ کو منتشر کر کے رکھ دیا کہ شہنشاہ قرطاس وقلم علامہ مبارک حسین مصباحی سفر آخرت پر روانہ ہو چکے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

”وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی“

صبح میں سب سے پہلے میں نے تبرکات مقدس کے روبرو مبارک شخصیت کے لیے دعاے مغفرت کی کاش ہمارے حضرت اور بہت دنوں تک ہمارے درمیان رہتے۔

”بہت یاد آئیں گی تیری ادائیں“

پھر میں وقت مقررہ پر مرکزی اعلیٰ حضرت جامع مسجد قاضی پورہ پہنچا اور اپنے خطاب میں حضرت کی متنوع شخصیت اور ان کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالتے ہوئے دعائیں کیں۔

”چمن میں جب بہار آئے ہمیں بھی یاد کر لینا“

ادیب لبیب مولانا مبارک حسین مصباحی کو مرحوم لکھتے ہوئے بہت قلق ہو رہا ہے بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے

”ہم نے سونا سپرد خاک کیا“

نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد ہم لوگ نظامی برادرس کے گھر پر آئے اور تعزیت پیش کر کے حضرت کے لیے اجتماعی دعا ہوئی اس موقع پر شہر جلال پور کی نہایت اہم شخصیات الحاج محمد اشرف صاحب نظامی ڈاکٹر سمیع اختر صاحب سے لے کر حاجی فیض محمد عزیزی الحاج طفیل احمد انصاری تک موجود رہے۔

”خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں جانے والے میں“

اللہ پاک ہمارے حضرت کی بے شمار مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

"چلا گیا ہے مگر یاد اس کی آئے گی"

غم کی ان گھڑیوں میں ہم سب اور ہمارے ادارے دارالعلوم ندائے حق جلال پور کے اساتذہ واراکین حضور عزیز ملت حضور نعیم ملت الجامعۃ الاشرفیہ حضرت مرحوم کے اہل خانہ کے ساتھ اظہار ہمدردی و تعزیت پیش کرتے ہیں اور ان حضرات کے غم میں برابر کے شریک ہے۔

(مولانا) محمد حبیب الرحمن نوری عظیمی

پرنسپل دارالعلوم ندائے حق جلال پور امبیڈکر نگر

موت العالم موت العالم

از: جامعہ غوثیہ، اترولہ، برام پور

استاذ محترم و معظم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور و مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کا سانحہ ارتحال میدان صحافت و خطابت کا عظیم خسارہ ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مرحوم کی شخصیت مرنجاں مرنج تھی وہ جہاں ایک صاحب طرز ادیب تھے وہیں زبردست خطیب اور بلند پایہ مدرس تھے انھوں نے اپنے زور قلم سے کئی عشروں تک ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت کو وقار بخشا اور خطاب تو اس قدر فکری اور اثر انگیز ہوتا کہ جسے سن کر سامعین پر سناٹا چھا جاتا ان کی تحریر و تقریر دونوں فکری ہوتی جو قارئین وسامعین کے دلوں میں گھر کر لیتی۔

قلم کے شہنشاہ، میدان خطابت کے شہسوار، اعلیٰ کردار، بلند اخلاق، طرز تکلم بڑا جاذب اور دل نشیں جس سے ملتے بڑی اپنائیت کے ساتھ ملتے، ہمہ دم چہرے پر مسکان رہتی لہجے میں نرمی اور تواضع وانکساری ایسی کہ ملنے والا ان کا ہو کر رہ جائے۔

مشائخ خانوادہ برکات اور بزرگان مارہرہ مقدسہ خصوصا حضور سید العلما اور حضور احسن العلما کے احوال زندگی اور ان کے محامد و مکارم کے حوالے سے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا خصوصی شمارہ "سیدین نمبر" میں حضرت کی ادارتی تحریریں بڑی دلنشیں ہیں جو ان کی مضبوط روحانی وابستگی کا بین ثبوت ہیں وہ بزرگوں سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے علمائے خیر آباد و دہلی، خاندان ولی اللہ کے مستند علما، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی اور سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ وغیرہم سے گہرا لگاؤ ان کی تحریروں سے ہویدا ہے۔ کہنے کو آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر وہ اپنی تحریروں کے دم پر ہزاروں دلوں میں زندہ ہیں سچائی یہ ہے کہ ابنائے اشرفیہ میں کتنے نوجوان قلم کار ایسے ہیں جن کی تحریروں کی طرح حضرت مرحوم کی تحریریں پڑھ کر پڑی ہے۔

اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے حضرت کے اعمال حسنہ کو قبول فرمائے ان کی مغفرت فرما کر ان کے مرقد کو انوار جنت سے معمور فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ محسن گرامی قدر حضور سربراہ اعلیٰ دام ظلہ العالی اور حضرت مرحوم کے جملہ اہل خانہ کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کرتے ہیں اور ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمیٰ۔

سوگوار:

ضیاء الحق برکاتی مصباحی

جامعہ غوثیہ اترولہ۔

ہم آپ کے رنج وغم میں برابر کے شریک ہیں

از: دار العلوم اہل سنت فیضان اشرف، باسنی، ناگور، راجستھان

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، حضرت علامہ مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ عزیزی مدظلہ العالی و مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ اندوہ ناک خبر سن کر بہت افسوس ہوا کہ جامعہ اشرفیہ کے مؤقر و سینئر استاد، ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین صاحب مصباحی رحلت فرما گئے۔ " اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ " اس دکھ بھری گھڑی میں ہم ارکین واساتذہ ادارہ فیضان اشرف باسنی ناگور راجستھان آپ کے رنج وغم میں برابر کے شریک ہیں اور آپ سے تعزیت کرتے ہیں۔"إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَ لَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فلتَصْبِرْ وَلْتَحْسَبْ." آپ کو صبر عطا فرمائے اور جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کی دینی، ملی، سماجی، تدریسی تحریری، تقریری اور تبلیغی خدمات کو قبول فرما کر ذریعۂ نجات بنائے، درجات میں بلندی عطا فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بعد نماز فجر مسجد اشرف الانبیا باسنی میں مولانا مرحوم کے لیے قرآن خوانی کروا کر ایصال ثواب کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔

شرکائے غم: **محمد سعید اشرفی**

وجملہ اساتذہ کرام وارکین ادارہ ہذا

6 جون 2026

دنیا ایک عظیم صاحب قرطاس وقلم سے محروم ہو گئی

از: حجاز فاؤنڈیشن، ہیوسٹن، امریکہ

خطیب ہندوستان، صاحب طرز قلم کار اور متوازن افکار وخیالات کی حامل شخصیت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ بہت جلد رخصت ہو گئے۔ موصوف سے ہماری ان گنت ملاقاتیں رہی ہیں، خصوصیت کے ساتھ جب آپ نے اپنے مکتبے کی بنیاد ڈالی تو طباعت واشاعت کے سلسلے میں کثرت سے دہلی آنا ہوتا اور میں جامعہ ملیہ دہلی میں زیر تعلیم تھا۔ موصوف سے جماعت اہل سنت کی زبوں حالی اور عروج وارتقا کے طریقہ کار پر باتیں ہوتیں۔ میں نے ان کے دل میں بہت کچھ کرنے کے جذبات موج زن دیکھے۔ اے کاش کچھ وقت انھیں مزید مہلت ملی ہوتی تو ہم ان کے خواب شرمندہ تعبیر ہوتے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔

ویسے آپ نے درس وتدریس، وعظ وخطابت، قرطاس وقلم اور ملی مسائل پر افکار وخیالات کے جو نقوش چھوڑے ہیں، وہ بھی ہماری فلاح وکامرانی کے لیے کم نہیں۔

اللہ کریم آپ کی خدمات قبولیت سے سرفراز فرمائے اور درجات بلند کرے۔ آمین

ڈاکٹر غلام زرقانی قادری

حجاز فاؤنڈیشن، ہیوسٹن امریکہ

ایک عہد کا اختتام

از: قاضیِ نیپال فاؤنڈیشن

ایک عالم ربانی کی موت، ایک جہان کی موت ہے۔

شب جمعہ 12 بجے کے قریب سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ جماعت اہل سنت کی ممتاز علمی، فکری، صحافتی اور تدریسی شخصیت، فخر صحافت، رئیس التحریر، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ 17 ذی الحجہ 1447ھ مطابق 4 جون 2026ء بروز جمعرات، شب جمعہ، گیارہ بج کر 45 منٹ پہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

بلا شبہہ آپ علیہ الرحمہ ان افراد میں شامل تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام، عقائد اہل سنت اور مسلک حق کی خدمت میں بسر کی۔ آپ نے درس و تدریس کے میدان میں ہندوستان کے عظیم دینی ادارے جامعہ اشرفیہ میں کئی دہائیوں تک علمی خدمات انجام دیں اور ہزاروں طلبہ کو علم و عمل کی دولت سے مالا مال کیا۔ آپ کی شخصیت صرف ایک مدرس کی نہیں تھی بلکہ ایک مربی، مفکر اور معتدل دینی رہنما کی حیثیت رکھتی تھی۔ مولانا نے قلم و قرطاس کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ کی تین دہائیوں سے زائد ادارت آپ کے علمی وقار فکری بصیرت اور صحافتی صلاحیتوں کا روشن ثبوت ہے۔ آپ نے ایسے دور میں بھی اعتدال سنجیدگی اور فکری توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جب معاشرہ شدت پسندی اور فکری انتشار کا شکار تھا۔ آپ ہمیشہ مسلک اہل سنت کی ترجمانی حکمت، متانت اور شائستگی کے ساتھ فرماتے رہے۔ آپ کی تحریریں علم و تحقیق، اعتدال و بصیرت اور عشق رسول کی خوشبو سے معطر ہوا کرتی تھیں، جو ہمیشہ اہل علم کے لیے سرمایہ افتخار اور مشعل راہ بنی رہیں گی۔

آپ کا وصال یقیناً علمی و دینی حلقوں، جامعہ اشرفیہ، تنظیم ابنائے اشرفیہ، اہل سنت و جماعت اور آپ کے ہزاروں شاگردوں، محبین و متعلقین کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ اس حادثہ جانگاہ سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔ اس غم کی گھڑی میں فقیر راقم الحروف اور جملہ اراکین قاضی نیپال فاؤنڈیشن، دوحہ، قطر سے حضرت عزیز ملت، حضرت نعیم ملت، جملہ اہل خانہ، متعلقین، محبین، تلامذہ، جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ و ذمہ داران اور جملہ سوگواران کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتے ہیں، اور اس عظیم صدمے میں برابر کے شریک ہیں۔

ہم بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے علامہ مبارک حسین مصباحی کی بے حساب مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ پس ماندگان، اہل خانہ، تلامذہ، متعلقین اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

شرکائے غم: قاضی نیپال، مفتی اعظم نیپال، حضرت علامہ مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی، مولانا عبد القادر اویسی (سرپرست) مولانا سلامت حسین رضوی (صدر)، رستم علی (ناظم)، مولانا مجیب الرحمن (خازن)، حافظ ارشاد عالم رضوی رقیمی، وجملہ اراکین قاضی نیپال فاؤنڈیشن۔

راقم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی

نائب ایڈیٹر نیپال اردو ٹائمز/نائب صدر قاضی نیپال فاؤنڈیشن

8 جون 2026ء

مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب فکر و نظر انسان تھے

از: ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
تمھیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

باوثوق ذرائع سے یہ خبر یہاں برطانیہ میں وصول یاب ہوئی کہ ادیب شہیر جواں سال فاضل حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا) ایک طویل علالت کے بعد مورخہ 4 جون 2026 بروز جمعرات شب 11 بج کر 45 منٹ پر مبارک پور میں وصال فرما گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○) بے حد افسوس اور قلبی صدمہ گزرا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

محب گرامی حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا وصال علمی دنیا خاص کر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ وہ اپنی طبیعت میں سوز و ساز رومیؔ اور پیچ و تاب رازیؔ کے حامل نہایت پر خلوص اور صاحب فکر و نظر انسان تھے۔ وہ ایک عظیم مدرس، مایہ ناز خطیب اور عصر حاضر کے تقاضوں سے آشنا ایک بے باک اور صاحب ادراک قلم کار تھے۔ ان کی تصنیفی صلاحیتیں عہد حاضر کے طلبا و مدرسین کے لیے قابل تقلید تھیں۔ وہ جامع الصفات تھے، مبداے فیاض نے انھیں جواں سالی ہی میں جوہر شناسی، صائب الراے اور قابل رشک ذہانت سے نوازا تھا۔ ان کے قلمی کارناموں اور علمی جولانیوں سے اشرفیہ مبارک پور کے بام و در بہت دیر تک روشن و تاب ناک رہیں گے۔ مختلف اہم موضوعات پر لکھی گئی ان کی کتابیں، ملک کی عصری دانش گاہوں میں انعقاد پذیر سمیناروں میں پڑھے گئے مقالے اور ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں حساس عناوین پر ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے وقیع و جامع اداریے برسوں یاد رکھے جائیں گے۔

"مولانا مبارک حسین مصباحی" کی مابہ الامتیاز خصوصیات میں ایک بات یہ بھی تھی کہ انھوں نے مذہبی صحافت میں عصری حسیات اور اس کے سلگتے ہوئے مسائل کو ترجیح دے کر ایک جدید اسلوب بیان کی بنیاد رکھی، غالباً یہی وجہ تھی کے انھیں عصری جامعات اور ملی کانفرنسوں میں توسیعی خطبات کے لیے باضابطہ طور پر مدعو کیا جاتا رہا اور ان کی وساطت سے جماعت اہل سنت کی نمائندگی ہوتی رہی۔ انھوں نے اپنی کم عمری اور درس گاہی مصروفیات کے باوجود اپنے حصے کا بڑا علمی کام انجام دیا، جس کے لیے وہ اپنے تلامذہ اور ارباب علم و فن سے خراج عقیدت وصول کرتے رہیں گے۔ میرے وہ قابل قدر دوستوں میں تھے، مکانی فاصلوں کے باوجود میرا ان سے اکثر و بیشتر رابطہ رہتا تھا جب بھی ان سے ملاقات ہوتی ان کے پاکیزہ لہجے میں جدت، وسعت، فلسفہ اور روحانیت کی جھلک محسوس ہوتی تھی۔ عصر حاضر کا یہ عظیم فاضل اور اپنے اکابرین کی روایتوں کا پاس دار، حافظ ملت کے چمن کا شگفتہ پھول اب ہمیشہ کے لیے رحمتِ الٰہی کے پر انوار سایے میں محو خواب ہے، قبول و مغفرت کی بارش ان کے وجود پاک پر برسائی جا رہی ہوگی۔

مفکر اسلام خطیب سیدی استاذ گرامی علامہ قمر الزماں اعظمی سیکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ، علامہ قاری محمد اسماعیل مصباحی اعظمی راچڈیل، علامہ مفتی شفیق الرحمٰن عزیزی ہالینڈ، صاحب زادہ سید ظفر اقبال غوثی، ڈاکٹر وقار الزماں اعظمی، بیرسٹر معین الدین اعظمی، علامہ غلام یزدانی مصباحی لندن نے مولانا مبارک حسین مصباحی کے وصال پر اپنے تعزیتی کلمات پیش کرتے ہوئے حضرت عزیز ملت اور ان کے اہل خانہ سے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔

شریک غم: **محمد فروغ القادری**
ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

فخرِ صحافت کی رحلت ایک عظیم سانحہ

از: سنی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور، راجستھان

18 ذی الحجہ 1447ھ مطابق 5 جون 2016ء بروز جمعہ کو سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ افسوس ناک خبر ملی کہ اہل سنت و جماعت کے ایک عظیم عالم وصحافی وقلم کار حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور کے دفتر میں علمائے کرام اور سربراہ اعلیٰ جماعت ہذا حضرت مفتی ولی محمد رضوی نے فاتحہ خوانی کر کے موصوف کو ایصال ثواب کیا۔ مولانا موصوف ہماری جماعت کے ایک اچھے قابل عالم دین ہونے کے ساتھ صاحب قلم اور بے مثال خطیب بھی تھے، ملنسار، با اخلاق شخص تھے، بلاشبہ ان کے اچانک وصال کر جانے سے اہل سنت کا عظیم نقصان ہوا ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پوران کی ادارت ونگرانی میں بڑی کامیابی کے ساتھ جاری رہا کئی ایک نمبرات بھی شائع ہوئے، بالخصوص "سیدین نمبر" موصوف ہی کی زیر ادارت شائع ہو کر علما کے روبرو ہوا۔ جامعہ اشرفیہ میں آپ نے کئی سال تدریسی فرائض انجام دیتے ہوئے ایک کامیاب مدرس کا کردار پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام تر دینی وعلمی و تدریسی خدمات قبول فرما کر ذریعہ نجات و شفاعت بنائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

منجانب:

جملہ اراکین وعہدے داران

سنی تبلیغی جماعت، باسنی

19 ذی الحجہ 1447ھ/6 جون 2016ء

عوام وخواص نے آپ کی علمی وفکری تحریروں سے استفادہ کیا

از: جمعیۃ علماے اہل سنت، ممبئی، مہاراشٹر

پیکر علم و فن، ماہر درسیات، ترجمان فکر رضا، نابغۂ روزگار، مایۂ ناز خطیب، روح صحافت، حضرت علامہ و مولانا محمد مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ان چیف ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا...

ان کے قلم کی دھمک نہ صرف ہند بلکہ بیرون ہند میں بھی گونجتی تھی اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آج اہل سنت و جماعت کی زور دار آواز قلمی انداز میں ہندوستان کے کونے کونے تک پہنچانے میں جس شخصیت کا اہم کردار رہا ہے وہ مرحوم علامہ مبارک حسین مصباحی کی ذات بابرکت ہے۔ نہ صرف خواص نے بلکہ عوام نے بھی آپ کی اعلیٰ علمی وفکری تحریروں وتقریروں سے استفادہ کیا ہے۔ آپ نے ماہ نامہ اشرفیہ کو پروان چڑھایا۔ آپ کی انتھک کوششوں سے تنظیم ابنائے اشرفیہ کا قیام سنہ 2005ء میں عمل میں آیا جس کی پہلی اور کامیاب میٹنگ سنی نئی مسجد گھڑب دیو، ممبئی میں ہوئی، جس میں ایک سو سے زائد مصباحی برادران نے شرکت کی، ابنائے اشرفیہ کے اغراض و مقاصد پر مشتمل پمفلٹ جاری کیا گیا تھا۔ حضرت علامہ مرحوم میرے بھی استاذ تھے اور ہزاروں طالبان علوم نبویہ کے بھی استاذ تھے۔

حضرت مرحوم جب بھی ملاقات کرتے تو مسکراتے

ہوئے ملتے، بہت ہی ملنسار، با اخلاق اور عاجزی و انکساری کے خوگر تھے۔آپ کی تقریر میں علمی نکات، اعلیٰ فکر اور موجودہ زمانہ میں در پیش مسائل سے نمٹنے کے لیے شاندار گہرائی و گیرائی ہوتی جس کا مشاہدہ علمانے بخوبی کیا ہے۔ان کی زندگی میں ایک اہم موڑ بھی آیا کہ آپ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ایک شیشہ کا ٹکڑا آپ کے سر میں گھس گیا۔ کافی علاج و معالجہ کے بعد افاقہ ہوا تو پہلے کی بنسبت آپ نے تقریریں کم کر دیں لیکن سلاست و روانی آپ کے قلمی نسخوں میں کم نہ ہوئی بلکہ مزید جولانی سی آگئی۔

آپ کے سیدین نمبر، افتراق بین المسلمین اور بہت سے کتب و مقالات و تحریرات ہیں جو آج بھی تشنگان علم و فن کے لیے سرمایہ ہیں۔اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ مولا کریم اپنے محبوبوں کے صدقے وطفیل علامہ مبارک حسین مصباحی کی مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور جملہ لواحقین و پس ماندگان و علماے اہل سنت کو بالعموم و اساتذۂ اشرفیہ و سربراہ اعلی حضور عزیز ملت و حضرت نعیم ملت کو بالخصوص صبر جمیل و اجر جزیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور ایسے غم کے موقع پر حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کے جملہ اہل خانہ و حضرت عزیز ملت کی خدمت میں جمعیت علماے اہل سنت ممبئی تعزیت پیش کرتی ہے اور آپ حضرات کے غم میں برابر کی شریک ہے۔

شرکائے غم: محمد شرف الدین مصباحی صدر، مولانا اعجاز احمد کشمیری نائب صدر، مولانا محمد عمر نظامی جنرل سکریٹری، مولانا محمد عرفان علیمی سکریٹری، مولانا عبد القدوس نظامی، مولانا عرفان الرضا مصباحی، مولانا امجد رضا صاحب، مولانا نور الاسلام اشرفی، حافظ صغیر احمد صاحب، مولانا اقبال عزیزی مصباحی وغیرہم

مبارک پور کے مولانا مبارک اپنی مبارک زندگی گزار چلے

5 جون 2026ء کی رات تھی تقریباً پونے بارہ بجے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے سب سے طویل عرصے تقریباً 30 برس تک ادارت کرنے والے فخر صحافت و تحریر مولانا مبارک حسین مصباحی اس عالم فانی سے کوچ کر گئے، آپ مدرس بھی تھے اور خطیب و صحافی بھی، اور تقریباً ایک درجن کتابوں کے مصنف، آپ کا سب سے بڑا صحافتی کارنامہ ”سیدین نمبر“ کا اجرا ہے، جو مارہرہ شریف کے دو بزرگ حضور سید العلما سید آل مصطفیٰ اور حضور احسن العلما علامہ شاہ سید مصطفیٰ حیدر حسن سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کی طرف منسوب اور انھیں بزرگوں کے احوال و آثار، حیات و خدمات کے تعارف کے لیے منظر عام پر لایا گیا، اس عظیم و ضخیم نمبر کے صفحات کی تعداد تقریباً 1332 ہے، سالوں کی محنت، فکری و قلمی کد و کاوش اور جاں کاہی کے بعد نہایت شان دار و جان دار یادگار نمبر کا نکالنا کوئی آسان کام نہ تھا، پتّا پانی کر دینے والا، جسم و جان کو گھلا دینے والا یہ کارنامہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے انجام دے کر تحریر و صحافت کی دنیا میں ایک انقلاب آفریں کارنامہ انجام دیا، اس کے علاوہ بھی چھوٹے بڑے کئی کام ہیں جو آپ کی مساعی جمیلہ سے منظر عام پر آئے ہیں۔

موصوف کا انتقال اشرفیہ ہی کا نقصان نہیں، پوری جماعت کا نقصان ہے، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ (شہزادہ حافظ ملت) کے آپ داماد تھے، اس لیے بطور خاص حضرت کی خدمت میں تعزیت کے کلمات پیش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جملہ پس ماندگان کو، حضرت عزیز ملت کو رب کائنات صبر و اجر سے نوازے اور مولا تعالی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین،

مولانا مبارک حسین مصباحی ملنسار، بااخلاق اور ہنس مکھ شخصیت کے مالک تھے، ایک عرصے تک آپ نے خطابت کے جوہر بھی دکھائے، عمر کے آخری حصے میں بیمار رہنے لگے تھے، ایک سال سے کچھ زیادہ ہی بیمار تھے کہ اچانک ان کی رحلت کی خبر نے پورے ماحول کو سوگوار بنادیا، عمران کی 60 سے کچھ کم تھی، اس لیے آپ کی رحلت کی ابھی امید نہ تھی، لیکن "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کا پیغام فرشتہ اجل لے کر آ گیا تو اب کسی کو اس میں کچھ چارہ ہی نہیں۔

ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت میں مولانا میرے ردیف تھے کہ میری چار سالہ ادارت کے بعد ہی آپ نے ادارت کی ذمہ داری سنبھالی اور ایک طویل عرصے تک اس کو بحسن وخوبی نبھایا۔

محمد عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی

چریاکوٹ مئو

جامعہ اشرفیہ ایک مخلص اور بے لوث خادم سے محروم ہو گیا

نہایت رنج و الم اور قلبی صدمے کے ساتھ یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ اردو ادب، دینی صحافت، تدریس و خطابت کے ممتاز ستون، حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ و مدیر ماہنامہ "اشرفیہ"، اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

حضرت مولانا مرحوم تین دہائیوں سے زائد عرصہ تک علم و ادب، تحقیق و تصنیف، وعظ و ارشاد اور تربیتِ نسلِ نو کے میدان میں نہایت وقار اور استقامت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اردو زبان و ادب کی آبیاری، دینی فکر کی ترویج اور ہزاروں طلبہ کی علمی و فکری تربیت کے ذریعے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں، وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کی تحریروں میں علم کی گہرائی، فکر کی پختگی اور زبان کا حسن نمایاں تھا، جب کہ آپ کی خطابت اخلاص، دردِ امت اور دعوتِ حق کا آئینہ دار تھی۔

الجامعۃ الاشرفیہ، اہلِ سنت کی علمی دنیا، اردو صحافت اور آپ کے بے شمار تلامذہ آج ایک ایسی شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں جس کی ذات خود ایک ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ کی رحلت علمی، ادبی اور دینی حلقوں کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے، جس کا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔ میں مرحوم کے اہلِ خانہ، تلامذہ، متعلقین، الجامعۃ الاشرفیہ اور تمام عقیدت مندوں کی خدمت میں دلی تعزیت و تسلیت پیش کرتا ہوں اور بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرت مولانا مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نیز پس ماندگان اور وابستگان کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔ تمام احباب سے گزارش ہے کہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت، ایصالِ ثواب اور فاتحہ خوانی کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔

عرض گزار: **عبیداللہ خان اعظمی**

(سابق ممبر آف پارلیمنٹ)

جماعت ایک معروف قلم کار، نامور صحافی اور ادیب سے محروم ہوئی

اہل سنت و جماعت کے لیے یہ خبر انتہائی روح فرسا ہے کہ گزشتہ شب جمعہ تقریباً پونے بارہ بجے نازش صحافت حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی کا انتقال پر ملال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ "آپ سرکار تاج الشریعہ ان کے خلیفہ، سربراہ

اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے بڑے داماد، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے استاذ، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیر اعلیٰ، متعدّد کتابوں کے مصنف اور گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کی تدریسی، تحریری، تقریری اور صحافتی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کا وصال اپنی جماعت کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

اس موقع پر ناچیز جانشین حضور حافظ ملت عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، نبیرہ حضور حافظ ملت، شہ زادۂ حضور عزیز ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی صاحب زید مجدہم استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مرحوم کے تمام اہلِ خانہ، بالخصوص مرحوم کی اہلیہ، ان کی اولاد امجاد کی خدمات میں تعزیت پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت اپنے محبوب کے صدقے مرحوم کی جملہ لغزشوں سے درگزر کرکے ان کی مغفرت فرمائے، ان کی تمام علمی، ادبی، دینی اور ملی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول بخشے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی

سابق استاذ و صدر دار الافتاء دار العلوم غریب نواز الہ آباد

18 ذوالحجہ 1447ھ 5 جون 2026ء جمعہ مبارکہ

پیغام عطار

محمد الیاس عطار قادری رضوی عفی عنہ کی جانب سے،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے یہ افسوس ناک خبر ملی کہ ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، سینئر مدرس جامعہ اشرفیہ و مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی 18 ذوالحجہ شریف 1447ھ مطابق 4 جون 2026 کو تقریباً 58 سال کی عمر میں خواجہ و رضا کے ہند کے شہر مبارک پور شریف میں وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ○

میں تمام سوگواروں سے تعزیت کرتا ہوں اور صبر سے کام لینے کی تلقین۔ رب کائنات آں جناب کی دینی خدمات قبول فرمائے الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین یا رب المصطفی جل جلالہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

مرحوم کی بے حساب مغفرت فرما، ان کی قبر نور علی نور ہو، اور نور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان کی قبر تا حشر جگمگاتی رہے۔ یارب العزت ان کی قبر جنت بن جائے، یارب جلیل تمام سوگواروں کو صبر جمیل اور صبر جمیل پر اجر جزیل مرحمت فرما، یاذی الجلال والاکرام! اے عظمت و عزت والے! میرے پاس جو بھی ٹوٹے پھوٹے اعمال ہیں اپنے کرم کی شایان شان ان کا سارا اجر و ثواب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرما بوسیلۂ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ سارا ثواب مرحوم سمیت ساری امت کو عنایت فرما اللھم آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بے حساب مغفرت کی دعا کی التجا۔

محمد الیاس عطا قادری رضوی عفی عنہ

ان کی وفات حسرت آیات سے میری کمر ٹوٹ کر رہ گئی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ابھی ابھی پیلی بھیت شریف ہند سے ہمارے مہربان اور قدر دان علامہ افتخار احمد قادری برکاتی زید مجدہ نے یہ خبر وحشت اثر دی ہے کہ دنیائے اہل سنت کے ممتاز عالم دین،

مصنف محقق اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ہند کے ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

ان کی وفات حسرت آیات سے میری کمر ٹوٹ کر رہ گئی ہے۔ راقم کے ان سے دیرینہ علمی و فکری تعلقات تھے۔ آپ نے نہایت کثرت سے میرے مضامین و مقالات اور مکتوبات کو اپنی نگرانی میں ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع فرمایا تھا۔ آپ نہایت ہی خلیق اور مہربان تھے۔ آپ باغ و بہار، ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔ آپ کی باتیں اور یادیں میرے قلب و روح میں نقش ہو کر رہ گئیں ہیں۔

یہ سانحہ فاجعہ کب اور کیسے ہوا؟ مجھے ان کے سوانحی کوائف درکار ہیں تاکہ ان کے حوالے سے ایک مفصل تعزیتی شذرہ لکھ کر سہ ماہی مجلہ سوئے طیبہ آن لائن میں شائع کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل اور صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین۔ والسلام مع الاکرام

گدائے کوئے مدینہ شریف

احقر **سید صابر حسین شاہ بخاری** قادری غفرلہ

"خلیفۂ مجاز بریلی شریف"

برھان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان

(19/ذوالحجہ 1447ھ

5/جون 2026ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر)

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

ابھی واٹس ایپ کے ذریعے یہ خبر وحشت اثر پڑھنے کو ملی کہ جماعت اہل سنت کی ممتاز شخصیت صحافی عصر، ماہر زبان وقلم حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی استاذ الجامعہ الاشرفیہ و ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

آپ ایک جید عالم و فاضل، درجنوں کتابوں کے مصنف اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلی تھے۔ آپ کا انتقال جماعت کے لیے بہت بڑے خسارہ کا سبب ہے۔ اشرفیہ میں میرے ہم درس رہے۔ فراغت کے بعد اشرفیہ کی تدریسی خدمات پر مامور ہوئے اور ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ہر ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دیتے رہے۔ ایک اچھے خطیب کی حیثیت سے بھی پورے ملک میں آپ ایک اہم شناخت رکھتے تھے۔ جماعت اہل سنت میں اپنی ادبی، مذہبی، اسلامی، مسلکی، قلمی اور تصنیفی خدمات کی وجہ سے نہایت بلند رتبے کے مالک تھے۔ آپ کی پوری زندگی افکار رضا کے فروغ و استحکام میں گزری۔ صحافتی دنیا میں بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ جیسی علمی شخصیت کا اٹھ جانا پوری جماعت کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

کرب کے ان لمحات میں فقیر رضوی محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری حضور عزیز ملت، حضرت نعیم ملت اور ان کے جملہ اہل خانہ کے ساتھ ہے اور تعزیت پیش کرتا ہے اور خدائے غافر ونعیم کی بارگاہ میں دعا گو ہے کہ مولیٰ کریم حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی تربت پر صبح قیامت تک اپنی رحمتوں کے بادل برسائے آمین ثم آمین۔

شریکِ غم:

فقیر رضوی **محمد قمر الزماں** مصباحی غفرلہ

ڈائریکٹر ادارہ لوح وقلم سعد پورہ مظفر پور بہار

جامعہ اشرفیہ ایک مخلص اور بے لوث خادم سے محروم ہو گیا

ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی نہیں رہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○

وہ طویل عرصے سے بیمار اور صاحب فراش تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی وفات بلاشبہ علمی، ادبی اور صحافتی دنیا کا ایک بہت بڑا اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ ماہنامہ "اشرفیہ" مبارک پور کے مدیر کی حیثیت سے انھوں نے تاریخی خدمات انجام دیں اور کئی خصوصی شمارے نکالے۔ وہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مایہ ناز سپوت، ممتاز عالم دین، صاحبِ طرز ادیب اور علمی و تحقیقی جریدے ماہنامہ "اشرفیہ" کے طویل العمر مدیر تھے۔

مولانا مصباحی صاحب صرف ایک فرد نہیں، بلکہ بذاتِ خود ایک انجمن اور علم و ادب کا ایک پورا دبستان تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ علم کی ترویج، تحریر و تحقیق اور صحافتِ اسلامیہ کے لیے وقف کر رکھا تھا، انھوں نے لکھنے والوں کی ایک پوری کھیپ تیار کی، جو آج علمی دنیا میں اپنا لوہا منوا رہی ہے۔

ان کی وفات سے نہ صرف جامعہ اشرفیہ مبارک پور ایک مخلص اور بے لوث خادم سے محروم ہو گیا ہے، بلکہ اردو اسلامی صحافت کا ایک ایسا ستون گر گیا ہے جس کا متبادل تلاش کرنا فی الحال ناممکن نظر آتا ہے۔ ان کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا طویل مدت تک محسوس کیا جائے گا۔

ہم بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی جملہ علمی، قلمی اور دینی خدمات کو قبول فرمائے، انھیں جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ دے، اور ان کے پس ماندگان، تلامذہ اور متعلقین کو صبرِ جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

سوگوار: **ڈاکٹر صابر رضا رہبر مصباحی**

اسسٹنٹ پروفیسر بی این منڈل کامرس کالج، مدھے پورہ

موت آقا کے غلاموں کو کہاں آتی ہے

موت العَالِم مُوْتُ العَالَمْ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ!

رب کریم بطفیل سید الابرار والاخیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرما، آمین۔ یہ خبر سن کر بے حد تکلیف ہوئی۔ ہندوستان کی عظیم دینی ملی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے استاذ، حسن اخلاق کے پیکر، ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر، مفکر اسلام، حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی مختصر علالت کے بعد 4 جون 2026 کو وفات پا گئے۔ (قَالُوۡ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○) آل انڈیا سنی علما و ائمۂ مساجد و دیگر ہماری تنظیموں کے سبھی حضرات اس مشکل گھڑی میں مرحوم و مغفور کے اہل خانہ و عزیز و اقارب کے لیے دعا گو ہیں۔ مولیٰ سب کو بالخصوص اہلِ خانہ کو صبر جمیل عطا فرما اور مرحوم کے درجات کو بلند فرما۔ آمین!

5 جون یومِ جمعہ علاقہ کی جامع مسجد میں دعاے مغفرت و ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ بعدہٗ تعزیتی نشست میں مرحوم کی خدمات پر غور و فکر بھی کیا گیا۔ رب العالمین قبول فرمائے۔

خادم سنیت

عبد الجبار اعظمی ماہر القادری

چیف قاضی ممبئی و مہاراشٹر

علم وقلم کا ایک روشن چراغ گل ہو گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ کے ممتاز استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر، تنظیم ابنائے اشرفیہ کے روحِ رواں، حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی کا 4 جون 2026ء رات گیارہ بج کر پینتالیس منٹ پر انتقال فرما جانا علمی، ادبی اور تنظیمی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ آپ کی رحلت کی خبر بجلی بن کر گری اور اہلِ علم و دانش کو سوگوار کر گئی۔

مولانا مرحوم ان خوش نصیب شخصیات میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے علم و قلم دونوں کی دولت سے نوازا تھا۔ آپ بلاشبہ قلم کے بے تاج بادشاہ تھے۔ آپ کی تحریروں میں فکر کی گہرائی، زبان کی شائستگی، دل کی سوزش اور قلم کی روانی یکجا نظر آتی تھی۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت نے آپ کو ایک منفرد شناخت عطا کی اور آپ کی تحریریں اہلِ علم کے لیے رہنمائی کا چراغ بن گئیں۔

خطابت کے میدان میں بھی آپ کا انداز نرالا تھا۔ آپ جب منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو الفاظ گویا موتیوں کی صورت بکھرتے، دلوں پر دستک دیتے اور سامعین کے قلوب کو گرما دیتے۔ آپ کی گفتگو میں علم بھی تھا، حکمت بھی اور اخلاص کی خوشبو بھی۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کی خدمات میں آپ کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ اس قافلۂ علم و عمل کے ایسے رہنما تھے جو خود چلتے بھی تھے اور دوسروں کو بھی منزل کا راستہ دکھاتے تھے۔ آپ کی زندگی اس چراغ کی مانند تھی جو خود جل کر دوسروں کو روشنی دیتا ہے۔

اخلاق و کردار کے اعتبار سے آپ ایک مکمل انسان تھے۔ خوش اخلاقی، خندہ پیشانی، ملنساری اور مہمان نوازی آپ کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا۔ جو ایک بار آپ سے ملتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کے چہرے کی مسکراہٹ دلوں کی تھکن دور کر دیتی تھی اور آپ کی محبت بھری گفتگو اپنائیت کا احساس دلاتی تھی۔

راقم کو آج بھی وہ منظر یاد ہے جب ایک سفر کے دوران گاڑی خراب ہو جانے کی وجہ سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور رات تقریباً ایک بجے پہنچنا ہوا۔ اس دیر گئے وقت میں بھی حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی صاحب منتظر تھے۔ یہ انتظار محض رسمی نہیں تھا بلکہ ان کے خلوص، محبت اور مہمان نوازی کا زندہ ثبوت تھا۔ ایسی صفات کتابوں میں نہیں ملتیں بلکہ بڑے لوگوں کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں۔

رات میں مفتی اعظم ہالینڈ، حضرت علامہ شفیق الرحمن مصباحی عزیزی حفظہ اللہ کا واٹس ایپ پیغام موصول ہوا تو ابتدا میں یقین نہ آیا، لیکن جب مختلف گروپس میں مسلسل تعزیتی پیغامات دیکھے تو دل نے اس تلخ حقیقت کو تسلیم کیا کہ واقعی علم و ادب کا ایک درخشاں ستارہ افقِ حیات سے غروب ہو چکا ہے۔

آج ماہنامہ اشرفیہ اپنے مدیر سے محروم ہے، جامعہ اشرفیہ اپنے مخلص استاذ سے محروم ہے، تنظیم ابنائے اشرفیہ اپنے روحِ رواں سے محروم ہے اور اہلِ علم ایک ایسے قلم کار سے محروم ہو گئے ہیں جس کی تحریریں مدتوں یاد رکھی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے اور پس ماندگان، متعلقین، شاگردوں اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

ان کی زندگی کا ہر ورق علم کی خوشبو سے معطر تھا، اور ان کی یادیں مدتوں اہلِ علم کے دلوں میں زندہ رہیں گی۔

از: **محمد عباس مصباحی ازہری**
خادم التدریس، دار العلوم اہل سنت فیض النبی
کپتان گنج، بستی، اترپردیش

مولانا مبارک حسین مصباحی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے

نہایت رنج والم کے ساتھ یہ خبر موصول ہوئی کہ جماعتِ اہلِ سنت کی ممتاز علمی، فکری اور صحافتی شخصیت، استاذ گرامی حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور و مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

مرحوم ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، صاحبِ طرز قلم کار، عمدہ مدرس، مؤثر خطیب اور دینی صحافت کے میدان میں نمایاں مقام رکھنے والے فرد تھے۔ آپ نے اپنی علمی، تدریسی اور تحریری خدمات کے ذریعے اہلِ سنت و جماعت کی بے لوث خدمت انجام دی اور نسلِ نو کی علمی و فکری رہنمائی کا اہم فریضہ سرانجام دیا۔ آپ کا وصال علمی و دینی حلقوں کے لیے ایک بڑا سانحہ اور اہلِ سنت کے لیے ایک ناقابلِ تلافی خسارہ ہے، جس سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔

اس غم انگیز موقع پر ہم مرحوم کے اہلِ خانہ، متعلقین، تلامذہ، محبین اور جامعہ اشرفیہ کے تمام ذمہ داران کی خدمت میں دلی تعزیت و ہمدردی پیش کرتے ہیں اور ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی اور ملی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔

شریک غم:

محمد مسعود رضا مصباحی

خادم دارالعلوم قادریہ نوریہ بگھاڑو

نزیل حال جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ

5 جون 2026ء جمعہ المبارکہ

ایسے گئے کہ سب کو رلا کر چلے گئے

نازش فکر و قلم، فخر صحافت، ادیب شہیر مدیر ماہنامہ اشرفیہ و استاذ جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی پیدائش 10/ اکتوبر 1967ء کو شاہ آباد ضلع رام پور، یوپی میں ہوئی۔ حفظ قرآن کی تکمیل مدرسہ اجمل العلوم، سنبھل میں کی، جامعہ فارقیہ عزیز العلوم مراد آباد میں قرات حفص و درس نظامی کی ابتدائی کتابوں کا علم حاصل کیا۔ کچھ سال مدرسہ سراج العلوم سنبھل میں زیر تعلیم رہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ہند کی مشہور دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کا رخ کیا اور مختلف علوم فنون حاصل کر کے 1989ء میں عرس حضور حافظ ملت کے موقع پر علما و مشائخ کے ہاتھوں دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی، محدیث جلیل علامہ عبد الشکور عزیزی مصباحی، خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی، شیخ القرآن عبد اللہ خان عزیزی، نصیر ملت علامہ نصیر الدین عزیزی، محقق مسائل جدید علامہ مفتی نظام الدین رضوی جیسی نام ور شخصیتیں ہیں۔ آپ کو اجازت حدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ (لاہور) سے حاصل تھی۔ اور اجازت و خلافت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان قادری ازہری علیہ الرحمہ، مفتی اعظم راجستھان علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمہ اور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی مدظلہ علیہا سے حاصل تھی۔

آپ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ علامہ عبد الحفیظ دام ظلہ کے بڑے داماد تھے۔ 1990ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں آپ کا تقرر ہوا اور ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کی ذمہ داری بھی دی گئی آپ نے یہ ذمہ داری بحسن وخوبی نبھائی بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ کو اس بلند معیار تک پہونچایا کہ اس ماہنامہ میں کسی قلم کار کا مضمون چھپ جانا اس کی کامرانی خیال کیا جانے لگا۔ آپ کی ادارت میں پیغمبر اعظم نمبر، انوار حافظ ملت، صدر الشریعہ نمبر، سلطان ہند خواجہ غریب نواز نمبر، فقیہ اعظم ہند نمبر، انقلاب 1857ء نمبر جیسے خصوصی نمبرات شائع ہوئے۔

آپ کی کچھ اہم تصنیفات یہ ہیں: عشق رضا کی سرفرازیاں ، پیام سیرت، امام احمد رضا اور مسلک جمہور، برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب، مدارس اسلامیہ تاریخ و حقائق کے اجالے میں، اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت، شہر خموشاں کے چراغ، فتاویٰ جامعہ اشرفیہ (فتاویٰ حافظ ملت) جلد اول کی ترتیب۔

صاحبِ قرطاس وقلم ہونے کے ساتھ ساتھ ولولہ انگیز خطیب بھی تھے آپ کی متعدّد جلسوں اور کانفرسوں میں شرکت فرما کر اپنے مؤثر بیان کے ذریعہ قوم مسلم میں پھیلی فکری، اعتقادی اور عملی برائیوں کے خاتمہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

بڑوں کا ادب و احترام، چھوٹوں پر شفقت، رحم دلی، تواضع وانکسار آپ کے خصوصی کمالات میں سے ہیں غرض یہ کہ آپ کی ذات ان گنت فضائل و کمالات اور خوبیوں کی جامع تھی۔ آپ کی تدریسی، تحریری، تقریری اور صحافتی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی آپ کا اس دار فانی سے رخصت ہو جانا جماعت اہل سنت کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ آپ ایسے گئے کہ سب کو رلا کر چلے گئے۔

اس موقع پر ہم جانشین حضور حافظ ملت، عزیز ملت علامہ عبد الحفیظ مدظلہ العالی نبیرہ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی زید مجد ہم، جملہ اہل خانہ کی خدمات میں تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ رب ذو الجلال اپنے حبیب بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان کی تمام لغزشوں کو معاف فرما کر بے حساب مغفرت فرمائے، ان کی جملہ علمی، ادبی، دینی و ملی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول و مقبول فرمالے، جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے تمام پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل مرحمت فرمائے اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ صلوٰت اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

از: **محمد مصطفیٰ رضا نظامی مصباحی**
خطیب وامام غوثیہ مسجد
آشیانہ نگر، کیم اسٹیشن ضلع سورت (گجرات)

حضرت! آپ بہت یاد آئیں گے

علم وفضل کا وہ آفتاب جو ایک زمانے کو اپنی علمی شعاعوں سے منور کر رہا تھا، آج ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ استاذ گرامی، مصنفِ کتبِ کثیرہ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی وفاتِ حسرت آیات صرف ایک شفیق استاد کا بچھڑنا نہیں، بلکہ علم وادب کے ایک پورے عہد کا خاتمہ ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس حادثہ فاجعہ نے دل کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور لفظ ساتھ نہیں دے رہے کہ اس خلا کو کیسے بیان کیا جائے۔ بندے کو حضرت علامہ کی بارگاہ میں جو دلی قربت اور والہانہ تعلق حاصل رہا، وہ میری زندگی کا سب سے گراں قدر سرمایہ ہے۔ ان سے روابط اتنے گہرے اور دیرینہ تھے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب روزانہ کی بنیاد پر ملاقات اور فیض یابی کا شرف نہ ملتا ہو۔ حضرت اتنی بڑی علمی و تصنیفی شخصیت تھے، ملک وملت میں ان کا ایک بلند مقام تھا، لیکن اس کے

باوجود ان کا اخلاق سراپا عاجزی تھا۔ جب بھی حاضری ہوتی، ہمیشہ نہایت خنداں پیشانی اور کھلے دل سے ملتے۔ بڑائی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا، بلکہ ہر ملاقات میں وہ مہر و محبت اور اپنائیت ہوتی تھی جسے دل کبھی بھول نہیں سکتا۔ حضرت علامہ نہ صرف خود ایک عظیم قلم کار تھے، بلکہ دوسروں کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بھی خوب پرکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے، ان روزانہ کی نشستوں میں انھوں نے بارہا مجھ سے محبت آمیز لہجے میں فرمایا تھا: "مجھے معلوم ہے کہ تم بھی لکھ سکتے ہو، کچھ لکھا کرو۔" مگر میں اپنی کم مائیگی اور سستی کی وجہ سے ہمیشہ وقت کی قلت کا بہانہ بنا کر بات ٹال جاتا۔ آج جب وہ مخلصانہ اصرار کرنے والی زبان خاموش ہو چکی ہے، تو دل خون کے آنسو رو رہا ہے اور ان کا وہ جملہ ہتھوڑے کی طرح دل پر لگ رہا ہے۔ اب کون ہوگا جو اتنے پیار سے قلم پکڑنے کا حوصلہ دے گا؟ آج ان کی رحلت سے دل شدید رنجیدہ اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ وہ محفلیں، وہ روزانہ کی نشستیں اور ان کا وہ مسکراتا ہوا چہرہ رہ رہ کر یاد آ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ علم و حلم کا وہ پیکر اب ہمارے درمیان نہیں رہا۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ حضرت علامہ کی تمام تر علمی، تصنیفی اور ملی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کی حسنات کو توشۂ آخرت بنائے، ان کے درجات کو جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرمائے اور تمام پس ماندگان، تلامذہ اور عقیدت مندوں کو اس عظیم صدمے پر صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

شریکِ غم: **محمد اسلم مصباحی**
خادم شعبہ کمپیوٹر، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

آہ! اب میرِ کارواں نہ رہا

صبح فجر سے قبل نازشِ فکر و قلم، فخرِ صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کے انتقال کی اندوہ ناک خبر موصول ہوئی، جس نے دل و دماغ کو مکمل طور پر جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ابتدا میں اِس خبر پر یقیناً کر پانا بے حد دشوار تھا، لیکن جب مختلف ذرائع سے اِس کی تصدیق ہوئی تو زبان پر بے اختیار کلمۂ استرجاع جاری ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

علامہ موصوف بے حد با اخلاق و کردار اور نہایت ہی متواضع شخصیت کے حامل تھے۔ خاص طور سے اصاغر نوازی کے لیے بڑے مشہور بھی تھے۔ راقم الحروف پر بہت زیادہ مشفق و مہربان رہا کرتے تھے۔ تقریباً تین دہائیوں سے زیادہ عرصے تک ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور کی ادارت فرمائی اور اپنی بے باک قلمی و صحافتی خدمات سے اِس شمارے کو ہندوستان کے صفِ اول کے جریدوں میں شامل فرمایا، جو آج تک پورے برِ صغیر میں اپنی نوعیت کا سب سے منفرد شمارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

ملک بھر کے قدیم و جدید سبھی رسالے حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہو کر تعطل کا شکار ہو گئے، لیکن آپ اپنے عزم و استقلال سے ماہ نامہ اشرفیہ کو تسلسل کے ساتھ شائع کرتے رہے، جس کو افتادِ زمانہ سے بالکل محفوظ رکھا۔

آپ کی بے شمار دینی، علمی، تدریسی، صحافتی، قلمی اور سماجی خدمات اور کارنامے ہیں، جن میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں یہ ہے کہ آپ نے ماہ نامہ اشرفیہ کے ذریعہ نئی نسل کے علما میں قلمی صلاحیت کو پروان چڑھایا، جن میں ایک راقم الحروف بھی شامل ہے، جو تقریباً 2017ء سے اِس شمارے سے جڑا ہوا ہے۔ آپ نے متعدّد تحریریں شائع فرمائیں اور مزید حوصلوں کو جلا بخشا۔ جب بزمِ دانش کالم کے لیے مخصوص موضوعات پر مضامین مطلوب ہوتے تو راقم الحروف کو ضرور یاد فرماتے اور فون پر محبت بھرے انداز میں گویا ہوتے:

مولانا صاحب! فلاں موضوع پر ایک مضمون لکھیے۔

اپنی کم علمی وکم مائیگی کے احساس کے باوجود حضرت کے حوصلہ افزا کلمات اِس طرح ڈھارس بندھا دیتے کہ آپ کی ترغیب اور اعتماد کے سہارے مضمون تیار ہوجاتا اور یوں ایک علمی وقلمی خدمت کا مرحلہ طے پاجاتا۔

اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً فون کرکے خیریت دریافت فرمالیا کرتے تھے۔ یہ ان کی اصاغر نوازی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بڑے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج ملتِ اسلامیہ ایک عظیم عالمِ دین، بے باک صحافی، ادیبِ شہیر، کئی ایک تحقیقی کتابوں کے مصنف اور ماہ نامہ اشرفیہ کی روحِ رواں شخصیت سے محروم ہوگئی۔

محترم مہتاب پیامی صاحب کئی ماہ سے رسالے کی ادارت فرمارہے تھے۔ ان کے ذریعہ معلوم ہوا تھا کہ حضرت علیل چل رہے ہیں، لیکن یہ گمان نہیں تھا کہ اس طرح جلد ہی ہمارے درمیان سے رخصت ہوجائیں گے۔ آپ کا انتقال نہ صرف پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے عظیم خسارہ ہے بلکہ مجھ جیسے کتنے ہی طالب علم کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے، جنھوں نے آپ کو پڑھ کر لکھنے کا ہنر سیکھا، آپ کی تربیت میں رہ کر قلم پکڑنا سیکھا اور آپ کی ادارت میں مضامین کو چھپتے ہوئے حوصلوں کو اڑان بھرتے ہوئے بھی دیکھا۔

آپ کی ہشت پہلو شخصیت پر لکھنے کے لیے الفاظ ناکافی ہیں۔ آپ افقِ صحافت اور قلمی دنیا میں ہمیشہ یاد کیے جاتے رہیں گے اور آپ کے یوں چلے جانے کا بے حد افسوس بھی ہوتا رہے گا۔ محمود رامپوری کے بقول:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

اللہ تعالیٰ آپ کو غریقِ رحمت فرمائے، آپ کی جملہ دینی، علمی، تدریسی، صحافتی، قلمی اور سماجی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل اور اس پر اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وعلیہ افضل الصلوۃ والتسلیم

شریکِ غم: **محسن رضا ضیائی، پونے**

آہ! تحریر وقلم کے بے تاج بادشاہ

معروف قلم کار، ترجمان اشرفیہ، درجنوں کتابوں کے مصنف، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے کئی دہائی سے مدیر، حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے وصال کی خبر گردش کر رہی ہے، اولا تو کسی کی شرارت اور افواہ معلوم ہوئی، مگر اتنے لوگوں نے اس خبر کو شیر کیا ہے کہ یقین کرنے لگا ہوں۔

اب جب کہ وصال کی خبر کی دل نے تصدیق کردی، ان کے نوع بہ نوع احسانات یاد آنے لگے ہیں

تنظیم "بہار ادب" کے ممبران کو بعد مغرب متعدّد بار ایک کمرے میں بلاکر تحریر وقلم کی افادیت بتاکر انھیں مضمون نگاری کی طرف راغب کرنا، طلبہ کی ناپختہ تحریروں کو ماہنامہ اشرفیہ میں جگہ دینا، طلبہ کے لیے ماہ نامہ میں مخصوص صفحات متعیّن کرنا، یہ وہ کارنامے ہیں جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

ایک بار غالبا "اسلام میں پردہ" کا عنوان متعیّن فرماکر کئی طلبہ کو لکھنے کی فرمائش کی، ناچیز نے بھی ایک آدھ صفحہ لکھ کر جمع کیا، اپنی ناپختگی کا مکمل احساس تھا، مارے شرم کے اپنا نام تک نہ لکھا کہ کہیں سب کے سامنے کچھ کہ نا دیں۔ مگر ماہنامہ اشرفیہ کے اگلے شمارے میں میری وہ تحریر بنا نام کے ہی من وعن چھپی تھی، پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، ساتھیوں کو پڑھ پڑھ کر سناتا اور کہتا پھرتا کہ یہ میری تحریر ہے، جو لوگ شک کرتے انھیں اپنی کاپی سے مسودہ نکال کر دکھاتا، مولانا مبارک حسین کی یہ چھوٹی سی نوازش میرے لیے بڑی نعمت ثابت ہوئی، مجھے خود اعتمادی ملی،

حوصلہ ملا، پھر گاہے گاہے میری تحریر شائع ہونے لگی، آج ان کے وصال کی خبر سے دل غمزدہ ہوا، دل سے ان کے لیے مغفرت کی دعا نکلی -اللہ تعالیٰ ان کی لغزشات کو معاف فرمائے، اعلیٰ علین میں جگہ عطا فرمائے۔

یکے از سوگ واران: **محمد شہروز کٹیہاری**

موہنا، چوکی، کدوا، کٹیہار

آسمان علم وادب کا ایک اور ستارہ غروب ہو گیا

ماہ نامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر، ہم سب کے مربی و سرپرست حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ان کا انتقال پر ملال دلوں کو اداس اور آنکھوں کو نم کر گیا۔

مولانا صرف ایک صاحب قلم مدیر نہیں تھے، بلکہ علم و عمل کا ایک پورا عہد تھے۔ ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات پر بکھرے ان کے الفاظ، ان کی علمی بصیرت اور ان کا مشفقانہ انداز ہمیشہ یاد رہے گا۔ آپ ہماری دعوت پر علی گڑھ میں منعقد ہونے والی تعلیم اسلام کانفرنس کے چیف مقرر کی حیثیت سے بھی شرکت فرما چکے ہیں، مبارک پور کی مٹی سے اٹھنے والی یہ علمی خوشبو آج خاموش ہو گئی، لیکن ان کی یادیں اور ان کے علمی نقوش ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ اس عظیم اور ناقابل تلافی نقصان پر میں محترم مولانا کے تمام سوگوار اہل خانہ، پس ماندگان اور ان کے چاہنے والوں کی خدمت میں دل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتا ہوں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ حضرت مولانا کو غریق رحمت فرمائے، ان کی علمی و دینی خدمات کو شرف قبولیت عطا کرے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، اور پس ماندگان کو اس گہرے زخم پر صبر جمیل اور کما حقہ حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

شریک غم: **محمد اظہر نور اعظمی**

ڈائریکٹر فیچر پیراڈائز کوچنگ سینٹر، علی گڑھ

آہ! مولانا مبارک حسین مصباحی

خلیفۂ تاج الشریعہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی وفات کا سن کر انتہائی رنج ہوا، خالق دنیا و آخرت ان کی مغفرت فرمائے اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

حضرت مولانا قابلِ قدر اور منجھے ہوئے قلم کار تھے، ماہ نامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر بھی تھے اور دیگر کئی کتابوں کے مصنف بھی۔ ان کی ایک کتاب بنام "افتراق بین المسلمین کے اسباب" پاکستان میں پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مرحوم نے شائع کی تھی جو ان کے ایما پر خاکسار کو بھی ارسال کی گئی تھی۔

خدائے بزرگ و برتر ان کی علمی و تحقیقی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور جنت کی بہاروں سے نوازے۔

ہمارے مشفق و مہربان علمی و روحانی شخصیت حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے بھی غالبًا حضرت مولانا کو خلافت و اجازت سے نوازا تھا۔

شعر بمناسبتِ سالِ ترحیل

سالِ رحلت بہ سرِ صبر و بہ پائے جنت
شدہ واحد "دَخَلَ الْجَنَّةَ اِنْ شَاءَ اللّٰہ"

2026ء

راقم حزیں:

ابو الحسن واحد رضوی کان اللہ لہ

فیض آباد شریف۔ 5 جون 2026ء

ان کا خلوص اور اپنائیت بہت یاد آرہی ہے

ماہنامہ ’اشرفیہ‘ کے مدیر اور مشہور عالمِ دین استاذ الاساتذہ علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا انتقال ایک انتہائی افسوس ناک خبر ہے۔ مجھے اپنا الجامعہ الاشرفیہ کا وہ سفر شدت سے یاد آرہا ہے جب میری حضرت سے ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے مجھے اپنا قیمتی وقت اور انٹرویو دیا تھا۔ وہ بے حد مخلص، شفیق اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ ان کی وہ شفقت بھری باتیں اور دعائیں آج بھی میرے دل پر نقش ہیں۔ آج ان کے انتقال کی خبر سن کر ان کا وہ خلوص اور اپنائیت بہت یاد آرہی ہے۔

انھوں نے اپنی پوری زندگی دین، علم اور صحافت کی خدمت میں گزار دی۔ وہ جس خلوص اور سادگی سے ملتے، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے، ان کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین

شریکِ غم۔ **رہبر بستوی**

عالمِ اسلام کا ایک عظیم مفکر رخصت ہو گیا

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○

عالمِ اسلام کے عظیم مفکر، باوقار عالمِ دین، سنیت کے مخلص خادم اور ملتِ اسلامیہ کے درد مند رہنما، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ دارِ فانی سے کوچ کر کے اپنے ربِ کریم کے حضور حاضر ہو گئے۔ آپ کی رحلت کی خبر نے علمی، دینی اور مذہبی حلقوں میں گہرے رنج و غم کی لہر دوڑا دی ہے۔

علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی دینِ اسلام کی اشاعت، عقائدِ اہلِ سنت کے تحفظ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لیے وقف کر دی۔ آپ نہ صرف ایک صاحبِ علم عالم تھے بلکہ ایک بصیرت افروز مفکر، شعلہ بیان خطیب اور مخلص داعی بھی تھے۔ آپ کی علمی خدمات، تحریری کاوشیں، تدریسی سرگرمیاں اور دعوتی جدوجہد ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

آپ نے اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں حق گوئی، اعتدال، اخلاص اور خدمتِ دین کا عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ کی مجالسِ علم و حکمت سے بے شمار افراد نے استفادہ کیا اور آپ کی رہنمائی سے نسلوں نے عقیدہ و عمل کی روشنی حاصل کی۔ اہلِ سنت کے علمی وقار اور فکری استحکام کے لیے آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

راقم الحروف کو بھی متعدّد مواقع پر حضور امانتِ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے خصوصی کمرے میں حاضری اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نہایت بااخلاق، منکسر المزاج، متحرک اور درد مند عالمِ دین تھے۔ آپ کی گفتگو میں علم کی گہرائی، فکر کی پختگی اور اخلاق کی خوشبو نمایاں محسوس ہوتی تھی۔ آپ سے ہونے والی مختصر ملاقاتیں بھی دل و دماغ پر دیرپا اثر چھوڑ جاتی تھیں۔

آج جب کہ یہ عظیم شخصیت ہم سے جدا ہو گئی ہے، دل غم سے بوجھل اور آنکھیں اشکبار ہیں، لیکن اہلِ ایمان کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اعمالِ صالحہ کو ضائع نہیں فرماتا۔ علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے جو علمی سرمایہ اور دینی خدمات امتِ مسلمہ کے لیے چھوڑیں، وہ ان شاء اللہ صدقۂ

جاریہ بن کر ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنتی رہیں گی۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست دعا ہیں کہ وہ اپنے اس مخلص بندے کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر کرے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، انھیں اعلیٰ علیین میں مقامِ رفیع عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب خاص سے مشرف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان، تلامذہ، متعلقین اور تمام سوگواران کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

شریکِ غم: **محمد عاشق رضا امانتی المدنی**، ہدایت نگر، پیلی بھیت

18 ذی الحجہ 1447ھ/5 جون 2026ء

دنیاے صحافت کا نیرِ تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا

افقِ علم و ادب پر طلوع ہونے والی کئی ایسی مؤقر ہستیاں مہر تاباں کے مثل نمودار ہوئیں جنھوں نے رضاے الٰہی کی خاطر زبان و بیان اور قرطاس و قلم کے ذریعے دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت اور تعلیماتِ حقہ کو عام کرنے میں اپنے وجود کو صرف کر دیا۔ انھی صاحبِ فکر و نظر اور اہلِ قلم شخصیات میں ایک معروف قلم کار فخرِ صحافت استاذ العلما حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نوّر اللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی ہے۔

آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں، آپ سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ الرضوان کے خلیفہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مؤقر و ممتاز استاذ اور مشہور و معروف رسالہ "ماہ نامہ اشرفیہ" کے چیف ایڈیٹر اور روحِ رواں تھے۔

اہلِ سنت و جماعت آج ایک ممتاز عالمِ دین، نامور صحافی اور ادیب سے محروم ہو گئی۔ آپ کا انتقال صرف اہلِ خانہ، تلامذہ اور الجامعۃ الاشرفیہ کا ہی نہیں بلکہ دینی، علمی ادبی اور صحافتی دنیا کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ یقیناً آپ کا اس دارِ فانی کو خیر آباد کہ کر عالمِ بقا کی طرف کوچ کر جانا جماعتِ اہلِ سنت کے لیے عظیم خسارہ ہے۔

علما کا دنیا سے جانا در اصل علم کا اٹھنا ہے اور دنیا کا علم سے محروم ہونا کائنات کا سب سے بڑا نقصان ہے۔ کہا گیا ہے: "مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَمِ" یعنی ایک عالم دین کی موت پورے جہان کی موت ہے۔ عالم دین کی موت ایک ایسا خلا ہے جو پُر نہیں کیا جا سکتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے علم و حکمت سے دنیا محروم ہو جاتی ہے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قیامت قریب ہے، اچھے لوگ اُٹھتے جاتے ہیں، جو جاتا ہے اپنا نائب نہیں چھوڑتا، امام بخاری نے انتقال فرمایا تو نوّے ہزار شاگرد محدّث چھوڑے، سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال فرمایا اور ایک ہزار مجتہدین اپنے شاگرد چھوڑے، محدّث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور مجتہد ہونا آخری منزل! اور اب ہزار مرتے ہیں اور ایک بھی (نائب) نہیں چھوڑتے۔ (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص:238)

امامِ اہلِ سنّت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ فرمان بہت ہی قابلِ فکر و تشویش ہے۔ یہ بات آپ نے 100 سال سے بھی پہلے فرمائی تھی تو آج 100 سال بعد بھلا کیا حال ہوگا؟ وہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

نازشِ صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی زندگی کو دیکھا جائے تو انھوں نے تدریس، تصنیف، تحقیق اور صحافت کے میدان میں جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ اہل سنت کے علمی سرمایہ کا قیمتی حصہ ہیں، بالخصوص ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے انھوں نے علمی و فکری اور شعور و آگاہی کی آبیاری کی اور رسالے کو بلند مقام تک پہنچانے میں اہم کردار ادا فرمایا۔

آپ کی تحریروں میں متانتِ فکر، وسعت نظر، اعتدال اور حق گوئی نمایاں تھی۔ آپ نے اپنے قلم کے ذریعے حق و

صداقت کی ترجمانی کی اور نئی نسل کو فکری و دینی رہنمائی فرمائی۔ یقیناً آپ کی رحلت سے علم و ادب اور سنی صحافت کا ایک روشن چراغ گل ہو گیا۔

آپ کی تدریسی، تحریری، تقریری اور صحافتی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ رب کریم اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اُن کی تمام علمی، ادبی، دینی اور ملی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، جملہ لواحقین کو صبرِ جمیل و اجرِ جزیل عطا کرے اور جماعتِ اہل سنت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

احقر العباد: **محمد طاہر القادری مصباحی**

(گڑھوا، جھارکھنڈ) متعلم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

انھوں نے علم و دانش کے چراغ روشن کیے

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور پوری دنیاے سنیت کے لیے یہ گھڑی انتہائی غم انگیز، دلدوز اور روح فرسا ہے۔ جلیل القدر عالمِ دین، بلند پایہ صاحبِ قرطاس و قلم، فکرِ حافظِ ملت کے سچے امین اور ماہنامہ اشرفیہ کے مایہ ناز چیف ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا وصالِ پُر ملال علم و ادب کے ایک عظیم اور سنہری عہد کا خاتمہ ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

5 جون 2026 بروز جمعہ، ابتداءً سوشل میڈیا کے ذریعے یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی، جس کی تصدیق کے لیے میں نے فوراً استادِ اشرفیہ، نبیرۂ حضور حافظِ ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی دام ظلہ سے رابطہ کیا، تو پتہ چلا کہ یہ جگر دوز خبر صد فیصد سچ ہے اور حضرت کا انتقالِ پُر ملال گزشتہ شب تقریباً پونے بارہ بجے ہوا ہے اور بعد نمازِ جمعہ اشرفیہ قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئے گی۔

مرحوم مجھ پر اشرفیہ میں طالبِ علمی کے دور میں، اور بعدۂ تنظیم ابناے اشرفیہ (شاخ ہوڑہ) میں میرے قیام کے دوران حد درجہ شفیق اور مہربان تھے۔ خصوصاً تنظیم ابناے اشرفیہ ہوڑہ کے سرگرم ایام میں قرطاس و قلم کے اسرار و رموز اور علمی باریکیوں کے حوالے سے انھوں نے میری بڑی تربیت و رہنمائی فرمائی اور تعلیمی، تحقیقی، سماجی و ملی میدان میں قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ میرے لیے ان کی رحلت ایک مشفق مربی، بے لوث رہنما اور عظیم استاذ کے سایے سے محروم ہونے جیسا ایک ایسا گہرا ذاتی صدمہ ہے جس کا درد لفظوں کے قالب میں نہیں ڈھل سکتا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے ایک طویل عرصے تک الجامعۃ الاشرفیہ کے مخلص خادم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور مجلہ اشرفیہ کے ذریعے علم و دانش کے ایسے لازوال چراغ روشن کیے جن کی روشنی ہمیشہ دلوں کو منور کرتی رہے گی۔ وہ اشرفیہ کے طلبہ اور اساتذہ، دونوں ہی کے حلقوں میں یکساں طور پر بے حد مقبول، معتمد اور معزز تھے۔

ان کی سب سے بڑی اور منفرد خصوصیت یہ تھی کہ ان کے اندر حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا وہ فکری مشن رچا بسا تھا کہ "ادنیٰ کو اعلیٰ کیسے بنایا جائے"۔ اسی تڑپ اور اخلاص کے ساتھ انھوں نے ہمیشہ طلبہ کی ایسی قلمی، فکری اور علمی آبیاری کی کہ انھیں علم کے افق پر چمکتا ہوا ستارہ بنا دیا۔

اس عظیم اور دلدوز سانحۂ ارتحال کے موقع پر، میں دل کی عمیق گہرائیوں سے حضورِ والا کے پس ماندگان، خصوصاً درج ذیل برگزیدہ شخصیات اور خانوادے کی بارگاہ میں اپنے دلی تعزیتی کلمات اور پُرسہ پیش کرتا ہوں۔

حضور سربراہِ اعلیٰ، عزیزِ ملت علامہ عبد الحفیظ صاحب

قبلہ، اور ان کے اہل خانہ بالخصوص آپ کی صاحب زادی محترمہ (زوجہ محترمہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ) جن کے سر سے رفیقِ حیات کا سایہ اٹھ گیا اور جو اس وقت شدید ترین صدمے اور غم کی گرفت میں ہیں، حضرت مولانا نعیم الدین قبلہ (استاذ جامعہ اشرفیہ)، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے تمام معزز اساتذۂ کرام، ان سب کی بارگاہوں میں کلمات تعزیت پیش ہیں۔

ہم دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اپنے رب کے حضور عاجزانہ دعا گو ہیں کہ: اے اللہ! اپنے حبیبِ لبیب، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی بے حساب مغفرت فرما۔ ان کی تمام دینی، علمی، تدریسی، سماجی اور تاریخی قلمی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرما۔ پروردگار ان کی قبرِ انور کو جوارِ رحمت کے نور سے بھر دے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما، اور الجامعۃ الاشرفیہ کے تمام اساتذہ، پس ماندگان، خصوصاً حضور عزیزِ ملت قبلہ اور ان کے خانوادے بشمول مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ اور جملہ متعلقین کو اس عظیم صدمے پر صبرِ جمیل، اجرِ جزیل اور ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

شریکِ غم: **محمد عارف حسین مصباحی بہرائچی**

سابق کنوینر: تنظیم ابنائے اشرفیہ، ہوڑہ

گلشن اشرفیہ کا ایک پھول مرجھا گیا

یوں تو قانون قدرت ہے کہ جو دنیا میں آیا اسے ایک دن جانا ہے اور اسی قانون قدرت کے مطابق گذشتہ دنوں صحافت وخطابت کی دنیا کا ایک روشن چراغ بجھ گیا، گلشن اشرفیہ کا ایک مہکتا ہوا پھول مرجھا گیا یعنی فخر صحافت وخطابت الجامعۃ الاشرفیہ کے باوقار استاذ اور ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر علامہ مبارک حسین مصباحی کا انتقال ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی تقریباً چھتیس سال تک علم و ادب، تحقیق و تصنیف، وعظ و ارشاد اور تربیتِ نسلِ نو کے میدان میں نہایت وقار اور استقامت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اردو زبان وادب کی آبیاری، دینی فکر کی ترویج اور ہزاروں طلبہ کی علمی وفکری تربیت کے ذریعے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں، وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کی تحریروں میں علم کی گہرائی، فکر کی پختگی اور زبان کا حسن نمایاں تھا، جب کہ آپ کی خطابت اخلاص، دردِ امت اور دعوتِ حق کا آئینہ دار تھی۔

علامہ مبارک حسین مصباحی کی علمی، تحقیقی، تصنیفی اور دینی خدمات اہلِ سنت کے لیے ایک گراں قدر سرمایہ ہیں۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی علم دین کی اشاعت، مسلک اہلِ سنت کے فروغ اور امت کی فکری رہنمائی میں صرف فرمائی۔ ان کا وصال علمی وادبی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابلِ تلافی خسارہ ہے۔

ایسا کم دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی شخص بیک وقت تحریر وتقریر دونوں میں باکمال ہو۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جسے اچھا لکھنا آتا ہے، بولنے میں اس پائے کا نہیں ہوتا۔ اور جو اچھا بولنے پر قادر ہو، اسے اس معیار کا لکھنا نہیں آتا لیکن مولانا مبارک حسین مصباحی کے اندر یہ ساری خوبیاں اور خصوصیات بیک وقت دیکھنے کو ملیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنی پوری زندگی دینِ متین کی خدمت، نسلِ نو کی تعلیم وتربیت اور اہلِ سنت کے مسلک ومشرب کی اشاعت میں صرف فرمائی۔ آپ کی علمی، دینی اور اصلاحی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

یہ حقیقت ہے کہ علم و قلم کی دنیا کا ایک روشن چراغ بجھ گیا جس کی روشنی مدتوں اہل علم و ادب کے دلوں میں اور ذہنوں میں باقی رہے گی تحقیق و تصنیف کے میدان میں مولانا مرحوم کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ علامہ مبارک حسین مصباحی کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے ان کی قبر پر انوار و رحمت کی بارش فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

سوگوار: **جاوید اختر بھارتی**

(سابق سکریٹری یوپی بنکر یونین) محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی

اٹھ گیا اک آفتاب تیری زمین سے

بعد نماز فجر چائے ناشتہ سے فارغ ہو کر عادت کے مطابق واٹس ایپ کو کھولا گیا تو اوپر ہی سے گروپوں میں معلوم ہو گیا کہ کسی کے انتقال پر ملال کی خبریں گشت کر رہی ہے، سرسری طور پر گروپوں کا جائزہ لیا، اور "سیمانچل" کے موقر گروپ کو کھول دیا، اس میں پیغامات کو دیکھا تو پتہ چلا کہ فخر صحافت، نازِ قوم و ملت، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی گزشتہ شب جمعہ 18 ذی الحجہ 1447ھ مطابق 5 جون 2026ء رحلت فرما گئے، میری زبان سے بھی بے ساختہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ○ نکل گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

بے شک آپ کی رحلت کا صدمہ نہ صرف میرے لیے بلکہ پوری ملت کے لیے دل دہلا دینے والا ہے، وہ ایک ایسے عظیم المرتبت عالم، مفکرِ اسلام، استادِ فن اور صحافی تھے جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ علم کی خدمت، اور فن کی گیسوئے برہم کی مشاطگی، امت مسلمہ کی اصلاح اور دینی صحافت کی ترقی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور جیسے عظیم الشان ادارہ کے استاذ اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے انھوں نے نہ صرف ہزاروں طلبہ کی تربیت کی بلکہ دینی صحافت کو ایک معیاری، متوازن اور اثر انگیز شکل دی۔

بے شک آپ ہماری ملت کے ایک فخر روزگار نایاب گہر و درافشاں تھے، میری ان سے مواصلت جسمی چہار چشمی تو نہیں تھی مگر ٹیلی فونک گفتگو کا شرف متعدد بار ملا ہے، گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ اخلاقی بلندی، ذرہ نوازی کے بھی مہ و انجم تھے۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ کا قلم ایک تلوار کی مانند تھا جو حق و صداقت کی حفاظت کرتا، باطل کی سرکوبی کو تیار رہتا اور امت کے دکھ درد میں مرہم رکھتا، ماہنامہ اشرفیہ ان کی ادارت میں نہ صرف ایک رسالہ بلکہ ایک علمی، فکری اور روحانی تحریک بن گیا۔ ان کے مضامین، کالم اور تحقیقی مقالات عالم اسلام میں بے حد مقبول رہے۔ وہ مذہبی صحافت کا ایک معتبر نام تھے جن کی تحریروں میں علم کی گہرائی، تقویٰ کی خوشبو اور زبان کی سلاست نمایاں تھی۔

آج جب وہ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہو چکے ہیں تو لگتا ہے کہ آسمان نے ایک ستارہ اور زمین نے ایک عظیم چراغ کھو دیا ہے۔ وہ جس زمین پر علم کی شمعیں جلاتے رہے، اب اسی زمین سے اٹھ کر آسمانِ رحمت میں جا پہنچے ہیں جہاں ان کے اعمالِ صالحہ ان کے لیے نور بن کر روشنی کر رہے ہوں گے۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ کی رحلت سے نہ صرف جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور ماہنامہ اشرفیہ کے قارئین بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ خصوصاً اہلِ سنت و جماعت کا ایک بڑا نقصان ہوا ہے۔ ان کے تلامذہ، احباب اور قارئین آج اس خلا کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ مگر وہ جو علم کی میراث چھوڑ گئے ہیں، وہ ان کی یاد کو زندہ رکھے گی۔ ان کی کتابیں، ان کے مضامین اور ان کے تربیت یافتہ علما ان کی یادگار بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ کی مغفرت فرمائے، ان کے

درجات بلند کرے، قبر کو جنت کا باغ بنائے اور ان کی علمی و دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ ان کے اہلِ خانہ، تلامذہ اور تمام امت مسلمہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اسیرِ غم: **محمد ساجد رضا قادری مرتضوی**
امام وخطیب جامع مسجد نوری
ویرانہ گٹہ منڈل رنجل ضلع نظام آباد (تلنگانہ)

مولانا مبارک حسین مصباحی باصلاحیت مخلص استاذ تھے

18 ذی الحجہ 1447ھ/ مطابق 5 جون 2026ء بروز جمعہ بوقت صبح معتبر ذرائع سے یہ اندوہناک، افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے مایہ ناز و مؤقر استاذ، فخر صحافت، صاحب زبان وقلم حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ○

یہ سنسنی خیز خبر سنتے ہی سکتے میں آگیا۔ آہ! ایسے مشفق و مربی استاذ سے جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے 2002ء میں فراغت کے بعد زندگی میں دوبارہ ملاقات نہ ہو سکی۔ قادر مطلق نے آپ کو بے پناہ صلاحیت کے ساتھ افہام و تفہیم کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عبارتوں سے شارح و مصنف کی جو صحیح مرادیں ہوتی تھیں وہ کما حقہ طلبہ کے اذہان میں اتار کر ہی چین لیتے تھے۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا سانحہ ارتحال جماعت اہلِ سنت کے لیے ایک عظیم خسارہ اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ فن صحافت کا یہ ستارہ 4 جون، شبِ جمعہ 11 بج کر 45 منٹ میں غروب ہو گیا۔

آپ حضور جانشین حافظ ملت علیہ الرحمہ کے داماد تھے، باصلاحیت مخلص استاذ تھے، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مشن سے آپ کا گہرا ربط تھا۔ آپ نے ماہنامہ اشرفیہ کو کافی فروغ دیا، ملک و بیرون ملک میں آج ہزاروں کی تعداد میں تلامذہ اور آپ کی درسگاہ کے فیض یافتہ، درسگاہوں کے مسند نشیں اور مساجد کی امامت کے منصب پر چپک دمک رہے ہیں۔

علما میں آپ ایک نمایاں مقام اور منفرد شناخت رکھتے تھے، آپ صرف ایک صحافی نہیں بلکہ ایک باصلاحیت عالم وفاضل اور کہنہ مشق مصنف بھی تھے، معقولات و منقولات پر گہری نظر رکھتے تھے اور میدان تحقیق کے عظیم شہسوار تھے، ان تمام خوبیوں کے باوجود آپ نہایت سادگی اور خاکساری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے وسیع و عریض میدان میں آپ کی نماز جنازہ میں حفاظ و علما، عوام و خواص کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر آپ کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے۔

مالک و مولیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کی تمام دینی خدمات کو قبول فرما کر اجر عظیم عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

از: **محمد قمر الزماں نوری مصباحی راج محلی**
خطیب وامام اقرا مسجد، ٹیٹاگڑھ کولکاتا 119
صدر المدرسین مدرسہ قادریہ فیضان تاج الشریعہ
وجامعہ ام الخیر فاطمہ، نزد مدینہ مسجد، ٹیٹاگڑھ۔

بزمِ اشرفیہ کی ایک تابندہ شخصیت نظروں سے اوجھل ہو گئی

ذہن وفکر پر ایک عجیب سی پژمردگی چھاگئی، دل پر ایک بھاری بوجھ محسوس ہوا، جب یہ معلوم ہوا کہ نازشِ فکر و قلم، فخر صحافت، ادیب شہیر، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور) دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی

طرف رحلت فرما گئے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ علم وادب کا ایک روشن چراغ گل ہو گیا، اور بزمِ اشرفیہ کی ایک تابندہ شخصیت نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ ان کی وفات محض ایک فرد کی رحلت نہیں بلکہ ایک علمی، ادبی اور فکری عہد کے اختتام کا اعلان ہے۔ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ ان خوش نصیب اہلِ علم میں تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ قلم کی قوت اور فکر کی گہرائی بھی عطا فرمائی تھی، جامعہ اشرفیہ کی علمی قیادت نے ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے ہوئے "ماہنامہ اشرفیہ" جیسے اہم رسالہ کی ادارت ان کے سپرد کی۔ انھوں نے مدیرِ مسئول کی حیثیت سے اس رسالے کو محض ایک جریدہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے فکر و تحقیق، علم وادب اور دعوت و اصلاح کا ایسا مؤثر ترجمان بنایا جس نے ملک وبیرونِ ملک اہلِ علم سے بھرپور داد وتحسین وصول کی۔ ان کی ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ نے معیار، وقار اور اعتبار کی وہ منزلیں طے کیں جو ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

خطابت کے میدان میں بھی آپ کا انداز منفرد اور اثر آفرین تھا۔ عصرِ حاضر کے مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں ایسی بصیرت افروز گفتگو فرماتے جس سے سامعین کے ذہنوں کے دریچے وا ہو جاتے۔ آج ان کی رحلت سے دل شدید رنج والم میں ڈوبا ہوا ہے۔ جامعہ اشرفیہ اپنے ایک قیمتی متاع سے محروم ہو گیا۔ ان کا علمی سرمایہ، ادبی خدمات، دینی کاوشیں اور اخلاقی یادیں ہمیشہ زندہ رہیں گی اور اہلِ علم کے لیے مشعلِ راہ بنی رہیں گی۔

ہم اس سانحۂ ارتحال پر پس ماندگان، متعلقین، تلامذہ، احباب اور تمام اربابِ اشرفیہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کو اپنی بے پایاں رحمتوں کے سائے میں جگہ عطا فرمائے، ان کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور جملہ پس ماندگان، بالخصوص حضور عزیزِ ملت دام ظلہ العالی اور حضرت نعیم ملت، خانوادۂ مصباحی کو صبرِ جمیل، اجرِ جزیل اور حوصلۂ جمیل عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مفتی) **محمد صادق مصباحی**
خادم التدریس سعید العلوم
یکما ڈپو لکشمی پور، ضلع مہراج گنج

بے شمار خوبیوں کے مالک

4 جون شب جمعہ یہ روح فرسا خبر سن کر دل لرز اٹھا اور کلیجہ دھک سا رہ گیا کہ فخرِ صحافت عظیم مفکر و مدبر حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی راہیِ خلد ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

عرش پر دھومیں مچیں کہ وہ مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب گیا طاہر گیا

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی قدس سرہ اہل سنت و جماعت کی قابل فخر علمی درس گاہ اور عظیم دانش گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے درخشاں فرد تھے، زبان و قلم کے رمز شناس، صاحب طرز ادیب و محقق، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ اور درجنوں علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے، تاحین حیات تدریس، تصنیف، صحافت اور خطابت کے ذریعے اہل سنت کی نمائندگی فرماتے رہے، آپ کی گفتگو میں فکر و عمل کا عنصر نمایاں ہوتا تھا، اگرچہ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، لیکن ان تمام اوصاف میں اخلاق و کردار کا حسن، اصاغر نوازی، افراد سازی اور نوجوان اہل علم کی حوصلہ افزائی کا وصف آپ کو اپنے معاصرین اور اقران میں ممتاز کرتا تھا۔

راقم کو مظفرپور کے ایک دینی جلسے میں آپ کے ساتھ

قربت کا موقع ملا، اتفاق سے آپ اور حضرت علامہ مفتی امان الرب رضوی قدس سرہما بھی مدعو تھے، قیام گاہ میں دیر تک نیاز وملاقات کا شرف حاصل رہا، آپ نے بے پناہ محبت، شفقت اور خلوص سے نوازا، قریب سے دیکھا آپ کی ذات میں تصنع تفاخر اور خود نمائی کی کوئی جھلک نہ تھی، حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنے نام اور کام دونوں اعتبار سے مبارک تھے۔ ماہنامہ اشرفیہ کے گزشتہ کئی رسالوں میں آپ نے راقم کی بعض تحریروں کو شائع فرما کر حوصلہ افزائی کی تھی، آپ کے وصال کی خبر سے متاثر ہوکر ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اپنے گھر کا کوئی بزرگ اور مشفق فرد ہم سے جدا ہو گیا ہو، ان کا اچانک انتقال کر جانا، ایسا ملی علمی اور جماعتی خسارہ ہے، جس کی تلافی آسان نہیں، آپ کی علمی خدمات صحافتی کاوشیں، فکری رہ نمائی اور تربیتی نقوش مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے، اور پس ماندگان متعلقین تلامذہ اور اہل سنت کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

صابر رضا محب القادری نعیمی غفرلہ

پرنسپل: مدرسہ فیض مجیب خانقاہ محمد پور، کشن گنج بہار

مولانا مبارک حسین مصباحی کی اصاغر نوازی

الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علیٰ رسول اللہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

ادیب شہیر حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا جمعہ کی رات میں وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ موصوف سے ہمارا تعلق طالب علمی کے زمانے ہی سے تھا، ان سے تو کوئی کتاب پڑھنے کا موقع نہیں ملا لیکن گاہے بگاہے ان سے ملاقات ہوتی رہتی۔ آپ اور علامہ زاہد سلامی ایک مرتبہ رمضان شریف میں ہمارے گاؤں، ہمارے گھر پر تشریف لائے تھے، ہمارے بھائی محمد حنیف صاحب اور گھر والوں نے جو بن سکا ان کی خدمت کی، ہمارے گھر والے ان لوگوں کے اخلاق سے کافی متاثر ہوئے تھے، نیز یہ مجھے کہتے رہتے تھے کہ مولانا نظام کچھ لکھا کرو۔ مجھے ایک بار کہنے بھی لگے کہ آپ مصباحی صاحب کی خدمت کرتے ہیں لیکن مصباحی صاحب سے آپ نے کوئی علمی فیضان نہیں لیا تو میں اس وقت خاموش رہا پھر میں نے کچھ مضامین لکھنا شروع کیے۔ میں نے اپنا پہلا مضمون "حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی علیہ الرحمہ کی شخصیت" پر طالب علمی کے زمانے میں لکھا تھا، مولانا ارشاد علیہ الرحمہ کو دکھایا تھا، مولانا مبارک صاحب نے اسے شائع بھی کیا، پھر جب میں فارغ ہو گیا اور UK آ گیا تو مجھ سے کہتے تھے کہ آپ کے مضامین آنے چاہئیں، گاہے بگاہے کچھ مضامین میں نے بھیجے آپ ان کو شامل بھی کرتے، حوصلہ افزائی بھی کرتے جب ہم نے عرس حافظِ ملت علیہ الرحمہ منایا اور انھوں نے کچھ تقریر ہماری سنی تو کافی حوصلہ افزائی کی اور اس کی رپورٹ بھی آپ نے شائع کی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ اس فقیر کی علمی اعتبار سے حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ بھائی ماشاء اللہ اچھی تقریر کر لیتے ہو۔ نیز مجھے یاد پڑتا ہے کہ احمد آباد کی لائبریری کے جو مخطوطات کی فہرست ہے وہ بھی آپ نے مجھے پڑھنے کے لیے دی تھی جب کہ یہ اہم کتاب ہے، طالب علم کو کوئی پڑھنے نہیں دیتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ چاہتے تھے کہ گجرات کا کوئی طالب علم پڑھنے لکھنے والا بنے اور گجرات کے جو علما ہیں ان کی خدمات سے واقف ہو اور یہ اپنی گجرات کی تاریخ کو بھی زندہ کرے۔

بہر حال میں ان کی اس اصاغر نوازی سے کافی متاثر رہا، بعض معاملات میں ان کی اور ہماری رائے سے ہم آہنگی نہ ہو سکی پھر

بھی ایک سیمینار میں ملاقات ہوئی تھی، کچھ مسائل پر بات ہوئی تھی، بعض شخصیات کی وجہ سے جن کا نام میں ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا توان کو پوری معلومات نہیں تھی، تو کچھ رائے کا اختلاف بھی تھا لیکن انھوں نے کھلے دل سے میری رائے کو سنا اور انھوں نے آگے سے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ عموماً لوگ جو سنتے ہیں اور بندے کو ایسا جواب دیتے ہیں کہ پھر کبھی بولنے کی جرأت نہ پڑے۔ بہرحال وہ ایک لمبے عرصے تک بیمار رہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو دنیا میں اسے بیماری میں مبتلا کرکے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، اس کے درجات کی ترقی کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو ان کے گناہوں کا یقیناً کفارہ بنا دیا ہوگا اور ان کے درجات بھی بلند ہوں گے اور جمعہ کی رات کو ان کا انتقال ان کو قیامت کے دن شہدا کی صف میں شامل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے اور سربراہِ اعلیٰ علامہ عبدالحفیظ حفظہ اور ان کے پورے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

محمد نظام الدین مصباحی (یوکے)

18 جون 2026ء

علمی، ادبی، روحانی اور دینی نقصان

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے 5 جون 2026ء کو اس دار فانی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ آپ کی موت عالم اسلام کے لیے علمی ادبی روحانی اور دینی نقصان ہے۔ آپ جہاں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے عظیم معلم اور مدرس تھے وہیں جامعہ اشرفیہ کے ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر بھی تھے۔ آپ کے دور ادارت میں ماہنامہ نے عظمتوں کے نئے آسمان سر کیے۔

آپ کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی ایک طویل داستان ہے جسے اہل قلم اور اہل نظر بخوبی بیان کریں گے اور کر رہے ہیں۔

دنیاے انفاس کی یہی کہانی ہے کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے زمانہ روتا ہے۔ حضرت موصوف ایسی ہی عظیم شخصیتوں میں ایک اہم شخصیت تھے۔ دعا ہے کہ رب کریم مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور جامعہ کو ان کا بہتر بدل عطا فرمائے۔ آمین براہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

از: **یاور وارثی** کانپور یوپی

باغِ فردوس اشرفیہ کا طوطیِ ہزار داستاں

مفکرِ قوم وملت، فخرِ صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ طویل علالت کے بعد ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے اور اپنے پیچھے سنہری یادیں چھوڑ گئے۔ وہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے قدیم استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ اور باغِ فردوس کے طوطیِ ہزار داستاں تھے، جو زندگی بھر چہکتے رہے اور اپنے نغماتِ حجازی سے اذہان وقلوب کو مسحور کرتے رہے۔ اپنی شاندار خطابت اور اعلیٰ عصری صحافت کی بدولت انھوں نے جماعت اہل سنت میں اپنی ایک منفرد شناخت بنائی تھی۔ فردِ واحد میں تحریر وتقریر کا حسنِ امتزاج کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے، لیکن قدرت کی فیاضیوں نے ان کو دونوں جوہر سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ ایک زمانے تک اشرفیہ جیسے عظیم تعلیمی ادارے میں مسندِ تدریس پر فائز رہے اور اپنے تلامذہ کی علمی وفکری تشنگی بجھاتے رہے۔ وہ درس وتدریس کے ساتھ اپنے عزیز طلبہ کی فکری رہنمائی بھی کرتے تھے اور ان کو تصنیف وتالیف اور تحریر کے میدان میں آنے کی دعوت بھی دیتے

تھے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ تحریر کا جواب تحریر اور تقریر کا جواب تقریر ہے۔ وہابیہ و دیابنہ کے ذریعے گمراہ کن عقائد و نظریات جو تحریر کے ذریعے پھیلائے گئے تھے، وہ ان کا مدلل اور مسکت جواب تحریر کے ذریعے دینے کے قائل تھے۔ ان کی مشہور کتاب ”افتراق بین المسلمین کے اسباب“ ان کی اسی فکری اپج کی عملی تصویر ہے۔ تحریر و صحافت کی دنیا میں ان کا بولتا ہوا قلم جماعت اہل سنت کا ترجمان تھا جو دین و سنیت کے فروغ و استحکام اور قومی و ملی مفادات کی خاطر ہمیشہ حرکت میں رہا۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی تحریر میں ادبی چاشنی، فکری گہرائی، اسلوب کی دلکشی اور انداز بیان کی طرفگی پائی جاتی ہے دیگر علمی و فکری مضامین و مقالات کے علاوہ مشہور شخصیاتِ اسلام کی وفات پر انھوں نے جو تعزیتی تحریریں لکھی ہیں، وہ خاکہ نگاری کا حسین مرقع ہونے کے ساتھ ادبی حسن، لسانی چاشنی اور ندرتِ اسلوب سے لبریز ہیں۔ ان کے رواں دواں قلم نے علم و ادب کے ہر نشیمن پر اپنا آشیانہ بنایا ہے۔ ان کی اسلامی صحافت، حالات حاضرہ کے عکاس ان کے فکر انگیز اداریے، وقیع تبصرے اور مختلف کتب و رسائل پر ان کی تقریظات و تاثرات خاصے کی چیز ہیں۔

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری و رئیس التحریر حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی علیہما الرحمہ کے بعد جماعت اہل سنت میں آپ کی صحافت نے نئی نسل کو خصوصیت کے ساتھ متاثر کیا ہے۔ انھوں نے اپنی صحافت کو اسلام و سنیت کی نمائندگی اور مسلم مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کیا ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور کے صفحات پر بکھرے آپ کے فکر انگیز اداریے ہمارے دعویٰ کو ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ابھی موصوف کو بہت سارا کام کرنا تھا، لیکن افسوس کہ وہ بہت جلد ہم سب کو داغِ مفارقت دے کر راہی ملک عدم ہوگئے۔ موصوف اپنے علمی و ادبی اوصاف کے علاوہ اخلاق و کردار کے جوہر سے بھی آراستہ تھے۔ فقیر قادری جب بھی موصوف کے گھر جاتا، بڑی محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے اور مہمان نوازی فرماتے۔ ذاتی طور پر میں ان کی حسنِ ضیافت اور شگفتہ کلامی سے متاثر ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی و علمی اور تصنیفی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صدائے دروں: **محمد رضا قادری مصباحی**

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

یاد آتی ہے تمھاری اے قلم کے تاج دار

رات کے پونے بارہ بجے کا وقت تھا، ہر طرف خاموشی تھی کہ اچانک ایک جانکاہ اور دل فگار خبر موصول ہوئی کہ **حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی** اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ یہ خبر سنتے ہی حد درجہ افسوس ہوا اور ذہن میں ان کی مسکراتی ہوئی صورت، محبت بھری گفتگو اور علم و ادب سے معمور محفلیں گردش کرنے لگیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت علمی، دینی اور ادبی حلقوں کے لیے ایک بڑا خسارہ ہے، تحریر و تصنیف کے میدان میں ان کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ وہ ماہنامہ ”اشرفیہ“ کے مدیر تھے، انھوں نے اپنی بصیرت، علمی ذوق اور ادبی شعور کے ذریعے اس رسالے کو علمی و فکری رہنمائی کا ایک مؤثر ذریعہ بنائے رکھا، اس کے علاوہ متعدد دینی و علمی کتابیں تصنیف فرمائیں، جو اہلِ علم کے لیے گراں قدر سرمایہ ہیں۔

ان کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ اہلِ علم اور اصحابِ قلم کی حوصلہ افزائی میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ طلبہ کو مطالعہ، تحقیق، مقالہ نگاری اور مضمون نویسی کی طرف رغبت دلاتے تھے اور ان کی علمی صلاحیتوں کو نکھارنے میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ آپ کا یہ جذبہ بے شمار طلبہ کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوا اور بہت سے اہلِ علم آپ کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے مرہون منت ہیں۔

راقم مختلف مصروفیات کے باعث مضمون نگاری کے لیے خاطر خواہ وقت نہیں نکال پاتا تھا، لیکن اس کے باوجود ماہنامہ "اشرفیہ" میں تقریباً سات آٹھ مضامین شائع ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام مضامین کی اشاعت کا محرّک اور سبب صرف حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی ترغیب تھی۔ راقم نے ماہنامے میں از خود کبھی مضمون نہیں لکھا، جو کچھ لکھا وہ انھی کے اصرار، رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا۔ علمی ذوق کی آبیاری اور اہلِ قلم کی تربیت ان کے مزاج کا حصہ تھی۔

وہ نہایت ملنسار، خوش مزاج اور کشادہ دل انسان تھے۔ ان کی طبیعت میں سادگی، انکساری اور ملنساری رچی بسی تھی۔ بغض، حسد، کینہ اور عداوت جیسی منفی صفات سے ان کی طبیعت یکسر ناآشنا تھی۔ اگر کبھی کسی سے کسی معاملے میں ناراضی اور غصے کا اظہار کر بیٹھتے، تو زیادہ دیر نہ گزرتی کہ وہی شخص ان کے ساتھ ہنستا مسکراتا نظر آتا۔ ان کا دل کدورتوں کو سنبھال کر رکھنے کا خوگر نہ تھا، بلکہ محبت، درگزر اور اخوت ان کی فطرتِ ثانیہ تھی۔

کبھی کبھار اپنے آفس سے نکل کر ہمارے کارخانے میں تشریف لاتے، اور اپنی علمی گفتگو اور دل نشیں مباحث سے محفل کو معطر اور خوشگوار بنا دیتے۔ ان کی مجلس، علم و ادب کا گہوارہ اور محبت و اخلاص کا مرقع ہوتی تھی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی زندگی علم، اخلاق، خدمت اور اخلاص کا حسین امتزاج تھی۔ ان کی رحلت سے ایک ایسا چراغ گل ہوا ہے جس کی روشنی سے بے شمار افراد مستفید ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی نیکیوں کو شرفِ قبول بخشے، ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان، متعلقین، شاگردوں اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

از: **(مفتی) ناصر حسین مصباحی**
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

سادگی اور للّٰہیت کا حسین نمونہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ"

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ممتاز استاذ، باوقار عالم دین، مخلص مربی اور بے شمار طلبہ کے محسن، حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کے وصال کی خبر سن کر دلی صدمہ اور گہرے رنج کا احساس ہوا۔ ان کا انتقال نہ صرف جامعہ اشرفیہ بلکہ علمی و دینی حلقوں کے لیے ایک بڑا خسارہ ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی اشاعت، طلبہ کی تربیت اور جامعہ اشرفیہ کی خدمت میں صرف کر دی۔ ان کی تدریسی مہارت، حسنِ اخلاق، شفقت، اخلاص اور علمی وقار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ اپنے شاگردوں کے لیے ایک مشفق استاذ اور خیر خواہ مربی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی مجلس علم و عمل، سادگی اور للّٰہیت کا حسین نمونہ تھی۔

مجھے ذاتی طور پر ان سے خصوصی تعلق اور قربت حاصل رہی۔ ان کی محبت، شفقت اور دعائیں میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کے وصال سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔ یقیناً ایسے مخلص اور باعمل علما صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کی جدائی اہلِ علم کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہوتی ہے۔

میں اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کی جانب سے جامعہ اشرفیہ کے ذمہ داران، اساتذہ، مرحوم کے اہلِ خانہ اور تمام پس ماندگان کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر کرے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، انھیں اعلیٰ علیین میں انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے

ساتھ جگہ عطا فرمائے، اور ان کی علمی و دینی خدمات کو ان کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

تعزیت کنندہ: **قاری محمد اخلاق حبیبی فتح پوری**

آج بھی مجھ کو وہ ماضی کا زمانہ یاد ہے

حضرت مولانا مبارک حسین مرحوم ایک خوش مزاج ملنسار بااخلاق و بامروّت انسان تھے۔ خالی اوقات میں اکثر میں ان کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز ”مبارک پور میں نعت نگاری کا تذکرہ“ چھڑ گیا تو آپ نے فرمایا ماسٹر صاحب یہ موضوع آپ کے ذوق و مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی توجہ فرمائیں تو مبارک پور کی نعتیہ شاعری کا ایک وقیع تذکرہ مُرتّب ہو جائے۔

میں نے ان کی گفتگو کو سنجیدگی سے سنا اس کام کو انجام دینے کا وعدہ کر کے اُٹھا۔ قدیم و جدید شعرا کی تعداد کو دیکھتے ہوئے صرف ان شعراء کو مروّجین میں سے لیا جو سہی معنوں میں شاعر تھے اور موجودہ شعراء میں ان کا انتخاب کیا جن کی عمر ساٹھ برس یا اس سے زیادہ تھی۔ اس معاملہ میں حضرت مولانا محمد خلیل گوہر مصباحی صاحب اور مولانا قمرالزماں مصباحی مبارک پوری سے تعاون کی درخواست کی ان دونوں حضرات نے مرحومین اور موجودہ شعراء کے حالات اور کلام عطا کیے سے اس طرح ”مبارک پور کی نعتیہ شاعری“ (حصّہ اوّل) کا مجموعہ منظرِ عام پر آیا جسے پڑھ کر مولانا مبارک حسین مصباحی نے پسندیدگی کا اظہار کیا اس کتاب میں ساٹھ شعرا ہیں جن صرف آٹھ شعرا بقیدِ حیات ہیں۔ میں اپنی بات یہیں ختم کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

اُن کی فرمائش کا وہ منظر سہانا یاد ہے
اور اس کارگراں پر فتح پانا یاد ہے
بھول سکتی ہی نہیں مظہرؔ کبھی وہ گفتگو
آج بھی مجھ کو وہ ماضی کا زمانہ یاد ہے

سوگوار:

مظہر چشتی۔ بیتول (ایم۔ پی)

18 جون 2026ء

جماعت اہل سنت ایک عبقری شخصیت سے محروم ہوگئی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

سوشل میڈیا کے ذریعے یہ رنج انگیز خبر موصول ہوئی کہ جماعتِ اہل سنت کے عظیم قلم کار، قابلِ فخر فاضلِ اشرفیہ، درجنوں کتابوں کے مصنف، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیر، حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طویل علالت کے بعد اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اس جانکاہ خبر نے دل و دماغ پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری کر دی، عقل و شعور پر گویا ایک سناٹا چھا گیا، آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور حضرت کی دل آویز یادیں ذہن کے دریچوں پر دستک دینے لگیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نہایت شفیق، انتہائی خلیق، مہمان نواز اور علم و فضل کے پیکر تھے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جب بھی حاضری کا شرف حاصل ہوا، حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہونے اور مختلف علمی و ادبی موضوعات پر گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن حیدرآباد کی متعدّد مطبوعات حضرت کی خدمت میں پیش کیں جنھیں دیکھ کر حضرت بہت خوش ہوئے۔ ہماری بعض کتابوں کے لیے آپ نے مقدمات تحریر فرمائے اور اپنے شہرۂ آفاق رسالہ ماہنامہ اشرفیہ میں ہماری کئی تصنیفات پر تبصرے بھی شائع فرمائے۔

حضرت والا بے شمار اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔

آپ ایک کامیاب مدرس، صاحبِ طرز مقالہ نگار، قابلِ قدر محقق، عظیم صحافی اور شاندار خطیب و واعظ تھے۔ اپنی ادارت، علمی و تحقیقی مضامین، ادبی تبصروں اور فکری نگارشات کے ذریعے آپ نے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے وقار واعتبار کو نئی بلندیوں سے ہم کنار کیا۔ آج آپ کی وفات سے جماعتِ اہل سنت ایک ایسی عبقری شخصیت سے محروم ہوگئی ہے جس کے پیدا کردہ خلا کو پُر کرنا آسان نہیں۔

اللہ رب العزت حضرت کی تمام علمی، دینی اور صحافتی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات اور فردوس بریں کے بالا خانوں میں جگہ عطا فرمائے، اور پسماندگان بالخصوص حضور عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ اور بالعموم اساتذۂ کرام، طلبۂ جامعہ اشرفیہ اور متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزیل نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شریکِ غم: **بشارت علی صدیقی و جملہ اراکین**

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد

افق صحافت کا روشن ستارہ گہن آلود ہو گیا

فخر صحافت ،وقار فکر و قلم ،نازش تقریر و تحریر ،ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی ذات گرامی دنیاے سنیت میں قطعی محتاج تعارف نہیں تھی۔ آپ کی گل بداماں اور گل ریز شخصیت علم کا پیکر، قلم کا دھنی اور زبان وادب میں اپنے معاصرین میں ممتاز حیثیت کی حامل تھی ۔فکر و فن کی اس قدر گہرائی کے باوجود انکساری، عاجزی، کسرنفسی اور بے ریائی کوئی آپ سے سیکھے۔

آپ کی قلمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے آپ کی تحریروں میں قوت استدلال، ادبی لطافت، فکری بلندی اور زبان کی دلکشی سطر سطر سے نمایاں تھی۔ آپ کا شمار جماعت اہل سنت کے ان باوقار علما میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی زبان وقلم کے ذریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے افکار و نظریات کو گھر گھر عام کرنے میں بڑا کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ نے ایک مخلص داعی کی حیثیت سے وعظ وتذکیر کی راہ میں بھی اصلاح کے پھول کھلائے جس کی خوشبوؤں سے مسلمانوں کی مشام جاں آج بھی معطر ہے آپ کا داعیانہ کردار بھی بڑا انوکھا اور منفرد تھا آپ جب کسی اجلاس سے خطاب فرماتے تو آپ کی شبنمی گفتگو کی لذتوں سے روح کا خلوت کدہ سرشاری کا مزہ لیتا اور سامعین کی آنکھیں چھلک پڑتیں۔ گفتگو اس قدر پر تاثیر ہوتی جو براہ راست دل کے دروازے پر دستک دیتی اور ہر سننے والا اپنے اندر ایک کیف، ایک سرور اور سرمستی محسوس کرتا۔

1989ء ماہ جنوری میں فراغت ہوئی اور اگلے سال اپنے مادر علمی از ہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اپنی تدریس کی بساط بچھا کر علم کی شمع روشن کی اور اس تین دہائیوں کے طویل عرصے میں جماعت اہل سنت کی نشر واشاعت اور فروغ وترقی کے لیے علماے کرام کا قابلِ قدر دستہ تیار کیا جس میں ادیب بھی ہیں اور خطیب بھی، فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی، محقق بھی ہیں اور نقاد بھی، مسلک رضا کے مخلص داعی بھی ہیں اور دین متین کے سچے سپاہی بھی الغرض آپ نے قوم کو وہ سب کچھ دیا جس کی جماعت کو ضرورت تھی۔ آپ نے بہت سے کتب ورسائل تحریر کیے اور جس موضوع پر بھی آپ نے قلم اٹھایا اس عنوان کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ قلم سیال، لہجے میں نزاکت، زبان وبیان نہایت سلیس اور ہر بات قاری کے دل میں اتر جانے والی یعنی یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی ذات ہشت بہشت پہلو لیے ہوئے ہے۔ خداے ذوالجلال آپ کی ہر دینی، اصلاحی، تبلیغی، تعلیمی اور مذہبی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان سب کو آپ کی مغفرت کا سامان بنائے۔ آمین

شمیم القادری تیغی عزیزی مصباحی

قاضی ادارہ شرعیہ مظفر پور بہار

افقِ صحافت کا روشن ستارہ گہن آلود ہو گیا

فخر صحافت، ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے وصال کی خبر موصول ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

اسی خبر نے ہمیں اور دار العلوم انوار رضا نوساری، گجرات کے تمام اساتذہ، طلبہ اور وابستگان کو صدمے سے دوچار کر دیا۔

حضرت اپنے حسن اخلاق، دینی وابستگی، خاندانی روایات اور اور خدمت دین کے جذبے کی وجہ سے اہل تعلق کے درمیان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا انتقال نہ صرف تمام متعلقین و محبین کے لیے بلکہ اہل سنت و جماعت کے لیے ایک بڑا نقصان ہے۔ ایسے مخلص اور با اخلاق افراد کا دنیا سے رخصت ہو جانا ایک خلا پیدا کر دیتا ہے جس کی تلافی آسان نہیں ہوتی۔

دار العلوم انوار رضا، نوساری، گجرات کی جانب سے ہم آپ تمام اہل خانہ متعلقین اور سوگواران کے حضور دلی تعزیت پیش کرتے ہیں۔ ہم اس غم کی گھڑی میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کو اپنی رحمت کاملہ سے نوازے، ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو، اہل خانہ کو اور تمام وابستگان کو صبر جمیل اجر عظیم اور اس صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین والسلام

مولانا غلام مصطفیٰ قادری برکاتی

بانی و مہتمم دار العلوم انوار رضا، نوساری

مولانا سرفراز احمد

(صدر مدرس دار العلوم انوار رضا)

افقِ صحافت کا روشن ستارہ گہن آلود ہو گیا

4 جون 2026ء بروز جمعرات وہاٹس ایپ پر ایک انتہائی اندوہ ناک خبر نظر سے گزری جس کو پڑھ کر سکتے میں آ گیا، مگر دل کسی طرح قبول کرنے سے انکاری تھا کہ مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے سابق مایہ ناز فرد مولانا مبارک حسین مصباحی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

یہاں امریکہ میں مولانا عبد الرب صاحب سے گفتگو کی تو انھوں نے بھی تصدیق کر دی مگر مزید اضطراب بڑھتا رہا، پھر اشرفیہ میں حضرت مولانا نفیس احمد صاحب کو فون کیا انھوں نے تفصیلات سے آگاہ کیا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی سے امریکہ آنے سے قبل ایک ملاقات جن دنوں میں کرلا ممبئی میں مدرسہ سبحانی میں تدریسی فریضہ انجام دے رہا تھا سرسری طور پر ہوئی تھی۔ پھر امریکہ آنے کے بعد 1996ء میں ایک سفر کے دوران دہلی میں رضوی کتاب گھر میں ہوئی تھی اس وقت ان کے ہمراہ مفتی زاہد علی سلامی صاحب بھی تھے۔ بعد ازاں قلمی رابطہ اور پھر بعد میں ٹیلیفونک رابطہ برقرار رہا۔ وہ ایک انتہائی زیرک اور اخاذ طبیعت کے مالک تھے۔ رب کریم نے ان کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ایک اچھے مقرر، عمدہ مدرس اور بلند فکر مگر جس چیز نے ان کو منفرد لہجے میں متعارف کروایا وہ ان کا علمی اسلوب تھا۔

ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت سنبھالنے کے بعد انھوں نے ماہنامہ کو اتنی بلندیوں پر پہنچا دیا کہ اس جدید دور میں اشرفیہ اپنی منفرد شناخت بنانے میں بھرپور کامیاب رہا۔ آج کے اس دور میں اشرفیہ کو بہر نوع معیاری سے معیاری جریدے کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ مضامین، ترتیبات، عسری اسلوب، لسانی شگفتگی اور عروضی نظریہ سب کچھ انھوں نے اشرفیہ کو بخشا۔ ان کی کوششوں سے مذہبی ادب اور لسانی تقابل دونوں کا امتزاج اس ماہنامے میں در آیا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے معیاری، قد آور اور ماحول شناس مدیر تھے۔ اُن کا جانا بہت بڑا خلا پیدا کر گیا مگر مشیتِ الٰہی اور تقدیرات کے فیصلے انمٹ ہوتے ہیں جو پورے ہو کر رہتے ہیں۔ برسوں سے وہ امراض سے مقابلہ کر رہے تھے مگر کبھی بھی انھوں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ حالاں کہ گفتگو کے دوران ڈھیر سارے موضوعات پر گفتگو رہی لیکن اپنے اس پہلو کو وہ ہمیشہ چھپا کر رکھتے، یہ تو مولانا نفیس صاحب نے بعد میں سب باتیں بتائیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں مگر ان کے کارنامے انھیں برسوں زندہ رکھیں گے۔

رب کریم حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدقے ان کی برزخی اور اخروی زندگی کو اپنی رحمتوں سے کامیاب فرمائے اور جبت کی نعمتیں کرم فرمائے، فروگذاشت کو معاف فرما کر درجات بلند فرمائے، اہلِ خانہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، اور الجامعۃ الاشرفیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

شریکِ غم:

محمد قمر الحسن قادری غفرلہ

امریکہ

(ص358 کا بقیہ)

جب کوئی مضمون یا مراسلہ اخبار میں پڑھتے تو وقتاً فوقتاً فون کرکے حوصلہ افزائی فرماتے۔ ادنی سی گزارش پر ناچیز کی کتاب "فکر و نظر" پر نہ صرف نظر ثانی فرمائی بلکہ سات صفحات پر مشتمل تقدیم بھی سپرد کتاب کی۔ آج وہ ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے لیکن اپنی خوبیوں اور اعلی کارناموں کی بدولت تاریخ کے صفحات اور اہل علم کی محفلوں میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے۔ تاریخ اشرفیہ میں ان کا نام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ مولانا محمد عظیم ازہری استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن نے بھی علامہ کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ فخر صحافت علامہ مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ قرطاس و قلم کی دنیا میں نوجوان علما و طلبہ کے مقتدا و پیشوا تھے۔ آپ نے ماہنامہ اشرفیہ کے ذریعہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کے ساتھ اردو زبان و ادب کے فروغ میں بھی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کے صدر اعلیٰ حاجی سید رسول حسن برکاتی اور منیجر حاجی محمد افتخار حسین برکاتی نے بھی اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے تعزیت پیش کی۔

صلاۃ و سلام اور قل شریف کے بعد صدر القراء حضرت قاری ذاکر علی قادری نے علامہ کے حق میں ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی۔ اس موقع پر مولانا قاری جمیل احمد نظامی، قاری نور محمد اشرفی، قاری محمد ظفیر رضوی، قاری محمد ایوب اشرفی، مولانا محمد فہیم مصباحی، مولانا عبد القیوم مصباحی، ماسٹر مظہر حسین، قاری محمد احمد ضیائی، قاری تبریز عالم قادری، قاری غلام جیلانی ضیائی و دیگر اساتذہ و طلبہ موجود تھے۔ از: **محمد عرفان قادری**

خادم تدریس و صحافت مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ ■■■

خیابانِ حرم

قطعۂ تاریخ وصال

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، سابق صدر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔62

ہائے مولانا مبارک ہو گئے رخصت میاں ۔۔۔ تھا قلم بیباک جن کا، تھی زباں جن کی رواں

اشرفیہ میں انھیں تدریس کی خدمت ملی ۔۔۔ سیکڑوں طلبہ کے تھے استاذ ورہبر بے گماں

مسندِ تدریس پر برسوں رہے جلوہ فگن ۔۔۔ تشنگیِ علم کرتے دور جو آتا یہاں

دعوت و تبلیغ میں اپنی گذاری عمر سب ۔۔۔ جس نے بھی ان کو بلایا بے خطر پہنچے وہاں

پرورش، لوح و قلم کی عمر بھر کرتے رہے ۔۔۔ ماہنامہ اشرفیہ ان کی کاوش کا نشاں

صاحبِ خلق و مروت، پیکر اخلاص وہ ۔۔۔ اس کے منھ سے پھول جھڑتے بات جب کرتا میاں

اک سڑک کے حادثہ میں جاں بلب زخمی ہوئے ۔۔۔ ان کے زندہ بچنے کا مفقود تھا وہم وگماں

مرضیِ رب تھی کہ زندہ بچ گئے ورنہ کہ وہ ۔۔۔ حادثہ ایسا تھا کہ بس "الحفیظ و الاماں"

حکم ربّی آ گیا پھر خلد کی جانب چلے ۔۔۔ چھوڑ کے سب کارِ دنیا ، رشتہ ناطہ ناگہاں

بخش دے ساری خطائیں ان سے جو سرزد ہوئیں ۔۔۔ جنت الفردوس میں دے اے خدا اعلیٰ مکاں

جب قلم لکھنے چلا مرحوم کا قطعۂ وصال ۔۔۔ دل بضد تھا کہ لکھوں میں ان کو میرِ کارواں

ہاتفِ غیبی نے پھر کانوں میں چپکے سے کہا ۔۔۔ لکھنا انجم تم وہی جو ان کے ہو شایان شاں

"بائے" "بسم اللہ" کے پڑھیے یہ سال وصال ۔۔۔ "مستقل اب ان کا مسکن ہو گیا باغ جناں"

2 ۔۔۔ 2026 = 2024 + 2

جواہر تحریر دے گیا

کاوش: مولانا سلمان رضا فریدی صدیقی مصباحی

زیبِ قرطاس وقلم، فخرِ صحافت، مدیر ماہنامہ اشرفیہ، مفکر قوم وملت، ممتاز ادیب وخطیب اہلسنت، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ کی یاد میں ....
تاریخ وصال، 17 ذی الحجہ 1447، 4 جون 2026 شبِ جمعہ مبارکہ

لعلِ سخن ، جواہر تحریر دے گیا
بزمِ قلم کو اک نئی توقیر دے گیا

اُس کی رگوں میں خوں کی جگہ روشنائی تھی
وہ ظلمتوں کو خامۂ تنویر دے گیا

کردار جاوداں ہے مبارک حسین کا
تخریب میں بھی وہ رہِ تعمیر دے گیا

بیتاب ہے جہانِ سخن اس کی موت پر
اہلِ سنن کو صدمۂ دلگیر دے گیا

رب مغفرت کرے کہ ضیائے قلم سے وہ
ذروں کو بھی اجالے کی تاثیر دے گیا

الفاظ کو ستاروں کے پیکر میں ڈھال کر
کاغذ پہ کہکشاں کی وہ تصویر دے گیا

لکھتا رہا وہ فیضِ عزیزی کی چھاؤں میں
وہ ہم کو علم و حکمت و تدبیر دے گیا

ترویجِ ماہنامۂ اشرفیہ کر کے وہ
اعزاز کا ذریعۂ اکسیر دے گیا

فکر رضا سے اس کا قلم تاب دار ہے
وہ شر کو زیر کرنے کی شمشیر دے گیا

لاکھوں دلوں کو ذوق ادب سے سنوار کر
چشمِ خیال و خواب کو تعبیر دے گیا

مدھم نہ ہونگی اُس کے دبستاں کی رونقیں
کیا رنگ وہ ادیبِ جہاں گیر دے گیا

اہل قلم نہ بھولیں گے اُس کی محبتیں
وہ طرزِ فن نوازی کی تفسیر دے گیا

دل خود ہے قید جس کے حصارِ خلوص میں
اپنوں کو چاہتوں کی وہ زنجیر دے گیا

اُس ساقیِ ادب پہ فریدی ہوں رحمتیں
ملت کو جام آگہی وہ میر دے گیا

توشیحی نظم

در شان آبروے قلم، فخرِ صحافت، مفکرِ ملت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ

==========نتیجۂ فکر : مولانا طفیل احمد مصباحی==========

(م) ' مبارک ' ماہِ تابانِ صحافت — قلم کی آبرو ، زیبِ خطابت
(ب) براے دعوت و تبلیغ حضرت — رہے کوشاں بصد اخلاص و محنت
(ا) ادب کے آسماں کے ماہِ کامل — شعور و آگہی و فن کے حامل
(ر) رہِ عشق و وفا کے آپ راہی — اذانِ عشق و الفت کے مُنادی
(ک) کریم النفس تھے اخلاق اعلیٰ — شریف و با حیا ، دانا و بینا
(ح) حُدی خوانِ جماعت ، داعیِ دیں — عزیزی گلستاں کے ایک گلچیں
(س) سدا لوح و قلم سے رکھّا رشتہ — رہا ابطالِ باطل ان کا پیشہ
(ی) یمِ تحریر ان کا موج زن تھا — قلم ان کا وہابیّت شکن تھا
(ن) نقیبِ ملتِ بیضا، مفکر — محقّق ، ناشرِ مسلک، محرّر
(م) مصنّف، صاحبِ اسلوب نثّار — رضائے حق تعالیٰ کے طلب گار
(ص) صحافی ، صاحبِ فکر و بصیرت — خسارہ دین کا ہے ان کی رحلت
(ب) بڑی بیباک تھی ان کی خطابت — طرب انگیز تھی ان کی صحافت
(ا) ادب ان کا براے زندگی تھا — ادب ان کا براے بندگی تھا
(ح) حفاظت دین کی کرتے رہے وہ — رہِ حق پر سدا چلتے رہے وہ
(ی) یہی خورد و کلاں سب کہہ رہے ہیں — ”مبارک“ سوے جنت چل بسے ہیں

---****---

اشک تعزیت

آبروے قلم علامہ مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

از قلم: از۔ **مولانا واصف رضا واصف** مصباحی مدھوبنی بہار

رات کی تاریکیوں میں نبض رک جاتی ہے کیوں
زندگی پھر نیند کے بستر پہ مرجاتی ہے کیوں

کاٹنے کو دوڑتی ہیں آج کیوں تنہائیاں
آج کیوں ماتم کناں ہیں شوق کی پہنائیاں

کیوں بہاریں آج آتی ہیں مہک چھوڑے ہوئے
بھاگتی ہے کیوں خوشی چپکے سے منھ موڑے ہوئے

بدلا بدلا کیوں ہے موسم کا مزاج دلربا
کیوں نظر آتی ہے ہر ساعت قیامت آشنا

کیا ہواؤں میں کوئی غم ہے جو روتی ہے فضا
فرش گیتی پر کوئی واقع ہوا ہے سانحہ ؟

کیا معمہ ہے اداسی کا، ہیں لمحے کیوں خلاف
کس نے ڈالا مسند حسرت میں رحلت کا غلاف

رات کی تاریکیوں میں کیسا ماتم چھا گیا
رزم گاہ زندگی سے کون آخر چل بسا

کچھ تو ہوگا اس پریشاں کن علامت کا سبب
کچھ تو کہیے ابتلا میں کیوں ہے ڈوبی آج شب

دل سنبھالو، ہوش رکھو اور سنو وہ حرفِ غم
ہو گیا دنیا سے رخصت آج اک جان قلم

انجمن در انجمن جس کی تھی قائم آب و تاب
جس کی شخصیت تھی اہل علم میں عزت مآب

جس کا علمی طنطنہ تھا اشرفیؔہ کا وقار
گلشن تدریس میں جس سے مچلتی تھی بہار

وہ اداؤں میں بزرگوں کی امانت کا امین
ذات نستعلیق تھی چہرہ تھا حد درجہ حسین

وضع داری جس کی تھی تنظیم سیرت کا مدار
کس قدر تھا اس گل رعنا میں فن کا اعتبار

وہ کہ از سر تا قدم لوح و قلم کی آبرو
جس کی فکری وسعتوں کا تذکرہ تھا کوبہ کو

جس کی قلمی بیکرانی میں تھا صدیوں کا وفور
جس کے ہر لفظ گراں مایہ میں تھا حکمت کا نور

جس نے بخشی تھیں صحافت کے افق کو سرخیاں
جس سے تھیں لوح وقلم کی بزم میں خوش رنگیاں

جس کی دانش مندی کا تھا معترف آفاق کُل
حیف وہ مصباح بینش ہو گیا ہے آج گل

چل بسا دنیاے رنگ و بو سے اک ذہن رسا
جس کی خاموشی تموج خیز تھی بے دغدغہ

جس کی چپ میں قوم کی تعمیر کا تھا ولولہ
جس کی باتوں میں تھا عصری حسیت کا غلغلہ

وہ محقق وہ مدرس وہ شناور علم کا
افتخار اہل سنت ، تھا وہ پیکر حلم کا

بھیڑ سے ہٹ کے رکھا قلمی امانت کا خیال
اس لیے تازہ رہا تا عمر احساس جمال

جس کی تصنیفات میں ہیں فن کے گل بوٹے کھلے
جس کی فکری کارگہ کے نت نئے ہیں زاویے

وہ بزرگوں کی دعاؤں سے درخشندہ رہا
اعتماد اہل دانش بن کے وہ زندہ رہا

جس کا اسلوب نگارش جیسے ہو کھلتا گلاب
پھوٹتی تھی جس کے خامے سے شعاع آفتاب

جس نے تحریری روایت کو دیا رنگ نشاط
جس کی ہے ہر سطر سے ظاہر کمال احتیاط

حافظ ملت کے گلشن کا گل رعنا گیا
ہے لبان دہر پر اب حسرتا وا حسرتا

حیف علامہ مبارک نازش اہل قلم
آپ کی رحلت پہ ہے اہل سنن کی آنکھ نم

آپ کی رحلت ہے ملت کے لیے اک سانحہ
آپ کی روپوشی سے اک عہد کا ہے خاتمہ

آپ کے ہر کارنامے کو خراج و تہنیت
لائق تسلیم دائم آپ کی ہے علمیت

آپ کو تسلیم اے شہر خموشاں کے چراغ
آپ کی رعنائیاں باقی رہیں گی باغ باغ

آپ کے مرقد میں اترے نور و رحمت کا ہلال
جلوۂ زیبا کی تابش سے لحد ہو پر جمال

آپ کی خدمات کو بخشے خدا عزت کا تاج
حشر تک روشن رہے حرف نوشتہ کا سراج

آہ! علامہ مبارک حیف اے ممدوح فن
آپ کے جانے سے نم دیدہ ہے قمری چمن

حرف تعزیت ہے واصف کا نہایت پر ملال
لب سلے ہیں، دل میں غم ہے، بند ہے باب خیال

---****---

منظوم تعزیت نامہ

نتیجۂ فکر: مولانا **ازہر القادری**، جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹھنا، سدھارتھ نگر

ببارگاہ حضور عزیز ملت، نعیم ملت، اہل خانہ، اساتذۂ کرام وطلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ۔
بموقع سانحۂ ارتحال: آبروئے قلم، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ

چھوڑا جو کچھ بھی، مبارک ہے اثاثہ تیرا
اشرفیہ میں جھلکتا ہے سراپا تیرا

رام پور کا تھا مبارک، ہے مبارک پور میں
کتنا اچھا ہے مرے یار نصیبہ تیرا

ناشر فکر رضا محسن اہل سنت — دنیا کرتی ہے بڑی شان سے چرچا تیرا
تیرا کردار منور ہے، مبارک ہے، حسیں — چاند جیسا ہے چمکتا ابھی چہرہ تیرا
تیرے مداح ہیں مارہرہ کے پیران عظام — ہے بریلی بھی بدایوں بھی کچھوچھہ تیرا
نیک نامی ہے بہرسمت، بہرسو، ہرجا — عالم قدس بھی پڑھتا ہے قصیدہ تیرا
مخلصی، نیک خوئی، خوب ملنساری تھی — تھا بہرحال تھا اخلاق بھی عمدہ تیرا
روز روشن کی طرح بات ہوا کرتی تھی — نہ پہیلی نہ کوئی قول معمہ تیرا
ناز کرتے ہیں سبھی ملکہ، مہارت پہ مگر — تجھ پہ خود نازاں مرے یار ہے ملکہ تیرا
تیری حرکت سے جنم پائے لکھاری کتنے — کتنے پڑھ پڑھ کے لکھے جو رہا لکھا تیرا
توہی تو آن قلم، بان قلم، شان قلم — یوں کھنکتا ہے ادب خانوں میں سکہ تیرا
نمبرات آئے تیرے دور میں کتنے پیارے — ہم نے اس وصف میں ثانی نہیں پایا تیرا
گویا تھے حضرت مصباحی محمد احمد — ہے قلم بیٹے مبارک بہت اچھا تیرا
روشنائی تھی بھری خون کی جا، رگ رگ میں — کاٹ کر رکھ دیا ظلمات کو خامہ تیرا
کیوں نہ جلتے ہی رہیں ”شہر خموشاں کے چراغ“ — تھا انھیں خون جگر دے کے جلانا تیرا
آبرو بزم صحافت کی تری ذات حسیں — نام ادبائے زمانہ میں ہے لکھا تیرا
آہ! غمگین ہیں قرطاس و قلم ، روتے ہیں — تیرے جملے ترے کلمات بھی نقطہ تیرا
چار سو شان خطابت کی بھی دھومیں ہیں مچی — خود مرے شہر میں کیا خوب تھا خطبہ تیرا
صاحب فکر ونظر جامع علم و حکمت — گردش چرخ بصیرت پہ تھا قبضہ تیرا
غم سے سینہ ہے پھٹا چشم جہاں پرنم ہے — کیسا پر درد ہے، دل گیر ہے صدمہ تیرا
اشرفیہ میں بچھی تھی صف ماتم واللہ! — جب اٹھا یار ہزاروں میں جنازہ تیرا
تومبارک تھا، مبارک ہے، مبارک ہی رہے — کرتے دیدار رہے علما و طلبہ تیرا
مرحبا شان امامت تھے عزیز ملت — "باغ فردوس" میں رکھا تھا جنازہ تیرا
روضۂ حافظ ملت کی شعاعیں تھیں نثار — جب کہ اس سمت سے مدفن ہوا جانا تیرا
لے کے نم آنکھیں کھڑے تھے وہ نعیم ملت — فرط غم میں تھا عجب چاہنے والا تیرا
چار سو سوگ میں ڈوبے تھے عزیزان چمن — ہر کسی کو نظر آتا تھا وہ چہرہ تیرا

اشرفیہ کے در و بام بھی نوحہ خواں تھے — ان کو بھی راس نہ آیا ابھی جانا تیرا
بعد مردن بھی ابو الفیض کی قربت ہے ملی — تھا مبارک، ہے مبارک ابھی رشتہ تیرا
حافظ ملت بیضا کے حسیں روضے سے — تھوڑی ہی دور بنا یار ٹھکانہ تیرا
اشرفیہ! تری نسبت پہ یہ ازہر ہے نثار — مرکے بھی مر نہ سکا زندہ ہے بیٹا تیرا

ازہؔر ہند سے پیغام ملے گا کوئی
ہر کوئی آج بھی یوں تکتا ہے رستا تیرا

---****---

مشہور صحافی ہے قلم کار مبارک

نتیجۂ فکر: **مولانا ازہر القادری**، جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹھنا، سدھارتھ نگر
+919559494786 // +919450387786

اللہ کی قدرت کا ہے شہ کار مبارک — سرکارِ دو عالم کا وفادار مبارک
ہے رشکِ قمر نازشِ خور، یار مبارک — روشن ہے چمک دار و ضیا بار مبارک
عرفانِ ادب مطلعِ افکار مبارک — ایوانِ تدبر کا ہے مینار مبارک
افکارِ حسیں کہتے ہیں سو بار مبارک — ہے علم و ادب کا دُرِ شہ وار مبارک
اشرفیہ ہے بنا مصر کا بازار مبارک — یوسف ہے تو، سب تیرے خریدار مبارک
ہے اب بھی نگاہوں میں وہ اندازِ تبسم — یاد آتی ہے شیرینیِ گفتار مبارک
آفاقی مدرس ہے، مفکر ہے، مدبر — مشہور صحافی ہے، قلم کار مبارک
سانسوں سے ملی علمی کرن اہل ادب کو — ہے یاد تری آج بھی ضو بار مبارک
مسلک کی حفاظت کے لیے تا دمِ آخر — ہر دم تو رہا بر سرِ پیکار مبارک
لکھا جو، قلم توڑ لکھا، دیکھا جہاں نے — ہے تیرا قلم واقعی دم دار مبارک
مسلک کے جو باغی ہیں، سدا، ہر گھڑی، اب بھی — ہے ان کے لیے خنجرِ خونخوار مبارک
یہ حافظِ ملت کی عطا، فیض و عنایت — ہے ذات تری، یار! گہر بار مبارک
ہے ذاتِ مسلّم، تری باتیں بھی سند ہیں — ہے کون بھلا جو کرے انکار مبارک
فیضانِ رضا خان رہا نوکِ قلم پر — یوں نجد کے قلعے کیے مسمار مبارک

تو چلتا رہا، بڑھتا رہا، پڑھتا رہا ہے
حُسّاد ترے رہ گئے بے کار مبارک
پھولوں کا چمن، خوشبو و مہکار کا مسکن
ہستی ہے تری گلشن و گلزار مبارک

حیرت میں ہے آزہر کہ کہے وصف تمھارے
ہستی ہے تری صاحبِ اسرار مبارک

---*****---

افسوس ہے

فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں

سوگوار: **مولانا غیاث الدین احمد عارف مصباحی**

چل بسا ہے علم کا بحرِ رواں، افسوس ہے
ہو گیا خاموش وہ نکتہ فشاں، افسوس ہے
سوئے مولیٰ اے مبارک ! آپ تو ہنستے چلے
نوحہ گر ہے جامعہ کا کارواں، افسوس ہے
باغ اشرفیہ میں یہ کیسی قیامت آئی ہے
ان کی رحلت سے چمن پر ہے خزاں، افسوس ہے
مہر برج علم و حکمت آہ پنہاں ہو گیا
ظلمتِ شب میں ہوا گم آسماں، افسوس ہے
کہہ رہے ہیں اہل علم و دانش و تقویٰ سبھی
اب کہاں پائیں گے حق کا ترجماں، افسوس ہے
تھم گیا اب وہ قلم جس کی دھمک تھی چار سو
رورہا ہے یاد میں اس کی جہاں، افسوس ہے
مبتلائے درد ہے اب ہر دل زار و حزیں
رہ گئی ہے اب فقط اک داستاں، افسوس ہے
کیوں نہ ہر اک لب پہ اب تحریر ہو آہ و فغاں
اُٹھ گیا محفل سے وہ روشن نشاں، افسوس ہے
جس کے لب پر رقص کرتی تھی تبسم کی بہار
ڈھا گیا قلب و جگر پر بجلیاں، افسوس ہے
دل ہے زخمی ، آنکھ گر یہ بار ہے ان کے لیے
لکھ رہا ہے مرثیہ دل خوں چکاں، افسوس ہے

نطق میں جس کے تھی عارؔف عارفانہ چاشنی
ہائے رخصت ہو گیا وہ خوش بیاں، افسوس ہے

---*****---

ادیب شہیر
مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت پر

اشک رواں

اشرفیّہ کے درودیوار ہیں گریہ کناں
اس چمن کے سب گل و گلزار ہیں گریہ کناں

آہ ! مولانا مبارک ہم سے رخصت ہو گئے
جن کے غم میں کوچہ و بازار ہیں گریہ کناں

تیری مسند تیری مجلس تیری علمی جلوہ گاہ
تیری یادیں تیرے سب آثار ہیں گریہ کناں

کاٹ دی جس قصر مستحکم میں تو نے زندگی
اس کے علمی گنبدومینار ہیں گریہ کناں

صرف تیرے بیوی بچے ہی نہیں غم سے نڈھال
سینۂ بِریاں لیے احبار ہیں گریہ کناں

آہ ! مصباحی وہ بلبل جس چمن سے اڑ گیا
اس چمن کے گل تو گل، سب خار ہیں گریہ کناں

رنگِ گلہاے ادارت فق ہے یوں عابؔد رضا
عندلیبان گل و گل زار ہیں گریہ کناں

کاوش: **عابد رضا مصباحی**
استاذ مدرسہ ضیاء العلوم ادری مئو

ادیب شہیر
مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت پر

منقبت

ادب کے نور مبارک حسین مصباحی
تھے ذی شعور مبارک حسین مصباحی
خدا کے فضل سے جنت کی آپ کو کیاری
ملے ضرور مبارک حسین مصباحی
نصیبہ! تربتِ عبد العزیز سے مدفن
ہے تھوڑی دور مبارک حسین مصباحی
تمھاری کوچ کا سن کر کے شہر پرنم ہے
وہ رام پور مبارک حسین مصباحی
قلم کی نوک کی رفتار سے ہر اک میداں
کیے عبور مبارک حسین مصباحی
مزار ایک طرف ہے تو اک طرف مسجد
ہے کیا سرور مبارک حسین مصباحی
تھے اپنے فن میں وہ کامل مگر کیے نہ کہیں
کبھی غرور مبارک حسین مصباحی
ملیں گے دیکھنا حق کی ہی سر بلندی میں
سبھی سطور مبارک حسین مصباحی
یتیم کر کے ہم اہلِ ادب کو دنیا سے
چلے ہیں دور مبارک حسین مصباحی

از
محمد ارشد رضا نظامیؔ
متعلم جامعہ اشرفیہ مبارک پور

جان ہے وہ

چمکتے لفظ کی حرف و نوا کی جان ہے وہ
وہ زندگی ہے صدا کی صدا کی جان ہے وہ
حضور حافظ ملت پہ جان ہے قربان
ولی کا عشق ہے عشق و ولا کی جان ہے وہ
عمر کا لہجہ ہے صدیق کی صداقت ہے
خطیب عدل ہے صدق و صفا کی جان ہے وہ
سنائی دیتی ہے آواز ہر طرف اس کی
وہ کوہ علم ہے کوہ ندا کی جان ہے وہ
وہ چھپ تو سکتا ہے لیکن وہ مر نہیں سکتا
فنا کے شہر میں شہر بقا کی جان ہے وہ
نبی کے عشق کے آداب سیکھ لو اس سے
حریم عشق ہے عشق و وفا کی جان ہے وہ
اماموں کا مقرر شہادتوں کا خطیب
کلیم اشک ہے کرب و بلا کی جان ہے وہ
قریب دل ہی نہیں ہے قریب جاں بھی ہے
رضا کی جان ہے احمد رضا کی جان ہے وہ
لگائے رکھتا ہے ناد علی کو سینے سے
فقیر کوچۂ مشکل کشا کی جان ہے وہ
وہ آسمان خطابت کا نیر تاباں
چمکتا چاند ہے بزم ضیا کی جان ہے وہ
قلم سے رشتہ کبھی منقطع نہیں ہوتا
صدائے وقت ہے بانگ درا کی جان ہے وہ
دکھاتا رہتا ہے ہم کو بہار کا موسم
چمن کا حسن ہے اطہر فضا کی جان ہے وہ

حسن رضا اطہر، بوکارو

مکینِ باغ جنت ہو گیا

نورِ علم و آگہی کا اک حسیں مینار تھا
راہِ حق کے ہر مسافر کا وہی غم خوار تھا
درسِ قرآں، درسِ سنت، فیضِ عرفان و ادب
جس کی ہر تقریر میں اخلاص کا اظہار تھا
حق بیانی جس کا شیوہ، جس کا سرمایہ تھا سچ
اہل باطل کے لیے جس کا قلم تلوار تھا
اہلِ سنت کی امانت کی حفاظت کے لیے
ہر محاذ فکر پر وہ بر سر پیکار تھا
وہ مدیرِ باصفا، وہ آبروئے رسمِ خط
سامنے تیغ جفا کے اک قلم بردار تھا
حکمت و دانائی اس کے ہر سخن سے تھی عیاں
اہلِ دانش کی نظر میں معتبر افکار تھا
بانٹتا تھا روشنی کے پھول ہر اک راہ میں
تیرگی کے دور میں اک نور کا مینار تھا
اہلِ علم و اہلِ دل اس کی ثنا خوانی میں تھے
ہر بڑے کی آنکھ کا تارا تھا، دل کا پیار تھا
آج بھی باقی ہیں سانسیں اس کے علم و فیض کی
ہر کلام اس کا یقیناً زندگی آثار تھا

------*****------

اس کے جانے سے ہے برہم نظم و ضبطِ فکر و فن
اس کے جانے سے ہے سونی میرے دل کی انجمن
وہ مبارک، داغِ فرقت دے کے رخصت ہو گیا
چھوڑ کر دنیا مکینِ باغِ جنت ہو گیا

مہتاب پیامی

صدائے بازگشت

جامع الصفات شخصیت

سارا عالم غم زدہ ہے فکر و فن خاموش ہے
سانحہ کیا ہو گیا کیوں انجمن خاموش ہے

محترم الحاج مہتاب پیامی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! بندہ بخیریت ہے، امید کہ آپ بھی بخیریت ہوں گے۔ ہبلی کرناٹک میں بتاریخ 6 جون 2016ء مطابق 19 ذی الحجہ 1447ھ بروز شنبہ احقر رئیس احمد عزیزی مصباحی کی صاحب زادی عالمہ شہربانو اشرفی کی شادی خانہ آبادی کی مشغولیت میں جمعہ کی صبح کو برادر بزرگ حضرت مولانا قاری ابو شکیل مصباحی مبارک پوری نے مجھے اس سانحۂ ہوش ربا کی خبر دی کہ تاجدار صحافت، حضرت مولانا حافظ مبارک حسین مصباحی رام پوری خلیفہ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی وفات ہو گئی ہے۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی معلوم ہوا کہ روح جسم سے نکل رہی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○ پڑھ کر جمعہ کے وقت مسجد میں حاضر ہوا۔ بعد نماز جمعہ قرآن کی تلاوت کروانے کے بعد جلسۂ تعزیت کا انعقاد کیا جس میں حضرت مدیر اشرفیہ الحاج مولانا مبارک حسین مصباحی کے فضائل و مناقب جلیلہ کے بیان کے بعد ایصال ثواب کرا کے شیرینی تقسیم کی گئی۔ آئندہ جمعہ کو بھی ایصال ثواب کرانے کا ارادہ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ پورا فرما کر قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ اپنے قرب خاص میں ان کو جگہ دے۔ مولیٰ تعالیٰ عموماً مسلمانوں کو اور خصوصاً ان کے متعلقین کو صبر جمیل اور اس پر اجر جزیل عطا فرمائے، آمین!

تعزیت کے سلسلے میں عموماً مرحوم کے مدائح اور ان کی قابلیت اور کارنامے بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک عالم و مدرس جانتا ہے کہ ایک مصنف و مفکر میں جو صفات ہونی چاہئیں ان کے وہ جامع تھے اور فن صحافت میں تو وہ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اہل سنت کو جس قدر ان سے فائدہ پہنچا ہے اس کی جزا مولیٰ تعالیٰ کا قرب ہی ہو سکتا ہے مبلغ اہل سنت حضرت مولانا محمد محبوب عزیزی مصباحی مبارک پوری دام ظلہ کے مطالبہ کی وجہ سے یہ چند سطور تحریر کر دی گئیں ہیں۔

باجی صاحبہ، شیخ طریقت حضرت سربراہ اعلیٰ قبلہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، خاندان حافظ ملت کے ہر بزرگ و خورد سے مل کر غم غلط کرنا چاہتا ہوں، لیکن مسافرت میں اتنی دور ہوں کہ فوراً پہنچ بھی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت ممدوح کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دیار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

فقیر: **رئیس احمد عزیزی مصباحی** ادروی، ہبلی کرناٹک

10 جون 2026ء

چند اشعار سے اپنی حاضری درج کرانے کی خواہش

السلام علیکم میرے بھائی مہتاب پیامی!

مجھے معلوم ہے اس وقت آپ بے طرح مصروف ہوں گے۔ ارادہ تھا مختصر ہی سہی مگر کوئی مضمون حضرت مولانا مبارک حسین مبارک صاحب کے حوالے سے پیش کروں مگر میں ان دنوں اپنی غزلوں کی ترتیب کے سلسلے میں مصروف ہوں اس لیے چند اشعار سے اپنی حاضری درج کرانے کی خواہش ہے اگر کہیں کچھ خامی نظر آئے تو دیکھ لیں مہربانی ہوگی اور اگر شامل اشاعت فرما لیں تو مزید مہربانی ہوگی بہر حال جواب کا انتظار رہے گا اخیر میں ایک گزارش میری غزلوں کا مجموعہ انحراف جو جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے اگر آپ کچھ تحریر فرما دیں تو مہربانی ہوگی میں پی ڈی ایف فائل بھجوا دوں گا۔ از: **حسن رضا اطہر**، بوکارو

مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت

اردو اور ہندی اخبارات کے تراشے

مولانا رحمت اللہ مصباحی، نمائندہ روز نامہ انقلاب، مبارک پور

लखनऊ, शुक्रवार
05 जून 2026
विक्रम संवत 2083
ज्येष्ठ कृष्ण पक्ष, नवमी
पृष्ठ - 8 | मूल्य - ₹3.00

जन जन की आवाज़

सच की आवाज़, जनता के साथ

आज का विचार
इल्म वह चिराग है जो इंसान को अज्ञानता के अंधेरों से निकालकर रोशनी की राह दिखाता है।

लखनऊ संस्करण www.janjankiaawaz.com /janjankiaawaz @janjankiaawaz

हज़रत अल्लामा मुबारक हुसैन मिस्बाही के इंतकाल पर दारुल उलूम अनवारे मुस्तफा में ताज़ीयती कार्यक्रम आयोजित

सहाफ़त और इल्मी दुनिया के एक सुनहरे दौर का अंत : मुफ़्ती गुलाम आसी मोनिस

लखनऊ, जन जन की आवाज़

प्रसिद्ध इस्लामी विद्वान, वरिष्ठ पत्रकार, लेखक और इतिहास एवं सीरत के विशेषज्ञ हज़रत अल्लामा मौलाना मुबारक हुसैन मिस्बाही के इंतकाल पर दारुल उलूम अनवारे मुस्तफा, रमज़ान नगर, तेलीबाग, लखनऊ में एक भव्य ताज़ीयती कार्यक्रम का आयोजन किया गया। इस अवसर पर दारुल उलूम के सभी असातज़ा (शिक्षकगण), तलबा (छात्र), प्रबंधन समिति के सदस्य, उलेमा-ए-किराम तथा क्षेत्र के सैकड़ों लोगों ने शिरकत कर मरहूम को श्रद्धांजलि अर्पित की।

हज़रत अल्लामा मौलाना मुबारक हुसैन मिस्बाही (रह.)

मुफ्ती गुलाम आसी मोनिस

कार्यक्रम का शुभारंभ मोहम्मद मंज़र आलम द्वारा पवित्र कुरआन शरीफ की तिलावत से हुआ। इसके बाद मोहम्मद अशरफ रज़ा और अनीस रज़ा ने नातिया एवं मनकबती कलाम पेश कर उपस्थित लोगों को भाव-विभोर कर दिया।

■ इस अवसर पर दारुल उलूम अनवारे मुस्तफा के प्रधानाचार्य मौलाना अर्श मोहम्मद रज़वी ने अपने संबोधन में कहा कि मौलाना मुबारक हुसैन मिस्बाही एक उच्चकोटि के आलिमे-दीन होने के साथ-साथ अत्यंत सादगीपूर्ण और मिलनसार व्यक्तित्व के स्वामी थे। उन्होंने अपने जीवनकाल में उर्दू पत्रकारिता की अभूतपूर्व सेवा की और उसे नई ऊंचाइयों तक पहुंचाने में महत्वपूर्ण योगदान दिया। उन्होंने कहा कि मरहूम का जीवन आने वाली पीढ़ियों के लिए प्रेरणा का स्रोत बना रहेगा।

मुफ़्ती मोनिस का बयान

"मौलाना मुबारक हुसैन मिस्बाही जैसी पत्रकारिता और इल्मी सूझ-बूझ रखने वाली हस्तियां सदियों में कभी-कभार जन्म लेती हैं। उनके निधन से केवल एक व्यक्ति का नहीं, बल्कि उर्दू सहाफ़त और इल्मी दुनिया के एक पूरे युग का अंत हो गया है।"

■ कार्यक्रम में उस समय भावुक वातावरण बन गया जब मौलाना अब्दुस्समद समर कुद्दसी ने अपनी मार्मिक मनकबत प्रस्तुत की। उनकी प्रस्तुति ने उपस्थित लोगों को इतना प्रभावित किया कि अनेक लोगों की आंखें नम हो गईं।

■ इसके बाद दारुल उलूम अनवारे मुस्तफा के उस्ताद एवं मुफ्ती, हज़रत मुफ्ती गुलाम आसी मोनिस ने अपना विस्तृत वक्तव्य दिया। उन्होंने कहा कि मौलाना मुबारक हुसैन मिस्बाही अपने दौर के महान आलिमे-दीन, प्रतिष्ठित पत्रकार और अनुभवी लेखक थे। उन्होंने अनेक महत्वपूर्ण पुस्तकों की रचना की, जिन्हें पाठकों और विद्वानों के बीच व्यापक सराहना प्राप्त हुई।

दारुल उलूम परिवार के साथ खड़े हैं

मुफ्ती गुलाम आसी मोनिस ने अपने संबोधन के अंत में कहा कि दारुल उलूम अनवारे मुस्तफा, लखनऊ के समस्त असातज़ा, तलबा और प्रबंधन समिति के सदस्य इस दुख की घड़ी में मरहूम के परिवार तथा जामिया अशरफिया से जुड़े सभी लोगों के साथ खड़े दिखाई देते हैं।

■ मुफ्ती मोनिस ने कहा कि मरहूम को इतिहास और सीरत के विषयों पर विशेष महारत हासिल थी। वे लंबे समय तक जामिया अशरफिया मुबारकपुर में अध्यापन कार्य से जुड़े रहे तथा माहनामा 'अशरफिया' के मुख्य संपादक के रूप में भी अपनी सेवाएं देते रहे। उनके कुशल नेतृत्व और संपादकीय निगरानी में माहनामा अशरफिया ने उल्लेखनीय प्रगति की और देश-विदेश में अपनी एक विशिष्ट पहचान स्थापित की।

दुआ के साथ संपन्न हुआ कार्यक्रम

कार्यक्रम का समापन सलातो-सलाम के साथ हुआ। अंत में हुज़ूर कायदे मिल्लत हज़रत अल्लामा कारी अब्दुल मतीन कादरी की दुआ पर ताज़ीयती कार्यक्रम संपन्न हुआ। उपस्थित सभी लोगों ने मरहूम के लिए मग़फिरत, बुलंदी-ए-दराजात तथा परिवार के लिए सब्र-ए-जमील की दुआ की।

روزنامہ راشٹریہ سہارا

7، جون 2026 اعلیٰ حضرت فاؤنڈیشن واپی گجرات، مقیم حال واپی گجرات

ممتاز صحافی مولانا مبارک حسین مصباحی کی تعزیتی نشست جاری

عوام و خواص کے درمیان ان کی مقبولیت اور جامعہ اشرفیہ سے ان کی وابستگی ان کی شناخت بن چکی تھی:- پروفیسر سید محمد امین میاں

مبارک پور، اعظم گڑھ (شادان رضوی) جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تاریخی اور مرکزی مسجد "عزیز المساجد" میں ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ، ممتاز عالم دین، معروف مذہبی صحافی، خطیب اور مصنف مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے ایصال ثواب کے لیے ایک پروقار دعائیہ و تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقع پر قرآن کریم کی تلاوت، اجتماعی قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا، جس میں مرحوم کے ساتھ دیگر مرحومین کے لیے بھی ایصال ثواب کیا گیا۔ اس موقع پر متعدد علماء کرام نے مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی علمی، دینی، صحافتی اور ملی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی وفات سے علمی و صحافتی حلقوں میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا آسان نہیں۔ انہوں نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک علم و ادب، تصنیف و تحقیق، وعظ و ارشاد اور دینی صحافت کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور اپنی تحریروں و تقاریر کے ذریعے لاکھوں افراد کی فکری رہنمائی کی۔ مولانا کے وصال کے بعد ملک و بیرون ملک سے تعزیتی پیغامات اور اظہار افسوس کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ تاج المشائخ حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری مارہرہ شریف نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا مرحوم ایک تجربہ کار مذہبی صحافی، بلند پایہ خطیب اور نہایت منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے۔ عوام و خواص کے درمیان ان کی مقبولیت اور جامعہ اشرفیہ سے ان کی وابستگی ان کی شناخت بن چکی تھی۔ سنی دعوت اسلامی کے امیر مولانا شاکر علی نوری نے اپنے پیغام میں کہا کہ ایک ایسا صاحب علم ہم سے جدا ہو گیا جس نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت، قلم کی آبیاری اور اہل سنت کی فکری رہنمائی کے لیے وقف کر دی۔ ان کی تحریروں میں علمی وقار، فکری گہرائی اور ادبی شائستگی نمایاں تھی۔ انہوں نے مرحوم کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خصوصی دعاؤں کا بھی اظہار کیا۔ نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا عبید اللہ خان اعظمی نے کہا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے طویل عرصے تک نسل نو کی تربیت، علمی تحقیق اور دعوتی خدمات کو اپنی زندگی کا مشن بنائے رکھا۔ ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ڈاکٹر رہبر مصباحی اور ناظم اعلیٰ جامعہ فاطمۃ الزہراء دربھنگہ مولانا تحسین رضا مصباحی نے اپنے تاثرات میں کہا کہ ماہنامہ "اشرفیہ" کی ترقی اور فکری استحکام میں مولانا مبارک حسین مصباحی کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ صرف مدیر نہیں بلکہ اس کے فکری معمار اور علمی نگہبان تھے۔ معروف قلم کار جاوید بھارتی نے کہا کہ مرحوم کا مطالعہ نہایت وسیع اور گہرا تھا۔ تاریخ، دعوت، اختلافات اور ملی مسائل پر ان کی تحریریں اہل علم کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کی تصنیفی خدمات مدتوں یاد رکھی جائیں گی۔ تعزیت اور اظہار افسوس کرنے والوں میں محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین، علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی، رکن قانون ساز کونسل شاہ عالم گڈو جمالی، سمیت متعدد علما، مشائخ، دانشوران، سیاسی و سماجی شخصیات شامل ہیں۔

THE INQUILAB

قوموں کی حیات اُن کے تخیّل پہ ہے موقوف (اقبال)

انقلاب

قائم شدہ: ۱۹۳۸، بانی: عبدالحمید انصاری مرحوم

الجامعۃ الاشرفیہ کے استاد مولانا مبارک حسین مصباحی کا انتقال

علماء، طلبہ اور عوام کی موجودگی میں اشرفیہ قبرستان میں سپرد خاک، علمی و ادبی حلقوں میں غم کی لہر

مولانا مبارک حسین مصباحی کی نماز جنازہ کا منظر اور انسیٹ میں مولانا مرحوم کی فائل فوٹو

مبارک پور، اعظم گڑھ (رحمت اللہ مصباحی): معروف عالم دین، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ اور جامعہ اشرفیہ کے استاذ مولانا مبارک حسین مصباحی کا طویل علالت کے بعد ۵۹ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ آپ کے انتقال کی خبر سے علمی و ادبی حلقوں، بالخصوص جامعہ اشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ آپ کی نماز جنازہ جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد کے سامنے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ آپ کے خسر عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے امامت کی۔ تدفین ۵ رجون کو بعد نماز جمعہ مزار حافظ ملت سے متصل اشرفیہ قبرستان میں عمل میں آئی۔ آپ کی رہائش گاہ جامعہ اشرفیہ ٹیچر کالونی مبارک پور میں تعزیت پیش کرنے والوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ۱۹۶۷ء میں موضع چھیتولی ضلع رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تعلیم و تربیت کا آغاز اپنی والدہ سے کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ میں ۱۹۸۴ء میں جماعت رابعہ میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۸۹ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ ۱۹۹۰ء میں جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر ہوا اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دینی و علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت آپ کے سپرد کی گئی۔ آپ حافظ و قاری، فاضل و مدرس، قلم کار و خطیب تھے۔ دینی و علمی خدمات، سیاسی بصیرت اور صحافتی صلاحیتوں کے باعث آپ ایک ممتاز شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے۔ آپ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے۔ بلند اخلاق، خوش بیان، ملنسار اور خوش فکر مدیر کی حیثیت سے آپ کو خاص مقام حاصل تھا۔ تقریباً ۳۵ سال تک مسلسل ماہنامہ اشرفیہ کے تاحیات مدیر رہے۔

جامعہ اشرفیہ کے سینئر استاذ مولانا مسعود احمد برکاتی نے کہا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی وفات بلاشبہ علمی، ادبی اور صحافتی دنیا کا ایک بڑا اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مولانا مصباحی صرف ایک فرد نہیں بلکہ بذات خود ایک انجمن اور علم و ادب کا چلتا پھرتا دبستان تھے۔ نماز جنازہ میں شرکت کرنے اور تعزیت پیش کرنے والوں میں علما و مشائخ، حفاظ و قراء، مفتیان کرام، مدرسین، طالبان علوم نبویہ، خانقاہوں کے سجادگان، صحافی، اداروں کے ذمہ داران، قلم کاروں اور سیاسی و سماجی شخصیات کی بڑی تعداد شامل تھی۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کے انتقال پر علمائے کرام کا اظہارِ تعزیت

مولانا اقبال مصباحی　مفتی منظم علی ازہری　قاری الیاس برکاتی　قاری ریاست علی رضوی　سید قمر الدین

نئی دہلی (محمد قاسم شمسی) ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے موقر استاد مولانا مبارک حسین مصباحیؒ کے سانحۂ ارتحال پر دہلی کے علمائے کرام نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اسے علمی، دینی اور صحافتی دنیا کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔ رضا مسجد چوہان بانگر کے خطیب و امام مولانا اقبال احمد مصباحی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا علم و عمل کا پیکر اور منفرد قلمکار تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر رکھی تھی اور الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے ان کی خدمات ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔ جامع مسجد کردم پوری کے خطیب و امام مفتی منظم علی ازہری نے کہا کہ مولانا موصوف اعلیٰ فکری و فقہی بصیرت اور وقار کے مالک تھے۔ ماہنامہ اشرفیہ کے اداریہ کے ذریعے انہوں نے ملت اسلامیہ کی جو قلمی رہنمائی کی، وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

جامعۃ البرکات خورشید العلوم جنتا کالونی کے بانی و مہتمم قاری الیاس برکاتی نے شدید رنج و ملال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا صرف ایک بہترین استاد ہی نہیں بلکہ علم و ادب کے مخلص خادم بھی تھے۔ ان کی رحلت سے علم و حکمت کا ایک عظیم چراغ گل ہو گیا ہے اور ہم اس غم کی گھڑی میں جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ، عملے اور تمام پسماندگان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ الجامعۃ القادریہ برکات رضا، پریم نگر نانگلوئی کے بانی و مہتمم قاری ریاست علی رضوی نے کہا کہ دنیائے سنیت ایک مایہ ناز عالم اور بے باک قلمکار کے سائے سے محروم ہو گئی ہے۔ انہوں نے نصف صدی سے زائد عرصے تک علم کی شمع روشن رکھ کر ہزاروں تشنگان علم کو سیراب کیا اور ان کی ملی تڑپ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ سیاسی و سماجی کارکن مولانا سید قمر الدین نے کہا کہ مولانا مصباحی کی وفات حسرت آیات علمی دنیا کا ایسا حادثہ ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

دنیائے صحافت کا بے باک صحافی وجامعہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر واستاذ مولانا مبارک حسین مصباحی نے داعی اجل کو لبیک کہا

(شاداں رضوی/شان سدھارتھ)

....

مبارک پور، اعظم گڑھ۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے استاذ، میدان صحافت کے بے باک قلم کار وخطیب اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مایہ ناز فرزند وحضور عزیز ملت سربراہ اعلی جامعہ ہذا کے داماد علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا طویل علالت کے بعد شب جمعہ 11 بج کر 45 منٹ پر انتقال ہو گیا۔ آپ کے انتقال کی خبر سے علمی وادبی حلقوں اور جامعہ اشرفیہ وفرزندان اشرفیہ میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ آپ کی نماز جنازہ جامعہ اشرفیہ کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ آپ کی نماز جنازہ عزیز ملت علامہ عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلی جامعہ اشرفیہ نے پڑھائی، تدفین آج بعد نماز جمعہ اشرفیہ قبرستان میں عمل میں آئی۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کی پیدائش 1967 میں ضلع رام پور میں ہوئی، آپ نے تعلیم وتربیت کا آغاز مقامی اسکول و مدارس سے کیا، جہاں سے ناظرہ قرآن مجید مکمل کرنے کے بعد حفظ وقرأت اور کچھ ابتدائی جماعت تک درس نظامی کی تعلیم حاصل کی، پھر اعلی تعلیم کے لئے جامعہ اشرفیہ میں 1984 میں جماعت رابعہ میں داخلہ لیا، اور یہاں سے 1989 میں سند فراغت اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ آپ کا تقرری 1990 میں جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت استاذ ہوئی اور آپ کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دینی اور علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ آپ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں شہر خموشاں کے چراغ، برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب، اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت، عشق رضا کی سرفرازیاں، پیام سیرت وغیرہ کافی معروف ومقبول ہیں۔ آپ مختلف اداروں کے بانی وسرپرست بھی تھے۔ آپ کو متعدد علمی قدآور شخصیتوں اور ولی صفت بزرگوں سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ آپ بلند اخلاق وکردار، خوش بیان انسان، ملنسار عالم دین، خوش فکر مدیر تھے۔ تقریبا 36 سال مسلسل ماہنامہ اشرفیہ کے تاحیات مدیر رہے۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قومی جنرل سکریٹری تھے۔ جامعہ طیبہ شاہ آباد رام پور کے بانی ومہتمم اور آل انڈیا جماعت رضائے مصطفے یوپی کے صدر بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ یوگیوں نے علم و فن اور تہذیب وتمدن کی سانس ساڑھے کا عمل نہیں بتایا ہے شاید اسی لئے ایک خطیب، قوم وملت کی زبان ہوتا ہے تو ادیب وصحافی اس کا دماغ، معلم اس کی روح اور شاعر اس کا دل، ان چاروں کے ہی وجوہ سے قومیں بنتی بھی ہیں بگڑتی بھی اور جیتی بھی ہیں اور مرتی بھی۔ قوم و ملت کی زبان، دماغ یا روح میں سے کوئی ایک عضو بننے کے لئے اہل کمال کو برسوں بیتنے کے بل رینگنا پڑتا ہے، حیرت کی بات ہے کہ مولانا موصوف میں بیک وقت یہ تینوں مجتمع تھیں۔ آپ ایک حساس سنجیدہ قلم کار، جن کے خیالات صالح اور تعمیری ہوا کرتے تھے، اپنی دیگر مصروفیت کے باوجود منصب ادارت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ ان کے دور ادارت میں کئی اہم نمبر نکل چکے ہیں۔ جن کی مختصر فہرست درج ذیل ہے:

پیغمبر اعظم نمبر ۱۹۹۲، انوار حافظ ملت نمبر 1992، تعلیمی کنونشن نمبر 1996، سلطان الہند غریب نواز نمبر 1998، جشن شارح بخاری نمبر 2000، فقیہ اعظم ہند نمبر 2000، انھوں نے کچھ خصوصی شمارے بھی نکالے جیسے سید العلما اور احسن العلما کی حیات و خدمات پر مشتمل "سیدین نمبر" جو ۱۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

آپ کے چند مشہور ادارے جو کتابی شکل میں شائع ہوئے:

(1) افتراق بین المسلمین کے اسباب (۲) جادۂ حق وصداقت (۳) برصغیر میں افتراق بین المسلمین کا آغاز وارتقا (۴) بگڑتے حال بدلتے چہرے (۵) وحید الدین خاں سے دو باتیں۔

یہ اداریے حذف واضافے کے بعد یکجا بنام "برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب" کتابی صورت میں شائع ہوئے، اب تک پانچ ایڈیشن انڈیا سے اور چار ایڈیشن مرکزی مجلس رضا لاہور پاکستان سے شائع ہو کر مفت تقسیم ہوئے۔ ان اداریوں کے ذریعہ انھوں نے قارئین اشرفیہ کے لیے افتراق بین المسلمین کا ایک منصفانہ تاریخی جائزہ پیش کیا، اس کی ابتدا اور ارتقا پر روشنی ڈالی، حق وباطل کے درمیان پورے استدلال کے ساتھ خط امتیاز پیدا کرنے کی اچھی کوشش کی۔ مولانا وحید الدین خان کے پراسرار بظاہر معقول نظریہ کا پردہ فاش کیا، نظریاتی جنگ کے بھیانک نتائج سے قارئین کو آگاہ کیا۔ ۴۸۰ صفحات پر مشتمل بیدیع کتاب "شہر خموشاں کے چراغ" ہے۔ اس میں قریب پچاس شخصیات کے وصال کے غم زدہ مواقع پر تعزیتی تحریریں ہیں۔ ان میں کچھ مختصر اور کچھ طویل نگارشات ہیں، انداز وبیان میں بھی منفرد انداز ہے۔ آپ کی ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ کا معیار مزید بلند ہوا، طباعت، ڈیزائنگ اور کمپوزنگ میں بھی نکھار آیا، اسی کے ساتھ مضامین میں بھی تنوع ملتا ہے، رسالوں میں اس کو اپنے منفرد مقام تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا۔ آپ ایک قابل قلم کار اور ایڈیٹر کی حیثیت سے علمی ومذہبی مضامین کے ذریعے نسل نو کی رہنمائی کرتے رہے۔ آپ کی نماز جنازہ میں مبارک پور اطراف سے دینی وملی شخصیات، علما وعوام وخواص سمیت کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے۔

انقلاب

THE INQUILAB

فردِ مومن کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف (اقبال)

مولانا مبارک حسین مصباحی تجربہ کار صحافی کے ساتھ ہی خوش فکر خطیب اور مبلغ بھی تھے

جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں مولانا مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے پروگرام منعقد، علماء نے رحلت کو ناقابل تلافی نقصان بتایا

مولانا مبارک حسین مصباحی کے ایصال ثواب کیلئے منعقد پروگرام میں موجود علماء وطلبہ

مبارکپور، اعظم گڑھ (رحمت اللہ مصباحی): جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت پر ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، جس میں قرآن خوانی وفاتحہ خوانی کر کے مولانا مرحوم سمیت دیگر مرحومین کی ارواح کو ایصال ثواب کیا گیا۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کے انتقال کے بعد سے ہند وبیرون ہند تعزیت کا سلسلہ جاری ہے۔ پروفیسر سید محمد امین میاں قادری مارہرہ شریف نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا مرحوم ایک تجربہ کار صحافی ہونے کے ساتھ خوش فکر خطیب اور مبلغ بھی تھے۔ مدینہ شریف میں موجود سنی دعوت اسلامی کے امیر مولانا شاکر علی نوری نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ہمارے درمیان سے ایک ایسا عالم رخصت ہوا جس نے اپنی پوری زندگی علم کی خدمت میں صرف کر دی۔ ان کی تحریروں میں علمی وقار، فکری پختگی اور ادبی شائستگی نمایاں تھی۔ مولانا عبید اللہ خان اعظمی نائب صدر مسلم پرسنل لا بورڈ نے کہا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی نصف صدی تک علم و ادب، تحقیق وتصنیف، وعظ وارشاد اور تربیت نسل نو کے میدان میں استقامت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی، مدیر ماہنامہ کنز الایمان دہلی نے کہا کہ علم وقلم کی دنیا کا ایک خاموش مگر موثر چراغ بجھ گیا ہے جس کی روشنی مدتوں اہل علم کے دلوں اور ذہنوں میں باقی رہے گی۔ ڈاکٹر رہبر مصباحی، سابق سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب اور مولانا تحسین رضا مصباحی، ناظم اعلی جامعہ فاطمۃ الزہری دربھنگہ، نیز جاوید بھارتی نے کہا کہ تصنیف وتحقیق کے میدان میں مولانا کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ان کے علاوہ مقامی وبیرونی علما ومشائخ میں صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی، محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، ایم ایل سی شاہ عالم گڈو جمالی، اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ کے سابق رکن ماسٹر ارمان احمد خان سمیت دیگر علما و مشائخ اور سیاسی وسماجی شخصیات نے تعزیت پیش کی۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی دینی وعلمی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، مختلف مدارس کے ذمہ داران کی تعزیت

خیرآباد، مئوناتھ بھنجن (ابو الفیض خلیلی): الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے استاد مولانا مبارک حسین مصباحی کے سانحہ ارتحال پر علمی ودینی حلقوں میں گہرے رنج وغم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد کے ناظم اعلی الحاج اخلاق احمد نے تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کا انتقال ملت اسلامیہ کیلئے ایک عظیم خسارہ ہے۔ وہ ایک کامیاب مدرس، صاحب قلم ادیب اور بہترین مقرر تھے، جنہوں نے پوری زندگی دین اسلام کی خدمت اور اصلاح معاشرہ کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ ان کی دینی اور صحافتی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

مدرسہ تعلیم القرآن نیاپورہ خیرآباد کے ناظم اعلی مولانا نوید الاسلام نے اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے پوری زندگی علم دین کی اشاعت میں گزاری۔ ان کی وفات سے علمی وادبی دنیا ایک مخلص رہنما سے محروم ہو گئی ہے۔ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد کے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد منانی نے تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی ایک باوقار عالم، صاحب قلم ادیب اور بہترین مربی تھے۔ ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا پر ہونا آسان نہیں۔

انقلاب THE INQUILAB
قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف (اقبالؔ)

جامعہ اشرفیہ میں مولانا مبارک حسین مصباحی کی یاد میں تعزیتی پروگرام کا انعقاد

عزیز المساجد میں ایصال ثواب کے پروگرام میں موجود اساتذہ اور طلبہ

مبارکپور، اعظم گڑھ (رحمت اللہ مصباحی): معروف عالم و استاذ اور ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر مولانا مبارک حسین مصباحی کے دسویں کے موقع پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی عزیز المساجد میں قرآن خوانی وایصال ثواب کا پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں جامعہ کے اساتذہ وطلبہ اور دیگر معززین نے شرکت کر کے قرآن خوانی کی۔ اس موقع پر جامعہ کے صدر المدرسین مفتی بدر عالم مصباحی نے مولانا کی حیات وخدمات کے حوالے سے اجمالی مگر جامع خطاب کیا۔ بعدہ فاتحہ خوانی کر کے مولانا مبارک حسین مصباحی کو ایصال ثواب کیا اور ان کی بلندی درجات کی دعائیں کیں۔

اس موقع پر جامعہ کے پرنسپل مفتی بدر عالم مصباحی، مفتی نسیم احمد مصباحی، مفتی ناظم علی مصباحی، مفتی اختر کمال مصباحی، مفتی نفیس احمد مصباحی، مفتی صدر الوریٰ مصباحی، مولانا زاہد علی سلامی، مولانا مسعود احمد برکاتی، نعیم ملت مولانا نعیم الدین عزیزی، ڈاکٹر فہیم عزیزی و محمد عظیم عزیزی سمیت جملہ طلبہ، ذمہ داران واہل خانہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

انقلاب THE INQUILAB
قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف (اقبالؔ)

مولانا مبارک حسین مصباحیؒ بلند پایہ مصنف اور باوقار صحافی تھے

تنظیم نقشبندیہ کے زیر اہتمام منعقد پروگرام سے مولانا مسعود احمد برکاتی کا خطاب

مولانا مسعود احمد برکاتی پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے

مبارکپور، اعظم گڑھ (رحمت اللہ مصباحی): مولانا مبارک حسین مصباحی عصر حاضر کی ان ممتاز علمی وادبی شخصیات میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے تصنیف وصحافت اور خطابت تینوں میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ ایک صاحب علم استاذ، بلند پایہ مصنف اور باوقار صحافی تھے۔ آپ کی تحریروں میں علمی گہرائی، فکری پختگی، زبان کی شائستگی اور دعوتی بصیرت نمایاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام کی اشاعت کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ آپ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے۔

مذکورہ خیالات کا اظہار الجامعۃ الاشرفیہ کے سینئر استاذ مولانا مسعود احمد برکاتی نے تنظیم نقشبندیہ کے زیر اہتمام پھیلی بازار میں منعقد تعزیتی اجلاس میں کیا۔ مولانا موصوف نے مرحوم کی حیات وخدمات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ علماء کے قلم کی روشنائی شہید کے خون سے افضل ہے کیونکہ شہید جام شہادت پیتا ہے تو اس سے صرف اسی کی ذات کو فائدہ ہوتا ہے اور ایک عالم جب قلم اٹھاتا ہے تو اس کے ذریعہ ہزاروں بے راہ رو افراد ہدایت پاتے ہیں۔ صحافت کے میدان میں بھی مولانا کا کردار نہایت نمایاں تھا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا علیہ الرحمہ نے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور اضلاع میں اپنی خطابت کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا بعدہ ایمن محمد آبادی اور شبیر عزیزی نے بارگاہ رسالت میں نعت کا نذرانہ پیش کیا۔ اجلاس کی صدارت مولانا نعیم اختر مصباحی امام جمعہ جامع مسجد راجہ مبارک شاہ اور نظامت حافظ وقاری ریاض احمد نے کی جبکہ سرپرستی نبیرۂ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی نے کی۔

اس موقع پر مہتاب پیامی، حاجی صلاح الدین، ارکان تنظیم حاجی محمد اسماعیل، محمد اسعد، شجاعت اللہ، محمد عرفان، غوث اعظم، نوشاد احمد، علی اصغر، مشتاق احمد، محمد ظہیر، معین الدین، نسیم احمد سمیت کثیر تعداد میں سامعین موجود تھے۔

مولانا محمد مبارک حسین مصباحی کے وصال پر مالیگاؤں سمیت ملک بھر صف ماتم

حضرت نیاز احمد مالیگ (یو کے) مفتی اشفاق عالم امجدی، حضرت غلام فرید چشتی اور نوری مشن کے فرید احمد رضوی نے اپنے تعزیتی پیغام کا اظہار کیا

مالیگاؤں: (خیال اثر) علم وعرفان کی دنیا ایک درخشندہ ستارے سے محروم ہوگئی، صحافت و ادب کی بزم ایک شفیق راہبر سے خالی ہوگئی اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا علمی افق اپنے ایک تابندہ آفتاب کے غروب ہوجانے پر سوگوار ہوگیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے ممتاز استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے کامیاب مدیر، بلند پایہ ادیب، کہنہ مشق صحافی، باکمال محقق اور ہزاروں تشنگان علم کے مربی حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر نے اہل علم و دانش کے قلوب کو غم سے بوجھل اور آنکھوں کو اشکبار کردیا ہے۔ ان کی رحلت محض ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ علم، فکر، قلم، تحقیق، صحافت اور تربیت کے ایک ایسے درخشاں باب کا اختتام ہے جس نے کئی نسلوں کی فکری وعلمی آبیاری کی۔ آپ کی شخصیت ان نابغۂ روزگار اہل علم میں شمار ہوتی تھی جن کی زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت، علم کی اشاعت، قلم کی حرمت اور نسل نو کی تربیت کے لیے وقف تھا۔ آپ نے درس وتدریس کے میدان میں جس اخلاص اور انہماک کے ساتھ خدمات انجام دیں، اسی طرح صحافت وتحریر کے میدان میں بھی اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے نہ صرف علمی وفکری ذوق کی آبیاری کی بلکہ دینی صحافت کو ایک وقار، اعتبار اور معیار بھی عطا کیا۔ ان کی تحریریں علم کی روشنی، فکر کی گہرائی، زبان کی شائستگی اور اخلاص کی خوشبو سے معطر ہوا کرتی تھیں۔ حضرت کی رحلت پر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تلامذہ، متعلقین، عقیدت مندوں اور اہل علم کے دل غم سے نڈھال ہیں۔ مالیگ پریوار کی نمائندگی کرتے ہوئے برطانیہ میں مقیم معروف سماجی و دینی شخصیت حضرت نیاز احمد مالیگ (یو کے) نے اپنے نہایت رقت آمیز اور دل گداز تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر سن کر دل جیسے تھم سا گیا۔ یوں محسوس ہوا کہ علم وادب کا ایک روشن مینار اچانک نظروں سے اوجھل ہوگیا ہو۔ حضرت مصباحی صاحب ان شخصیات میں سے تھے جن کی موجودگی خود ایک ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کی گفتگو میں علم کی وقار آمیز سنجیدگی، ان کے کردار میں اخلاص کی چاشنی، ان کی تحریروں میں فکر کی گہرائی اور ان کی طبیعت میں شفقت ومحبت کا سمندر موجزن تھا۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جب رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ جاتے ہیں جسے مدتوں پر نہیں کیا جاسکتا۔ آج پوری ملت ایک ایسے محسن، مربی اور راہنما سے محروم ہوگئی ہے جس نے اپنی پوری زندگی دوسروں کو سنوارنے اور علم کی شمعیں روشن کرنے میں بسر کردی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں کہ وہ اپنے اس مخلص بندے کو جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے فیوض وبرکات کو قیامت تک جاری رکھے۔ مالیگاؤں کی انتہائی محترم، مکرم اور دیندار شخصیت حضرت غلام فرید چشتی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی وفات کی خبر نہایت اندوہناک اور دل کو زخمی کردینے والی ہے۔ مرحوم ایک ایسے عالم دین تھے جنہوں نے نہ صرف درسگاہوں میں علم بانٹا بلکہ اپنے قلم کے ذریعے بھی ہزاروں ذہنوں کو روشنی عطا کی۔ راقم کو بھی حضرت مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے، اس لیے یہ سانحہ میرے لیے ذاتی طور پر بھی ناقابل بیان صدمہ ہے۔ حضرت کی شفقتیں، علمی رہنمائیاں، اصلاحی نصیحتیں، محبت بھرا انداز اور حسن اخلاق ہمیشہ میرے حافظے کا روشن حصہ رہیں گے۔ استاد دراصل کبھی دنیا سے رخصت نہیں ہوتے، وہ اپنے شاگردوں کے افکار، کردار اور زندگی کے ہر روشن گوشے میں زندہ رہتے ہیں اور حضرت مصباحی صاحب بھی اپنے علمی ورثے کے ذریعے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ جامعہ مصباح العلوم کدتلی کے استاذ و مفتی حضرت مولانا محمد اشفاق عالم امجدی علیمی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ماہر لسان وقلم، فخر صحافت اور ادیب عصر حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے اپنی علمی، فکری اور قلمی خدمات سے ایک پورے عہد کو متاثر کیا۔ آج افق علم کا وہ روشن ستارہ غروب ہوگیا جس کی روشنی سے بے شمار ذہن منور ہوتے تھے۔ کاروان فکر ودانش کا وہ معتبر راہبر رخصت ہوگیا جس کی بصیرت اور رہنمائی پر اہل علم کو اعتماد تھا۔ بزم ادب وصحافت اپنے ایک ایسے شفیق مربی سے محروم ہوگئی جو خود ایک انجمن اور ایک تحریک کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مصباحی صاحب کا قلم محض الفاظ کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ شعور کی بیداری، فکر کی آبیاری، علم کی ترویج اور حقائق کی ترجمانی کا ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ ان کی تحریریں قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی تھیں، اس کے ذہن کو جلا بخشتی تھیں اور اسے علمی افق کی نئی وسعتوں سے آشنا کرتی تھیں۔ ان کا اسلوب نہایت دلکش، متوازن، شائستہ اور علمی وقار کا حامل تھا۔ انہوں نے اپنی نگارشات کے ذریعے دینی صحافت کو نئی سمتیں عطا کیں۔

روزنامہ سماج نیوز دہلی — نئے دور کی نئی سوچ
Daily SAMAJ NEWS Urdu
Email: samajnews1@gmail.com, snurdu@gmail.com
www.samajnews.in
RNI NO: DELURD/2016/67571 | Thursday, 11 June 2026 (Rs. 2.00) {صفحات: 8} 1447ھ | جمعرات 11 جون 2026، مطابق 24 ذی الحجہ | Vol. No.11, Issue No. 26

آہ! علامہ مبارک حسین مصباحی، گلشن اشرفیہ کا ایک پھول مرجھا گیا!!

جاوید اختر بھارتی

یوں تو قانون قدرت ہے کہ جو دنیا میں آیا اسے ایک دن جانا ہے اور اسی قانون قدرت کے مطابق گذشتہ دنوں صحافت وخطابت کی دنیا کا ایک روشن چراغ بجھ گیا، گلشن اشرفیہ کا ایک مہکتا ہوا پھول مرجھا گیا یعنی فخر صحافت وخطابت الجامعۃ الاشرفیہ کے باوقار استاذ اور ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر علامہ مبارک حسین مصباحی کا انتقال ہوگیا جن کے انتقال سے صحافت وخطابت اور درس وتدریس کی فضا سوگوار ہوگئی اور چہار جانب تعزیتی پیغام و پروگرام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نصف صدی سے زائد عرصہ تک علم وادب، تحقیق وتصنیف، وعظ وارشاد اور تربیت نسل نو کے میدان میں نہایت وقار اور استقامت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اردو زبان وادب کی آبیاری، دینی فکر کی ترویج اور ہزاروں طلبہ کی علمی وفکری تربیت کے ذریعے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں، وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

برائے ایصال ثواب علامہ مبارک حسین مصباحی، محفل قرآن خوانی کا اہتمام

ملک وبیرون سے تعزیتی پیغام کا سلسلہ

مبارک پور، اعظم گڑھ (شادان رضوی/شان سدھارتھ)۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی عالی شان جامع مسجد عزیز المساجد میں آج صبح قرآن خوانی برائے ایصال کا اہتمام کیا گیا۔ یہ قرآن خوانی حال میں وفات پانے والے جامعہ اشرفیہ کے سینئر استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر، سینئر استاذ و مایہ ناز صحافی حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے دسویں کے موقع پر ایصال ثواب کے لیے منعقد کی گئی۔ جامعہ ہذا کے، اسٹاف، ملازمین، جملہ اساتذہ کرام وکثیر تعداد میں طلبہ کرام نے کچھ دیر قرآن خوانی کی اور مولانا مرحوم و جملہ مومن و مومنات کی ارواح کو ایصال ثواب کیا اور ان کی بلندی درجات کی خصوصی دعائیں کیں۔ اس موقع پر جامعہ ہذا کے پرنسپل مفتی بدر عالم مصباحی، استاذ مفتی نسیم احمد مصباحی، استاذ مفتی ناظم علی مصباحی، استاذ مفتی اختر کمال مصباحی، استاذ مفتی نفیس احمد مصباحی، استاذ مفتی صدر الوری مصباحی، استاذ مولانا زاہد علی سلامی، استاذ مولانا مسعود احمد برکاتی، نعیم ملت مولانا نعیم الدین عزیزی، ڈاکٹر فہیم عزیزی و محمد عظیم عزیزی سمیت دیگر ذمہ داران و اہل خانہ خاص طور سے موجود تھے۔ علامہ مبارک حسین مصباحی کے وصال کے بعد سے ملک و بیرون ملک سے پیغام تعزیت و اظہار افسوس کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ عالمی شہرت یافتہ مفتی و سراج الفقہاء محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین رضوی نے اپنے پیغام تعزیت میں کہا کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے کثیر فارغین مختلف شعبوں میں اپنی نمایاں خدمات اور کارناموں کی وجہ سے افق ہند پر روشن و منور ہوئے مگر جس ذات گرامی نے مذہبی اور دینی صحافت کی دنیا میں نقوش ثبت کیے اور اس میدان میں اپنی خوبیوں اور کمالات کی بدولت شہرت و بلندی کے نصف النہار پر پہنچے اسے اہل علم وخرد مبارک حسین مصباحی" کے نام سے جانتے ہیں۔ معروف شخصیت و مضمون نگار جاوید اختر بھارتی نے کہا کہ مولانا موصوف نصف صدی سے زائد عرصہ تک علم و ادب، تحقیق و تصنیف، وعظ و ارشاد اور تربیتِ نسلِ نو کے میدان میں نہایت وقار اور استقامت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اردو زبان و ادب کی آبیاری، دینی فکر کی ترویج اور ہزاروں طلبہ کی علمی و فکری تربیت کے ذریعے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں، وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کی تحریروں میں علم کی گہرائی، فکر کی پختگی اور زبان کا حسن نمایاں تھا، جبکہ آپ کی خطابت اخلاص، دردِ امت اور دعوتِ حق کا آئینہ دار تھی۔ بڑوسی ملک سے مولانا الیاس قادری نے ان کی وفات کی خبر سن کر نہایت غم و افسوس کا اظہار کیا۔ دار العلوم انوار مصطفی کے مہتمم و شیخ الحدیث نے انتہائی غم کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ کا وصال یقیناً علمی و دینی حلقوں جامع اشرفیہ، تنظیم ابنائے اشرفیہ، اہل سنت و جماعت اور اپ کے ہزاروں شاگردوں، محبین اور متعلقین کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی خسارہ ہے، اس حادثۂ جانکاہ سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔ قومی صدر ایم، ایس، آف انڈیا مولانا محمد عارف القادری واحدی نے کہا کہ جامعہ اشرفیہ کی علمی ماحول میں آپ کی تدریسی خدمات، قلمی کاوشیں اور ماہنامہ اشرفیہ کے ذریعے علمی و فکری رہنمائی ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں، آپ نے ہمیشہ اعتدال، سنجیدگی، تحقیق اور اخلاص کو اپنا شعار بنایا اور اپنی شخصیت کے ذریعے بے شمار طلبہ، علماء اور اہل قلم کو متاثر کیا۔ ان کے علاوہ صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی و جملہ اساتذہ کرام و ملازمین، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف سے مولانا خلیل اللہ نظامی، خانقاہ فیض الرسول سدھارتھ نگر سے غلام عبد القادر علوی ناظم اعلی دار العلوم اہل سنت فیض الرسول، خانقاہ مارہرہ مطہرہ سے سید نجیب حیدر نوری و سید محمد اشرف و سید محمد امین قادری سمیت دیگر علماء، فضلا، مشائخ، پیران عظام، اور سیاسی و سماجی شخصیات تعزیت پیش کرنے والوں میں شامل ہیں۔

مبارک حسین مصباحی کا وصال علمی دنیا کا بڑا خسارہ: قاری محمد یوسف عزیزی

ناظم جامعۃ القراء کھدرا لکھنؤ کا تعزیتی بیان

مرحوم کی خدمات کو ناقابل فراموش قرار دیا

لکھنؤ (پریس ریلیز): ناظم جامعۃ القراء کھدرا، لکھنؤ، قاری محمد یوسف عزیزی قادری نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ کے معروف استاذ، ممتاز عالم دین اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا محمد مبارک حسین مصباحی کے وصال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اسے علمی، دینی اور فکری حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ قرار دیا ہے۔

اپنے تعزیتی بیان میں انہوں نے کہا کہ مرحوم نے اپنی پوری زندگی اشاعت علوم دینیہ، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور ملت اسلامیہ کی فکری و دینی رہنمائی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ان کی علمی بصیرت، سنجیدہ طرز فکر، اخلاص اور متانت اہل علم کے لیے ہمیشہ مشعل راہ رہیں گی۔ ان کے وصال سے علمی دنیا ایک ایسے صاحب علم و قلم سے محروم ہو گئی ہے جس کی خدمات مدتوں یاد رکھی جائیں گی۔

قاری محمد یوسف عزیزی قادری نے کہا کہ مبارک حسین مصباحی کا انتقال بالخصوص اہل سنت والجماعت کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ان کی تدریسی، تحقیقی اور فکری خدمات ایک قیمتی علمی ورثہ ہیں جو آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور پسماندگان، متعلقین، تلامذہ، احباب اور تمام عقیدت مندوں کو صبر جمیل اور اجر عظیم نصیب فرمائے۔

'جو حق کے ساتھ کھڑا ہو وہی حسینی ہے' مصرعہ طرح پر فروغ نعت کی ماہانہ نشست

ماہانہ طرحی نشست کا منظر

مبارک پور، اعظم گڑھ (نامہ نگار): بزم فروغ نعت کی ۹۴ ویں ماہانہ طرحی نشست محلہ پورہ رانی ڈاکٹر محمد خالد اشرفی مرحوم کے مکان پر منعقد ہوئی، پروگرام کا آغاز قاری افتخار احمد کی تلاوت قرآن سے ہوا، صدارت قاری افتخار احمد اور نظامت ماسٹر عبد العزیز مبارکپوری نے کی۔ بزم کے کنوینر مہتاب پیامی نے تعزیتی خطاب میں کہا کہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔ انھوں نے مولانا ڈاکٹر احسان احمد مصباحی کا بھی خصوصی ذکر کیا، جن کی تدفین گزشتہ روز، ۲۰ رجون کو عمل میں آئی تھی۔ اس کے بعد مصرعہ طرح 'جو حق کے ساتھ کھڑا ہو وہی حسینی ہے' کے تحت شعراء نے بارگاہ نبوی میں منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ پسندیدہ اشعار نذر قارئین ہیں۔

ہو کوئی اپنا یزیدی تو مار دو ٹھوکر
گلے لگا لو اگر اجنبی حسینی ہے
امتیاز ابراہیم پور

چھلکا رہا ہوں عقیدت سے ہے یہ نذر حسینؓ
مرے گلاس میں صہبا بھری حسینی ہے
بشر مبارکپوری

عمل سے بھی وہ کرے اپنے کچھ نہ کچھ ثابت
کوئی بھی شخص اگر واقعی حسینی ہے
شاکر املوی

مرا قبیلہ مرا خاندان میرا گھر
حسینی کل بھی تھا اور آج بھی حسینی ہے
ارشاد مبارکپوری

تمہارے نام سے پہلے کوئی حسین نہ تھا
تمہارے بعد کا ہر امتی حسینی ہے
عارفی محمد آبادی

اس کے علاوہ مہتاب پیامی، فیصل امین مبارکپوری، ناظر ابراہیم پوری، وسیم املوی، فیضان مبارکپوری، حیات النبی ابراہیم پوری، انیس مبارکپوری، رفیق مبارکپوری، دانش مبارکپوری، فائق مبارکپوری، اکمل مبارکپوری، ابو دجانہ حنظلہ وغیرہ نے بھی اپنا کلام پیش کیا۔ پروگرام کا اختتام صلوۃ و سلام پر ہوا۔

کنوینر مہتاب پیامی، ارشاد مبارکپوری نے سامعین کا شکریہ ادا کیا اور آئندہ ماہ کیلئے مصرعہ طرح 'مرے بھی دل کو حرا بنائیں حضور آئیں' کا اعلان کیا، اس موقع نعیم اللہ ابراہیم پوری، شمس الدین، افتخار احمد، حاجی ریاض احمد، شفیق احمد، صوفی رئیس احمد، جاوید اختر کے علاوہ کثیر تعداد میں سامعین موجود تھے۔

HINDUSTAN
ہندستان ممبئی
www.thehindustandaily.com
07 Jun 2026 - Page 7

مبارک پور کے حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال پر مالیگاؤں سمیت ملک بھر کے علمی ودینی حلقوں میں صفِ ماتم

مالیگاؤں: (عیاں اثر) علم وعرفان کی دنیا ایک درخشندہ ستارے سے محروم ہوگئی، صحافت وادب کی بزم ایک شفیق راہبر سے خالی ہوگئی اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا علمی افق اپنے ایک تابندہ آفتاب کے غروب ہوجانے پر سوگوار ہوگیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے ممتاز استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے کامیاب مدیر، بلند پایہ ادیب، کہنہ مشق صحافی، باکمال محقق اور ہزاروں تشنگان علم کے مربی حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر نے اہل علم ودانش کے قلوب کو غم سے بوجھل اور آنکھوں کو اشکبار کردیا ہے۔ ان کی رحلت محض ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ علم، فکر، قلم، تحقیق، صحافت اور تربیت کے ایک ایسے درخشاں باب کا اختتام ہے جس نے کئی نسلوں کی فکری و علمی آبیاری کی۔ آپ کی شخصیت ان نابغۂ روزگار اہل علم میں شمار ہوتی تھی جن کی زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت، علم کی اشاعت، قلم کی حرمت اور نسل نو کی تربیت کے لیے وقف تھا۔ آپ نے درس وتدریس کے میدان میں جس اخلاص اور انہماک کے ساتھ خدمات انجام دیں، اسی طرح صحافت وتحریر کے میدان میں بھی اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے نہ صرف علمی وفکری ذوق کی آبیاری کی بلکہ دینی صحافت کو ایک وقار، اعتبار اور معیار بھی عطا کیا۔ ان کی تحریریں علم کی روشنی، فکر کی گہرائی، زبان کی شائستگی اور اخلاص کی خوشبو سے معطر ہوا کرتی تھیں۔ حضرت کی رحلت پر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تلامذہ، متعلقین، عقیدت مندوں اور اہل علم کے دل غم سے نڈھال ہیں۔ مالیگ پریوار کی نمائندگی کرتے ہوئے برطانیہ میں مقیم معروف سماجی ودینی شخصیت حضرت نیاز احمد مالیگ (یوکے) نے اپنے نہایت رقت آمیز اور دل گداز تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر سن کر دل جیسے تھم سا گیا۔ یوں محسوس ہوا کہ علم وادب کا ایک روشن مینار اچانک نظروں سے اوجھل ہوگیا ہو۔ حضرت مصباحی صاحب ان شخصیات میں سے تھے جن کی موجودگی خود ایک ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کی گفتگو میں علم کی وقار آمیز سنجیدگی، ان کے کردار میں اخلاص کی چاشنی، ان کی تحریروں میں فکر کی گہرائی اور ان کی طبیعت میں شفقت ومحبت کا سمندر موجزن تھا۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جب رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ جاتے ہیں جسے مدتوں پر نہیں کیا جاسکتا۔ آج پوری ملت ایک ایسے محسن، مربی اور راہنما سے محروم ہوگئی ہے جس نے اپنی پوری زندگی دوسروں کو سنوارنے اور علم کی شمعیں روشن کرنے میں بسر کردی۔ ہم اللہ تعالی کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں کہ وہ اپنے اس مخلص بندے کو جوار رحمت میں اعلی مقام عطا فرمائے اور ان کے فیوض وبرکات کو قیامت تک جاری رکھے۔

مالیگاؤں کی انتہائی محترم ومکرم اور دیندار شخصیت حضرت غلام فرید چشتی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی وفات کی خبر نہایت اندوہناک اور دل کو زخمی کردینے والی ہے۔ مرحوم ایک ایسے عالم دین تھے جنہوں نے نہ صرف درسگاہوں میں علم بانٹا بلکہ اپنے قلم کے ذریعے بھی ہزاروں ذہنوں کو روشنی عطا کی۔ راقم کو بھی حضرت مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے، اس لیے یہ سانحہ میرے لیے ذاتی طور پر بھی ناقابل بیان صدمہ ہے۔ حضرت کی شفقتیں، علمی رہنمائیاں، اصلاحی نصیحتیں، محبت بھرا انداز اور حسن اخلاق ہمیشہ میرے حافظے کا روشن حصہ رہیں گے۔ استاد دراصل کبھی دنیا سے رخصت نہیں ہوتے، وہ اپنے شاگردوں کے افکار، کردار اور زندگی کے ہر روشن گوشے میں زندہ رہتے ہیں اور حضرت مصباحی صاحب بھی اپنے علمی ورثے کے ذریعے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

جامعہ مصباح العلوم کوکنی کے استاذ ومفتی حضرت مولانا محمد اشفاق عالم امجدی علیمی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ماہر لسان وقلم، فخر صحافت اور ادیب عصر حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے اپنی علمی، فکری اور قلمی خدمات سے ایک پورے عہد کو متاثر کیا۔ آج افق علم کا وہ روشن ستارہ غروب ہوگیا جس کی روشنی سے بے شمار ذہن منور ہوتے تھے۔ کاروان فکر ودانش کا وہ معتبر راہبر رخصت ہوگیا جس کی بصیرت اور رہنمائی پر اہل علم کو اعتماد تھا۔ بزم ادب وصحافت اپنے ایک ایسے شفیق مربی سے محروم ہوگئی جو خود ایک انجمن اور ایک تحریک کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مصباحی صاحب کا قلم محض الفاظ کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ شعور کی بیداری، فکر کی آبیاری، علم کی ترویج اور حقائق کی ترجمانی کا ایک موثر ذریعہ تھا۔ ان کی تحریریں قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی تھیں، اس کے ذہن کو جلا بخشتی تھیں اور اسے علمی افق کی نئی وسعتوں سے آشنا کرتی تھیں۔ ان کا اسلوب نہایت دلکش، متوازن، شائستہ اور علمی وقار کا حامل تھا۔ انہوں نے اپنی نگارشات کے ذریعے دینی صحافت کو نئی سمتیں عطا کیں اور علمی دنیا کو گراں قدر سرمایہ فراہم کیا۔ حضرت مصباحی علیہ الرحمہ کی ایک عظیم خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ نوآموز قلم کاروں اور نوجوان اہل علم کی سرپرستی کو اپنے فرائض میں شامل سمجھتے تھے۔ بے شمار مصروفیات کے باوجود وہ نوجوان لکھنے والوں کی تحریریں پڑھتے، اصلاح فرماتے، حوصلہ افزائی کرتے اور انہیں قلم وقرطاس سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے۔ آج ملک کے مختلف گوشوں میں جو درجنوں قلم کار، صحافی اور اہل علم خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں سے بہت سے افراد خود کو حضرت کی تربیت اور دعاؤں کا ثمرہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی رحلت نے اس حقیقت کو پھر تازہ کردیا کہ دنیا میں باقی رہنے والی چیز نہ منصب ہے، نہ شہرت اور نہ ہی دنیاوی جاہ وحشمت، بلکہ وہ علم، کردار، اخلاص اور خدمت ہے جو انسان اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت مصباحی صاحب خوش نصیب تھے کہ انہوں نے اپنے پیچھے کتابوں، مضامین، شاگردوں، اداروں اور علمی خدمات کی ایسی روشن دنیا چھوڑی ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔

نوری مشن مالیگاؤں کے فعال رکن جناب فرید احمد رضوی نے مختصر مگر پراثر تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا وصال اہل سنت کے علمی وصحافتی حلقوں کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے۔ آپ کی خدمات، اخلاص، علم دوستی اور نسل نو کی تربیت کے لیے انجام دی جانے والی جدوجہد ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اللہ تعالی مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے علمی مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج اگرچہ حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن ان کا روشن کردار، ان کی علمی عظمت، ان کی تحریروں کی خوشبو، ان کی شفقتوں کی حرارت اور ان کی خدمات کا نور ہمیشہ اہل علم کے دلوں میں زندہ رہے گا۔ ایسے لوگ دنیا سے رخصت ضرور ہوتے ہیں مگر تاریخ کے صفحات، شاگردوں کی یادوں اور ملت کی اجتماعی شعور میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالی اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو انوار وتجلیات کا گہوارہ بنائے، درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، تمام لواحقین، تلامذہ، متعلقین اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وہ شخص چلا گیا مگر اپنا چراغ چھوڑ گیا
ہر سمت علم وفکر کا اک آفتاب چھوڑ گیا

ہم نے یہاں اخبارات کی کٹنگ پیش کی ہے ان میں مولانا مبارک حسین مصباحی کے سانحۂ ارتحال پر منعقدہ تعزیتی اجلاس اور علمائے کرام و ملتِ اسلامیہ کے گہرے رنج و ملال کی تفصیلات موجود ہیں۔ مقتدر علمائے کرام نے جس طرح مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا، وہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ علامہ مصباحی کا رخصت ہونا صرف کسی ایک ادارے کا نہیں، بلکہ پوری دینی، تعلیمی اور مذہبی دنیا کا ایک ایسا ناقابلِ تلافی نقصان ہے جس کی تلافی آنے والے طویل عرصے تک ممکن نہیں ہے۔ ان اخباری تراشوں کے آئینے میں مرحوم کی سادگی، بے پناہ علم دوستی اور طلبہ و مخلصین کے دلوں میں ان کی گہری محبت صاف دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ اخباری بیانات اور ملک گیر تعزیتی نشستیں دراصل اس سچائی کا اعتراف ہیں کہ مولانا مبارک حسین مصباحی اپنے علمی و صحافتی اوصاف کی بنا پر ملک و ملت کا ایک مشترکہ اثاثہ تھے۔ ان کا فکر انگیز قلم، ان کی جرات مندانہ صحافت اور سحر انگیز خطابت اب تاریخ کے روشن صفحات میں محفوظ ہو چکی ہے۔ ہندو پاک کے علمی حلقوں سے اٹھنے والی دعائیہ آوازیں گواہ ہیں کہ ان کی دینی و تعلیمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور ان کی باکمال شخصیت نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ بن کر ان کے قلوب و اذہان کو جھنجھوڑتی رہے گی۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے تمام پس ماندگان کو صبرِ جمیل توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

*****

خیر و خبر

دار العلوم امام اعظم للبنات بلرام پور میں تعزیتی نشست

یہ جان بے حد ملال ہوا کہ ماہر علم فن حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ و استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا انتقال پر ملال ہو گیا۔(اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○)

موصوف گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے ان کی رحلت سے جماعت اہل سنت کا عظیم خسارہ ہوا وہ باصلاحیت عالم دین تھے علم و ادب کی دنیا میں ممتاز ترین شخصیت کے مالک تھے قوم وملت کے ہمدرد تھے عمدہ اخلاق تواضع وانکسار ان کی شناخت تھی اکابر کی بارگاہوں میں نہایت مؤدب اور اصاغر پر شفقتوں کا سائبان تھے۔

مورخہ 20 ذی الحجہ 1447ھ مطابق 7 جون 2026ء بروز اتوار دارالعلوم امام اعظم للبنات بلرام پور میں قاضی شہر حضرت علامہ مفتی محمد مسیح احمد قادری کی صدارت اور معمار قوم ملت حضرت علامہ و مولانا محمد عمر رضوی کی قیادت میں ایک تعزیتی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں شہر کے علمائے کرام قرّا و حفاظ نے شرکت کی اور قرآن خوانی و ایصال ثواب کی مجلس منعقد ہوئی۔

مولیٰ تعالیٰ عزیز ملت و جملہ لواحقین اور پسماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

تعزیتی میٹنگ اور ایصال ثواب کی محفل میں حضرت علامہ عبد القیوم مصباحی شیخ الحدیث دار العلوم ہذا اور جملہ اسٹاف کے ساتھ ساتھ قاری فریاد حسین قادری، قاری محمد نعیم برکاتی، مولانا قاسم اختر قادری، قاری محمد شکیل، حافظ محمد ارمان، حافظ سید علی وغیرہ نے شرکت کی۔

سوگوار:

مفتی محمد مسیح احمد قادری (قاضی شہر بلرام پور)

(مولانا) **محمد عمر رضوی** (بانی و مہتمم دار العلوم ہذا)

الجامعۃ الاشرفیہ میں سید معین میاں اور سید جامی اشرف کی آمد

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سینئر استاذ اور ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال پر تعزیت و اظہارِ افسوس کا سلسلہ جاری ہے۔اسی سلسلے میں 7 جون 2026ء کو حضرت مثنی میاں کے صاحب زادے، حضرت سید معین میاں صدر سنی جمیعت العلما ممبئی اور حضرت سید جامی میاں اشرف جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے۔ انھوں نے جامعہ اشرفیہ کے سربراہِ اعلیٰ عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ مصباحی عزیزی اور نعیم ملت حضرت علامہ محمد نعیم الدین عزیزی مصباحی صاحبان سے ملاقات کر کے مولانا مبارک حسین مصباحی کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور تعزیت پیش کی۔

بعد ازاں دونوں حضرات مرحوم کے دولت کدہ پر پہنچے، جہاں اہلِ خانہ اور سوگواران سے ملاقات کی، انھیں صبر و استقامت اور شکرِ الٰہی کی تلقین فرمائی، نیز مولانا مرحوم کی قبر انور پر پہنچ کر مغفرت اور بلندی درجات کی دعائیں کیں۔

اس موقع پر جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ، طلبہ اور عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد موجود رہی۔

از: **شادان رضوی**

جامعہ صمدیہ میں محفل ایصال ثواب کا انعقاد

9ذی الحجہ 1447ھ مطابق 6 جون 2026ء ، بروز ہفتہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے موقر استاد، صاحب طرز ادیب اور کہنہ مشق صحافی حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی رحلت پر جامعہ صدیہ دار الخیر، پھپھوند شریف میں قرآن خوانی و محفل ایصال ثواب کا انعقاد کیا گیا، جس میں جامعہ کے ناظم اعلیٰ حضرت سید غلام عبد الصمد میاں چشتی مدظلہ العالی نے حضرت کی رحلت پر پس ماندگان کو تعزیتی کلمات پیش کرتے ہوئے ان کے لیے مغفرت و بلندی درجات کی دعا فرمائی۔ اس موقع پر جامعہ کے اساتذہ و طلبا شریک رہے۔

از: **خلیل اللہ نظامی**

6جون2026ء

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن میں ایصال ثواب اور تعزیتی تقریب کا انعقاد

علامہ مبارک حسین مصباحی قلم اور زبان دونوں پر یکساں عبور رکھتے تھے: صدر القراء قاری ذاکر علی قادری

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے استاذ، نامور عالم دین علامہ مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ کے انتقال پر بتاریخ 6جون 2026ء بروز شنبہ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ میں تعزیتی تقریب منعقد ہوئی۔ جس کا آغاز قاری شہید الاسلام ضیائی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کے پرنسپل، صدر القراء حضرت قاری ذاکر علی قادری نے اپنے غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ علامہ مبارک حسین مصباحی کا شمار ممتاز علماے کرام میں ہوتا تھا۔ آپ ہمارے دیرینہ کرم فرما تھے۔ آپ کی وفات نہ صرف حضور عزیز ملت صاحب، جامعہ اشرفیہ اور مصباحی برادران کے لیے ایک غم ناک واقعہ ہے بلکہ پوری جماعت اہل سنت کا عظیم خسارہ ہے۔ اللہ نے علامہ موصوف کو گوناگوں خوبیوں اور علمی کمالات سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ نے قرطاس و قلم، تصنیف و تالیف، تقریر و خطابت، تحریک و تنظیم اور صحافتی میدان میں ایسا نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے جسے رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔

انھوں نے کہا کہ علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ مثبت اور تعمیری سوچ کے حامل تھے۔ قلم اور زبان دونوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ تیس سال سے زائد عرصہ تک ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کی اور متعدّد رسائل و کتب تصنیف کر کے نہ صرف قلمی صلاحیت کا لوہا منوایا بلکہ بے شمار طلبہ اشرفیہ کی پرورش لوح و قلم فرما کر تصنیفی و صحافتی میدان میں پائے جانے والے خلا کو بھی پر کیا۔ اللہ رب العزت علامہ مصباحی علیہ الرحمہ کی تمام دینی خدمات کو قبول فرما کر ان کی بخشش فرمائے اور حضور عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ عزیزی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ و تمام متعلقین کو صبرِ جمیل کی توفیق سے سرفراز فرمائے اور اہل خانہ کی حفاظت فرمائے۔

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کے استاذ مولانا قاری محمد عرفان قادری نے تعزیتی بیان میں کہا کہ علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت مذہبی صحافت کے ایک دور کا خاتمہ ہے۔ علامہ کی تحریریں ہوں یا تقریریں تقاضاے وقت کے مطابق ہوتی تھیں۔ وہ صرف عالم دین نہ تھے بلکہ مفکر و دانشور بھی تھے، وہ فکر رضا اور فکر حافظ ملت کے سچے ترجمان تھے، انھوں نے تبلیغ مسلک و مذہب کے لیے پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کی جانب اہل سنت کی توجہ اس وقت مبذول کرائی جس وقت کہ انٹرنیٹ و کمپیوٹر کا استعمال ہمارے یہاں شجر ممنوعہ کے درجے میں تھا۔ مولانا قادری نے کہا کہ اخلاقی اعتبار سے بھی علامہ کا قد بہت بلند تھا۔ وہ انتہائی خلیق، ملنسار اور اصاغر نواز تھے۔ مجھ جیسے طالب علم کے متعدّد مضامین کو ماہنامہ اشرفیہ میں جگہ دی۔ (باقی ص:338 پر)

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)
(Mob. No.) 9450109981
(Mumbai Office) 022-23726122
www.aljamiatulashrafia.org
Email: info@aljamiatulashrafia.org

JUL-AUG 2026

جہان مخدوم اشرف

بفضلہ تعالیٰ حضور مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز کی حیات وخدمات، کشف وکرامات، بلکہ آپ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے والی دو سو سے زائد قدیم وجدید عربی، فارسی، اردو اور انگریزی مستند کتب ورسائل اور مقالات سے ماخوذ تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر صفحات پر مشتمل عظیم الشان کتاب بنام "جہان مخدوم اشرف" جانشین سرکار شاہ میراں حضور رئیس ملت رئیس ملت اور آپ کے فرزندارجمند حضور رئیس العلماء کی انتھک کوششوں سے منظر عام پر آچکی ہے جس کو رئیس ملت اسلامک ریسرچ سینٹر کھمبات شریف اور رضا اکیڈمی ممبئی نے خوبصورت ودیدہ زیب ودیدہ زیب انداز میں چھاپا ہے کتاب حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل نمبرات پر رابطہ قائم کریں۔

8416960925, 7016753076